

فیوض التَّضْوِیۃ
فِی
تشریحاتِ الحدیث

المُعَرَّب

شرح حدیث

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب
کی جامع و مستند اور شرح

کتاب
العنق

باب اللعان
العدد

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبد اللہ بن عثمان

ترجمہ و شرح

علامہ محمد ریاض علی ضوی



علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

@zohaibhasanattari

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زوحیب حسن عطاری

وہ جسے چاہے سید راہ کی ہدایت فرماتا ہے

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویۃ فی تشریحات الحدیث

المعروف

جلد ہفتم

شرح حدیث

کتاب العتاق

باب اللعان، العدة

ترجمہ شیخ

علامہ محمد زلیقشت علی ضوی

استاذ الفقه، جامعہ شہابیتہ، چتر گڑھ لاہور

تصنیف

امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل القفغانی

زبیہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز



الہدیۃ الیوم

مجلد حقوقہ ملکیت بحق نامہ محفوظ ہے

ترتیب

باہتمام ملک شیریں

سن اشاعت 2012ء رمضان المبارک 1433ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور

کمپننگ ورڈز میکر

سرورق اے ایف ایس اینڈ وٹاؤٹس 0322-7202212

قیمت -/- روپے



ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

فیوضات رضویہ (جلد ہفتم)

﴿۳﴾

تشریحات ہدایہ

ترتیب

۲۱	حکم لعان کے نزول کا بیان	۱۳	مقدمہ رضویہ
۲۳	لعان کے حکم کا بیان	۱۳	حضرت امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کے اسباب
۲۳	لعان کے بنیادی اصول کا فقہی بیان	۱۳	امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ
۲۵	دور نبوی ﷺ میں طلاق طلاق کا نفاذ	۱۳	حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات
۲۸	لعان کا کنایہ واستعارہ سے عدم ثبوت کا بیان	۱۳	خلافت فاروقی میں تدوین فقہ
۲۸	لعان کے قسم سے پہلو جی کرنے میں مذاہب اربعہ	۱۵	فقہ کی تاریخی اہمیت کا بیان
۲۸	اقرار سے ثبوت حد اور مسودہ کی جعل سازی	۱۵	مسائل فقہ کی اشاعت کا اہتمام
۲۹	تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ	۱۵	مسائل فقہیہ میں اجماع
۲۹	میں عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے	۱۶	مسائل فقہیہ میں اجماع
۳۰	لعان کی شرائط کا فقہی بیان	۱۶	فقہ کی تعلیم کا انتظام
۳۱	شوہر کے قلام کا فریاد محدود فی تلافی ہونے کا حکم	۱۷	فقہاء کی تحفہ ہیں
۳۳	بیوی کے کنیز کا فریاد محدود فی تلافی ہونے کا حکم	۱۸	معلمین فقہ کی رفعت شان
۳۳	وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا	۱۸	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا
۳۳	محدود تلافی ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ	۱۸	حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد
۳۳	شرائط لعان شوافع و احناف کا اختلاف	۱۸	مذاہب اربعہ کی تدوین کے زمینی قرائن
۳۵	لعان کرنے کے طریقے کا بیان	۱۹	فقہائے کوفہ اور فقہ حنفی کی اساس
۳۶	لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات	۲۰	امام ترمذی کی فقاہت اور فقہ حنفی
۳۹	لعان کے بعد تفریق کا بیان	۲۰	امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد
۴۱	لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ		
۴۲	لعان کے حکم کا فقہی بیان		
۴۲	بیچ کی نفی کی صورت میں لعان کا طریقہ		
۴۳	بیچ کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان		

باب البیان

۲۱	باب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان
۲۱	لعان کے فقہی مفہوم کا بیان

۲۹	عدت کی مدت کا بیان	۲۴	تہت زما سے ثبوت لہان کا بیان
۲۹	عدت کی ابتدائی وقت کا بیان	۳۴	عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لہان کا حکم
۷۰	آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے	۳۵	شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں
۷۰	قرۃ کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ	۳۶	حمل کی نفی پر لہان کرنے کا بیان
۷۲	قرۃ سے مراد طہر میں فقہاء شوافع کا استدلال	۳۷	حالت حمل کے لہان میں فقہی مذاہب اربعہ
۷۳	قرۃ سے مراد کیا ہے؟	۳۸	دعویٰ نسب میں بچے کی نفی کا اقرار
۷۳	حاملہ غیر حاملہ کا تعین حیض سے ہوتا ہے		باب العنین وغیرہ
	فقہاء شوافع چنانچہ سے قرۃ کے معنی میں فقہاء احناف کی	۵۱	باب عنین کی فقہی مطابقت کا بیان
۷۵	ترجیح کا بیان	۵۱	عنین کا فقہی مفہوم
	اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت مہینے کے اقرار	۵۱	عنین کو دی جانے والی مہلت کا بیان
۷۶	سے ہوگی	۵۲	عنین کیلئے مدت سال میں فقہی تصریحات
۷۶	آنکھ کی عدت میں فقہی تصریحات	۵۲	مہلت کے بعد عدم قدرت پر ہونے والی علیحدگی کا حکم
۷۸	آنکھ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ	۵۳	عنین اور اس کی بیوی کے احکام
۷۹	حاملہ عورت کی عدت کا اختتام وضع حمل پہ ہوگا	۵۵	عنین کیلئے شرعی مہلت کا بیان
۸۰	حاملہ کی عدت و نکاح ثانی میں مذاہب فقہاء	۵۶	مہلت میں قمری سال کا اعتبار ہوگا
۸۲	باندی کی عدت میں مذاہب فقہاء	۵۶	بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا
۸۳	وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان	۵۷	پیدا ہونے کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
۸۳	بیوہ عورت کی عدت کا بیان	۵۸	بیماریوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان
۸۳	دور جاہلیت کی عدت و وفات کے منسوخ ہونے کا بیان	۵۹	فسخ نکاح کے ذرائع و اسباب
۸۶	باندی کی عدت و وفات میں فقہی مذاہب اربعہ	۶۰	باپ و دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ پر مذاہب اربعہ
۸۷	حاملہ بیوہ عورت کی عدت کا بیان	۶۱	شوہر کے کن عیب کی دلیل سے عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا
۸۸	حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء	۶۲	جذام سے بچنے کے فقہی مفہوم میں احادیث
۸۹	مطلقہ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم	۶۳	بیماری اثر کرنے لگنے میں فقہی تصریحات
۹۰	عدت طلاق و عدت وفات کے صحیح ہونے کا بیان		باب النجدة
	اگر مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی	۶۷	عدت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان
۹۱	کی عدت کا حکم	۶۷	عدت کا لغوی و فقہی مفہوم
۹۲	ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ	۶۸	عدت کے مقاصد کا بیان
	آنکھ عورت اگر خون دیکھ لے تو اس کی عدت نئے سرے سے	۶۸	عدت کی حکمت کا بیان

۹۳	شروع ہوگی	۹۳	سوگ کے فقہی احکام و مسائل
	دوران حمل جاری ہونے والے خون کی صورت میں عدت	۱۲۷	کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں
۹۴	کا بیان	۱۲۸	عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا بیہوش نہیں دیا جاسکتا
۹۵	پاک یا حائل کی حالت میں طلاق کی اباحت کا بیان	۱۲۹	حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان
۹۷	فاسد نکاح کی منکوحہ یا موطوءہ پر شبہ کی عدت کا حکم	۱۳۰	معتذرہ سے بطور اشارہ کلام کرنے کا بیان
۹۸	ام ولد کی تین حیض عدت کا بیان	۱۳۰	طلاق یافتہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی
۹۹	نابالغ شخص کی حاملہ بیوہ کی عدت کا حکم	۱۳۳	معتذرہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب
۱۰۱	شوہر کی وفات کے بعد بڑی عمر کی بیوہ کے حاملہ ہونے کا حکم	۱۳۳	عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر میں قیامت پذیر ہے گی
۱۰۲	جس حیض میں عورت کو طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا	۱۳۵	دوران عدت ازواج کو ٹھہرانے کا بیان
۱۰۳	حیاض طلاق کو طہار طلاق پر قیاس نہ کرنے کا فقہی بیان	۱۳۶	عدت و وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ
۱۰۳	دو عدتوں میں تراخل کا فقہی بیان	۱۳۷	عدت کے دوران میاں بیوی کے درمیان پردے کا بیان
۱۰۴	دو عدتوں میں تراخل و عدم تراخل کا فقہی بیان	۱۳۸	عدت ہائے عیال میں زوجین مثل اجنبی ہیں
۱۰۶	عقب طلاق عدت کے آغاز کا بیان	۱۳۸	اگر سفر کے دوران عورت مطلقہ یا بیوہ ہو جائے؟
۱۰۷	وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان	۱۴۰	صاحبین کی دلیل اور اس کے جواب کا بیان
۱۰۹	تختہ ہونے میں عورت کے قول کے اعتبار کا بیان	۱۴۰	حرمت سفر سبب محرم کے قتل ہونے کا بیان
۱۱۰	اختتام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار	۱۴۱	دور جاہلیت کے نکاح و عدت کے احکام
۱۱۲	غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی	۱۴۲	زوجین کے اختلاف دار کے سبب احوال
۱۱۳	مہاجر عورتوں کے نکاح و فسخ نکاح میں فقہی تصریحات		مسلم شوہر کی اہل کتاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی
۱۱۵	میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں	۱۴۲	مذاہب اربعہ
۱۱۸	اہل غلوہر کے نزدیک مقتودہ شوہر عورت کی عدت کا بیان	۱۴۵	خاوند کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ
۱۱۸	استیصال کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان	۱۴۶	اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
۱۲۰	فصل: یہ فصل عورت کے سوگ کے بیان میں ہے	۱۴۸	ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ
۱۲۰	فصل سوگ کی فقہی مطابقت کا بیان		باب ثبوت النسب
۱۲۰	سوگ کا فقہی مفہوم	۱۵۰	یہ باب ثبوت نسب کے بیان میں ہے
۱۲۱	نیزہ اور مطلقہ پر سوگ کرنا لازم ہے	۱۵۰	باب ثبوت نسب کی فقہی مطابقت کا بیان
۱۲۳	مذکر کی وجہ سے سوگ والی عورت حمل لگا سکتی ہے	۱۵۰	نسب بدلنے والے کیلئے وعید کا بیان
۱۲۳	عدت والی عورت کیلئے تیل استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ	۱۵۰	قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا
۱۲۵	سوگ کے مسائل میں فقہی مذاہب	۱۵۱	قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث و نظر

- ۱۵۶..... ثبوت نسب سے متعلق فقہی احکام
- ۱۵۸..... حتی الامکان نسب کی حفاظت میں شرعی تحفظ
- ۱۵۸..... مطلقہ بنہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا
- ۱۶۰..... امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد
- ۱۶۰..... دو سال گزرنے کے بعد ثبوت نسب کا بیان
- ۱۶۲..... بیوہ عورت کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا؟
- ۱۶۳..... ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان
- ۱۶۳..... نابالغہ مطلقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا بیان
- ۱۶۳..... عدت ختم ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بچے کی پیدائش کا حکم
- ۱۶۴..... جب جموٹ یقین سے ثابت ہو جائے قاعدہ فقہیہ
- ۱۶۵..... عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کا ثبوت
- ۱۶۶..... عدت وفات میں پیدا ہونے والے بچے میں ورثاء کی تصدیق
- ۱۶۷..... شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کی پیدائش کا حکم
- ۱۶۸..... ثبوت نسب میں ایک عورت کی شہادت
- ۱۶۹..... ولد زنا کے عدم نسب میں فقہاء کرام کے اقوال
- ۱۷۰..... چھ ماہ کے بچے کے نسب ابی الوالد کا بیان
- ۱۷۱..... لعان وحلف میں فقہی اختلاف کا بیان
- ۱۷۱..... بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق شرط کرنے کا حکم
- ۱۷۳..... وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے
- ۱۷۳..... ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی
- ۱۷۳..... رضاعت پر عورت کی گواہی کا بیان
- ۱۷۳..... ماہواری پر عورت کی گواہی کا بیان
- ۱۷۴..... متعلق ولادت سے متعلق طلاق احاطہ کا اختلاف
- ۱۷۵..... گواہی کیلئے شرائط کا فقہی بیان
- ۱۷۶..... عورت کیلئے دو کے عدد میں حکمت و علت
- ۱۷۶..... حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت کا بیان
- ۱۷۷..... حمل کی مدت کا فقہی بیان
- کنیز کے ساتھ شادی کر کے اسے خریدنے اس کے ہاں بچے
- ۱۷۹..... کی پیدائش کا حکم
- ۱۸۰..... باندی کے بچے کا نسب اقرار سے ثابت ہونے کا بیان
- ۱۸۱..... کسی بچے کے اولاد ہونے کے اقرار کا حکم
- ۱۸۲..... میرا بیٹا کہنے سے ثبوت نسب کا بیان
- بَابُ الْوَلَدِ مَنْ أَحَقُّ بِهِ**
- ۱۸۳..... کنیز بابت پرورش بچے کے حقدار کے بیان میں ہے
- ۱۸۳..... باب بچے کی پرورش کے حق کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۱۸۳..... حضانت کا فقہی مفہوم
- ۱۸۳..... حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان
- ۱۸۴..... پرورش کیلئے شرائط کا بیان
- ۱۸۵..... بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہوگی
- ۱۸۷..... حق حضانت میں محرماتی ترتیب کا بیان
- ۱۸۸..... حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان
- ۱۸۹..... حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ
- ۱۹۰..... بچے کو کب اختیار دیا جائے
- ۱۹۰..... اگر خاتون عزیز موجود نہ ہو تو کون سا مرد پرورش کا حقدار ہوگا
- ۱۹۱..... حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب
- ۱۹۱..... بچے کی پرورش کا حق کب تک برقرار رہے گا؟
- ۱۹۳..... حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان
- ۱۹۳..... کنیز اور ام ولد آزاد ہونے پر بچے کی پرورش کی حقدار ہوں گی
- ۱۹۶..... بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ
- ۱۹۷..... کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ
- فَصْلٌ: بَابُ نَصْلِ مَطْلُوقَةِ بَنِي شَهْرٍ**
- ۱۹۸..... کے بیان میں ہے
- ۱۹۸..... فصل خروج الولد الی القریٰ کی فقہی مطابقت
- ۱۹۸..... طلاق یافتہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جاسکتی ہے؟
- قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ
- ۱۹۹..... حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

- ۱۹۹..... دو شہر دس کے درمیان کتنا فاصلہ معتبر ہوگا؟
- بَابُ النِّفْقَةِ**
- ۲۰۲..... باب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان
- ۲۰۲..... نفقہ کا لغوی و فقہی مفہوم
- ۲۰۲..... بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل کا بیان
- ۲۰۵..... بیوی کا خرچ شوہر پر لازم ہونے کا بیان
- ۲۰۷..... نفقہ ولد کے والد پر ہونے میں شرعی بیان
- ۲۰۷..... بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے
- ۲۰۸..... وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان
- ۲۰۹..... مطلقہ عورت کے نفقہ میں مذاہب اربعہ
- ۲۱۰..... نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع
- ۲۱۱..... کس صورت میں عورت کو خرچ ملے گا؟
- ۲۱۳..... نابالغ بیوی کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۵..... گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ
- ۲۱۶..... نابالغ شوہر کی بالغ بیوی کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۶..... حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان
- ۲۱۷..... محبوس زوجہ کے نفقہ کا بیان
- ۲۱۸..... قید ہونے کی بیوی کا سقوط نفقہ کا فقہی بیان
- ۲۱۸..... حالت قید کے سبب حالت احتباس کے ختم ہونے کا بیان
- ۲۲۰..... خوشحال شوہر پر بیوی کے خادم کا خرچ بھی لازم ہوگا
- ۲۲۱..... نفقہ میں اصل عسر و دیر ہونے کا قاعدہ فقہیہ
- ۲۲۲..... نفقہ کی تعریف
- ۲۲۲..... اعطاء
- ۲۲۲..... طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ
- ۲۲۲..... تنگدست شخص کے ذمے بیوی کا خرچ قرض ہوگا
- ۲۲۳..... ناداری نفقہ کے سبب عدم تفریق کا بیان
- ۲۲۳..... اگر کچھ عرصہ شوہر بیوی کو خرچ نہ دے؟
- ۲۲۶..... عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان
- ۲۲۶..... بیوی کا خرچ بیٹگی دینے کا حکم
- ۲۲۷..... تعین نفقہ کا فقہی مفہوم
- ۲۲۸..... شوہر غلام ہو تو بیوی کا خرچ اس کے ذمے قرض ہوگا
- ۲۲۹..... اکمال نفقہ میں بیع عہد کا بیان
- ۲۲۹..... عدم نفقہ پر رضامندی سے حق تسلیم کے عدم سقوط کا بیان
- فَصْلٌ: بَابُ نَصْلِ بَنِي كُرْبَانِشِ فَرَاهِمِ كَرْنَةِ كَيْفَانِ**
- ۲۳۰..... میں ہے
- ۲۳۰..... نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:
- ۲۳۰..... نفقہ زوجہ میں فقہی تصریحات
- ۲۳۱..... بیوی کو اگر رہائش فراہم کرنے کا بیان
- ۲۳۳..... بیوی کو نفقہ سکونت فراہم کرنے میں فقہی تصریحات
- ۲۳۵..... صرف بیوی کے خاص حقوق
- ۲۳۵..... مالی حقوق کا بیان
- ۲۳۶..... بیوی کے نفقہ کے وجوب کی حکمت
- ۲۳۶..... نان و نفقہ کا مقدمہ
- ۲۳۶..... ملت نمویہ میں سے دلائل
- ۲۳۷..... سکنی یعنی رہائش کا بیان
- ۲۳۷..... بیویوں کے درمیان عدل و انصاف:
- ۲۳۷..... حسن معاشرت:
- ۲۳۸..... بیوی کو تکلیف سے دوچار نہ کرنا
- ۲۳۹..... بیوی پر خاوند کے حقوق
- ۲۳۹..... اطاعت کا وجوب
- ۲۳۹..... خاوند کے لیے استیضاح ممکن بنانا
- ۲۴۰..... خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا
- ۲۴۱..... تادیب کے جواز پر دلائل
- ۲۴۱..... عورت کا اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا:
- ۲۴۲..... بیوی کی اپنے خاوند سے حسن معاشرت:
- ۲۴۲..... موجود شوہر کے مال میں سے بیوی کے خرچ کی ادائیگی کا حکم

- شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان ۲۴۶
- اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ۲۴۶
- فصل:** یہ فصل مطلقہ کیلئے نفقہ و سکنہ فراہم کرنے کے بیان میں ہے ۲۴۸
- فصل نفقہ و سکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۴۸
- طلاق یافتہ عورت کو خرچ اور رہائش فراہم کرنا ۲۴۸
- طلاق رجعی میں نفقہ و سکنہ کی ذمہ داری میں فقہی مذاہب ۲۵۱
- بیوہ عورت کیلئے نفقہ نہ ہونے کا بیان ۲۵۳
- بیوہ کے نان و نفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۵۵
- اگر مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساتھ ہو جائے گا ۲۵۶
- عدت و نفقات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان ۲۵۷
- فصل:** یہ فصل اولاد کے خرچ کے بیان میں ہے ۲۵۹
- فصل اولاد پر خرچ کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۵۹
- قرآن مجید سے نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان ۲۵۹
- احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان ۲۵۹
- نابالغ اولاد کا خرچ صرف باپ پر لازم ہوگا ۲۶۱
- اولاد کے نفقہ کے احکام و مسائل ۲۶۲
- بچے کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی فرض ہے ۲۶۳
- فصل:** یہ فصل آباؤ اجداد اور خدام کے خرچ کے بیان میں ہے ۲۶۹
- والدین کے خرچ والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۶۹
- والدین کی خدمت و نفقہ میں احادیث کا بیان ۲۶۹
- تکدست ماں باپ اور آباؤ اجداد کا خرچ انسان پر لازم ہے ۲۷۱
- والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل ۲۷۲
- زوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل ۲۷۲
- مسلمان پر غیر مسلم بھائی کا خرچ لازم نہیں ہوگا ۲۷۳
- بچے کے مال کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا بیان ۲۷۵
- تکدست محرم رشتے دار کے خرچ کا حکم ۲۷۷
- تکدست رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان ۲۷۸
- حاملہ مطلقہ کے نفقہ و رہائش کا بیان ۲۸۰
- بالغ بیٹی اور پانچ بالغ بیٹے کے خرچ کا حکم ۲۸۲
- نابالغ اولاد پر وجوب نفقہ کا بیان ۲۸۳
- اصول و فروع کے نفقہ کا فقہی بیان ۲۸۴
- غیر موجود بیٹے کے مال میں سے والدین کو خرچ فراہم کرنا ۲۸۵
- قاضی کے فیصلے کے باوجود خرچ نہ ملنے کا حکم ۲۸۸
- فصل:** یہ فصل غلام و باندی کے نفقہ کے بیان میں ہے ۲۹۰
- فصل نفقہ غلام و باندی کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۹۰
- غلام و باندی کے نفقہ کے ثبوت کا بیان ۲۹۰
- آقا پر اپنی کنیز اور غلام کا خرچ لازم ہے ۲۹۱
- دین و خلقت میں غلاموں کی مماثلت کا بیان ۲۹۲
- باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل ۲۹۳
- غلام و باندی کا نفقہ روکنے والے کیلئے وعید کا بیان ۲۹۴
- مذہب حنفی پر غیر مقلدین کا اعتراض و جواب ۲۹۴

کتاب العتاق

- کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۹۵
- عتاق کا لغوی و شرعی مفہوم ۲۹۵
- عتاق کے اسباب کا بیان ۲۹۵
- قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان ۲۹۶
- احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان ۲۹۶
- غلامی کی ابتداء و تاریخی تجزیہ ۲۹۸
- امیران جنگ کو قتل نہ کرنے کا بیان ۲۹۸
- امیران جنگ کو کھانا کھلانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان ۲۹۸
- بیم بچھانا ۲۹۸
- شاہی خاندان کے امیران جنگ کے ساتھ برتاو ۲۹۹
- امیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا ۲۹۹
- یوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا ۲۹۹

- غلاموں کی آزادی ۳۰۰
- عرب کا غلام نہ بنانا ۳۰۳
- غلاموں کو مکاتب بنانے کا بیان ۳۰۴
- امیران جنگ سے اعزہ و اقارب کو جدا نہ کرنا ۳۰۴
- غلاموں کے وظیفے ۳۰۴
- غلاموں کو تعلیم دینے کا بیان ۳۰۵
- غلاموں کو امان دینے کا حق دینا ۳۰۵
- غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت ۳۰۶
- حقوق میں مساوات ۳۰۶
- اعتاق کے مندوب تصرف کا بیان ۳۰۶
- غلام کی آزادی اعضاء کو جہنم سے بچانے والی ہے ۳۰۷
- غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث و آثار ۳۰۸
- غلاموں کے حقوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات ۳۰۹
- آزادی غلام کی شرعی حیثیت کا بیان ۳۱۰
- غلام کی آزادی کے وجوب کا بیان ۳۱۰
- غلام کی آزادی میں استحباب کا بیان ۳۱۰
- غلام کی آزادی میں اباحت کا بیان ۳۱۱
- غلام کی آزادی کے کفر ہونے کا بیان ۳۱۱
- غلام و باندی کے اعتاق میں الفاظ کی صراحت کا بیان ۳۱۱
- مرتب محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ ۳۱۲
- صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ ۳۱۲
- اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی ۳۱۳
- غلام کے اعضاء کو پکار کر آزاد کرنے کا بیان ۳۱۳
- آقا کے عدم ملکیت اظہار کرنے کا بیان ۳۱۴
- غلام کی آزادی میں صریح الفاظ کا فقہی بیان ۳۱۵
- جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے قاعدہ فقہیہ ۳۱۶
- ۱۔ حد و تصرف کا نصاب ۳۱۶
- ۲۔ حد و تصرف ۳۱۶
- غلام کو اپنا بیٹا قرار دینے کا بیان ۳۱۷
- قاعدہ حقیقت و مجاز کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جائے گا ۳۱۸
- قاعدہ کلام میں اصل میں حقیقت ہے۔ (الاشباہ) ۳۱۸
- معنی مجازی کے سقوط کے بیان میں قاعدہ فقہیہ ۳۱۸
- آقا کا غلام کو آقا کہنے کا بیان ۳۱۹
- آقا کا غلام کو بھائی یا بیٹا کہنے کا بیان ۳۲۲
- نداء کا فقہی مفہوم ۳۲۳
- مناوی: ۳۲۳
- مناوی کی اقسام و اعراب منادی کی پانچ اقسام ہیں ۳۲۳
- کلام کے حقیقی معنی کے محال ہونے کا بیان ۳۲۵
- غلام کو غلام کہہ کر پکارنے کی ممانعت ۳۲۷
- آقا کا اپنے غلام باندی کو ماں باپ قرار دینے کا بیان ۳۲۷
- قرائن سے استدلال مسائل کا فقہی بیان ۳۲۸
- باندی کو مطلقہ یا باندہ کہنے کا بیان ۳۲۸
- ملک بیکین ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ ۳۳۰
- غلام کو آزادی کی مثل قرار دینے کا بیان ۳۳۰
- استثناء اثبات میں تاکید پیدا کرنے کا قاعدہ فقہیہ ۳۳۱
- فصل:** یہ فصل شرعی اختیار و اُلے اعتاق کے بیان میں ہے ۳۳۲
- فصل اختیار شرعی والی آزادی کی فقہی مطابقت ۳۳۲
- غلامی سے آزاد ہونے کے مذہبی و فرائع و اسباب کا بیان ۳۳۲
- مذہبی بنیادوں پر غلام آزاد کرنے کے احکامات ۳۳۳
- قسم توڑنے کا کفارہ ۳۳۳
- ایصال ثواب کے طور پر غلام آزاد کرنا ۳۳۳
- نا جائز طریقے سے طلاق دینے کا کفارہ ۳۳۳
- غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کا کفارہ ۳۳۳
- روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا بیان ۳۳۵
- سورج گرہن پر غلاموں کی آزادی ۳۳۶

- قریبی رشتے دار غلام کی آزادی کا قانون ۳۳۶
- وصیت کے ذریعے غلاموں کی آزادی کا قانون ۳۳۷
- غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ ۳۳۸
- اسلام قبول کرنے والے غلاموں کی آزادی کے اقدامات ۳۳۹
- حربی غلاموں کی آزادی کا بیان ۳۴۰
- زی رحم ملکیت کے ملکیت و رقیبت سے اعلیٰ ہونے کا بیان ۳۴۳
- زی رحم محرم کی آزادی نقد شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان ۳۴۳
- مکاتب کا اپنے بھائی کو خریدنے کا بیان ۳۴۵
- اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان ۳۴۶
- غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان ۳۴۷
- مجبور و سرکران والے سے آزادی کا بیان ۳۴۷
- حربی کے غلام کا مسلمان ہو کر آنے کا بیان ۳۴۸
- طوائف کے غلاموں کی آزادی کا بیان ۳۴۸
- باندی کے تابع حمل کے آزاد ہونے کا بیان ۳۵۰
- حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ ۳۵۰
- باندی کے حمل کو مال کے بدلے آزاد کرنے کا بیان ۳۵۱
- جنین سے متعلق مذاہب فقہاء ۳۵۲
- باندی کی اولاد کے آزاد ہونے کا بیان ۳۵۳
- باندی کے بچے کے مملوک ہونے کا بیان ۳۵۴
- غلام باپ اور کثیر ماں کے بچوں کی آزادی کا فقہی بیان ۳۵۴
- آزاد عورت کے بچے کی آزادی کا بیان ۳۵۶
- تابع و متبرع کی فنی بحث کا بیان ۳۵۷
- معطوف کی تعریف: ۳۵۷
- معطوف کے چند ضروری قواعد: ۳۵۷
- عطف بیان کی تعریف: ۳۵۸
- عطف بیان کے چند ضروری قواعد: ۳۵۸
- باب العبد یعتق بنفسه**
- باب عتق بعض کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۵۹

- مطلق آزادی میں غلام کے ماذون ہونے کا بیان ۳۱۰
- حاکم کا مالک کو مال لینے پر مجبور کرنے کا بیان ۳۱۲
- غلام کی آزادی کو موت کے بعد ایک ہزار سے مطلق کرنے کا بیان ۳۱۵
- آزادی کو خدمت کے ساتھ مطلق کرنے کا بیان ۳۱۶
- دوسرے شخص سے باندی آزاد کرانے کا بیان ۳۱۷
- طلاق میں اجنبی پر بدل لگانے کی شرط کے جواز کا بیان ۳۱۹
- باب التذہیر**
- باب تذہیر کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۲۰
- مدبر غلام کا فقہی مفہوم ۳۲۰
- جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا ۳۲۰
- مدبر کی اقسام کا فقہی بیان ۳۲۱
- مدبر کی خرید و فروخت کا بیان ۳۲۲
- مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۲۳
- جب آقا نے غلام کو خدمت یا اجرت کے ساتھ مقید کیا ۳۲۳
- مدبر کو موت کے ساتھ مطلق کرنے کا بیان ۳۲۵
- حال میں سبب کے عدم انعقاد کی وجہ صفت کے مملوک ہونے کا بیان ۳۲۶
- باب الاستیلاء**
- باب استیلاء کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۲۸
- ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم ۳۲۸
- ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت ۳۲۹
- ام ولد سے متعلق اصلاحات ۳۲۹
- ام ولد کی بیع کی ممانعت کا بیان ۳۳۱
- ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان ۳۳۲
- ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول ۳۳۳
- ام ولد سے خدمات لینے کا بیان ۳۳۵
- ام ولد کے مدبرہ کے مشاہد ہونے کا فقہی بیان ۳۳۵
- مشتربہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۳۸۹
- دو مالکوں کے درمیان ام ولد کے مشترک ہونے کا بیان ۳۸۹
- باب عتق احد العبدین**
- باب کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۹۲
- تین غلاموں میں کسی ایک کی آزادی کا بیان ۳۹۲
- ستوطان کی مختلف صورتوں کا بیان ۳۹۵
- دو غلاموں میں سے ایک کی آزادی کا اعلان کرنا ۳۹۶
- دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے کا بیان ۳۹۷
- باندی کی آزادی کو بچہ جننے سے مطلق کرنے کا بیان ۳۹۹
- تفویض شرط تنوع مشروط کو مستلزم کا قاعدہ فقہیہ ۴۰۰
- شرط کی اقسام ۴۰۰
- ۱۔ شرط جائز کی تعریف ۴۰۰
- ۲۔ شرط فاسد کی تعریف ۴۰۱
- ۳۔ شرط الغوی تعریف ۴۰۱
- دو گواہوں کی شہادت پر آزادی کا بیان ۴۰۱
- شہادت آزادی کو شہادت طلاق پر قیاس کرنے کا بیان ۴۰۲
- غلام و باندی کی شہادت میں فقہی مذاہب اربعہ ۴۰۲
- مرض موت میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان ۴۰۳
- باب الحلف بالعتق**
- باب حلف بہ عتق کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۰۵
- آزادی کو شرط کے ساتھ مطلق کرنے کا بیان ۴۰۵
- حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان ۴۰۶
- مدبر غلام کو آزاد کرنے کی شرط کا بیان ۴۰۶
- مشروط قسم میں عدم قید کی بناء پر حکم کی محدودیت کا بیان ۴۰۷
- مالک کا مملوک کی ملکیت کے ساتھ آزادی مقید کرنے کا بیان ۴۰۷
- باب العتق علی جعل**
- باب جعل عتق کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۰۹
- غلام کو مال کے بدلے میں آزاد کرنے کا بیان ۴۰۹

۳۳۵	ام ولد اور اولاد کے درمیان طہ کی کی ممانعت کا فقہی بیان
۳۳۸	ولد ثانی کیلئے وداول کا ثبوت نسب میں عدم اقرار کا بیان
۳۳۹	ام ولد کی خدمات کے انتقال میں بعض فقہی نظریات
۳۴۰	ام ولد کے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا بیان
۳۴۱	آقا کی موت کے بعد ام ولد کا پورے مال سے آزاد ہونا
۳۴۱	موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ
	مالک کے قرض خواہوں کے سبب ام ولد پر کمائی کے عدم وجوب
۳۴۳	کا بیان
۳۴۳	عسائی کی ام ولد کے مکاتیب کی طرح ہونے کا بیان
	دوسرے کی باندی سے نکاح کے ذریعے بچہ حاصل کرنے
۳۴۵	کا بیان
۳۴۷	بچے کی باندی سے بچہ پیدا ہونے کا بیان
۳۴۹	مشترکہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان
۳۵۱	آزاد ماں اور غلام باپ کی اولاد
۳۵۲	آزاد باپ اور غلام ماں کی اولاد
۳۵۳	غلام ماں اور غلام باپ کی اولاد
۳۵۳	دو شرکاء کا دعویٰ ولد کرنے کا بیان
۳۵۶	تباہ شامی سے متعلق احادیث کا بیان
۳۵۷	اقرار سے نجات ولد ہونے کا بیان
۳۵۸	مکاتیب باندی کے ام ولد ہونے کا بیان
۳۵۹	مکاتیب واجب ہے یا مستحب؟
۳۵۹	دور صحابہ میں مکاتیب کے واجب یا مستحب ہونے کا معاملہ
۳۵۹	مکاتیب کو مستحب قرار دینے والوں کی توضیح کا جواب
۳۶۲	غلاموں کے مال کا بیان
۳۶۳	غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب
۳۶۷	مکاتیب غلام ہے یا آزاد؟
۳۷۱	کیا اسلام میں غلام کا فرار ہونا حرام ہے؟
	خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں غلاموں سے

مقدمہ رضویہ

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة الانبياء، وخلاصة الاولياء، الذين يدعو لهم ملائكة السماء، والسمك في الماء، والطيور في الهواء. والصلاة والسلام على الأئمة الأئمة على زبدة خلاصة الموجودات، وعمدة سلالة المشهودات، في الأصفاء الأركياء، وعلى آله الطيبين الأطهار الأتقياء، وأصحابه الأبرار نجوم الاقتداء والاهتداء. اما بعد فيقول العبد الضعيف الى حرم ربه الباري، محمد ليالت على الحنفى الرضوى البريلوى غفرله والوالديه، الساكن قرية سنتيكا من مضافات بهاولنگر. اعلم ان الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية. احرر شرح الهداية باسم "فيوضات الرضويه في تشریحات الهداية" بتوفيق الله تعالى وبوسيلة النبی الكريم ﷺ. ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين والائمة المجتهدين في الامة المسلمة، (رضی الله عنهم)

حضرت امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف کے اسباب

امام صاحب اور آپ کے تلامذہ میں اختلاف کی وجہ:

حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے مابین اختلاف کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک بار حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ کچڑ میں کھیل رہا ہے آپ نے اذراہ قسطنط فرمایا: کہیں گرنہ جانا۔ اس بچہ نے برجستہ جواب دیا: آپ بچے کہیں آپ پھل کر گرت جائیں کیونکہ اگر آپ گریں گے تو عالم کے گر جانے کا اندیشہ ہے۔ کم سن بچہ کے اس معنی خیز جواب سے آپ متاثر ہوئے اور آپ نے اپنے اصحاب و تلامذہ سے فرمایا: اگر تمہیں مسائل شرعیہ میں میرے قول کے خلاف کوئی قوی دلیل ملے تو اسے اختیار کر لو۔ آپ کی اس ہدایت کے بعد آپ کے تلامذہ میں سے ہر ایک آپ ہی کی روایت سے مسائل اخذ کرتا تھا۔ اس طرح آپ کے اصحاب کا کوئی قول ایسا نہیں ہے جو امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے قول سے باہر ہو۔

"ولو لم یحیہ" کتاب البیاتیات میں ہے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جس میں میں نے امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی مخالفت کی ہو۔ میں نے وہی بات کہی جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمائی تھی۔ حضرت

امام زفر علیہ الرحمہ سے بھی یہی منقول ہے کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت نہیں کی مگر یہ کہ قول امام بیان کیا پھر آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اس سے رجوع فرمایا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) آپ کے طریقہ کے خلاف نہیں گئے بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ اجتہاد اور رائے اور قیاس سے کہا اور اسی قول کا اتباع کیا جو ان کے استاد نے فرمایا۔

"الْحَاوِی الْقَدِیْسِ" کے اواخر میں ہے: جب اصحاب امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) میں سے کسی کے قول کو اخذ کیا جائے تو یقین سے جان لینا چاہیے کہ ان کا یہ قول امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے تمام اکابر علامہ سے یہی روایت ہے (جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام حسن رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ہم نے کسی مسئلہ میں وہی قول کیا ہے۔

جو ہم نے امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے روایت کیا ہے اور یہ بات انہوں نے بڑی یقین دہانی کے ساتھ بیان کی ہے لہذا فقہ میں کوئی مسئلہ اور مذہب، مذہب امام کے علاوہ نہیں ہے اور جس قول کی نسبت کسی دوسرے کی طرف ہے وہ مجاز ہے اور ظاہر میں ہے فی الحقیقت وہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہی ہے۔ (کتاب حیل، فصل اذا اختلف الروایات، ص ۱۸۱) خصوصاً جب امام اعظم علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب کسی مسئلہ پر تمہیں اقویٰ دلیل مل جائے اسے اختیار کر لو۔ تو اگرچہ یہ الفاظ اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت کرتے ہیں، تاہم چونکہ آپ کے اصحاب نے قویٰ دلیل سے مسئلہ کے علم کو انہیں اصول و قواعد سے ثابت کیا ہے جو آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خود مقرر فرمادیے ہیں اس لئے درحقیقت آپ کے اصحاب کا وہ قول بھی امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہی مانا جائے گا اور وہ رجوع عنہ نہ ہوگا۔

علامہ بیہقی نے اپنی کتاب "شرح الاشباہ" میں بیان کیا ہے کہ کوئی حدیث ایسی ملے جو مذہب امام کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کیا جائے اور یہی حدیث امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا مذہب ہے کیونکہ صحیح روایت سے آپ سے مروی ہے۔ "اِذَا صَلَّحَ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبُی" حدیث اگر صحیح ہے تو یہی میرا مذہب ہے۔ (مقدمہ رہنما، ج ۱، ص ۱۶۰، بیروت)

حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کی وجوہات:

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے اصحاب و علامہ نے ایک ہی مسئلہ میں آپ سے مختلف روایات بیان کی ہیں اور یہی ایک وجہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف حکم کی ہے امام ابو بکر البلیغی اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے "درر" میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے اختلاف روایت کئی وجوہات سے ہو سکتا ہے: اول یہ کہ سامع کو سننے میں غلطی ہو گئی ہو۔

دوم یہ کہ امام نے اپنے قول سے رجوع فرمایا ہو کسی نے یہ رجوع خود اپنے کانوں سے سن لیا اور کسی نے نہیں سنا تو اسے رجوع کا علم نہ ہوا۔ سوم یہ کہ امام نے ایک قول علی وجہ القیاس فرمایا اور دوسرا قول بروجہ استحسان فرمایا تو جس نے جو سننا روایت کر دیا۔

چہاں یہ کہ کسی مسئلہ کے مختلف پہلو تھے آپ نے ایک پہلو سامنے رکھ کر ایک جواب دیا اور دوسرے پہلو کو مد نظر رکھ کر دوسرا جواب دے دیا، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ "شرح عقود رسم المفتی المنظوم" میں کچھ اور صورتیں بھی اختلاف روایات کی وجہ میں بیان فرمائی ہیں۔ (رسائل ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی المنظوم)

❖ خلافت فاروقی میں تدوین فقہ

فقہ کی تاریخی اہمیت کا بیان

مالک بن انس فرماتے ہیں۔ "جس نے فقہ کی تصوف حاصل نہ کیا اس نے نافرمانی کی اور جس نے تصوف حاصل کر لیا اور علم فقہ سے حصہ نہ لیا وہ زندقہ اور کفر ہے"۔ جس نے فقہ کی تصوف حاصل نہ کیا اس نے نافرمانی کی اور جس نے تصوف حاصل کر لیا اور علم فقہ سے حصہ نہ لیا وہ زندقہ اور کفر ہے۔

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے مسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں۔ مسائل فقہیہ کی ترویج کے لیے یہ تدبیریں اختیار کیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت کا اہتمام

جہاں تک وقت و فرصت مساعدت کر سکتی تھی خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اس میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبے میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطاء امام محمد میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔ اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پراثر خطبے پڑھے ان میں اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہاء مجمع ہوتا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ کسی اور تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جلیبیہ جو مشہور خطبہ پڑھا، فقہانے اس کو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے سے جا بجا نقل کیا ہے۔

وقتاً فوقتاً اعمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً نماز و حج گانہ کے اوقات کے متعلق جس کے تعین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں۔ تمام اعمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا۔ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مؤطا میں احیاء اس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلہ کے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھیجی اس کو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ وہ نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ جائز ہے (موطاء امام محمد ص ۱۲۹)

سن ۱۴ ہجری میں جب نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی، تمام اصناف کے افراد کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر افسران ملک کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ہذا کتاب الصدقہ الع قضا اور ثبات کے متعلق ابو موسیٰ شعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو تحریر بھی تھی اس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔
مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزیہ بھی عمال کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں۔ لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔ روزہ کے متعلق تمام علماء کو تحریری حکم بھیجا کہ لا تکلوا من المسرفین لمطربکم۔ زید وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ ان المرأة لا تصوم تطوعاً الا باذن زوجها۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ ان لا ہلہ بعضہا اکبر من بعض۔ اسی طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین کے ذریعہ شائع کرتے تھے، چونکہ شری رستورائیس کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماعی اور متفق علیہ ہوں۔ چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا۔ مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب خراج میں لکھتے ہیں۔ ان عمرو استشار فی السارق فاجمعوا الخ (کتاب مذکور صفحہ 106)، غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ اس وقت فرمایا انتم اصحاب بدر وقد خلفتم خمس بعد کم اشد اختلافاً۔ یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں ہو کر رہے تھے مختلف رائے ہیں تو آئندہ رائے کی تسو میں اور سخت اختلاف ہوگا۔ چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا۔ اور ان کی رائے قطعی پا کر شائع کی گئی۔ (ازلہ اختلاف صفحہ 88)

جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور متفق بات سے ہوئی۔ چار ہیر پر اتفاق ہو گیا۔

مسائل فقہیہ میں اجماع

اضلاع کے نماز اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان کی یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقہیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا، جس میں یہ الفاظ تھے۔

الی اشہد کم علی امر الا مصار الی لم ابعتہم الا لیفقہوا الناس فی دینہم

تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسئلہ و احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک

محدود تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں ان عمر بس لخطاب کان ادا جمع الیہ حبش من اہل الایمان بعث علیہم رجلاً من اہل الفقہ والعلم۔ (کتاب الخراج صفحہ 67)۔

یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کے فوجی و ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قہیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ ورحدیت دفعہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔ تمام ہم لک محروسہ میں فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

تاہم جتنے جتنے تقریبات سے اندازہ ہو سکتا ہے ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ "یہ بجمہ ان دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں۔ (اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرة الذین بعنہم عمر لی البصرة یفقہو الناس 14)۔ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں۔

و کان ممن بعنہم عمر بن الخطاب الی احل البصرة لیفقہہم

ان لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم کے لیے شام بھیجا تھا۔ عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں "طبقات الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تعلیم فقہ کے لیے شام بھیجا تھا اور صاحب اسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے "یہ وہ شخص ہیں کہ جنہوں نے شام میں تابعین کو فقہ سکھائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابودرداء کو شام میں بھیجا تا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن لخاصہ فی اخبار المصر والقاہرہ میں حسان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔ ان فقہاء کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے۔ اور شاہقین نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقے کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے۔ اور وہ جواب دیتے جاتے تھے۔ ابو مسلم خورانی کا بیان ہے کہ میں حصص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ 30 بڑے بڑے صحابہ ہاں تشریف رکھتے تھے۔ اور مسئلہ پر گفتگو کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو کسی مسئلہ میں شک پڑتا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے۔ میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا تو پتہ چلا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ سیٹ بن سعد کا بیان ہے کہ ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر رجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ ترجمہ معاذ بن جبل 12)

فقہ کی تنخواہیں

علامہ ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

معلمین فقہ کی رفعت شان

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا، مثلاً معاذ بن جبل، یزید بن ابی مرثدہ، عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین اور عبداللہ بن مغفل تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے۔ اس کی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابع وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔

(تذکرۃ الحفاظ کراچی دروہ)

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا حق نہ تھا

ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ ہر شخص فقہ کے مسائل پیر کرنے کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جن پر صحابہ کا اتفاق رہے ہو چکا تھا۔ یہ جو صحابہ میں پیش ہو کر ملے کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے جستہ جستہ فقرے جو ہمارے بحث سے متعلق ہیں، اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معبذ اللہ عمر مضعہ بر چیزے بجا مخالفت نمود، در جمعہ ایں امور شذر و زر نمیرفتند و بدون استطلاع۔ اے خلیفہ کارے را مصممی سرحد ہند دریں عصر اختلاف مذہب و تشنہ آ واقع نشد، ہمہ بر یک مذہب متفق، بر یک راہ مجتمع۔ چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ متفرق شد و خلافت عہد ظہور نمود علیہ و در ہر ہمدے مشغول با فادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتویٰ می دہد و عاصیہ صدیقہ و عبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمائند و ابو ہریرہ اوقات خود را برا کشار، روایت حدیث مصروف سے سازد۔ بالکلہ دریں ایام اختلاف فتاویٰ پیدا شد یکے را بر رائے دیگر اطلاع نہ اگر طلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ و اگر مذاکرہ بمیان آمد از امت شہ و خروج از مضیق اختلاف بفصائے اتقاق میسر نہ، اگر متبع کنی روایت عمائے صحیہ کہ پیش از انقضائ خلافت خاصہ از علم گزشتہ اند بغایت کم یابی۔ و جمعے کہ اور ایام خلافت زندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند۔ بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند ہر چند جمع صحابہ عدول اند و روایت یشان مقبول و عمل بموجب آئندہ روایت صدق ایشان ثابت شود لازم اما در میان آنچہ حدیث و فقہ در زمرن فاروق اعظم بود آنچہ بعد وے حادث شدہ فرق، بین السمت و الارض ست۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ 140)۔ (القاروق)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہ نے بھی ان کے ساتھ

اتفاق کیا۔ دائرہ مجتہدین نے ان کی تصدیق کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقر سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اختلاف کیا اور وہی حق پر ہیں مثلاً تیمم، جنابت، تمسح، حج، طلاق، ثلاثہ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد سے دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل اور خصوصاً ان مسائل سے جو سرکۃ الآثار سے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکمل اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

مذہب ربیعہ کی تدوین کے زمینی قرائن

علامہ احمد پشاور لکھتے ہیں۔ کہ "ان مذہب کے پیدا ہونے سے قبل صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں فتویٰ انہیں سے یہ جاتا تھا، کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا مبین کتاب اللہ میں سے تھے، اور وہ اس کے دلائل کی پہچان رکھنے و سوس میں سے تھے، جب ان کا دور گزر گیا اور تو ہر علاقے اور شہر کی لوگوں نے صحابہ کرام کے فتویٰ پر عمل کرنا شروع کر دیا جو صحابی جس علاقے میں تھا اس کا فتویٰ اس علاقے میں چلنا شروع ہوا، بہت ہی کم دوسرے کے فتویٰ پر چلتے تھے۔

اس لیے اہل مدینہ میں اکثر فتاویٰ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے، اور اہل مصر میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور اہل مکہ عبد اللہ بن عباس اور اہل کوفہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاویٰ پر چلتے گئے۔

تابعین کے بعد فقہاء کا دور شروع ہوا مثلاً ابو حنیفہ اور امام مالک اور احمد بن حنبل اور شافعی وغیرہ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا، چنانچہ ہر علاقے اور ملک کے لوگوں نے اپنے فقیہ کے مسلک کو اختیار کیا، اور پھر یہ مسلک دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گیا اور بعض میں ختم ہو گیا۔ (مذہب الاربعہ 16-17)

فقہائے کوفہ اور فقہ حنفی کی اساس

حرمین سے نکلنے والے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے کوفہ میں بھی سکونت اختیار کی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار بن یاسر، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ نمایاں صحابہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں جب مختلف صحابہ کو متفرق اسلامی شہروں کی طرف بھیجا تو اس ہجرت کے مرحلے میں بہت سے صحابہ کوفہ بھی منتقل ہوئے۔ مؤرخین کے ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سارے شہادت تک تقریباً تین صد صحابہ کوفہ منتقل ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ جس وجہ سے یہ شہر صحابہ کی پیسہ کی نسبت اور زیادہ توجہ کا مرکز بنا۔ عداہ زیں حضرت عبد اللہ بن مسعود کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے لیے ایک معلم خصوصی کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکتبہ فکر سے مستفید ہونے والے فقہاء و علماء کے بارے ڈاکٹر تاج عبد

رضن عروسی لکھتے ہیں۔

اس مکتبہ فکر کے معروف فقہاء میں علامہ بن قیس نخعی، اسود بن یرید نخعی، ابو میسرۃ عمرو بن شراحیل، ہمدانی، مسروق بن اجدع، ہمدانی اور شریح بن حارث کندی شامل ہیں۔ ان فقہاء کے بعد دوسرا طبقہ آیا جن میں حماد بن ابی سلیمان، منصور بن معتمر سلمی، منیرہ بن مقسم الضبی اور سیہان بن مہران الاعمش اور سعید بن جبیر نمایاں ہیں، یہاں تک کہ اس مدرسہ فکر کی انتہاء ابن ابی ملیک، ابن شبرمہ، شریک القاضی اور ابو حنیفہ پر ہوئی۔ (الفقہ الاسلامی فی میزان التاریخ ص ۱۱۴)

امام ترمذی کی فقہیت اور فقہ حنفی

امام ترمذی ایک محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ بھی تھے اور مذاہب علمائے بھی خوب واقف تھے، آپ نے فقہ الحدیث، امام بخاری جیسے حافظ محدث سے حاصل کی اور فقہ اہل الرائے اس وقت کے مشہور فقیہ الرازی سے اور فقہ، لکی، سختی بن موسیٰ نصاریٰ اور ابو مصعب زہری سے اخذ کی جب کہ امام شافعی کا مذہب قدیم حسن بن محمد زعفرانی اور قویٰ جدید ربیع بن سیہان سے حاصل کیا، اسی طرح امام احمد بن حنبل، سختی بن راہویہ اور دیگر بہت سے علمائے اقوال و مذاہب کو خوب سلیقہ سے اپنی جامع میں سمودیا۔ آپ کی جامع آپ کے تلمذ فی الحدیث اور مذاہب پر اطلاع کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ہر باب میں علمائے اقوال پیش کر کے ان میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں جس سے قاری کا یہ تاثر بنتا ہے کہ آپ فقہ وحدیث کے بہت بڑے امام تھے۔

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

موساٰ نامبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تحفۃ الماحوذی ص 209)

"دوسری طرف ایک اور گروہ تھا۔۔۔ اور یہ اہل عراق تھے جن کے رہنما ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تھے۔ فقہاء کے اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ شرعی احکام معقول المعنی اور ایسی مصالح پر مشتمل ہوتے ہیں جو بندوں کی طرف لائق ہیں اور ان احکام کی بنیاد محکم اصولوں و منضبط عمل پر رکھی گئی ہے۔ پس یہ علماء ان علل کو تلاش کرتے تھے اور ان حکمتوں کا کھوج لگاتے تھے جن کے لیے یہ احکامات دیے گئے ہیں۔ یہ علماء ان علل و حکم کے ساتھ حکم شرعی کے وجود و عدم وجود کو مربوط کرتے تھے۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی ص ۷۴)

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنیکا بہاولنگر

بَابُ الْإِعَانِ

﴿یہ باب لعان کے بیان میں ہے﴾

باب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باہرتی حنفی علیہ الرحمہ باب لعان کے فقہی مطابقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس باب سے پہلے باب ظہار میں اس کی فقہی مطابقت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ (وہاں ظہار کے باب سے مؤخر کرنے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ لعان تہمت کے ذریعے شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی قسموں کے ساتھ مفاہرت ہوتی ہے۔) اور لعان لغوی معنی، پھینکنا اور دوسرے پر لعنت کرنا ہے اور اسی طرح بیوی پر تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (عمانیہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۵۴، بیروت)

لعان کے فقہی مفہوم کا بیان

لعان اور لعنہ کے معنی ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، شرعی اصطلاح میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہو اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے، اس میں سچا ہوں عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔

جب دونوں اس طرح ملاحت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کر دے گا اور ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے یعنی یہ اقرار کرے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا لیکن حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

حکم لعان کے نزول کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک صحابی ہلال ابن امیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی شریک ابن سہام صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی یعنی ہلال نے کہا کہ شریک ابن سہام نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا کہ اپنے الزم کے ثبوت میں گواہ پیش کر ورنہ جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں تمہاری پیٹھ پر حد چرائی کی

جائے گی یعنی سی کوڑے چائیں گے ہر سہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ دھونڈھنے چاہئے؟ یعنی اس تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمائے چاہئے تھے کہ گواہ پیش کر دو نہ تمہاری بیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر بدل سے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری رکھے گا۔ آخر کا کچھ ہی عرصہ بعد حضرت جبریل تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں نازل کی گئی ہیں آیت (وَالَّذِينَ يَسْمُرُونَ آذُنًا وَأُخْرًا) (النور: 26) (یعنی درجو لوگ کہ اپنی بیویوں کو ہتھ لگاتے ہیں ان پھر اس کے بعد کی آیتوں (إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُشْكِكِينَ) (النور: 24) تک تلاوت کی اس کے بعد ہلال دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی یعنی حان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ حان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلال کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو صحابہ نے اس کو روکا اور کہا کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لو یہ پانچویں گواہی تم دونوں کے درمیان جدائی کو واجب کر دے گی یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت میں عذاب کو واجب کر دے گی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں یہ سن کر وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں لعان سے بچ کر اور اپنے خاوند کے الزام کی تصدیق کر کے اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوائی کروں گی یہ کہہ کر اس نے پانچویں گواہی کو بھی پور کیا اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرخ کیوں نہ ہوں تو وہ بچہ شریک ابن حنظلہ کا ہوگا کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا جو شریک کے مشابہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا مذکور حکم نہ ہوتا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر تعزیر جاری نہیں ہوگی تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی (بخاری)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلال نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اس بارے میں جو تحقیقی تفصیل سے وہ حضرت ابن عباس کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان دونوں کے حان سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو

اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی تھی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حکم وقاضی کی بھی معاملہ میں اپنے گمان و خیال قرائن و کسی عداوت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کے دلائل و شواہد تقاضا کریں۔

لعان کے حکم کا بیان

علاء بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو س عورت سے وظی حرام ہے مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوگی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسام تفریق کر دیگا اور اب مطلقہ بائن ہوگی لہذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو حادق دے سکتا ہے ایسا و ظہار کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائیگا اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں عیدہ ہونا نہ چاہیں جب بھی تفریق کر دی جائیگی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کر لی تو شوہر کے مفاد حان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہوئے و رد دوبارہ عورت سے نہ کہلوئے اور تفریق کر دی تو ہوگی لعان ہو جانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہو گیا یا معزول ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کی وجہ سے ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب کفارہ ظہار)

لعان کے بنیادی اصول کا فقہی بیان

قَالَ (إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ مَوْتَهُ بِالزَّيْنَةِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَوْتَةُ مِمَّنْ يُحَدِّثُ قَادِفُهَا أَوْ نَفْسِي نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَلَبَتْهُ بِمُوجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللَّعَانُ) وَالْأَصْلُ أَنَّ اللَّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْإِيمَانِ مَقْرُونَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِي حَقِّهِ وَمَقَامَ حَدِّ الزَّيْنِ فِي حَقِّهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ) وَالْإِسْتِثْنَاءُ إِنَّمَا يَكُونُ مِنَ الْجَنَسِ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى (فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ، نَصٌّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِينِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَ الشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِينِ، ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِي جَانِبِهِ بِاللَّعْنِ لَوْ كَانَ كَاذِبًا وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ وَفِي جَانِبِهَا بِالْعَصَبِ وَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ حَدِّ الزَّيْنِ، إِذَا بَكَّتْ هَذَا نَقُولُ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ لِأَنَّ الرُّكْنَ فِيهِ الشَّهَادَةُ وَلَا بُدَّ أَنْ تَكُونَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدِّثُ قَادِفُهَا لِأَنَّهُ قَائِمٌ فِي حَقِّهِ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ إِحْصَانِهَا، وَيَجِبُ بِنَفْسِي الْوَلَدُ لِأَنَّهُ لَمَّا نَفَى وَلَدَهَا صَارَ قَادِفًا لَهَا ظَاهِرًا وَلَا يُعْتَبَرُ أَحْتِمَالُ أَنْ

يَكُونُ الْوَلَدُ مِنْ غَيْرِهِ بِالْوَطْءِ مِنْ شُبْهَةٍ، كَمَا إِذَا نَفَى أَجْنَبِيٌّ نَسَبَهُ عَنْ أَبِيهِ الْمَعْرُوفِ،
وَهَذَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهِ، فَتَقِيَهُ عَنِ الْفِرَاشِ
الصَّحِيحِ قَذْفٌ حَتَّى يَظْهَرَ الْمُنْحَقُ بِهِ

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور دونوں میاں بیوی گواہی دینے کے اہل ہوں اور عورت بھی ایسی ہو اگر کوئی شخص اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگائے تو اس پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو یا شوہر اس عورت کے بچے کے نسب کی نفی کر دے اور عورت اس بات پر حد قذف ہونے کا مطالبہ کر دے تو مرد پر سزا کرنا لازم ہوگا۔ اصل یہ ہے ہمارے نزدیک سزا گواہی ہے جس کو قسم کے ذریعے مؤکد کیا جاتا ہے اور جس کے ساتھ حنت ہی ہوئی ہوئی ہے اور یہ حد قذف کے قائم مقام ہوگی۔ شوہر کے حق میں اور عورت کے حق میں زنا کی حد کے قائم مقام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور ان کے پاس گواہ کے طور پر صرف ان کی اپنی ذات ہو"۔ استثناء صرف جنس میں سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے "تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نام کی چار گواہیوں کے برابر ہوگی"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے گواہی بھی ہوگی اور یقین (قسم) بھی ہوگی تو ہم یہ کہیں گے لعان کا رکن گواہی ہے جسے قسم کے ذریعے مؤکد کیا گیا ہے پھر مرد کی طرف میں اس رکن کے ساتھ حنت کو شامل کیا گیا ہے اگر وہ جھوٹا ہو اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوگی اور عورت کی طرف میں غضب کو شامل کیا گیا ہے جو حد زنا کے قائم مقام ہوگا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم یہ کہیں گے یہ بات ضروری ہے دونوں میں بیوی شہادت کے اہل ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے اس کے بارے میں رکن شہادت ہے اور یہ بھی ضروری ہے وہ عورت ایسی ہو کہ اس پر زنا کا جھوٹا الزام لگانے والے پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو اس کی دلیل یہ ہے یہ چیز مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوگی اس لئے عورت کا حصہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی لازم ہے۔ بچے کی نفی کی گئی ہو اس کی دلیل یہ ہے: جب مرد عورت کے بچے کی نفی کر دے گا تو وہ اس پر زنا کا الزام لگانے والا شمار ہوگا جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے اور یہاں یہ احتمال معتبر نہیں ہوگا وہ بچہ کسی دوسرے کا ہو اور شبہ کے نتیجے میں دلی کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی اجنبی س کے باپ کے معروف نسب کا نثار کر دے اس کی دلیل یہ ہے نسب میں اصل یہی ہے فراش صحیح ہو اور فاسد فراش کو اس کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تو شوہر کا صحیح فراش کی نفی کرنا تہمت (زنا کا الزام لگانے) کے مترادف ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے جسے (اس فراش صحیح) کے ساتھ ملایا گیا ہے۔

شرح

اس سلسلے میں ہلال بن امیہ کے مقدمے کی جو تفصیلات صحاح ستہ اور مستدرک احمد اور تفسیر ابن جریر میں ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے منقول ہوئی ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ہلال اور ان کی بیوی، دونوں عدالت

نبوی میں حاضر کیے گئے۔ پہلے حکم خداوندی سنایا۔ پھر فرمایا خوب سمجھو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت چیز ہے۔ ہلال نے عرض کیا میں نے اس پر بالکل صحیح الزام لگایا ہے۔ عورت نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا چھا، تو ان دونوں میں ملاعت کرائی جائے۔ چنانچہ پہلے ہلال اٹھے اور انہوں نے حکم قرآنی کے مطابق قسمیں کھالی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران میں بار بار فرماتے رہے اللہ کو معصوم ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ پانچویں قسم سے پہلے حاضرین نے ہلال سے کہا خدا سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے۔ یہ پانچویں قسم پر عذاب واجب کر دے گی۔ مگر ہلال نے کہا جس خدا نے یہاں میری پیٹھ بچائی ہے وہ آخرت میں بھی مجھے عذاب نہیں دے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے پانچویں قسم بھی کھالی۔ پھر عورت اٹھی اور اس نے بھی قسمیں کھانی شروع کیں۔ پانچویں قسم سے پہلے اسے بھی روک کر کہا گیا کہ خدا سے ڈرو، آخرت کے عذاب کی بہ نسبت دنیا کا عذاب بے حد اشت کرینہ آسان ہے۔

یہ آخری قسم تھ پر عذاب الہی کو واجب کر دے گی۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر رکتی اور جھپکتی رہی۔ لوگوں نے سمجھا اعتراف کرنا چاہتی ہے مگر پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لیے اپنے قبیلے کو رسوا نہیں کروں گی اور پانچویں قسم بھی کھا گئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمایا کہ اس کا بچہ (جو اس وقت پیٹ میں تھا) ماں کی طرف منسوب ہوگا، باپ کا نہیں پکارا جائے گا، کسی کو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگانے کا حق نہ ہوگا، جو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگائے گا وہ حد قذف کا مستحق ہوگا، ورنہ اس کو رات عدت کے نفلے اور سکونت کا کوئی حق ہلال پر حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق و وفات کے بغیر شوہر سے جد کی جا رہی ہے۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس کے ہاں جب بچہ ہو تو دیکھو وہ کس پر گیا ہے۔ اگر اس اس شکل کا ہو تو ہاں کا ہے، اور اگر اس صورت کا ہو تو اس شخص کا ہے جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا ہے۔ وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ وہ مؤخر اندر صورت کا تھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کوئی ایسا نہ ہو (یا بہ روایت دیگر لا مصی من کتاب اللہ) لکان لی ولہا شان، یعنی اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب پہلے ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بری طرح پیش آتا۔

دور نبوی ﷺ میں طلاق خلاشا کا نفاذ

عویمر عجلانی کے مقدمے کی روداد اہل بن عدساعدی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ملتی ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ عویمر اور ان کی بیوی، دونوں مسجد نبوی میں بلانے گئے۔ ملاعت سے پہلے حضور ﷺ نے ان کو بھی تنبیہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ پھر کیا تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟ جب کسی نے توبہ نہ کی تو دونوں میں ملاعت کرائی گئی۔ اس کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں اس عورت کو رکھوں تو جھوٹا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے تین طلاقیں دے دیں بغیر اس کے کہ حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہوتا۔ اہل بن سعد کہتے ہیں کہ ان طلاقیں کو حضور ﷺ نے نافذ فرمایا اور ان کے درمیان تفریق کرادی اور فرمایا کہ یہ تفریق ہے ہر ایسے جوڑے

کے معاملے میں جو باہم لعان کرے۔ اور سنت یہ قائم ہوگئی کہ لون کرنے والے زوجین کو جدا کر دیا جائے، پھر وہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر بن عمر صرف اتنا بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ سہل بن سعد یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عورت حد قحی اور عوبیر نے کہا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے۔ اس بنا پر بچہ ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ ورسنت یہ جاری ہوئی کہ اس طرح کا بچہ ماں سے میراث پائے گا اور ماں ہی اس سے میراث پائے گی۔

ان دو مقدموں کے علاوہ متعدد روایات ہم کو کتب حدیث میں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ کن اشخاص کے مقدموں کی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض ان ہی دونوں مقدموں سے تعلق رکھتی ہوں، مگر بعض میں کچھ دوسرے مقدمات کا بھی ذکر ہے اور ان سے قانون لعان کے بعض اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ابن عمر ایک مقدمے کی روداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زوجین جب لعان کر چکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی (بخاری، مسلم، نسائی، احمد، ابن جریر)۔ ابن عمر کی ایک اور روایت ہے کہ ایک شخص اور اس کی بیوی کے لیے لعان کرایا گیا۔ پھر اس نے حمل سے انکار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور فیصلہ فرمایا کہ بچہ مع ماں کا ہوگا (صحاح سنہ اور مسند احمد بن حنبل)۔

حضرت ابن عمر کی ایک اور روایت ہے کہ ملاعت کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا حساب اب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں ایک بہر حال جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے مرد سے فرمایا: لا سیل لك علیہا (یعنی اب یہ تیری نہیں رہی۔ نہ تو اس پر کوئی حق جڑتا رہتا ہے، نہ کسی قسم کی دست درازی یا دوسری انتقامی حرکت اس کے خلاف کرنے کا مجاز ہے)۔ مرد نے کہا یا رسول اللہ اور میرا مال (یعنی وہ میرا تو مجھے دلوائے جو میں نے سے دیا تھا)۔ فرمایا: لا مال لك، ان كنت صدقت علیہا فهو بما استحل من فرجہا وان كنت كذبت علیہا فذاك ابعدا و ابعدا لك منها (یعنی مال واپس لینے کا تجھے کوئی حق نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچا الزم لگایا ہے تو وہ مال اس لذت کا بدن ہے جو تو نے حلال کر کے اس سے اٹھائی، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ الزام لگایا ہے تو مال تجھ سے اور بھی زیادہ دور چلا گیا، وہ اس کی بہ نسبت تجھ سے زیادہ دور ہے) (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔

امداد قطنی نے علی بن ابی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: سنت یہ مقرر ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے زوجین پھر کبھی باہم جمع نہیں ہو سکتے (یعنی ان کا دوبارہ نکاح پھر کبھی نہیں ہو سکتا)۔ اور دارقطنی ہی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ یہ دونوں پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

حضرت تبصر بن ذؤیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کے حمل کو ناجائز قرار دیا، پھر اعتراف کر لیا کہ یہ حمل اس کا اپنا ہے، پھر وضع حمل کے بعد کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ معاملہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا۔ ڈنے اس پر حد نافذ جاری کی اور فیصلہ کیا کہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا (دارقطنی، بیہقی)۔

حضرت بن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میری ایک بیوی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے۔ مگر

اس کا حال یہ ہے کہ کسی ہاتھ لگانے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتی (واضح رہے کہ یہ کن یہ تھ حس کے معنی زنا کے بھی ہو سکتے ہیں اور زنا سے کم تر درجے کی اخلاقی کمزوری کے بھی)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق دیدے۔ اس نے کہا مگر میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ فرمایا وہ اسے رکھے رہ (یعنی آپ نے اس سے اس کنایہ کی تشریح نہیں کر لی اور اس کے قول کو الزام زنا پر محمول کر کے عدالت کا حکم نہیں دیا)۔ (سنن نسائی)۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر عرض کیا میری بیوی نے کارلڑکا جتنا سے اور میں نہیں سمجھتا کہ ہو میرا ہے (یعنی محض لڑکے کے رنگ نے اسے شبہ میں ڈالا تاہم نہ بیوی پر زنا کا الزام لگانے کے لیے اس کے پاس کوئی اور دلیل نہ تھی)۔ آپ نے پوچھا حیرے پس کچھ اونٹ تو ہوں گے۔ اس نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے پوچھا ان کے رنگ کیا ہیں؟ کہنے لگا سرخ۔ آپ نے پوچھا ان میں کوئی خاستری بھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں، بعض ایسے بھی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ رنگ کہاں سے آیا؟ کہنے لگا شہید کوئی رگ کھینچ لے گئی (یعنی ان کے پاس دادا میں سے کوئی اس رنگ کا ہوگا اور اس کا ثران میں گیا)۔ فرمایا شہید اس بچے کو بھی دئی رگ کھینچ لے گئی اور آپ نے اسے نخی ولد (بچے کے نسب سے انکار) کی اجازت نہ دی (بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد)۔

حضرت ابو ہریرہ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت لعن پر کلام کرتے ہوئے فرمایا جو عورت کسی خاندان میں ایسا بچہ گھسمائے جو اس خاندان کا نہیں ہے (یعنی حرام کا پیٹ رکھ کر شوہر کے سر منڈھ دے) اس کا اللہ سے کچھ واسطہ نہیں، لہذا اس کو جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جو مرد اپنے بچے کے نسب سے انکار کرے حالانکہ بچہ اس کو دیکھ رہا ہو، لہذا قیامت کے روز اس سے پردہ کرے گا اور اسے تمام اگلی کھچھی خلق کے سامنے رسوا کر دے گا (ابوداؤد، نسائی، دارقطنی)۔

سنت لعان اور یہ روایات و نظائر اور شریعت کے اصول عامہ اسلام میں قانون لعان کے وہما خذ ہیں جن کی روشنی میں فقہاء نے لعان کا مفصل ضابطہ بنایا ہے۔ اس ضابطے کی اہم دفعات یہ ہیں۔

۱۔ جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور عان کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کو طور حد جاری کرنے کا حق نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے فصل پر کوئی مواخذہ ہوگا بشرط یہ کہ اس کی صداقت ثابت ہو جائے (یعنی یہ کہ فی الواقع اس نے زنا ہی کے ارتکاب پر یہ فعل کیا)۔ امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ اسے اس مرتکب کو گواہانے میں اسے قتل کا سبب بھی تھا۔

۲۔ مالکیہ میں سے بن القاسم اور ابن حبیب اس پر مزید شرط یہ لگاتے ہیں کہ زنی جسے قتل کیا گیا وہ شادی شدہ ہو، ورنہ کنوارے زانی کو قتل کرنے پر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ مگر جہاں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قصاص سے صرف اس صورت میں معاف کیا جائے گا جب کہ وہ زنا کے چار گواہ پیش کرے، یا مقتول مرنے سے پہلے خود اس مرتکب اعتراف کر چکا ہو کہ وہ اس کی بیوی سے زنا کر رہا تھا، اور مزید یہ کہ مقتول شادی شدہ ہو (نیل الاوطار، ج 6، ص 228)۔

لعان گھر بیٹھے آپس ہی میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے عدالت میں جانا ضروری ہے۔

لعان کے مطالبے کا حق صرف مرد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ عورت بھی عدالت میں اس کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ شوہر اس پر بدکاری کا الزام لگائے یا اس کے بچے کا نسب تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

لعان کا کنبہ واستحاریہ سے عدم ثبوت کا بیان

لعان محض کنبائے اور استحارے یا اظہار شک و شبہ پر لازم نہیں آتا، بلکہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ شوہر صریح طور پر زنا کا الزام عہد کرے یا صاف الفاظ میں بچے کو اپنا بچہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور لیث بن سعد اس پر یہ مزید شرط بڑھاتے ہیں کہ قسم کھاتے وقت شوہر کو یہ کہنا چاہیے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے بیوی کو زنا میں مبتلا دیکھا ہے۔ لیکن یہ قید نے بنیاد ہے۔ اس کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔

لاعن کے قسم سے پہلو تہی کرنے میں مذاہب اربعہ

گر الزام لگانے کے بعد شوہر قسم کھانے سے پہلو تہی کرے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے گا اور جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے الزام کا جھوٹا ہونا نہ مان لے، اسے نہ چھوڑا جائے گا، اور جھوٹ مان لینے کی صورت میں اس کو حد قذف لگائی جائے گی۔ اس کے برعکس امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، حسن بن صالح اور لیث بن سعد کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے پہلو تہی کرنا خود ہی اقرار کذب ہے اس لیے حد قذف واجب آ جاتی ہے۔

اگر شوہر کے قسم کھا چکنے کے بعد عورت لعان سے پہلو تہی کرے تو حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ لعان نہ کرے، یا پھر زنا کا اقرار نہ کر لے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ان کا استدلال قرآن کے اس ارشاد سے ہے کہ عورت سے عذاب صرف اس صورت میں دفع ہوگا جب کہ وہ بھی قسم کھائے۔ اب چونکہ وہ قسم نہیں کھاتی اس لیے بحال وہ عذاب کی مستحق ہے۔

اقرار سے ثبوت حد اور مودودی کی جعل سازی

لیکن اس دلیل میں کمزوری یہ ہے کہ قرآن یہاں عذاب کی نوعیت تجویز نہیں کرتا بلکہ مطلقاً سزا کا ذکر کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ سزا سے مراد یہاں زنا ہی کی سزا ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زنا کی سزا کے لیے قرآن نے صاف الفاظ میں چار گواہوں کی شرط لگائی ہے۔ اس شرط کو محض ایک شخص کی چار قسمیں پورا نہیں کر دیتیں۔ شوہر کی قسمیں اس بات کے لیے تو کافی ہیں کہ وہ خود قذف کی سزا سے بچ جائے اور عورت پر لعان کے احکام مترتب ہو سکیں، مگر اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ ان سے عورت پر زنا کا الزام ثابت ہو جائے۔ عورت کا جوابی قسمیں کھانے سے انکار شبہ ضرور پیدا کرتا ہے اور بڑا قوی شبہ پیدا کر دیتا ہے، لیکن شبہات پر حدود جاری نہیں کی جاسکتیں۔ اس معاملہ کو مرد کی حد قذف پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کا قذف تو ثابت ہے، چھبی تو اس کو لعان پر مجبور کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس عورت پر زنا کا الزام ثابت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے اپنے اقرار یا چار یعنی شہادتوں کے

بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔ (نوٹ۔ اقرار سے ثبوت حد میں شرعی نصوص موجود ہیں اہل علم سے مخفی نہیں ہے) لعان کے قانونی نتائج میں سے بعض متفق علیہ ہیں، اور بعض میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

متفق علیہ نتائج یہ ہیں: عورت اور مرد دونوں کسی سزا کے مستحق نہیں رہتے۔ مرد بچے کے نسب کا منکر ہو تو بچہ صرف ماں کا قرار پائے گا، نہ باپ کی طرف منسوب ہوگا نہ اس سے میراث پائے گا، ماں اس کی وارث ہوگی اور وہ ماں کا وارث ہوگا۔ عورت کو زانیہ اور اس کے بچے کو ذمہ الزنا کہنے کا کسی کو حق نہ ہوگا، خواہ لعان کے وقت اس کے حالات ایسے ہی کیوں نہ ہوں کہ لوگوں کو اس کے زانیہ ہونے میں شک نہ رہے۔ جو شخص لعان کے بعد اس پر یا اس کے بچے پر سابق الزام کا عہد کرے گا وہ حد کا مستحق ہوگا۔ عورت کا مہر ساقط نہ ہوگا۔ عورت دوران عدت میں مرد سے نفقہ و مسکن پانے کی حق دار نہ ہوگی۔ عورت اس مرد کے لیے حرام ہو جائے گی۔

تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اختلاف دو مسئلوں میں ہے۔ ایک یہ کہ لعان کے بعد عورت اور مرد کی علیحدگی کیسے ہوگی؟ دوسرے یہ کہ لعان کی بنا پر علیحدہ ہو جانے کے بعد کیا ان دونوں کا پھریل جانا ممکن ہے؟ پہلے مسئلے میں امام شافعی کہتے ہیں کہ جس وقت مرد لعان سے فارغ ہو جائے اسی وقت فرقت آپ سے آپ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت جوابی لعان کرے نہ کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ، بیہ بن سعد اور زفر کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں جب لعان سے فارغ ہوں تب فرقت واقع ہوتی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ، ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ لعان سے فرقت آپ ہی آپ واقع نہیں ہو جاتی بلکہ عدالت کے تفریق کرانے سے ہوتی ہے۔ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر، ورنہ حاکم عدالت ان کے درمیان تفریق کا اعلان کرے گا۔

دوسرے مسئلے میں امام مالک علیہ الرحمہ، ابو یوسف، زمر، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، شافعی، احمد بن حنبل اور حسن بن زید کہتے ہیں کہ لعان سے جو زوجین جدا ہوئے ہوں وہ پھر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں، دوبارہ وہ باہم نکاح کرنا بھی چاہیں تو کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ یہی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عند اللہ بن مسعود کی بھی ہے۔

جبکہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جبیر، ابو حنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنا جھوٹ مان لے اور اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو یک دوسرے کے لیے حرام کرنے والی چیز لعان ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں، حرمت بھی قائم رہے گی۔ مگر جب شوہر اپنا جھوٹ مان کر سزا پا گیا تو لعان ختم ہو گیا اور حرمت بھی اٹھ گئی۔

میں عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے

وَيُسْتَرْطُ طَلَبُهَا لِأَنَّهُ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوقِ (فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يَلَاعِنَ أَوْ يُكْذِبَ نَفْسَهُ) لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى

إِيْقَانَهُ فَيُحْبِسُ بِهِ حَتَّى يَأْتِيَ بِمَا هُوَ عَلَيْهِ أَوْ يَكْذِبَ نَفْسُهُ لِيَرْفَعَ السَّبَبَ (وَلَوْ لَا عَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللَّعَانُ) لِمَا تَلَوْنَا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّهُ يُبْتَدَأُ بِالزَّوْجِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُدْعَى (فَإِنْ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتَّى تَلَا عِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ) لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلَى إِيْقَانِهِ فَتُحْبَسُ فِيهِ.

ترجمہ

اور لعن کرنے کے لئے بیوی کو مطالبہ کرنا شرط ہے کیونکہ لعن کروانا عورت کا حق ہے تو دوسرے حقوق کی طرح اس میں بھی مطالبہ کرنا اور دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ اگر عورت کے مطالبہ کرنے پر شوہر لعن کرنے سے انکار کر دے تو حاکم وقت اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعن کرے گا یا پھر یہ اقرار کرے گا میرا دعویٰ جھوٹا تھا تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جاسکے۔ اس کی دلیل یہ ہے لعن کرنا شوہر پر لازم اور ضروری ہے اور مرد کو اس بات کو پورا کرنے کی قدرت بھی حاصل ہے لہذا اسے قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس حق کو پورا کرے یا پھر اپنی بات کی تکذیب کرے تاکہ جس بنیاد پر یہ حق لازم ہوا تھا اسے ختم کیا جاسکے۔ اگر شوہر لعن کرتا ہے تو عورت پر بھی لعن کرنا لازم ہوگا کیونکہ لعن کا تقاضا یہی ہے البتہ حاکم آغاز مرد کرے گا کیونکہ دعویٰ اسی نے کیا ہے۔ اگر عورت لعن سے انکار کر دیتی ہے تو حاکم اسے قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعن کرے گی یا پھر مرد کے دعوے کی تصدیق کر دے گی کیونکہ لعن کرنا عورت پر لازم ہے اور یہ بھی اس کی ادائیگی پر قادر ہے تو (انکار پر) عورت کو قید کیا جائے گا۔

لعن کی شرائط کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی کہتے ہیں کہ لعن کی درج ذیل شرائط ہیں۔ (۱) نکاح صحیح ہو۔ اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے۔ ورتہمت لگائی تو لعن نہیں۔ (۲) زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعن نہیں ہو سکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا۔ یونہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا ردیل کے مر جانے کے بعد تو لعن نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعن ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔ (۴) دونوں عاقل ہوں۔ (۵) دونوں بالغ ہوں۔ (۶) دونوں مسلمان ہوں۔ (۷) دونوں ناطق ہوں یعنی اُن میں کوئی گونگانہ ہو۔ (۸) اُن میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (۹) مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پار مانتی ہو اصطلاح شرع میں پار اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اسکے ساتھ متہم ہو۔ لہذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اُس سے وطی کی اگرچہ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عقیقہ نہیں۔ یونہی اگر نکاح فاسد کر کے اُس سے وطی کی تو عفت جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس

کے باپ کو یہاں کے شوہر نہ جانتے ہوں اگرچہ حقیقہ وہ ولد الزنا (۳) نہیں ہے یہ صورت متہم ہونے کی ہے اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض و نفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اُس کی جو اولاد اسکے نکاح میں پیدا ہوئی اُس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اُس کو کہتا ہو کہ یہ اُس کا نہیں۔ (۱۲) دارالاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔ (۱۳) عورت قاضی کے پاس اُس کا مطالبہ کرے۔ (۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دوسرا دگواہوں سے ثابت ہو۔ لعن کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (عالمگیری، باب لعن، ۵، ص ۵۱۵، میردت)

شوہر کے غلام کافر یا محدودنی قذف ہونے کا حکم

(وَرَدًا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا أَوْ كَافِرًا أَوْ مَخْذُومًا فِي قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اللَّعْنُ لِمَعْنَى مِنْ حَيْثُ فَضَّارُ إِلَى الْمُوجِبِ الْأَصْلِيِّ وَهُوَ الثَّابِتُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ) الْآيَةَ، وَاللَّعْنُ خَلْفَ عَهْدِهِ.

ترجمہ

اور اگر کسی کا شوہر غلام ہو یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو اور وہ اپنی بیوی پر الزام لگائے تو اس مرد پر ہی حد قذف جاری ہوگی کیونکہ شوہر میں ایک ایسا سبب پایا جاتا ہے جو لعن کے لئے رکاوٹ ہے تو وہ اصل سبب کا مستحق قرار پائے گا۔ اس کا حکم اس نص سے ثابت ہے جو گوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی تو لعن دراصل اسی سبب کا قائم مقام ہے۔

شرح

وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (النور، ۴)

اور جو پار ساعورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معتمدہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ اور وہی فاسق ہیں۔ (کنز الایمان)

المست کے معروف عالم صدر الافاض مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ رحمہ لکھتے ہیں۔

زنا کی شہادت کا نصاب چار گواہ ہیں۔

حد قذف مطالبہ پر مشروط ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ نہ کرے تو قاضی پر حد قائم کرنا لازم نہیں۔

مطالبہ کا حق اسی کو ہے جس پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ زندہ ہو اور اگر مر گیا ہو تو اس کے بیٹے پوتے کو بھی ہے۔

غلام اپنے مولیٰ پر اور بیٹا باپ پر قذف یعنی اپنی ماں پر زنا کی تہمت لگانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صریحہ کسی کو یا زانی کہے یا یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے یا اس کو زانیہ کا بیٹہ کہہ کر پکارے اور ہواس کی ماں پر سا تو ایسا شخص قاذف ہو جائے گا اور اس پر تہمت کی حد آئے گی۔

اگر غیر محسن کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کسی غلام کو یا کافر کو یا ایسے شخص کو جس کا کلمہ زنا کرنا ثابت ہو تو اس پر حد قذف قائم نہ ہوگی بلکہ اس پر تعزیر واجب ہوگی اور یہ تعزیر تین سے انتالیس تک حسب تجویز حکم شرع کوڑے لگانا ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے زنا کے سوا اور کسی فجور کی تہمت لگائی اور پارہ مسلمان کو اسے فاسق، اسے کافر، اسے خبیث، اسے چور، اسے بدکار، اسے فحش، اسے بددیانت، اسے لوطی، اسے زندقہ، اسے روث، اسے شرابی، اسے سودخوار، اسے بدکار عورت کے بچے، اسے حرام زادے، اس قسم کے الفاظ کہے تو بھی اس پر تعزیر واجب ہوگی۔

اہم یعنی حکم شرع کو اور اس شخص کو جسے تہمت لگائی گئی ہو ثبوت سے قبل معاف کرنے کا حق ہے۔ اگر تہمت لگانے والا آزاد نہ ہو بلکہ غلام ہو تو اس کے چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ تہمت لگانے کے جرم میں جس کو حد لگائی گئی ہو اس کی گواہی کسی معاملہ میں معتبر نہیں چاہے وہ توبہ کرے لیکن رمضان کا چاند دیکھنے کے باب میں توبہ کرنے اور عہد دل ہونے کی صورت میں اس کا قول قبول کر لیا جائے گا کیونکہ یہ درحقیقت شہادت نہیں ہے اسی سے اس میں لفظ شہادت اور نصب شہادت بھی شرط نہیں۔

(خزان العرفان)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی عیادہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت پر شوہر نے تہمت لگائی اور اب لعان سے انکار کرتا ہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا کہے میں نے جھوٹ کہا تھا اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف قائم کریں اور شوہر نے لعان کے الفاظ ادا کر لیے تو ضرور ہے کہ عورت بھی ادا کرے ورنہ قید کی جائیگی یہاں تک کہ جان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اب لعان نہیں ہو سکتا نہ آئندہ تہمت لگانے سے شوہر پر حد قذف قائم ہوگی مگر عورت پر تصدیق شوہر کی دلیل سے حد زنا بھی قائم نہ ہوگی جبکہ لفظ اتاکھا ہو کہ وہ سچا ہے اور اگر اپنے زنا کا اقرار کیا تو بشرط اقرار زنا حد زنا قائم ہوگی۔

اور جب شوہر کے ناقابل شہادت ہونے کی دلیل سے اگر لعان ساقط ہو مثلاً غلام ہے یا کافر یا اس پر حد قذف لگائی جا چکی ہے تو حد قذف قائم کی جائے بشرطیکہ عاقل بالغ ہو۔ اور اگر لعان کا ساقط ہونا عورت کی جانب سے ہے کہ وہ اس قابل نہیں مثلاً کافرہ ہے یا باندی یا محدودہ فی القذف یا وہ ایسی ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کے لیے حد قذف نہ ہو یعنی عقیقہ نہ ہو تو شوہر پر حد قذف نہیں بلکہ تعزیر ہے مگر جبکہ عقیقہ نہ ہو اور علانیہ زنا کرتی ہو تو تعزیر بھی نہیں اور اگر دونوں محدودہ فی القذف ہوں تو شوہر پر حد قذف ہے۔

(رد مختار، کتاب طلاق، باب لعان)

بیوی کے کنیز، کافر، محدودہ فی قذف ہونے کا حکم

(وَأَنَّ كَذِبَ مَنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُودَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَذَبٍ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَافِلُهَا) بِأَنَّ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً أَوْ زَانِيَةً (فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانٍ) لَا يُعَدَّمُ أَهْلِيَّةُ الشَّهَادَةِ وَعَدَمُ الْإِحْصَانِ فِي جَانِبِهَا وَامْتِنَاعُ اللَّعَانِ لِمَعْنَى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا إِذَا صَدَّقَتْهُ، وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ زَوَاجِهِمْ: الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ، وَالْمَمْلُوكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ، وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوكِ (۱)) وَلَوْ كَانَا مَحْدُودَيْنِ فِي قَذْفٍ فَلَعَلَّهِ الْحَدُّ لَأَنَّ امْتِنَاعَ اللَّعَانِ بِمَعْنَى مِنْ جِهَتِهِ إِذْ هُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ

ترجمہ

اگر شوہر گواہی دینے کا اہل ہو مگر اس کی بیوی کنیز ہو یا کافر ہو یا اس پر حد قذف جاری ہو چکی ہو یا وہ ان عورتوں میں سے ہو جن پر لزام لگانے پر سزا نہیں دی جاتی جیسے وہ نابالغ ہو یا گھل ہو یا فاحشہ عورت ہو تو عورت پر نہ حد جاری ہوگی نہ لعان کرنا لازم ہوگا کیونکہ عورت شہادت کی اہلیت نہیں رکھتی ہے کیونکہ وہ محض نہیں ہے تو اب چونکہ لعان میں رکاوٹ عورت کی طرف سے ہے اس لئے مرد سے حد ساقط ہو جائے گی۔ جیسے اس وقت ساقط ہو جاتی جب عورت مرد کی بات کی تصدیق کر دیتی۔ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”چار آدمی ایسے ہیں جن کے بیویوں اور ان کے درمیان لعان نہیں ہو سکتا (بیوی) یہودی ہو یا عیسائی ہو (اور اس کا شوہر) مسلمان ہو (بیوی) کنیز ہو جس کا شوہر آزاد شخص ہو (بیوی) آزاد عورت ہو (جس کا شوہر غلام ہو) اگر میان بیوی دونوں پر پہلے حد قذف جاری ہو چکی ہو تو مرد پر حد لازم آئے گی کیونکہ یہاں لعان میں رکاوٹ اس مرد کی دلیل سے آئے گی۔ کیونکہ وہی لعان کرنے کا اہل نہیں ہے۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

حضرت عمر و ابن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان لعان نہیں ہوتا ایک تو وہ نصرانیہ عورت یعنی عیسائی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ یعنی یہودی عورت جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو (ابن ماجہ)

(۱) أخرجه ابن ماجه في "سننه" رقم (۲۰۲۱)۔ والدارقطني في "سننه" ۱/۶۳۳ من طريق عمرو بن شعيب عن جده مرفوعاً وموقوفاً۔

ودخل عمرو من لا يثبت عليه۔ ورجح الدارقطني الموقوف۔

کہے گا۔ شوہر کی طرح بیوی بھی چار بار گواہی دے گی اور ہر بار یہی کہے گی۔ ”میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھ کر کہتی ہوں کہ اس مرد نے مجھ پر جو الزام لگایا ہے وہ جھوٹا ہے۔“ پانچویں مرتبہ وہ یہ اظہار استعمال کرے گی۔ ”اگر اس نے یہ الزام سچ لگایا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو۔“ اس بارے میں مذکورہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام حسن (بن۔ یو) نے امام ابوحنیفہ سے یہ بات روایت کی ہے لعان کی گواہی میں شوہر مخاطب سے صیغے کو استعمال کرے گا یعنی یہ کہے گا۔ ”میں نے تم پر جو الزام لگایا ہے“ اس کی دلیل یہ ہے۔ اس میں دوسرا احتمال ختم ہو جاتا ہے کہ اب میں جو بات ذکر کی گئی ہے غائب کے صیغے کے ساتھ اشارہ بھی موجود ہو تو احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات

ان آجوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاندانوں کیلئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت میں فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کر لیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا اور یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔

اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے نہ آئے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی۔ یہ بھی چار مرتبہ علفیہ بیان دے گی کہ اس کا خاندان جھوٹا ہے۔

اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھئے کہ عورت کیلئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے آپ کو بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جاسکتا ہے۔

اس لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوا دیا گیا کہ اگر اس کا خاندان سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسنیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو وہ حکیم ہے، پنی شرع میں، اپنے حکموں میں، اپنی ممانعت میں ”اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔“ مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اترتی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار یونہی سنتے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسم آپ درگزر فرمائیے یہ صرف ان کی بڑی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ راؤں تک تو وہ اپنا کام پورا کر سکے گا۔ اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت بر معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔ سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی دلیل سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے اللہ میں سچا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی قسم ہے میں سچا ہوں، اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حد بارے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صبح بہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچن گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرمادی۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے اللہ رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بویا اور ان دونوں کے سامنے آیت ماعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا معاف کر دو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں ہو۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی توبہ آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ہلال اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا تو آپ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اللہ کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی دلیل سے بچایا، اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی دلیل سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔

پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔ اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے۔ جب وہ چاروں قسمیں کھ چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت

ہلال رضی اللہ عنہ وسمیہؓ یہ بھی فدا ہوئے تھے۔ ان کو سنبھالا، قریب تھا کہ اپنے قصہ کا اکرار کرے۔ لیکن پھر کہنے لگی میں ہمیشہ سے یہ قسم کو یاد نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خدشہ ہو تو اس پر مذکورہ غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں جدائی کرادی اور حکم دیدیا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرام کی اولاد کہ جائے۔ جو ان بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے۔ وہ جہنم کا گایا جائے گا۔ یہ بھی نصیحت تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے خاندان پر نہیں کیونکہ جہنم کی کوئی گئی ہے۔ نہ حقدار ہونی ہے نہ خاندان کا انتقال ہو۔ اور یہ نصیحت تھی۔ یہ سرخ مفید رنگ موٹی پنڈیوں و درپیدا ہوتا تو اسے بدل کا سمجھنا اور اگر وہ پستی بندوں کو دینا یا کسی رشتہ کا یہ ہو اس شخص کا سمجھنا اس کے ساتھ اس پر مزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو دونوں نے سمجھا کہ وہ اس کی صفت پر تھوڑا کمزور کی حیثیت کی شکی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطع حد کاٹتا۔ یہ صاحبہ اس پر بڑے ہو کر مصرعے وان بنے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی۔ (اور وہ) اس حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ شریک بن علاء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا گوہ پیش کر دو۔ وہ تہمتیں پیش کر دیں۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص اپنی بیوی کو برباد کا مہیا دیکھ رہا ہے۔ گوہ ڈھونڈنے لگے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے توبہ کرے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کر دو پھر اسے نصیحت کی۔ فرمایا اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کر دی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کے زمانہ کا۔ مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بت پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب پہلے یہ بات فدا بن فداں نے دریافت کی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بیشری کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا انفس ونبی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی۔ بہت کچھ سمجھا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں جدائی کرادی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھ ہوا تھا کہ ایک

صحابی نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ سے مار ڈالے تو تم اسے مار ڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے گا تو قہر شہادت موجود نہ ہونے کی دلیل سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے اور اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر میٹھا پتہ تو یہ بڑی بے غیرتی و بڑی بیگانی ہے۔ اللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اہمیت دریافت کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ورنہ کی کہ یا اللہ ان کا فیصلہ مار ڈالو۔ پس آیت عن اتری ورسب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمیر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت تو کرو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے بہت ناراض ہوئے۔ جب عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہ ہتم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے مجھ سے کوئی اچھی خدمت نہیں انفسوں میرے اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب پکڑا اور فرمایا عویمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر تھوٹ تہمت باندھی تھی۔ پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جہنم کر دیا۔ پھر وہ حال کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حد تھی اور ان کے خاندان سے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا۔ اس نے یہ پچھ پٹی اس کی طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسموں طریقہ یوں جاری ہو کر یہ اپنی ماں کا ورثہ ہو گا اور ماں اس کی ورثہ ہوگی۔ ایک مسئلہ اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن نر دیں گے۔ ایسے وقت چشم پوشی دینی کر سکتے ہیں جو دیوت ہوں اس پر یہ تین تریں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر نور مے)

لعان کے بعد تفریق کا بیان

قَالَ (وَإِذَا التَّعْنَا لَا تَفْعُ الْفُرْقَةُ حَتَّى يُفَرِّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا) وَقَالَ رُفْرُ: تَفْعُ بِلَا عِيْهِمَا لِأَنَّهُ تَشْتُلُ لِحْرَمَةَ الْمُؤَبَّدَةِ بِالْحَدِيثِ (۱) وَلَكِنَّا أَنْ ثُبُوتِ الْحُرْمَةِ يَقُوْتُ الْإِمْسَاكَ بِالْمَعْرُوفِ فَيَلْزِمُهُ التَّسْرِيحُ بِالْإِحْسَانِ، فَإِذَا مُتَّعَ نَاَبُ الْقَاضِي مَانَهُ دَفْعًا لِلنَّظْمِ، دَلَّ عَلَيْهِ فَرُلُ ذَلِكَ الْمَلَا عِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، هِيَ طَالِقٌ ثَلَاثًا (۲)، قَالَهُ بَعْدَ اللَّعَانِ (وَتَكُونُ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ) رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيِ انْتَسَبَ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْعِيْنِ

(وَهُوَ خَاطِبٌ إِذَا أَكْذَبَ نَفْسَهُ) عِنْهُمَا .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: هُوَ تَحْرِيمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْمُتْلَاعَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا) (۳) نَصَّ عَلَى التَّائِيدِ. وَلَهُمَا أَنَّ الْإِكْذَابَ رُجُوعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوعِ لَا حُكْمَ لَهَا، لَا يَجْتَمِعَانِ مَا دَامَا مُتْلَاعَيْنِ، وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَلَا حُكْمُهُ بَعْدَ الْإِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ .

(۱) کتابہ یشیر الی الحدیث الاثنی: "المتلاعان لا یجتمعان" (۲) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" ۴۴۹/۸ رقم (۱۷۴۵) وی ۴۴۶/۹ رقم (۵۲۰۸)۔ و مسلم فی "صحیحہ" ۱۱۲۹، ۱۱۳۴ رقم (۱۴۹۲) من سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ۔

(۳) أخرجه الدارقطنی فی "سنن" ۴۰۶/۲ باسناد جید بلفظ: "المتلاعان اذا تفرقا لا یجتمعان أبدا" من حدیث ابن عمر، و "خرج" نو۔ و "سنن" رقم (۲۲۵۰) من حدیث سہل انظر "نصب لرایہ" ۲۵۰/۳ و "الداریہ" ۷۶/۳۔

ترجمہ

جب دونوں معان رلیں گے تو ان کے درمیان عیحدگی واقع نہیں ہوگی جب تک قاضیوں دونوں کے درمیان عیحدگی نہیں کروا دیں۔ امام زفر فرماتے ہیں ان دونوں کے درمیان لعان کرنے کی دلیل سے عیحدگی واقع ہو جائے گی اس کی دلیل یہ ہے حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ دائمی حرمت ثابت ہوگئی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے لعان کے نتیجے میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کا بالمعروف کا مقصد نفوت ہونے سے ہے اس لئے شوہر کے لئے یہ بات لازم ہوگی کہ اس عورت کو احسان کے ساتھ رخصت کئے لیکن جب شوہر اس بات سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا تاکہ ظلم اور زیادتی کا ازالہ کیا جاسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لعان کرنے والے صاحب کاقول بھی اسی بات کی دلالت کرتا ہے جنہوں نے یہ کہا تھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں اسے اب بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوں تو اس کا مطلب ہے میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اسے تین طلاقیں ہیں" انہوں نے یہ بات لعان کرنے کے بعد کہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان یہ عیحدگی ایک باندہ طوق شمار ہوگی۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ قاضی کا یہ عمل شوہر کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ عین کی صورت میں ہوتا ہے۔

اگر لعان کرنے والا شخص لعان کے بعد اپنی بات کی تکذیب کر دے تو وہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے دائمی طور پر حرام ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "لعان کرنے والے کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے"۔ یہ بدی حرمت پر نص ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے تکذیب کرنا رجوع شمار ہوگا تو جس گواہی کے بعد رجوع آ جائے اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، میاں بیوی اس وقت تک اکٹھے نہیں

ہو سکتے جب تک معان کا حکم باقی رہتا لیکن جب لعان باقی نہیں رہا اور اس کا حکم بھی باقی نہیں رہا (مرد کے اپنی ذات کی) تکذیب کرنے کے بعد تو وہ دونوں کٹھے ہو سکتے ہیں۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ اس لعان کی دلیل سے وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہو گیا۔ جی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالے کر دیا (بخاری مسلم)

اور حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کھل ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کھل ہے۔

تفریق کرادی کا مطلب یہ ہے کہ معان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق جدائی حاکم و قاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے نہ کہ شخص لعان سے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت عوبیر نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد حد یعنی شرعی سزا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو (زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائیگی یعنی اس کو ایک یا کداس عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پابہ ثبوت کو پہنچی جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگر کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک یا کداس عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعہ عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ بدعت پر تیار ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب یعنی یہاں کی سزائیں آسان اور کھل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو بیچ بات ہو اس کا اعتراف و اقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

الْمَنْوُطُ بِهِ وَهُوَ التَّخْرِيمُ (وَكَذَلِكَ إِنْ قَدَفَ غَيْرَهَا فَحَدَّ بِه) لِمَا يَسَّ (وَكَلَّ إِذَا رَسَتْ
فَحَدَّثَتْ) لِانْتِفَاءِ أَهْلِيَّةِ اللَّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا

ترجمہ

اگر زنا کا یہ الزام بچے کے نسب کی نفی کی صورت میں ہو تو قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کر دے گا اور اسے اس کی ماں سے
ساتھ شام کر دے گا۔ عان کی صورت یہ ہوگی کہ ہم مرد سے یہ کہے گا وہ یہ کہے میں امتداعی نے نام (کی قسم تھ کر) کہہ دیا
کہ یہ ایسا ہے۔ کہ میں سچا ہوں جو میں نے بیوی پر یہ الزام لگایا ہے جس میں بچے کے نسب کی نفی نہ ہے۔ ای میں نے
طرف سے بھی یہی بات کی جائے گی۔ اگر مرد عورت پر زنا کا الزام لگائے اور بچے کی نفی بھی کر دے تو وہ لعان میں ان دونوں
کے نسب کا در قاضی بچے کے نسب کی نفی کر دے گا کہ اس کی دلیل یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
بارہ میں یہ بات منقول ہے آپ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کو ہلال سے نسبت کی نفی کر دی تھی وہ اس بچے کو
کے ساتھ حق کر دیا تھا۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے لعان کا اصل مقصد یہ ہے بچے کے نسب کی نفی کی جائے تاکہ شہادہ
پر نہ ہو۔ بچے کے نسب کی نفی کے لئے قاضی کا اتنا کہنا کافی ہوگا کہ میں نے دونوں کے درمیان عان کی تفریق کر دی۔ یہ روایت
روایت منسوب ہے قاضی علیحدہ طور پر ذکر کرے گا اور یہ کہے گا: میں اسے ماں کے ساتھ ملا رہا ہوں میں اسے ماں کے نسب سے
کال رہا ہوں اس کی دلیل یہ ہے اس کو ماں کے نسب سے علیحدہ کرنا ضروری ہے تو اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا۔ اگر
نہ اسے اور اپنی مات کی تہذیب کر دے تو قاضی اس پر حد جاری کرے گا کیونکہ اس نے اس چیز کا اقرار کیا ہے جس کے نتیجے
واجب ہو جاتی ہے۔ مرد کے لئے یہ بات چار ہوگی کہ وہ اسی عورت کے ساتھ شادی کر لے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔
اس کی دلیل یہ ہے جب اس پر حد جاری ہوگئی تو وہ حان کا اہل نہیں رہا لہذا لعان کا حکم اٹھ جائے گا اور وہ حمد و ثناء
ہے۔ اسی طرح اگر وہ کسی دوسری عورت پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو اس کے نتیجے میں حد جاری ہوتی ہے (تو یہی حکم ہے) اس پر
ہم بین کر چکے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ عورت زنا کرتی ہے تو اس پر حد جاری ہوتی ہے۔ (تو یہی حکم ہوتا) اس کی دلیل یہ ہے۔
کی طرف سے حان کی اہلیت ختم ہوگئی ہے۔

بچے کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان

علامہ عبد بن عبد بن حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے ۱۰

(۲) أخرجه أبو داود في "مسند" برقم (۲۲۴۶) عن ابن عباس رضي الله عنهما في سننه عباد بن منصور مختلف فيه يندون في يحيى
الطباطبائي وقال أبو حاتم الرازي: كان ضعيف الحديث. يكتب حديثه. انظر "تصنيف الترياق" ۳/ ۲۵۱-۲۵۲. وأخرجه البخاري في "صحيحه"
برقم (۵۲۱۵) ومسلم في "صحيحه" برقم (۱۴۹۴) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ لا عن ابن عباس ولا عن غيره ففرق بينهما والحق
الولد بالمرأة

کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطن
ن کے بعد حکم اسلام تفریق کر دیا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی لہذا بعد لعان
کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائیگا اور لعان
۴۰۰ ج کی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کرائی تو سوہرے
ردوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کر دی تو ہوگئی۔ لعان ہو جانے کے بعد
دگیا یا محزول ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان

بار دونوں نے الفاظ لعان کہے تھے یعنی ابھی پورا حان نہ ہوا تھا کہ قاضی
نہایت سے در اگر ایک ایک یا دو دو پر کہنے کے بعد تفریق کی تو تفریق نہ
یہ قاضی غیر حنفی نے (جس کا یہ مذہب ہو کہ صرف شوہر کے لعان سے
وہ قاضی حنفی ایسا کرے گا تو اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی کہ یہ اس کے مذہب کے خلاف
ہے۔ حق نہیں۔ (در مختار ج ۵، ص ۱۶۰، بیروت)

أَخْبَرَنِي سَنَةُ وَالْحَقُّ بِأَمْرِ) وَصُورَةُ اللَّعَانِ أَنْ يَأْمُرَ
بِأَمْرِهِ أَيْ لِمَنْ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُكَ بِهِ مِنْ نَفِي
رَأَوْا أَنْ فَدَقَّهَا لَرْنَا وَنَفَى أَنْوَلَدَ ذَكَرَ فِي اللَّعَانِ الْأُمُورِ
رَفَقَةً بِأَمْرِ) لِمَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
بِأَمْرِ) وَالْحَقُّ بِهَا (۱) وَلَا لَنْ الْمَقْصُودُ مِنْ هَذَا اللَّعَانِ
فِي هَذِهِ رَفَقَةً، فَيَتَضَمَّنُهُ الْقَصْدُ بِالتَّفْرِيقِ. وَعَنْ أَبِي يُونُسَ أَنَّ
وَيَقُولُ: قَدْ أَلَزَمْتَهُ أَمَّهُ وَأَخْرَجْتَهُ مِنْ نَسَبِ الْأَبِ لِأَنَّهُ يَنْفَكُ عَنْهُ فَلَا بَدْ
بِأَمْرِ) كَذَلِكَ سَنَسَهُ حَدَّثَهُ الْقَاضِي) لِأَقْرَارِهِ بِوُجُوبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ
بِأَمْرِ) لِمَا رَوَى (وَلَا يَنْفَكُ عَنْهُ لِمَا رَوَى) فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ

ہو اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔

جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اس نے اولاد چھوڑی، بے لعان کرنے والے نے اس کو اپنا پوتا پوتی قرار دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی جنسی نے عورت پر تہمت لگائی اور اس بچہ کو حرامی کہا اس پر حد قذف قائم ہوئی تو اب اس کا نسب ثابت ہے اور کبھی منکھی نہ ہوگا۔ عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا یہ میرا نہیں یہ زنا سے ہے اور کسی دلیل سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منکھی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں۔ یونہی اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منکھی نہ ہوگا۔ (در مختار ج ۵، ص ۱۷۰، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس نے نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھ بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے اس سے انکار کیا تو لعان ہو سکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہوگا اور مہر پورا دینا ہوگا۔ (عام گیری، باب لعان)

تہمت زنا سے ثبوت لعان کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے عورت سے کہا اے زانیہ زانیہ کی بیٹی تو عورت اور اس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دیکر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ہو جائیگا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا پھر بعد میں گریں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کرینگے۔ اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مرجی ہے، در عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ورا اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا۔ یونہی، اگر لختیہ پر تہمت لگائی پھر اس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان و حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کرینگے۔

بیٹی عورت سے کہا میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی لہذا لعان ہے اور اگر یہ کہا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔ عورت سے کہا میں نے تجھے بکرنہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

اور ادا سے انکار اس وقت صحیح ہے جب مہار کہا دی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خریدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت رضا سمجھا جائیگا اب پھر نفی نہیں ہو سکتی مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے۔ شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (در مختار باب لعان، ج ۵، ص ۱۶۳، بیروت)

عورت نابالغ یا مجنون ہو تو لعان کا حکم

(وَإِذَا قُذِفَ امْرَأَتُهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ أَوْ مَجْنُونَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا) لِأَنَّهُ لَا يُحَدُّ قَاضِيهَا لَوْ كَانَ

أَحْبَبًا، فَكَذًا لَا يَلْعَنُ الرَّوْحُ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (وَكَذَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا أَوْ مَجْنُونًا) لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ (وَقَدْ ذُكِرَ الْآخَرُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللَّعَانُ) لِأَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ، وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَهَذَا لِأَنَّهُ لَا يَغْرَى عَنِ الشُّبْهَةِ وَلِحُدُودِ تَنْكِرِهِ بِهَا

ترجمہ

اور جو شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور وہ عورت نابالغ ہو یا پاگل ہو تو دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے ایسی عورت پر زنا کا الزام لگانے پر حد جاری نہیں ہوتی ہے اگر وہ الزام لگانے والا شخص اجنبی ہو تو اسی طرح اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ لعان نہیں کر سکتا، کیونکہ لعان اس حد قذف کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر شوہر نابالغ ہو یا پاگل ہو (تو بھی یہی حکم ہوگا) کیونکہ اس میں گواہی کی اہلیت نہیں پائی جاتی۔ گوٹکے شخص کے زنا کا الزام لگانے پر لعان متعلق نہیں ہوگا، کیونکہ یہ صریح غلط کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حد قذف میں یہی حکم ہوتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل مختلف ہے۔ اس حکم کی دلیل یہ ہے اس میں شبہ پایا جائے گا اور شبہ کی دلیل سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

شبہات سے حد و ساقط ہو جاتی ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں تین طرح کے لوگوں سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہو جائے نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اور دیوانہ جب تک اسے عقل نہ جائے۔ حد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں بے ہوش جب تک اسے ہوش نہ آجائے۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 152)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (مظلوم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا ہزار دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث منقول ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۱۰۰۰۰)

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو "حد" سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ مظلوم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ مظلوم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے

بہن کی بھی کیا یہ تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے رنا کے ارتکاب کے بعد اس کا دوسرے بیوی سے نکاح کیا ہو۔ وہ اب تم اس کو اپنے قرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو۔ عین اس قسم کے سوالات کے اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ ہری ہو جائے، چنانچہ ما عزو وغیرہ سے بہت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطا مزادینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا نفاذ بھی مذکورہ بالا سید کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ ورنہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے غلطی ہو کر کر دے اور فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے اس کی غلطی محض نظر ہو گئی اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ مزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی برائت ہیچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو عین برکت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

نکاح کی برکت مان کرنے کا بیان

وَمَا قَالَ الرَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكَ مِنِّي فَلَا لِعَانٍ بَيْنَهُمَا وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِفَةَ وَرَفَرِ لَانَهُ
مَنْ بَقِيَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ قَاضِيًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: الْإِعَانُ يَجِبُ بِفِي
الْحَالِ إِذَا حَاطَتْ بِهِ لَاقِلٌ مِنْ بَيْتَةِ أَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنَى مَا ذُكِرَ فِي الْأَصْلِ، لَأَنَّا تَقَيُّمًا بَقِيَامِ
الْحَمْلِ عِنْدَهُ فَيَسْتَحَقُّ الْقَذْفُ. قُلْنَا: إِذَا لَمْ يَكُنْ قَاضِيًا فِي الْحَالِ يَصِيرُ كَالْمُعَلَّقِ
الْحَبْلِ فَجَوِزٌ كَأَنَّهُ قَالَ: إِنْ كَانَ بِكَ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِنِّي. وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ
عَلَى مَا قَالَتْ لَهَا وَكَتَبَتْ وَهَذَا الْحَمْلُ مِنَ الزَّوْجِ تَلَاَعًا لَوْ جُودَ الْقَذْفُ حَيْثُ ذَكَرَ
الْحَمْلَ فِي الْفَاضِي الْحَمْلِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَنْفِيهِ لَأَنَّهُ عَنِ الصَّلَاةِ
وَلَمْ يَكُنْ سَمَى الْوَلَدَ عَنْ هَلَالٍ وَقَدْ قَذَفَهَا حَامِلًا (۱). وَنَا أَنْ الْأَحْكَامَ لَا تَنْتَرِثُ عَلَيْهِ
لَا نَدَابُ لَدَةِ لِنَمَكِي الْإِحْتِمَالِ قَبْلَهُ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبْلِ

۱۔ راہوہ فی "مسند" فی حدیث عباد بن منصور المعتمد عن ابی داؤد برقم (۲۲۵۶) وزاد اسحاق و کتابت حاملہ

۲۔ مصنف "دلیل آخر عن ابن عباس: لا عن رسول اللہ ﷺ بین العجلانی و امراہ و کتابت حبیبی و قصۃ ہلال بن امیہ فی

البحری فی "صحیحہ" ۴۹/۸ برقم (۴۷۴۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

نظر فی الوحي

ترجمہ

و رجب شوہر یہ کہہ دے تمہارا حمل مجھ سے نہیں ہے تو ان دونوں کے در

کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: حمل کا موجود ہونا یقینی نہیں اس لئے مرد الزام لگانے اور شہرکس ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک حمل کی لٹی کے نتیجے میں لعان واجب جائے گا اگر وہ عورت چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کو جنم دیتی ہے اور یہ اس بات کا مفہوم ہے جس کا ذکر کتاب الاصل (المسوط) میں ہوا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ کے وقت تک اس کا نفقہ یقین ہو جائے تو تہمت لگانا حقیق ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: زمانہ حال میں قذف نہیں: قذیہ کی طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرط کے ساتھ مطلق کر دیا ہے تو یہ یوں ہوگا: گویا اس مرد نے کہا: اگر تمہیں حمل ہوا تو مجھ سے زنا ہوگا۔ ورنہ شخص سے مطلق کر دینے سے قذف درست نہیں ہوتا۔ اگر مرد نے عورت سے یہ کہہ دیا کہ تم نے زنا کیا ہے اور یہ حمل رنا کے نتیجے میں ہے تو وہ مرد اس سے کہے کیونکہ یہاں قذف کا وجود پایا جا رہا ہے کیونکہ اس نے صریح طور پر زنا کا انکار کیا۔ اس لئے قاضی کی رائے شافعی فرماتے ہیں وہ غلطی کر دے گا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے بچے کی نسیبیت تھی۔ حالانکہ یہاں سے یہ عورت یوں پر الزام لگایا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے اس پر حکام بچے کی پیدائش کے بعد سبب میں سے یہ کہہ دے گا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس صورت پر محمول ہوگی: آپ کو وحی کے ذریعے حمل کے قیام کا خبر

حالت حمل کے لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر لعان کے وقت عورت حاملہ ہو تو امام احمد کے نزدیک لعان میں سے یہ کہہ دے گا کہ یہ بچہ اس کا قرار نہ پائے قطع نظر اس سے کہ مرد نے حمل دیا ہے یا نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ کہ مرد کا الزام زنا اور نفی حمل دونوں ایک چیز نہیں ہیں، اس لیے مرد جب کہہ دے کہ یہ بچہ اس کا ہے تو وہ الزام زنا کے باوجود اس کا قرار پائے گا کیونکہ عورت کے زانیہ ہونے سے یہ کہہ دے گا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد دوران حمل میں مرد کو نفی حمل کی اجازت ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ کہہ دے گا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کے الزام کی بنیاد زنا نہ ہو بلکہ صرف یہ ہو کہ اس نے عورت کو ایسی حالت میں رکھا ہے جب کہ اس کے خیال میں حمل اس کا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں جان کے معاف و صبح حمل تک یہ عورت زانیہ نہیں ہے۔ اس اوقات کوئی بیماری حمل کا شبہ پیدا کر دیتی ہے اور وہ حقیقت حمل ہوتا نہیں ہے۔

اگر شوہر طلاق دینے کے بعد مطلقہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے یہ کہہ دے گا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ قذف کا مقدمہ قائم کیا جائے گا کیونکہ لعان زوجین کے لیے ہے اور مطلقہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے۔ انا یہ کہہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ و مدت رجوع کے اندر وہ الزام لگائے۔ مگر امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قذف صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی حمل یا بچے

کاسب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ درمیان میں نہ ہو۔ ورنہ مرد کو طلاق بائن کے بعد بھی لعان کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ عورت کو بد نام کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود ایک ایسے بچے کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے لعان کر رہا ہے جسے وہ اپنا نہیں سمجھتا۔ قریب قریب یہی دلیل امام شافعی کی بھی ہے۔

دعویٰ نسب میں بچے کی نفی کا اعتبار

(وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ أَوْ فِي الْحَالَةِ الَّتِي تَقْبَلُ التَّهْنِئَةَ وَتُبْتَغَى آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَا عَنِّ بِهِ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ لَا عَنِّ، وَبُتِّئَ النَّسَبُ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَصِحُّ نَفْيُهُ فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّ النِّفْيَ يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ قَصِيرَةٍ وَلَا يَصِحُّ فِي مُدَّةٍ طَوِيلَةٍ فَفَصَّلَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِأَنَّهُ أَثَرُ الْوِلَادَةِ. وَلَهُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ لِأَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّامُّلِ وَأَحْوَالُ النَّاسِ فِيهِ مُتَحِلِفَةٌ فَاعْتَبَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَ قَبُولُهُ التَّهْنِئَةِ أَوْ سُكُوتُهُ عِنْدَ التَّهْنِئَةِ أَوْ ابْتِغَاؤُهُ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ أَوْ مُضِيُّ ذَلِكَ الْوَقْتِ فَهُوَ مُمْتَنِعٌ عَنِ النِّفْيِ. وَلَوْ كَانَ غَائِبًا وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا عَلَى الْأَضْلَكَيْنِ.

قَالَ (وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ نَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِي يَبُتُّ نَسَبُهُمَا لِأَنَّهُمَا تَوَآمَنَ خُلُقًا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ (وَحَدُّ الزَّوْجِ) لِأَنَّهُ أَكْذَبَ نَفْسَهُ بِدَعْوَى الثَّانِي، وَإِنْ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي يَبُتُّ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَا عَنَّا لِأَنَّهُ قَادِرٌ بِنَفْيِ الثَّانِي وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ، وَالْأَفْرَادُ بِالْعَقْدَةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِنَّهَا عَقِيقَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ، وَفِي ذَلِكَ التَّلَافُظُ كَذَا هَذَا.

ترجمہ

اور جب مرد اپنی بیوی کے بچے کی پیدائش کے فوراً بعد نفی کر دے یا ایسی حالت میں نفی کرے جب مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کا حمل کی نفی کرنا صحیح ہوگا اور اس دلیل سے لعان کیا جائے گا۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ کسی اور وقت میں نفی کرتا ہے اور لعان کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: نفاس کی مدت کے دوران اس کا نفی کرنا درست ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ یہ نفی تھوڑی مدت میں درست ہوتی ہے۔ یہ طویل مدت میں درست نہیں ہو سکتی اس لیے ہم ان دونوں کے درمیان نفاس کی مدت کے ذریعے علیحدگی کریں گے کیونکہ وہ ولادت

کا اثر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے۔ مدت مقرر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ سوچ بچہ کے لیے ہوتی ہے لیکن سوچ بچہ کے لیے یہ سوچ بچہ کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے۔ تو ہم ایسی بات کا اعتبار کریں گے جو بچے کے انکار نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو جیسے اس شخص نے پیدائش پر مبارکباد قبول کر لی یا مبارک دے دیے جانے کے وقت خاموش رہا یا بچے کی پیدائش کے وقت جو اشیاء خریدی جاتی ہیں وہ اس نے خرید میں یا وہ وقت گزر گیا تو اس صورت میں نفی ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن مرد اگر وہاں موجود نہ ہو اور سے پیدائش کا پتہ نہ چل سکے پھر وہ آئے تو اس مدت کا اعتبار ہوگا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ دونوں کی اصل کے مطابق ہوگا۔ اگر عورت ایک ساتھ دو بچوں کو جنم دے اور مرد پہلے کے نسب کی نفی کر دے اور دوسرے کا اعتراف کرے تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ وہ دونوں بچے ایک ہی نطفے سے پیدا ہوئے ہیں اور شوہر ہر حد جاری کی جائے گی کیونکہ اس سے دوسرے دعویٰ کے ذریعے اپنی بات کی نفی کر دی ہے۔ اگر وہ پہلے بچے کا اعتراف کر لیتا ہے اور دوسرے کی نفی کر دیتا ہے تو ان دونوں کا نسب ثابت ہوگا اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ شوہر کو حن کرنا ہوگا کیونکہ دوسرے بچے کی نفی کے نتیجے میں وہ الزام لگا رہا ہے اور اس نے اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا جبکہ بیوی کے پاک دامن ہونے کا اقرار اس نے پہلے کیا ہے تو یہ بالکل اس طرح ہو جائے گا جیسے پہلے وہ کہہ دے۔ میری بیوی پاک دامن ہے اور بعد میں کہہ دے۔ یہ زنیہ ہے۔ لہذا پہلے بچے کے اعتراف کے بعد دوسرے بچے کی نفی کرنے کا بھی یہی حکم ہوگا۔

شرح

اگر شوہر نے اس بچے کی نسبت جو اس کے نکاح میں پیدا ہوا ہے اور زندہ بھی ہے یہ کہا کہ یہ میرا نہیں ہے اور لعان ہوا تو قاضی اس بچے کا نسب شوہر سے منقطع کر دیگا اور وہ بچہ اب ماں کی طرف منتسب ہوگا بشرطیکہ علق ایسے وقت میں ہوا کہ عورت میں صلاحیت لعان ہو، لہذا اگر اس وقت ہندی تھی اب آزاد ہے یا اس وقت کافر تھی اب مسلمان ہے تو نسب منقطع نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں لعان ہی نہیں اور گروہ بچہ مر چکا ہے تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہیں ہو سکتا ہے۔ یونہی اگر دو بچے ہوئے اور ایک مر چکا ہے اور ایک زندہ ہے اور دونوں سے شوہر نے انکار کر دیا یا لعان سے پہلے ایک مر گیا تو اس مرد کا نسب منقطع نہ ہوگا۔ سب منقطع ہونے کی چھ شرائط ہیں۔

(۱) تفریق (۲) وقت ولادت یا اس کے ایک دن یا دو دن بعد تک ہو دو دن کے بعد انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) اس انکار سے پہلے اقرار نہ کر چکا ہو اگرچہ دلالت اقرار ہو مثلاً اسکو مبارکباد کہی گئی اور اس نے سکوت کیا یا اس کے لیے کھلونے خریدے۔ (۴) تفریق کے وقت بچہ زندہ ہو۔ (۵) تفریق کے بعد اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ پیدا ہو یعنی چھ مہینے کے اندر۔ (۶) ثبوت نسب کا حکم شرعاً نہ ہو چکا ہو، مثلاً بچہ پیدا ہوا اور وہ کسی دودھ پیتے بچہ پر گرا اور یہ مر گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اس بچہ کے باپ کے عصب اس کی دیت ادا کریں اور اب باپ یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہ ہوگا۔

(روحشمار، کتاب طلاق باب لعان)

اور اگر باپ بچے کے نسب سے انکار کرے تو باہر تعلق لعان زنا آتا ہے۔ اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دفعہ بچے کو قبول کرینے کے بعد (خواہ یہ قبول کر لینا صریح الفاظ میں ہو یا قبولیت پر دلالت کرنے والے فعل، مثلاً پیدائش پر مبارک باد لینے یا بچے کے ساتھ پدرانہ شفقت برتنے اور اس کی پرورش سے دلچسپی لینے کی صورت میں) پھر باپ کو انکار نسب کا حق نہیں رہتا، اور اگر کرے تو حد قذف کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ باپ کو کس وقت تک انکار نسب کا حق حاصل ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر شوہر اس زمانے میں گھر پر موجود رہا ہے جب کہ بیوی حاملہ تھی تو زمانہ حمل سے بچے کو وضع حمل تک اس کے لیے انکار کا موقع ہے، اس کے بعد وہ انکار کا حق نہیں رکھتا۔ البتہ اگر وہ غائب تھا اور اس کے پیچھے ولادت ہوئی تو جس وقت اسے علم ہو وہ انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر پیدائش کے بعد ایک دو روز کے اندر وہ انکار کرے تو بعد ان کر کے وہ بچے کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، لیکن اگر سال دو سال بعد انکار کرے تو لعان ہوگا مگر وہ بچے کی ذمہ داری سے بری نہ ہو سکے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ولادت کے بعد، یا ولادت کا علم ہونے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر باپ کو انکار نسب کا حق ہے، اس کے بعد یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ صحیح بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے کہ ولادت کے بعد یا اس کا علم ہونے کے بعد ایک دو روز کے اندر ہی انکار نسب کیا جاسکتا ہے، انار یہ کہ اس میں کوئی ایسی وجہ معقول رکاوٹ تسلیم کیا جائے۔

بَابُ الْعَيْنِ وَغَيْرِهِ

﴿یہ باب عینین (نامرد ہونے) وغیرہ کے بیان میں ہے﴾

باب عینین کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب تندرستوں سے متعلق احکام نکاح و طلاق سے فارغ ہوئے ہیں تو اب مصنف نے عینین یعنی بیمار شخص سے متعلق احکام نکاح و طلاق کو بیان کرنا شروع کیا ہے کیونکہ عوارض ہمیشہ بعد میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور عینین اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس میں عورتوں کے پاس یعنی جماع کی صورت میں آنے کی صلاحیت نہ ہو اسے عینین کہتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶ ص ۸۱، بیروت)

عینین کا فقہی مفہوم

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عینین اس کو کہتے ہیں کہ آلہ موجود ہو اور زردی کے آگے کے مقام میں دخول نہ کر سکے اور اگر بعض عورت سے جماع کر سکتا ہے اور بعض سے نہیں یا عیب کے ساتھ کر سکتا ہے اور بیکر کے ساتھ نہیں تو جس سے نہیں کر سکتا اس کے حق میں عینین ہے اور جس سے کر سکتا ہے اس کے حق میں نہیں۔ اس کے اسباب مختلف ہیں مرض کی دلیل سے ہے یا بخلیق یا ہے یا بڑھاپے کی دلیل سے یا اس پر جاؤ کر دیا گیا ہے۔ اگر فقط حشفہ داخل کر سکتا ہے تو عینین نہیں اور حشفہ کٹ گیا ہو تو اس کی مقدار عضو داخل کر سکے پر عینین نہ ہوگا اور عورت نے شوہر کا عضو کاٹ ڈالا تو مقطوع الذکر کا حکم جاری نہ ہوگا۔ شوہر عینین ہے اور عورت کا مقام بند ہے یا بڑی نکل آئی ہے کہ مرد اس سے جماع نہیں کر سکتا تو ایسی عورت کے لیے وہ حکم نہیں جو عینین کی زردی کو ہے کہ اس میں خود بھی قصور ہے۔ (در مختار، باب عینین)

عینین کو دی جانے والی مہلت کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَيْنًا أَجَلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً، فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا إِذَا طَلَبَتْ الْمَرْأَةُ ذَلِكَ) هَكَذَا رَوَى عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ (۱)، وَلَآنَ الْحَقَّ ثَابِتٌ لَهَا فِي الْوَطْءِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْإِفْتِاعُ لِعِلَّةٍ مُعْتَرِضَةٍ، وَيَحْتَمِلُ لِفَاقَةِ أَصْلِيَّةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ

(۲) أما عن عمر، فعند عبدالرزاق في "مصنفه" والدارقطني من رواية سميد بن المسيب قال: قضى عمر في العینین ان یزوج سنۃً وأخرجه بن ابی شیبۃ من دلیل آخر عن حمید ۱۶۴/۴ والدارقطني في "مصنفه" ۴۱۸/۲ وأخرجه محمد بن الحسن في "الأنوار" وأحمد بن حنبل في "مسند" والدارقطني في "مصنفه" و ابن ابی شیبۃ في "مصنفه" بإسنادین ضعیفین، وأما ابن مسعود ورضی اللہ عنہ فأخرجه عبدالرزاق و ابن ابی شیبۃ والدارقطني في "مصنفه" ص ۴۱۸۔

مَعْرِفَةِ ذَلِكَ، وَقَدَّرْنَا هَا بِالسَّيِّئَةِ لِاسْتِمَالِهَا عَلَى الْفُضُولِ الْأَرْبَعَةِ.

ترجمہ

اور جب شوہر عینین (نامرد) ہو تو قاضی اسے ایک سال کی مہلت دے گا کہ وہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادے گا۔ جب عورت اس کا مطالبہ کرے۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے صحبت کرنے میں عورت کا حق ثابت ہے اور اس بات کا احتمال موجود ہے کہ یہ رکاوٹ کسی عارضی علت کی دلیل سے ہو اور اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ یہ اصل آفت ہو اس لیے کوئی مدت ضروری ہوگی جس میں اس بات کا پتہ چل سکے تو وہ مدت ہم نے ایک سال مقرر کی ہے کیونکہ وہ چاروں مہموں پر مشتمل ہوتی ہے۔

عینین کیلئے مدت سال میں فقہی تصریحات

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں حضرت امام عبدالرزاق نے روایت کی کہ میرا مومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عینین کو ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی، امیر المومنین نے قاضی شریح کے پاس لکھ بھیجی کہ یوم مراحہ سے ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ نے مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک سال کی مدت دی جائے۔ اور حسن بصری و حنفی و ابراہیم حنفی و عطاء و سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ (فتح القدیر، کتاب طلاق، باب عینین)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا ورنہ کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت شیبہ ہے تو شوہر سے قسم کھائیں قسم کھالے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت اپنے کو بکر بتاتی ہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اسے شیبہ بتائیں تو شوہر کو قسم کھلا کر اس کی بات مانیں ورنہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی اور ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی شیبہ تو کسی اور سے تحقیق کریں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔ عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بخود بھی رہنا بیکار ہے۔

مہلت کے بعد عدم قدرت پر ہونے والی علیحدگی کا حکم

فَإِذَا مَضَتْ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا نَبِيْنٌ أَنَّ الْعَجْزَ بِأَفَةِ أَصْلِيَّةٍ فَفَاقَاتِ لَا مَسَاكَ

بِالْمَعْرُوفِ وَوَجَّحَ عَلَيْهِ التَّسْرِيحَ بِالْإِحْسَانِ، فَإِذَا امْتَنَعَ نَابِ الْقَاضِي مَنَاهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَلَا بُدَّ مِنْ طَلِبِهَا لِأَنَّ التَّفْرِيقَ حَقُّهَا (وَتِلْكَ الْمَرْفُوعَةُ تَطْلِيْفَةٌ بَائِنَةٌ) لِأَنَّ فِعْلَ الْقَاضِي أُصِيفَ إِلَى الرُّوحِ فَكَانَتْ طَلَقَهَا بِنَفْسِهِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ فُسْخٌ لِكِنَّ الْمَسَاكِ لَا يَقْبَلُ الْفُسْخَ عِنْدَنَا، وَتَمَّا تَقَعُ بَائِنَةٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا لَا يَحْضُلُ إِلَّا بِهَا لِأَنَّهَا لَوْ لَمْ تَكُنْ بَائِنَةً تَعُودُ مُعَلَّقَةً بِالْمَرَاخِصَةِ.

ترجمہ

اور جب یہ مدت گزر جائے گی اور پھر بھی مرد عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکے گا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس کا عاثر ہوا اصل آفت کے اعتبار سے ہے اس لیے اس کا بالمعروف کا پہلو فوت ہو جائے گا اور تسریح بالاحسان اس پر لازم ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو قاضی اس کا قائم مقام بن جائے گا اور ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروادے گا لیکن اس نے عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عورت کا حق ہے۔ یہ علیحدگی ایک بائنہ طلاق شمار ہوگی اس کی دلیل یہ ہے قاضی کے فعل کی نسبت شوہر کے فعل کی طرف کی جائے گی گو یا کہ مرد نے بذات خود اسے طلاق دی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں یہ فسخ شمار ہوگا لیکن ہمارے نزدیک فسخ نہیں ہوگا۔ نیز قاضی کی تفریق اس لیے بھی بائنہ شمار ہوگی کیونکہ اصل مقصد عورت کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو ختم کرنا ہے ورنہ بائنہ طلاق کے ذریعے ہی پورا ہو سکتا ہے کیونکہ اگر عورت بائنہ نہیں ہوگی تو شوہر اس سے پھر رجوع کر لے گا اور وہ پھر معلق ہو جائے گی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تفریق قاضی طلاق یا ن قراردی جائیگی اور خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر پائیگی اور عدت بیٹھگی ورنہ نصف مہر ہے اور عدت نہیں اور اگر مہر مقرر نہ ہوا تھا تو متعہ ملے گا۔ قاضی نے ایک سال کی مہلت دی تھی مگر گزرنے پر عورت نے دعویٰ نہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا جب چاہے آکر پھر دعویٰ کر سکتی ہے اور اگر شوہر اور مہلت مانگتا ہے تو جب تک عورت راضی نہ ہو قاضی مہلت نہ دے اور عورت کی رضا مندی سے قاضی نے مہلت دی تو عورت پر اس میعاد کی پابندی ضرور نہیں جب چاہے دعویٰ کر سکتی ہے اور یہ میعاد باطل ہو جائے گی اور اگر میعاد اول کے بعد قاضی معزول ہو گیا یا اس کا انتقال ہو گیا اور دوسرا اس کی جگہ پر مقرر ہوا اور عورت نے گواہوں سے ثابت کر دیا کہ قاضی اول نے مہلت دی تھی اور وہ زمانہ ختم ہو چکا تو یہ قاضی سرے سے مدت مقرر نہ کریگا بلکہ اسی پر عمل کریگا جو قاضی اول نے کیا تھا۔ (عالمگیری، باب عینین)

عینین اور اس کی بیوی کے احکام

(وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا إِنْ كَانَ خَلَا بِهَا) فَإِنْ خَلَوَ الْعَيْنَيْنِ صَحِيْحَةً (وَيَجِبُ الْعِدَّةُ) لِمَا

بَيِّنًا مِنْ قَبْلِ هَذَا إِذَا أَقْرَأَ الرَّوْجَ أَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا (وَلَوْ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَالْمَرْأَةُ فِي
الْوَصُولِ إِلَيْهَا فَإِنْ كَانَتْ نَيْبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ ثُمَّ يَمِينُهُ) لِأَنَّهُ يُبَكِّرُ اسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفَرْقَةِ
وَالْأَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْحَبْلَةِ (ثُمَّ إِنْ خَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُؤْخَلُ سَنَةً، وَإِنْ
كَانَتْ بِكْرًا نَطَرَ إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ أُجِلَّ سَنَةً) لِيُظْهِرَ كَيْدِيهِ (وَإِنْ قُلْنَ هِيَ
نَيْبٌ يَخْلِفُ الزَّوْجَ، فَإِنْ خَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا، وَإِنْ نَكَلَ يُؤْخَلُ سَنَةً، وَإِنْ كَانَ مَحْبُوبًا
فُرِقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ إِنْ طَلَسَتْ) لِأَنَّهُ لَا فَائِدَةَ فِي التَّاجِلِ (وَالْخَصِيُّ يُؤْجَلُ كَمَا
يُؤْجَلُ الْعَيْنُ) لِأَنَّ وَطْأَهُ مَرْجُوٌّ (وَإِذَا أُجِلَّ الْعَيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَانْكَرَتْ نَظَرَ
إِلَيْهَا النِّسَاءُ، فَإِنْ قُلْنَ: هِيَ بِكْرٌ خَيْرٌ) لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ نَائِدَةٌ بِمُؤَيَّدٍ وَهِيَ الْبَكَارَةُ
(وَإِنْ قُلْنَ: هِيَ نَيْبٌ خَلَفَ الزَّوْجَ، فَإِنْ نَكَلَ خَيْرٌ) لِتَأْيِيدِهَا بِالْكَوْلِ، وَإِنْ خَلَفَ لَا
تُخَيَّرُ، وَإِنْ كَانَتْ نَيْبًا فِي الْأَصْلِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ وَقَدْ ذَكَرْنَا (فَإِنْ احْتَارَتْ
زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذَلِكَ خِيَارٌ) لِأَنَّهَا رَضِيَتْ بِبَطْلَانِ حَقِّهَا

ترجمہ

اور اگر عینین شخص عورت کے ساتھ خلوت کر چکا ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا کیونکہ عینین شخص کی خلوت صحیحہ شمار ہوگی اور (علیحدگی ہو جانے کے بعد) عورت پر عدت کی ادائیگی لازم ہوگی جیسا کہ ہم یہ مسئلہ مہر کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب شوہر یہ اقرار کرے کہ میں نے بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کی ہے۔ اگر صحبت کرنے کے بارے میں مرد اور عورت کے بیان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اگر عورت شیبہ ہو تو مرد سے قسم لے کر اس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ وہ علیحدگی کے حق کو ثابت کرنے سے انکار کر رہا ہے اور اس میں اصل یہی ہے عضو سلم ہونا چاہئے۔ اگر شوہر نے قسم اٹھ لی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا، اور اگر شوہر نے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر عورت باکرہ ہو تو دوسری عورتیں اس کا جائزہ لیں گی اگر وہ عورتیں اس کے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دیتی ہیں تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی تاکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر اس کا جائزہ لینے والی عورتیں کہیں یہ شیبہ ہے تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا لے تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو پھر اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اگر شوہر کا عضو مخصوص کٹا ہو تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی لیکن اس کے لئے یہ بات شرط ہے عورت نے مطالبہ کیا ہو کیونکہ ایسی صورت میں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ شخصی مرد کو بھی نامرد کی طرح مہلت دی جائے گی کیونکہ اس سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے وہ

صحبت کرنے کے قابل ہو جائے نیز جب شخصی مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے اور پھر وہ عدالت میں آ کر یہ کہہ دے میں نے صحبت کر لی ہے لیکن بیوی اس بات کا انکار کر دے تو عورتیں اس کا معاند کریں گی اگر وہ یہ کہہ دیں یہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار حاصل ہوگا کیونکہ بکارت کی دلیل سے عورتوں کی شہادت مکمل ہو گئی۔ لیکن اگر عورتیں یہ کہہ دیں یہ شیبہ ہے تو اس صورت میں خاوند سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم ٹھننے سے انکار کر دے تو اس عورت کو (علیحدگی کا) اختیار ہوگا کیونکہ شوہر نے قسم سے انکار کر کے عورت کے دعوے کی تائید کر دی ہے۔ اگر شوہر قسم اٹھا دیتا ہے تو بیوی کو اختیار نہیں رہے گا اگرچہ وہ پہلے ہی سے شیبہ ہو صرف مرد سے قسم لے کر اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس بات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اگر بیوی ایک مرتبہ شوہر کو اختیار کر لے تو اس کے بعد اسے کبھی بھی اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اپنے حق کو ختم کرنے پر خود رضا مندی ظاہر کی ہے۔

عینین کیلئے شرعی مہلت کا بیان

سعید بن مسیب کہتے تھے جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے پھر اس سے جماع نہ کر سکے اس کو ایک برس کی مہلت دی جائے اور اس عرصہ میں اگر جماع کرے گا تو بہتر نہیں تو تفریق کر دی جائے گی۔ موطاء، مالک، علیہ الرحمہ، جلد اول: حدیث نمبر 1100 شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں اور جب کسی عورت نے دعویٰ کیا اور شوہر کہتا ہے میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت شیبہ ہے تو شوہر سے قسم کھلائیں قسم کھ لے تو عورت کا حق جاتا رہا انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اور اگر عورت بچے کو بکرتا رہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اسے شیبہ بتائیں تو شوہر کو قسم کھلا کر اس کی بات مانیں اور یہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی اور ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے کوئی بکر کہتی ہے کوئی شیبہ تو کسی اور سے تحقیق کرائیں، جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں۔

عورت کا دعویٰ قاضی شہر کے پاس ہوگا دوسرے قاضی یا غیر قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور اس نے مہلت بھی دیدی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ یونہی عورت کا بطور خود بخوبی رہنا بیکار ہے۔ (حالم گیری، کتاب طلاق، باب عینین)

احناف کے یہاں ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ بیوی کا حق جماع زندگی میں ایک ہی دفعہ ہے۔ اگر ایک دفعہ شوہر نے بیوی سے ہم بستی کر لی اور اس کے بعد عینین ہو گیا تو اس کی بیوی فتح نکاح کا دعویٰ دائر نہیں کر سکتی۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب شوہر جماع پر قادر ہو اور ایک دفعہ قربت کر چکا ہو۔ لیکن اس کے بعد اس نے قطع تعلق کر رکھا ہو: ولو وطئ مودة ثم عجز عن الوطئ فی هذا النکاح لا یبکون لها حق الخصومة (صحیحہ وی) مگر علامہ ابن نجیم مصری کے بیان کے مطابق یہ نقطہ نظر فقہاء کے ایک گروہ کا ہے کہ تصا صرف ایک بار جماع واجب ہے، اس کے بعد دوبارہ واجب ہے نہ کہ تصا لیکن حنفیہ کے دوسرے گروہ کے نزدیک تصا بھی واجب ہے۔ علامہ شامی نقل کرتے ہیں۔

قال فی البحر و حیث علم ن الوطئ لا یدخل تحت القسم، فهل هو واجب للزوجة؟ وفي البدائع لها

ان تطالبہ بالوطی لان حلہ لها حقہا کما ان حلہا له حقہ واذا طالبتہ یجب علیہ ، ویجبر علیہ فی الحکم مرۃ والزیادۃ تجب علیہ فی الحکم . (ردالمحتار ، باب القسم ، بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت کے نزدیک عورت کی ضرورت کے مطابق جماع قضاء بھی اس کا حق ہے۔

مہلت میں قمری سال کا اعتبار ہوگا

وَفِي السَّاجِلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيحُ وَيُحْتَسَبُ بِأَيَّامِ الْخَيْضِ وَبَشَهْرِ رَمَضَانَ لَوْ جُودَ ذَلِكَ فِي السَّنَةِ وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهِ وَمَرَضِهَا لِأَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخَلَّوْا عَنْهُ .

ترجمہ

صحیح قول کے مطابق اس مہلت میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا اور حیض کے مخصوص ایام اور رمضان کا مہینہ بھی اس سال کا حصہ ہوں گے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سال کے دوران ہی پائی جاتی ہیں لیکن مرد یا عورت کا بیمار ہونا سال کی مہلت میں شامل نہیں ہوگا کیونکہ کبھی پورا سال بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہاں سال سے مراد اس مقام پر تہمتی سال ہے یعنی تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا کچھ حصہ اور ایام حیض و ماہ رمضان اور شوہر کے حج اور سفر کا زمانہ اسی میں محسوب ہے اور عورت کے حج اور غیبت کا زمانہ اور مرد یا عورت کے مرض کا زمانہ محسوب نہ ہوگا اور اگر احرام کی حالت میں عورت نے دعویٰ کیا تو جب تک احرام سے فارغ نہ ہوئے قاضی میعاد مقرر نہ کریگا۔ (درمختار، باب عین)

بیوی میں عیب ہو تو شوہر کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِمَرْوُجٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَرُدُّ بِالْعُيُوبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ: الْجَدَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُونُ وَالرَّقْتُ وَالْقُرْنُ لِأَنَّهَا تَمْنَعُ الْإِسْتِيفَاءَ حَسًّا أَوْ طَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ فَإِنَّكَ مِنَ الْأَسَدِ) (۱)

(۱) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" ۱۰/۱۵۸ برقم (۵۷۰۷) و مسند فی "صحیحہ" ۱۷۴۳/۴ برقم (۲۴۲۰) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ

عنہ قال: "لا عدوی ولا طیرۃ ولا ہامۃ ولا صفر، و فر من المجلوم کما فر من الأسد"

الْعُيُوبُ أُولَى، وَهَذَا لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ .

ترجمہ

لیکن اگر بیوی کے اندر کوئی عیب ہو تو شوہر کو عیبت کی کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں یا نچ عیوب کی بنیاد پر نکاح کو مسترد کیا جاسکتا ہے۔ وہ عیوب یہ ہیں: جزلہم برص، جنون، رتق، قرن، اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ کسی طور پر اور طبعی طور پر تمتع میں رکاوٹ ہوتے ہیں اور طبیعت کی تائید شریعت سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مجذوم سے یوں بھگ جائیسے شیر سے بھگتے ہوئے ہماری دلیل یہ ہے موت کی دلیل سے تمتع کا حصول ناممکن ہو جائے گا نکاح کو فسخ نہیں کرتا تو ان عیوب کی دلیل سے بدرجہ اولیٰ فسخ نہیں کرے گا جبکہ ان عیوب کی موجودگی میں کسی نہ کسی حد تک تمتع کیا جاسکتا ہے اور تمتع کرنا نکاح کا ثمرہ ہے اور نکاح کا اصل حق صرف یہ ہے: شوہر تمتع پر قادر ہو اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔

پیدا آئشی نقص کے سبب فسخ نکاح میں مذہب اربعہ

فسخ نکاح کا ایک سبب بیمارگی وہ ہے: (شوہر و بیوی میں سے کسی کو بھی) دوسرے میں شدید پیدا آئشی خامی کی بنا پر علاحدگی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے شادی کو چار ترقیر و تکرار اسکو ان تمام ذرائع سے گھیر لیا، جو ازدواجی تعلقات کو ہر اس شے سے خالی ہونے کی ضمانت دیں، جس سے شادی کا شرف و شیشہ دھندل ہو، نیز اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ پناہ نفسیاتی، مالی، اور معاشرتی کردار بخوبی ادا کر سکیں، چنانچہ جب کوئی ایسی پیدا آئشی خامی سامنے آجاتی ہے، جو شادی کے مقصد میں رکاوٹ بن رہی ہے، تو پھر زروئے شریعت اس عیب کی بنا پر شوہر و بیوی میں علاحدگی جائز ہے، مثلاً جنسی کمزوری، اعضائے تناسلی میں کوئی عیب، عقلی کمزوری اور جذم وغیرہ۔

فقہاء میں پیدا آئشی خامی کی بنا پر علاحدگی کے بارے میں کچھ اختلاف ہے، اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ جائز ہے، ورنہ یہی اس آئین کی پسند ہے۔

حنفی اور مالکی حضرات کا کہنا ہے کہ یہ علحدگی طلاق یا سنہ شاربوگی، جبکہ شافعی اور حنبلی حضرات کا مذہب ہے کہ یہ علحدگی فسخ کہلائے جائیگی،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوت لگنا، بدشگونی پینا، الوکا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغویات ہیں البتہ جذامی شخص سے ایسا بھاگتا رہ جیسا کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (بخاری)

جذام ایک خراب مشہور بیماری ہے جس میں خون بگڑ کر سارا جسم گلے لگ جاتا ہے۔ آخر میں ہاتھ پاؤں کی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں۔ ہر چند مرض کا پورا ہونا یہ حکم الہی ہے مگر جذامی کے ساتھ خلط مط اور کچائی اس کا سبب ہے اور سبب سے پرہیز کرنا نقصان

دانشمندی ہے یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔ جب یہ عقائد ہو کہ جب اس وقت اثر کرتا ہے جب مسبب الاسباب یعنی پروردگار اس میں اثر دے۔ بعضوں نے کہا آپ نے پہلے فرمایا جذامی سے بھگتا رہے اس کے خلاف نہیں ہے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اکثر شر سے ڈرنے والے کمزور لوگ ہوتے ہیں ان کو جذامی سے انگ رہنا ہی بہتر ہے اب نہ ہو کہ ان کو کوئی عارضہ ہو جائے تو علت اس کی جذامی کا قرب قرار دیں اور شرک میں گرفتار ہوں گویا یہ حکم عوام کے لیے ہے اور خواص کو اجازت ہے وہ جذامی سے قرب رکھیں تو بھی کوئی قباحہ نہیں ہے حدیث میں ہے کہ آپ نے جذامی کے ساتھ کھانا کھایا، و فرمایا کل بسم اللہ ثقہ باللہ و تو کلا علیہ طاعون زدہ شہروں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

عبد اللہ بن حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاضی کی تفریق کے بعد گوہوں نے شہادت دی کہ تفریق سے پہلے عورت نے جماع کا قرار کیا تھا۔ تو تفریق باطل ہے اور تفریق کے بعد قرار کیا ہو تو باطل نہیں۔ تفریق کے بعد اسی عورت نے پھر اسی شوہر سے نکاح کیا یا دوسری عورت نے جس کو یہ حال معلوم تھا تو اب دعویٰ تفریق کا حق نہیں۔ اگر شوہر میں در کسی قسم کا عیب ہے مثلاً جنون، جذام، برص، عورت میں عیب ہو کہ اس کا مقام بند ہو یا اس جگہ گوشت یا ہڈی پیدا ہو گئی ہو تو فسخ کا اختیار نہیں۔ شوہر جماع کرتا ہے مگر منی نہیں ہے کہ انزال ہو تو عورت کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے۔ (در مختار، باب عین)

بیماریوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے (اللھم اسی اعوذ بک من البرص والجدام والسجسون ومن سبى الاسقام)۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ سے، جذام سے، دیوانگی سے، اور بری بیماریوں سے، (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1001، ابوداؤد سنائی)

سبى الاسقام (بری بیماریوں) کا ذکر تعیم بعد تخصیص کے طور پر ہے یعنی پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر چند بری بیماریوں کا نام لیتے ہوئے پناہ مانگی۔ پھر عام طور پر بری بیماری مثلاً استسقاء اور ذوق وغیرہ سے پناہ مانگی۔ ان بیماریوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ اس لئے مانگی کہ جس شخص کو ان میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اکثر لوگ اس سے گھبراتے ہیں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ نیز برص اور کوڑھ تو ایسے مرض ہیں جن کی دلیل سے مریض کا جسم بدبو مٹی اور بدمنی کا شکار ہو جاتا ہے اس طرح وہ جسم کے معاملہ میں اپنے ہی جیسے انسانوں کی صف سے باہر ہو جاتا ہے پھر یہ کہ مرض ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتا ہے جس کو کبھی اچھے نہیں ہوتے برخلاف اور امراض کے مثلاً بخار، سر درد وغیرہ کا یہ حال نہیں ہوتا ان میں تکلیف بھی کم ہوتی ہے ورنہ اب بھی بہت ملتا ہے۔

ابن مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مرض ایسا ہو کہ لوگ مریض سے احتراز کرتے ہوں۔ نہ خود مریض دوسروں سے منقطع ہو سکتا ہو اور نہ دوسرے اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور مریض اس مرض کی دلیل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہو تو اس مرض سے پناہ مانگنی مستحب ہے۔

عما کا خیال یہ ہے کہ اور جذام بالصح متعدی نہیں میں یعنی یہ مرض کسی کو زخم نہیں لگتے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوڑھی کے بدن سے اپنا بدن لگانے کی دلیل سے جذامی کی پیپ لگ کر یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

فسخ نکاح کے ذرائع و اسباب

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر بیوی کے اندر اگر کوئی ایسا عیب موجود ہو جس کی دلیل سے شوہر اس کے ساتھ صحبت نہ کر سکتا ہو۔ تو اس بارے میں شوہر کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا اس سے مراد نکاح فسخ کرنے کا اختیار سے در نہ طلاق دینے کا اختیار تو اسے بہر حال حاصل ہی ہوگا۔ وہ پانچ عیوب یہ ہیں۔

۱۔ جذام کوڑھ کی بیماری۔

۲۔ برص: یعنی مہسمری اس بیماری میں جلد پر سفید داغ بن جاتا ہے۔ جو بعض اوقات جسم کے کسی ایک حصے پر ہوتا ہے اور بعض اوقات پورے جسم پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا جسم سفید ہو جاتا ہے۔

۳۔ جنون: یعنی پاگل پن خواہ یہ مستقل ہو یا عورت پر پاگل پن کے دورے پڑتے ہوں۔

۴۔ رقیق: اس کا لغوی معنی کسی چیز کا بند ہونا م طور پر عورت کی شرمگاہ میں دور استے ہوتے ہیں ایک پیشاب کا اور دوسرا صحبت کے لئے جہاں سے حیض کا خون خارج ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات کسی پیدائشی خرابی کی دلیل سے عورت کو شرمگاہ میں صرف پیشاب والا سوراخ ہوتا ہے جس کی دلیل سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی۔

۵۔ قرن۔ اس کا لغوی معنی منا ہے اور یہاں اس مراد یہ ہے عورت کو شرمگاہ میں کسی ہڈی کے بڑھ جانے کی دلیل سے، یا کسی اور دلیل سے منہ اتنا تنگ ہو جائے کہ مرد کا آلہ تناسل اس میں داخل نہ ہو سکے۔

۱۱۔ شرفی یہ فرماتے ہیں، یہ عیوب حسی اعتبار سے بھی اور طبعی اعتبار سے بھی صحبت کرنے کے عمل میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اور یہ بات شریعت سے ثابت ہے طبعی طور پر جو چیز رکاوٹ ہو اسے حکم کی علت قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسے نبی اکرم نے رشذ فرمایا ہے۔

”تم جذام کے مریض سے اس طرح دور رہو گویا جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو“۔ احتاف، اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: اپنی اصل کے اعتبار سے صرف موت کی صورت میں مرد و عورت کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا تو جب موت کی صورت میں، جو صحبت کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے فسخ کا حق حاصل نہیں ہوتا تو کسی اور بیماری کی دلیل سے یہ حق بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں ہوگا۔

یہاں مصنف نے دوسری دلیل یہ بیان کی ہے: صحبت نکاح کا ثمرہ ہے اور شوہر کا حق عورت کو اپنے قابو میں رکھنا ہے اور یہ صورت یہاں پائی جا رہی ہے لہذا اسے فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

باپ دادا کے کیے ہوئے نکاح میں خیار بلوغ پر مذاہب اربعہ

دوسرا مسئلہ خیار بلوغ کا ہے۔ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک صرف باپ یا باپ اور دادا ہی کو نابالغ بچوں کے نکاح کا حق ہے اور اس طرح باپ یا دادا جو نکاح کر دیں، وہ ان پر لازم ہے۔ حنفیہ کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن انھیں ولایت نزام حاصل نہیں ہے۔ یعنی ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہیں ہوگا۔ بل کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو نابالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو رد کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا۔ البتہ باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ معروف، سوء الاختیار یا فاسق مت ہنک ہو یا نشے کی حالت میں نکاح کر دے:

احدهما: اذا زوجهم الاب والجد، فلا خيار لها بعد بسوغها بشرطين: ان لا يكون معروفاً بسوء الاختيار قبل العقد، لانيهما: ان لا يكون سكرانا فيقضي عليه سكره بتزويجها بغير مهر المثل او فاسق او غير كفوء. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة)

نعم، اذا كان منتهكاً لا ينفذ تزويجه اياها بنقص عن مهر المثل ومن غير كفوء. وحاصله ان العین وان كان لا يسلب الاهلية عندنا لكن اذا كان الاب لا ينفذ تزويجه الا بشرط المصلحة. (رد المحتار باب الولی)

لیکن قاضی ابوشرح کے نزدیک اگر باپ دادا نے نکاح کیا ہو تب بھی لڑکے اور لڑکی کو نابالغ ہونے کے بعد دعویٰ تفریق کا حق حاصل ہے: اذا الرجل زوج ابنه او ابنته، فالخيار لهما اذا شابا (مصنف ابن ابی شیبہ) حقیر کی رائے میں موجودہ رد کو دیکھتے ہوئے قاضی شریح کی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

خیار بلوغ میں لڑکے کو اس وقت تک تفریق کے دعوے کا حق دیا گیا ہے، جب تک اس کی جانب سے نابالغی کے اس رشتے پر رضامندی کا اظہار نہ ہو جائے۔ لیکن باکرہ لڑکی پر یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ وہ نابالغ ہونے کے ساتھ ہی اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر کر دے۔ ورنہ اس کا حق خیار ختم ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ بعض فقہاء نے تو لڑکی کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ بروقت کسی کو گواہ بنانے پر قادر نہیں ہے تو بعد میں جب گواہ میسر آئے جھوٹ بولتے ہوئے کہہ دے کہ وہ بھی باغ ہوئی ہے اور حق خیار کا استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لا تصدیق فی الاشهاد جاز لہا ان تکذب کما لا یبطل حلفها۔ (عمدة الرعاية)

شرقی معاشرے میں کسی باکرہ لڑکی سے اس بات کی توقع نہیں کہ وہ حیض آتے ہی اس بات کا اعلان کر دے کہ میں ابھی نابالغ ہوئی ہوں اور قلہ نکاح کو ناپسند کرتی ہوں۔ اس لیے لڑکوں اور یتیمہ عورتوں کی طرح باکرہ لڑکیوں کو بھی یہ حق ہونا چاہیے کہ جب تک قول یا فعل کے ذریعے سابقہ نکاح پر اس کی رضامندی ظاہر نہ ہو جائے، اس کو خیار بلوغ حاصل ہو۔

شوہر کے کن عیوب کی دلیل سے عورت کو علیحدگی کا اختیار ہوگا؟

وَإِذَا كَانَ بِالنَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ بَرَصٌ أَوْ جَذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَابْنِ يُونُسَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا يُلْصِقُ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، بِخِلَافِ جَانِبِهِ لِأَنَّهُ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الصَّرْرِ بِالطَّلَاقِ.

وَلَهُمَا أَنْ الْأَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ، وَإِنَّمَا يُثْبِتُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ لِأَنَّهُمَا يُخْلَانِ بِالْمَقْصُودِ الْمَشْرُوعِ لَهُ النِّكَاحُ، وَهَذِهِ الْعُيُوبُ غَيْرُ مُحِلَّةٍ بِهِ فَافْتَرَقَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص ہو یا جذام ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بیوی کو (علیحدگی) کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اسے اختیار ہوگا تاکہ اس سے ضرر کو دور کیا جاسکے جیسے کہ شوہر مجرب یا عینین ہو (تو اختیار ہوتا ہے) جبکہ مرد کی جانب کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ تشخیص کی دلیل یہ ہے اصل اختیار کارندہ ہونا ہے۔ چونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کیا جاتا ہے جبکہ محبوب یا عینین ہونے میں یہ ثابت ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود سے خالی ہوتے ہیں جو نکاح کا اصل مقصد ہے جبکہ یہ عیوب اس بارے میں غلٹ انداز ہوتے ہیں لہذا ان دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

مجنون نامرد ہے یا اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا عورت مسلمان ہوگئی اور مجنون کے و مدین اسلام سے منکر ہیں تو ان صورتوں میں قاضی تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق ہوگی۔ (در مختار، ج ۴، ص ۴۳۷)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، اگر شوہر کو برص یا جذام کا مرض لاحق ہو تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو علیحدگی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔ اس بارے میں امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: عورت کو اختیار حاصل ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے تاکہ اس عورت سے ضرر کو دور کیا جاسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شوہر کے نامرد ہونے یا اس کا آلت تناسل کٹے ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر کو دور کرنے کے لئے اختیار دیا جاتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے اگر یہی بیماری بیوی میں ہو تو شوہر کو فحش کا اختیار نہیں دیتے ہیں۔ امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: اس کا حکم مختلف ہے کیونکہ اگر یہ بیماری بیوی کو لاحق ہو تو شوہر کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ طلاق دے کر بیوی کو الگ کر سکتا ہے اور اپنی ذات سے ضرر کو دور کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے اپنے موقف کو تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اصل کے اعتبار سے تو یہاں عورت کو

بھی اختیار حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے لیکن شوہر کے باوجود ہونے یا اس کا کہ تاس کے ہونے کی صورت میں بیوی کے لئے یہ اختیار ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں عیوب اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ بن جاتے ہیں جس کے لئے نکاح تو مشروع کیا گیا ہے اور وہ مقصد صحبت کرنا ہے لیکن ان دوسرے عیوب کی دلیل سے اس مقصد کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی ہذا دونوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ ہاں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جذام سے بچنے کے فقہی مفہوم میں احادیث

فقہ مدینہ حضرت خازن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کو کچھ لوگوں کی دعوت کی، لوگوں کو کچھ خوشبو ہوئی کہ ان میں حضرت معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کو یہ مرض تھا۔ لیکن ان کو سب کیساتھ کھانے میں شریک کیا گیا اور امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا: اپنے قریب سے اپنی طرف سے لیجئے اگر آپ کے سوا کوئی اور اس مرض کا ہوتا تو میرے ساتھ یک رکابی میں نہ کھاتا اور مجھ میں اور اس میں ایک نیزے کا فاصلہ ہوتا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، کنز العمال)

حضرت محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بعض مسکنان موضع جرش نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جزای سے بچو جیسے درندے سے بچتے ہو وہ ایک نالے میں اترے تو تم دوسرے میں اترو میں نے کہا: واللہ! اگر عبداللہ بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی تو غلط نہ کہا جب میں مدینہ طیبہ آیا۔ ان سے ملا اور اس حدیث کا حال پوچھا کہ ال جرش آپ سے یوں ناقل تھے۔ فرمایا: واللہ انہوں نے غلط نقل کی میں نے یہ حدیث ان سے نہ بیان کی۔ میں نے تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق عظیم کو یہ دیکھا کہ پانی ان کے پاس لایا جاتا۔ وہ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیتے۔ معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی کر اپنے ہاتھ سے امیر المؤمنین کو دیتے امیر المؤمنین ان کے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے۔ میں سمجھتا کہ امیر المؤمنین یہ اس لئے کرتے ہیں کہ بیماری اڑ کر لگنے کا خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین فاروق عظیم جسے طیب سننے معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے اس سے علاج چاہتے۔ دو حکیم یمن سے آئے۔ ان سے بھی فرمایا: وہ بوے جاتا ہے یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں ایسی دوا کر دیں گے کہ بیماری ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: بڑی تندرستی ہے کہ مرض ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے انہوں نے دو بڑی زینبیلیں بھرا کر اندرائن کے تازہ پھل منگوئے جو خرپوزہ کی شکل اور نہایت تلخ ہوتے ہیں۔ پھر ہر پھل کے دو دو ٹکڑے کئے اور معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر دونوں طبیعوں نے ایک ایک ٹکڑے پر ایک ایک ٹکڑا مانا شرع کیا۔ جب وہ ختم ہو گیا دوسرا لیا یہاں تک معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کی کڑوی رطوبت نکلنے لگی اس وقت چھوڑ کر دونوں طبیعوں نے کہا اب بیماری کبھی ترقی نہ کرے گی۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ واللہ! معقیب اس کے بعد ایک ٹھہری حالت پر رہے۔ تاہم مرگ مرض کی زیادتی نہ ہوئی۔

حضرت عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ یہ اپنے والد حضرت قاسم بن محمد سے راوی کہ امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں قوم ثقیف کی سفارت حاضر ہوئی کھانا حاضر کیا گیا۔ وہ لوگ نزدیک آئے مگر ایک صاحب کس مرض میں مبتلا تھے الگ ہو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قریب آؤ قریب آئے فرمایا: کھانا کھاؤ کھانا کھایا۔ حضرت قاسم فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح شروع کیا کہ جہاں سے وہ مجھ کو نوالہ لیتے وہیں سے صدیق اکبر نوالہ لیکر خوش فرماتے۔

حضرت نافع بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابی داؤد حضرت فطیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روای۔ فرماتی ہیں۔ کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ دوسوں کے بارے میں یہ فرماتے کہ ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو؟ ام المؤمنین نے فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اڑ کر لگی۔

(کنز العمال، ۲۸۶۹۸، طبقات ابن سعد، ۶، ۱۱۷)

بیماری اڑ کر نہ لگنے میں فقہی تصریحات

امام احمد رضا محدث بریلی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ام المؤمنین کا یہ انکار اپنے علم کی بنا پر ہے، یعنی میرے سامنے ایسا نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بصحت کا فیہ ثابت ہیں۔

حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے استدلال کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: لا عدوی بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔

یہ حدیث تیرہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اس کے متعدد طرق میں وہ جواب قاطع ہر شک وارتیاب ہوا جسے ام المؤمنین نے اپنے استدلال میں روایت فرمایا۔

صحیحین دسٹن ابی داؤد و شرح معانی الآثار مام طحاوی وغیرہا میں حدیث بوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی، تو ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ پھر دونوں کا کیا حال ہے کہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن، ایک اونٹ خارش والا آکر ان میں داخل ہوتا ہے اس سے خارش ہو جاتی ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فمن اعدی الاول، اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی۔

احمد و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر سے ہے ارشاد فرمایا: ذلکم القدر فمن احب الاول یہ تقدیری باتیں ہیں بھلا پہلے کو کس نے سمجھ لی گادی۔

یہی ارشاد احادیث عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس ابوامامہ باہلی، اور عیسیٰ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مروی ہوا حدیث اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا: الم تروا الی البعیر یکون فی الصحراء فیصبح و فی کو کر تہ اوفی

مرا او بطہ نکتہ من حرب لم تکن قبل ذلك فمن اعدی الاول

کیا دیکھتے نہیں نہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے جتنی انگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے پیچ سینے پر پیٹ کی نرم جگہ میں کھلی کا دانہ موجود ہے بھلا اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگ گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کیسے ابتداء بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا، مثال زم ہے۔ تو حجت قاضی سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ مسلم تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض و جمعیل و ادعائے بے دلیل رہا۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ اول)

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق حکم سنئے۔ اقول وباللہ التوفیق: احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا۔ کوئی تندرست بیمار کے قرب و اختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا۔ جسے پہلے شروع ہوئی اس کو کس کی اڑ کر لگی، ان متواتر و روشن و ظاہر اشدات عان کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقعہ میں تو بیماری اڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کا دوسرا اٹھنے کے لئے مطلقاً اس کی نفی فرمائی ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجد صحابہ کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کارروائی مجددوں کو اپنے ساتھ کھانا، ان کا جوٹ پانی پینا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ نکی جگہ نہ اٹھ کر کھانا، جہاں منہ لگا کر انہوں نے پانی پیابا مقصد اسی جگہ منہ رکھ کر نوش کرنا یہ اور یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ عدوی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے۔ ورنہ اپنے کو بلا کیلئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی۔ قال اللہ تعالیٰ۔

و لا تلقوا بایديکم الی الھذکۃ۔ آپ اپنے ہاتھوں ہڈکت میں نہ پڑو۔ رہیں قسم اول (مجددوں سے دور و نفور رہنے) کی حدیثیں وہ اس درجہ عاید صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔ ان میں اکثر ضعیف ہیں۔ اور بعض غایت درجہ حسن ہیں صرف حدیث اول کی تصحیح ہو سکی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ دلیل پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود کہ مجددوں سے بھاگو اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں۔

معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مستدرک روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق۔ بہذا اصلاً کوئی حدیث ثبوت عدوی میں نص نہیں۔ یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔

ہاں وہ حدیث کہ جذامیوں کی طرف نظر جما کر نہ دیکھو ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو۔ صاف یہ نقل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئے گی، نفرت پیدا ہوگی، ان مصیبت زدوں کو تم حقیر سمجھو گے۔ ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں، پھر اس سے ان گرفتارانِ بلا کو نا

حق ایذا پہنچے گی۔ اور یہ روا نہیں۔ علامہ منادی تیسرے شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ (لا تحذرو النظر) لانه اذی ان

لا تعافوہم فتردوہم او تحتقر و ہم۔

علامہ نقی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں لا تدیموا النظر الی المجدومین۔ لانه اذا دہ حقرو تازی بہ المجدوم۔

اور ایک حدیث میں وفد ثقیف کے ایک ثقفی سے فرمایا: پیٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی، اس میں متعدد وجود ہیں۔ انہیں جس قدر میں نہ دیا یا کہ حاضرین دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں۔ حضار میں کسی کو دیکھ کر یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ہم ان سے بہتر ہیں۔ خود بینی س مرض سے بھی سخت تر بیماری ہے۔ مریض اہل جمع کو دیکھ کر غلغلہ نہ ہو کہ یہ سب ایسے چین میں ہیں اور وہ بلا میں۔ تو سیکے قب میں غدیر کی شکایت پیدا ہوگی مگر حاضرین کا لحاظ خاطر فرمایا کہ عرب بلکہ عرب و عجم جمہور بنی آدم باطن سے مریض کی قربت سے برا مانتے ہیں، نفرت مانتے ہیں۔ ممکن کہ خاطر مریض کا لحاظ فرمایا۔ کہ ایسا مریض خصوصاً نوبلاً خصوصاً ذی وجہت مجمع میں آتے ہوئے شرماتا ہے۔ ممکن کہ مریض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے رطوبت نکلتی تھی تو نہ چاہا کہ مصافحہ فرمائیں۔ غرض کہ واقعہ حال محل صدقہ احتمال ہوتا ہے، حجت عام نہیں ہو سکتا۔

ایک حدیث میں بچھو مارا پسینہ کو فرمایا۔ اقول: ممکن کہ اس لئے فرمایا ہو کہ مریض کے پاؤں سے رطوبت نہ ٹپکے ایک حدیث میں یہ کہ اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہو تو جذام ہے۔ اگر کا لفظ خود بتاتا ہے کہ اڑ کر لگنا ثابت نہیں۔

تیسرے میں ہے۔ قولہ ان کان، دلیل علی ان هذا الامر غیر محقق عنہ۔ ہاں اس وادی سے جد گزر جانا اقوال: اس میں وہ پانچ وجوہ پیش ہیں جاری جو حدیث سابق کے بارے میں گزریں۔ فافہم

اور وہ حدیث کہ فروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بی بی کو منع فرمایا: قول۔ وہاں بھی چار دلیل او میں جاری کمالا یحسبی۔

اور وہ حدیثوں میں امیر المؤمنین کا حضرت معقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ دوسرا ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلہ پر بیٹھتا۔ اقول: انہیں حدیثوں میں ہے کہ ان کو اپنے ساتھ کھلایا، اگر یہ امر عدوی کا سبب نہ دی ہوتا تو اہل فضل کی خاطر سے اپنے آپ کو معرض بلا میں ڈالنا روانہ ہوتا۔ اور بعد کی حدیث نے تو خوب ظاہر کر دیا کہ امیر المؤمنین خیال عدوی کی بیخ کنی فرماتے تھے۔ نری خاطر منظور تھی تو اس شدت مباحہ کی کیا جت تھی کہ پانی انہیں پلا کر ان کے ہاتھ سے لیکر خاص منہ رکھنے کی جگہ پر منہ لگا کر خود چمکتے۔ معلوم ہوا کہ عدوی بے اصل ہے، تو اس فراموشی نے کاغذ مثلاً یہ ہوا کہ ایسے مریض سے تحفہ انسان کا طبعی امر ہے، آپ کا فضل اس پر حاصل ہے کہ وہ تحفہ مضلل و زائل ہو گیا۔ دوسرا ہوتا تو اب نہ ہوتا۔

قول مشہور و مذہب جمہور و مشرب منصور کہ دوری و فرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب و اختلاط ہا اور معاذ اللہ قضا قدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اسکے دل میں دوسرے ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی۔ اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا۔ اسی قدر نہ دیکھے کیا کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے

بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ وسوسہ دل میں جننا سخت خطرناک اور ہائل ہوگا۔ لہذا ضعیف ایمانین لوگوں کو اپنے دین بچانے کیلئے دوری بہتر ہے ہاں، کامل ایمان وہ کرے جو صدیق اکبر و فاروق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور کس قدر مسالمت کے ساتھ کیا۔ اگر عیاذ باللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا۔ ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ ان یسینا الا ما کتب اللہ لنا بے تقدیر الٰہی کچھ نہ ہو سکے گا۔

اسی طرف اس قول و فضل حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایں در کل ثقة باللہ و تو کلا علیہ فرمایا۔

امام اعلیٰ امین۔ امام الفقہ حوالہ شمس، امام اہل الجرح والتعدیل، امام اہل الصحیح والتفصیل، حدیث و فقہ دونوں کے حاوی سید، امام ابو جعفر طوسی نے شرح معانی الآثار شریف میں دربارہ نفی عدوی احادیث روایت کر کے یہی تفصیل بیان فرمائی۔ بالحدیث مذہب معتد صحیح و ریح و صحیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طعنون وغیرہ اصد کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ محض اوہام بے اصل ہیں۔ کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہو جاتا ہے کہ ارشاد ہو۔ اسناد عند ظن عدی سی۔ وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اس کی باطنی بیماری کہ وہم پروردہ تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہو گئی۔

فیض القدر میں ہے۔ بل الوہم وحده من اکبر اسباب الاصابۃ اس لئے اور نیز کراہت و اذیت و خود بینی و تحقیر مجزوم سے بچنے کے واسطے اور اس دورانہ میں سے کہ مہار سے کچھ پیدا ہوا اور ایلیس صین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے۔ یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا۔ نہ وجہ سے شرع حکیم و رحیم نے ضعیف ایمانین لوگوں کو حکم استنباطی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔ اور کامل ایمانین بندگان خدا کیلئے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفسد سے پاک ہیں۔ خوب سمجھ لیں کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی دلیل سے ہے۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔ اسے تو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد فرما چکے۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اقول: پھر از آنجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استنباطی ہے واجب نہیں۔ لہذا ہرگز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا۔ مثلاً معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہوا اس کے اول و اقارب و زوکیل سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں، و اسے تہا وضائع چھوڑ جائیں یہ ہرگز حلال نہیں۔ بلکہ زوکیل ہرگز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کر سکتی۔ لہذا ہرگز یہ یقین مذہب امام اعظم، امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جذام شوہر سے عورت کو درخواست نكاح کا اختیار نہیں۔ اور خدا ترس بندے تو ہر نیکیس بہ یاری اعدائے اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ اللہ فی من لیس له الا اللہ۔ اللہ سے ڈور اللہ سے ڈرو، اس کے ہرے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔ لہذا علماء کا اتفاق ہے کہ مجزوم کے پاس بیٹھنا اٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزار ہو کر تار واری موجب ثواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ حصہ دوم)

بَابُ الْعِدَّةِ

﴿یہ باب عدت کے بیان میں ہے﴾

عدت کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عدت فرقت کے اثر کا نام ہے اور یہ فرقت خواہ طلاق کے ذریعے ہو یا کسی اور سبب سے ہو۔ کیونکہ اثر ہمیشہ مؤثر کے بعد آتا ہے۔ جبکہ لغت میں عدت عورت کے ایام اقرار کو کہتے ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ۹۵، بیروت)
مرد اور عورت کے ملنے کا سبب نکاح ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور اس نکاح کے عقد کو جس سبب سے اٹھایا جاتا ہے اس کا نام طلاق ہے یا نكاح کے دیگر ذرائع ہیں اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے ان کو نکاح سے مؤخر اور عدت سے مقدم ذکر کیا ہے اور عدت کے احکام کا ان تمام احکام کے بعد ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان پر موقوف ہے۔ لہذا عدت کے احکام مؤخر بیان کیے ہیں۔

عدت کا لغوی و فقہی مفہوم

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع یا ایہ وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح نہ سہنوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیح ہو چکی ہو یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت (کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کے لغوی معنی: شمار کرنے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں عدت: اس مدت کو کہتے ہیں جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علیحدگی کے فیصلہ یا ابھی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق یا شبہ کی بنا پر طلاق کے بعد اپنے آپ کو خواص مدت تک روکے رکھے۔

وَعِدَّةُ الْمَرْأَةِ قِيلَ أَيَّامٌ أَقْرَأَتْهَا مَا حُودُّ مِنَ الْعِدَّةِ وَالْحِسَابِ (المصباح المنیر) معنی

العدة: العدة بكسر العين جمع عدد، وهي لغة: الإحصاء (الفقه الاسلامی وادلته

المبحث الأول: تعريف العدة)

عدت کے مقاصد کا بیان

عدت سے شریعت کا مقصود نسب کا تحفظ ہے، اسلام کی نظر میں نسب کی ایک خاص اہمیت ہے اور اس پر خدائی زندگی کا مدار و انحصار ہے، اگر باپ کی شناخت باقی نہ رہے اور اولاد کو اس کا حقیقی خاندان میسر نہ آ سکے تو پھر انسان و حیوان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا؟ اسی لیے اسلام نے ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کے نکاح میں جانے کے درمیان ایک وقفہ رکھا ہے تاکہ نسب میں اختلاف نہ ہو، اسی وقفہ کا نام عدت ہے۔

اس کے علاوہ عدت سے کچھ اور خدائی مقاصد بھی متعلق ہیں، میاں بیوی کا رشتہ نہایت قربت کا رشتہ ہے، جب تک ازدواجی زندگی قائم ہوتی ہے ہر شیب و فراز اور سرد گرم میں ایک دوسرے کی رفاقت کا حق دے کرتے ہیں، راحت پہنچاتے ہیں اور تکلیف بھی اٹھاتے ہیں، کبھی ایک دوسرے کو سبے ہیں و کبھی سبے جاتے ہیں، بیوی تو چراغ خانہ ہوتی ہے، لیکن مرد کو روشن رکھنے کے لیے درود کی ٹھوکریں کھاتا، پسینے بہاتا، پریشانیاں اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، اب جب شوہر کی وفات ہوئی تو اس پر دیر و حزن ہونا اس کا فطری و اخلاقی فریضہ ہے ہی، اگر طلاق کی بنا پر عداوت ہوئی ہو تب بھی روائیس کہ چھبھے تعلقات سے محرومی پر حسرت و افسوس کا ایک اشک بھی نہ گرایا جائے، عدت اسی اخلاقی فرض کی دانگی سے عبارت ہے۔

عدت کے دوران مضطرب عورت اپنے خاندن کی بیوی ہی رہتی ہے۔ اور اس دوران خاوند کے حقوق کی نگہداشت کو ملحوظ رکھا گیا ہے جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: (فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عَدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا 49) (33-49: حزب) یعنی خاوند کے ہاں عدت گزارنا مطلق عورت کی ذمہ داری ہے اور مرد کا یہ حق ہے کہ عورت اسی کے ہاں عدت گزارے اس دوران مرد اس سے صحبت کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ اور وہ عورت کی رضامندی کے بغیر بھی اپنا یہ حق استعمال کر سکتا ہے۔

عدت کے دوران کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس عورت سے نکاح تو دور کی بات ہے منگنی کے لیے پیغام تک بھی دے سکے۔ اور اگر خاوند نے عورت کو اس حالت میں طلاق دی کہ وہ گھر پر موجودی نہ تھی یا اپنے میکے گئی ہوئی تھی یا اسے اس کے میکے پیغام بھیج دیا گیا تھا اور عورت عدت کے دوران نکاح کر لے تو وہ نکاح باطل ہوگا۔

عدت کی حکمت کا بیان

وحكمة العدة: إما التعرف على براءة الرحم، أو التعبد، أو التمتع على الزوج، أو

إعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقة وفي فرقة الوفاة:

يراد من العدة تذكير نعمة الزواج، ورعاية حق الزوج وأقاربه، وإظهار التأثير لفقده،

وإبداء وفاء الزوجة لزوجها، وصون سمعتها وحفظ كرامتها، حتى لا يتحدث الناس

بأمرها، ونقدتها ونها، والتحدث عن خروجها وزينتها، خصوصاً من أقارب زوجها

(الفقه الاسلامی وادلتہ حکمة العدة)

عدت کی مدت کا بیان

جس آزاد عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو یا نکاح فسخ ہو گیا ہو اور اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مدت تین حیض سے یعنی وہ تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں جہاں طلاق دی ہوئی تھی رہے اس گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی سے نکاح کرے اسی طرح جس عورت کے ساتھ شہ میں جماع ہو گیا ہو اس کی عدت کی مدت بھی تین حیض ہے جتنی کسی مرد نے کسی غیر عورت کو اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے صحبت کر لی تو اس عورت کو بھی تین حیض آنے تک عدت میں بیٹھنا ہوگا جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے شوہر و جماع نہ کرنے دے جس عورت کے ساتھ بے قاعدہ یعنی فاسد نکاح ختم ہوا ہو جیسے سوقت نکاح اور پھر تفریق کر دی گئی یا تفریق کرانے سے پہلے ہی خاوند مر گیا ہو تو اس عدت کی مدت بھی تین حیض ہے۔ ام و مد جب کہ آزاد کر دی جائے یا اس کا مولیٰ مر جائے تو اس کی عدت بھی تین حیض ہیں۔

اگر کسی عورت کو کم سن ہونے کی وجہ سے یا بچہ ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

جس آزاد عورت کا خاوند مر گیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس دن ہے خواہ اس عورت سے جماع کیا گیا ہو یا جماع نہ کیا گیا ہو خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا مسلمان مرد کے نکاح میں یہودیہ اور نصرانیہ ہو خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ اور یا آئہ ہو خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور خواہ اس کی مدت میں اس کو حیض آئے یا نہ آئے۔

حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ اس عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی ہو یا اس کا خاوند مر گیا ہو اور خواہ وہ عورت آزاد ہو یا لونڈی وراثت ہوتے ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی اگر چہ خاوند کے طلاق دینے یا خاوند کے مرنے کے کچھ ہی دیر بعد وراثت ہو جائے یہاں تک کہ کتاب بہسوط میں لکھ ہے کہ اگر حاملہ عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ ابھی تختہ پر نہ ہلایا جا رہا تھا یا کفنیایا جا رہا تھا کہ اس عورت کے ہاں ولادت ہوگئی تو اس صورت میں بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

جو عورت آزاد ہو یعنی کسی کی لونڈی ہو اور اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو اس کی عدت دو حیض ہے بشرطیکہ اس کو حیض آتا ہو اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہوگی و اگر اس کا خاوند مرد ہے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہوگی خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

عدت کی ابتدائی وقت کا بیان

طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد سے ہوگی یعنی طلاق کے بعد جو تین حیض آئیں گے ان کا شمار ہوگا اگر کسی نے حیض کی حالت میں طلاق دی ہوگی تو اس حیض کا شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد کے تین حیض کا اعتبار کیا جائے گا اور وفات میں عدت

کا شمار شوہر کی وفات کے بعد سے ہوگا اگر عورت کو طلاق یا وفات کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگی عدت کے مسائل کی باقی تفصیل ہم اپنی اس شرح میں بیان کر رہے ہیں۔

آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَاطِلًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) وَالْفُرْقَةُ إِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِي مَعْنَى الطَّلَاقِ لِأَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّجْمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِئَةِ عَلَى الْكِبَاحِ، وَهَذَا يَنْتَحَقُّ فِيهَا.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو باطل طلاق دیدے، رجعی طلاق دیدے یا ان دونوں کے درمیان طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہو جائے اور عورت آزاد ہو اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”طلاق یا فتنہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار کی حالت میں رکھیں گی“۔ اگر طلاق کے بغیر علیحدگی واقع ہوئی ہو تو وہ بھی طلاق کے حکم میں ہوگی کیونکہ عدت کو ضروری قرار دینے کا بنیادی مقصد یہ ہے نکاح پر وارد ہونے والی علیحدگی کی وجہ سے رحم بری ہو جائے اور طلاق کے بغیر علیحدگی میں بھی یہی حکم ہے۔

قرو کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ قروہ کے معنی میں سلف خف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی جتنی حضرت عبدالرحمن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل میں۔ حضرت عروہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہ کی دوسری بھتیجی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا قراء سے مراد طہر ہیں (موحاکم)

بلکہ موطا میں ابو بکر بن عبدالرحمن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھا درملاء فقہاء کو قروہ کی تفسیر طہر سے ہی کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موط)

امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی مستحق امر یہی ہے۔ ابن عباس، زید بن ثابت، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یزید، ابو بکر بن عبدالرحمن، ابان بن عثمان، عطاء، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ آیت (فصلقہن لعدتہن) یعنی انہیں عدت میں جی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دے، چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی تنقی میں آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروہ سے مراد حیض کے سو کی یعنی پاکی حالت ہے، اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت نے اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی ورنہ اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے۔ تیس دن اور دو غلط ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ غلط طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں، اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت ہی میں ہے۔ بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک غلط ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق کا یہ فیصلہ ہے کہ ن کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک دو طہر دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جبکہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوذر، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، سوہ، ابراہیم، یحییٰ، عطاء، طووس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعیب، ربیع، مقاتل بن حیات، سعدی، یحییٰ، خضاک، عطاء خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ ثوری، اوزعی، ابن ابی ملی، ابن شیرمہ، حسن بن صالح، یحییٰ بن عیسیٰ اور اسحق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن ابی جیش سے فرمایا تھا نماز کو قراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروہ سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں سخت کے اعتبار قروہ کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے واللہ اعلم۔

اصحی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمر بن عدہ کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف یعنی حیض کے معنی کی جانب گئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ۱۰، ۲۲۸)

قرء سے مراد طہر میں فقہاء شوافع کا استدلال

امام شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالْمُطَهَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ**۔

طلاق یافتہ خواتین اپنے آپ کو (دوسری شادی سے) تین دورانیے تک روک رکھیں۔ (البقرہ 228)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ یہاں لفظ "قرء" سے مراد طہر (خاتون کی پاکیزگی کے دورانیے) ہے۔ اس کے مثل رائے سیدنا زید بن ثابت سیدنا ابن عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک گروہ کا نقطہ نظریہ ہے کہ یہاں "قرء" کا مطلب خاتون کے حیض کے پیرائے ہیں۔ اس طلاق یافتہ خاتون کے لئے اس وقت تک (دوسری شادی کرنا) جائز نہ ہوگا جب تک کہ وہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل نہ کر لے۔

سائل: ان دونوں گروہوں نے کس کس بنیاد پر اپنی رائے پیش کی ہے؟

شافعی: "قرء" کا مطلب ہے "دورانیہ"۔ یہ دورانیے اس بات کی عداوت ہیں کہ جب تک یہ پورے نہ ہو جائیں، طلاق یافتہ خاتون دوسری شادی نہ کرے۔ جو لوگ اس دورانیے سے "حیض کا دورانیہ" مراد لیتے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں کم سے کم دو اوقات کا ذکر ہوا ہے اور کم اوقات سے ہی وقت میں حدود مقرر کی جاسکتی ہیں۔ "حیض کا دورانیہ"، "پاکیزگی کے دورانیے" سے کم ہوتا ہے اس وجہ سے زبان کے نقطہ نظر سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ اسے عدت کی مدت مقرر کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہ اسی طرح ہے کہ وہ مہینوں کے درمیان فاصلہ کرنے کے لئے چاند نظر آنے کو حد مقرر کیا گیا ہے۔

غالب انہوں نے یہ رائے اس بنیاد پر اختیار کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ و طاس میں حاصل کردہ ایک لونڈی کے بارے میں حکم دیا کہ اس سے اس وقت تک ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے جائیں جب تک ایک مرتبہ حیض آنے سے اس کا "استبراء" نہ ہو جائے (یعنی یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ حاملہ تو نہیں ہے)۔ آزاد لونڈی کے بارے میں استبراء کا حکم دیا گیا ہے۔ آزاد خاتون کا استبراء تین مکمل حیض کے دورانیوں سے ہوتا ہے جب وہ پاک ہو جائے اور لونڈی کا استبراء ایک ہی مکمل حیض سے پاکیزگی کے بعد ہوتا ہے۔

سائل: یہ تو ایک نقطہ نظر ہوا۔ آپ نے کس بنیاد پر دوسرا نقطہ نظر اختیار کیا ہے جب کہ آیت میں دونوں معنی کا احتساب موجود ہے؟

شافعی: اللہ تعالیٰ نے نئے چاند کو مہینوں کی نشاندہی کے لئے بنایا ہے اور وقت کا شمار رویت ہلال سے کیا جاتا ہے۔ ہلال دن

اور رات کے علاوہ ایک عداوت ہے۔ یہ تین دن کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور اسی دن کے بعد بھی۔ تین دن کے بعد دو چھوٹے ایام کے مجموعے ہی ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ اگر "قرء" وقت کا نام ہے تو پھر یہ دن اور رات کے کسی مجموعے کا نام ہوگا۔ عدت کی طرح حیض کے مدت کا تعین بھی دن و رات ہی سے کیا جائے گا۔ وقت کسی (علاقے کی) حدود کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی یہ حد علاقے میں داخل ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ وقت کا ایک خاص مطلب بھی ہے۔

سائل: وہ کیا ہے؟

شافعی: اگر خون رحم سے باہر نکل آئے اور ظاہر ہو جائے تو اس کا نام "حیض" ہے اور اگر ظاہر نہ ہو اور رحم کے اندر ہی رہ جائے تو اس کا نام "طہر" ہے۔ "طہر" اور "قرء" دونوں الفاظ کا تعلق خون کو روکنے سے ہے نہ کہ بہنے سے۔ "طہر" سے اگر وقت مراد لیا جائے تو عربی زبان میں اسے "قرء" کہنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس کا تعلق خون کو روکنے سے ہے۔

جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں حلق دے دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو کہیں کہ وہ خاتون سے رجوع کر لیں اور (اگر طلاق دینی ہی ہے تو) پھر اس حالت میں حلق دیں جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائیں اور ان سے (پاک ہونے کے بعد) ازدواجی تعلقات قائم نہ کیے گئے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یہ عدت کا وقت ہے جسے اللہ نے طلاق (سے شروع کرنے) کا حکم دیا ہے۔" (مالک)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ "إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ هُنَّ" یعنی "جب تم خواتین کو طلاق دو تو انہیں عدت (شروع کرنے) کے لئے طلاق دو۔" یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ واضح فرما دیا کہ عدت طہر سے شروع ہوگی نہ کہ حالت حیض سے۔ اللہ تعالیٰ نے "تین قرء" کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خاتون کو تین طہر تک انتظار کرنا چاہیے۔

اگر تیسرا طہر لمبا ہو جائے اور حیض شروع نہ ہو تو اس خاتون کے لئے اس وقت دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے جب تک کہ حیض آنے نہ جائے۔ اگر وہ خاتون حیض کے آنے سے (اپنی عمر یا بیماری کے باعث) مایوس ہو جائے یا اسے اس کا اندیشہ بھی ہو تو پھر وہ مہینوں کے ذریعے اپنی عدت کا شمار کرے۔ اس معاملے میں خاتون کے غسل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ غسل تو تین کے علاوہ ایک چوتھی چیز ہے۔ جو شخص خاتون کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دینے کے لئے غسل کو ضروری قرار دیتا ہے، اسے پھر یہ بھی کہنا چاہیے کہ اگر وہ ایک سال یا اس سے بھی زیادہ بغیر غسل کے بیٹھی رہے تو اس کے لئے شادی کرنا جائز نہ ہوگی۔

ان دونوں اقوال میں سے یہ کہ "قرء سے مراد طہر ہے" کتاب اللہ کے زیادہ قریب ہے اور زبان بھی اسی معنی میں واضح ہے۔ بہر حال اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنیز کے بارے میں ایک حیض کے ذریعے استبراء (یعنی حمل نہ ہونے کا یقین کرنے) کا حکم دیا۔ اگر وہ کنیز حالت طہر میں تھی، پھر اس حیض آ گیا تو حیض کے مکمل ہونے کے بعد اس کے نئے طہر کے شروع ہونے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حاملہ نہیں تھی۔ خون کا صرف نظر آ جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ حیض کے پورا ہونے کا انتظار ضروری ہے کیونکہ وہ ہی طہر

حمل کے بغیر سمجھ جائے گا جس سے پہلے ایک حیض مکمل ہو چکا ہو۔

خاتون کو عدت دو وجہ سے پوری کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ یقین کرنا ہے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور دوسری وجہ اس کے علاوہ ہے۔ جب خاتون نے دو حیض، دو طہر اور اس کے بعد تیسرا طہر بھی گزار لیا تو پھر وہ استبراء کے عمل سے دوبارہ گزر چکی۔ استبراء کے علاوہ دوسری وجہ اللہ کے حکم کی پابندی بھی ہے (کیونکہ اس نے تین قروء تک رکنے کا حکم دیا ہے)۔ (کتاب الرسالہ، باب ۱۴)

قروء سے مراد کیا ہے؟

وَالْأَقْرَاءُ الْحَيَضُ عِنْدَنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْأَطْهَارُ وَاللَّفْظُ حَقِيقَةٌ فِيهِمَا إِذْ هُوَ مِنَ الْأَضَادِ، كَذَا قَالَ ابْنُ السَّيِّدِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةٌ لِإِلْتِزَامِ الْوَحْدِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيِضِ أَوْلَى، أَمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ، لِأَنَّهُ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْأَطْهَارِ وَالطَّلَاقِ يُوقِعُ فِي طَهْرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا، أَوْ لِأَنَّهُ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّجَمِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ، أَوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (وَعِدَّةُ الْأَمَةِ حَيَضَتَانِ) " فَيَنْتَحِقُ بَيَانُهُ

ترجمہ

اور ہمارے نزدیک (قرآن پاک میں استعمال ہونے والے لفظ) "قروء" سے مراد حیض ہے۔ امام شافعی a فرماتے ہیں: اس سے مراد طہر ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ابن سبیت نے یہ بات بیان کی ہے۔ لیکن اشتراک کی وجہ سے یہ لفظ ان دونوں مفایم کو شامل نہیں ہوگا اور اس کو حیض پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے یا تو اس اعتبار سے کہ جمع کا لفظ ہے اس پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ اگر اسے طہر پر محمول کیا جائے تو ایک طہر کی ایسے طہر میں واقع ہوگی جس کے ساتھ جمع کا پہلو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے قروء رحم کے بری ہونے کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہے اور یہی اصل مقصد بھی ہے۔ اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "کنیز کی عدت دو حیض ہوتی ہے"۔ تو یہ اس کی وضاحت کے طور پر اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

حاملہ وغیرہ حاملہ کا تعین حیض سے ہوتا ہے

امین حسن اصلاحی لکھتا ہے کہ اس آیت میں 'قروء' کی جمع ہے۔ یہ لفظ جس طرح حیض کے معنی میں آیا ہے، اسی طرح طہر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے، اس سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازم لگا ہوا ہے، اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اس کے ساتھ گئے ہوئے دن کو یا دن کے لفظ سے اس کے ساتھ گئی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔ (532/1)

ہم نے اسے حیض کے معنی میں لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل مسئلہ ہی یہ متعین کرنے کا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں، اور اس کا فیصلہ حیض سے ہوتا ہے، نہ کہ طہر سے۔ پھر اس کے لیے توقف کی مدت مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی حیض سے بالکل متعین ہو جاتی ہے، اس لیے کہ اس کی ابتدا کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

عام حالات میں عدت یہی ہے، لیکن عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو یا حیض کی عمر کو پہنچنے کے بعد جو اسے حیض نہ آیا ہو 35 تو سورہ طلاق کی اس آیتوں میں قرآن نے بتایا ہے کہ پھر یہ تین مہینے ہوگی۔ اسی طرح یہ بھی بتا دیا ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حیض سے مایوس عورتوں کے ساتھ ان آیتوں میں 'اِنْ اَرْجَمْتُمْ' کی شرط بھی لگی ہوئی ہے۔ استاذ اہل علم اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ 'اِنْ اَرْجَمْتُمْ' کی شرط یہاں آئہ مدخلہ اور آئہ غیر مدخلہ کے درمیان امتیاز کے لیے لگی ہے۔ یعنی آئہ اگر مدخلہ ہے تو آئہ ہونے کے بعد جو اس کا امکان ہے کہ شاید اس کی حالت عارضی ہو، پھر امید کی شکل پیدا ہو گئی ہو اور اس کے رحم میں کچھ ہو۔ یہی صورت اس کو بھی پیش آ سکتی ہے جس کو ابھی گر چہ حیض نہیں آیا ہے، لیکن وہ مدخلہ ہے... ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہی بات کہنی تھی تو صاف صاف یوں کیوں نہ کہہ دی کہ اگر آئہ مدخلہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بات یوں کہی جاتی تو اس سے عدت کی اصل علت واضح نہ ہوتی، جبکہ اس کا واضح ہونا ضروری تھا۔ اس عدت کی اصل علت عورت کا مجرد مدخلہ ہونا نہیں، بلکہ یہ اشتباہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے رحم میں کچھ ہو۔ (مدبر قرآن 8/442)

فقہاء شوافع و مالکیہ سے قروء کے معنی میں فقہاء احناف کی ترجیح کا بیان

قروء، قرء کی جمع ہے اور قرء کا معنی لغوی لحاظ سے حیض بھی ہے اور طہر بھی۔ یعنی یہ لفظ ذاتی ذوی الضداد ہے۔ احناف اس سے تین حیض مراد لیتے ہیں۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ طہر مراد لیتے ہیں۔ اس فرق کو درج ذیل مثال سے سمجھئے۔

حداق دینے کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے فارغ ہو تو اسے طہر کے شروع میں ہی بغیر مقررہ مدت کے طلاق دے دی جائے اور پوری مدت گزر جانے دی جائے۔ عدت کے بعد عورت بائن ہو جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ کسی عورت ہندہ نامی کی عدت یہ ہے کہ اسے ہر قمری مہینہ کے ابتدائی تین دن، ہواری آتی ہے۔ اس کے خاوند نے اسے حیض سے فراغت کے بعد محرم کو طلاق دے دی۔ اب احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے یعنی ۳ ربیع الثانی کی شام کو جب وہ حیض سے فارغ ہوگی، تب اس کی عدت ختم ہوگی۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک تیسرا حیض شروع ہونے تک اس کے تیس طہر پورے ہو چکے ہوں گے۔ یعنی کیم ربیع الثانی کی صبح کو حیض شروع ہونے پر اس کی عدت ختم ہو چکی ہوگی۔ اس طرح قروء کی مختلف تعبیروں سے تین دن کا فرق پڑ گیا۔ اور ہم نے جو قروء کا ترجمہ حیض کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طہر بنت حیض سے فرمایا کہ دعویٰ الضنوة یا ما اقوالک یعنی یا م حیض میں نماز چھوڑ دو۔ علاوہ ازیں خلفائے اربعہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کہہ رہے تھے کہ اس

بات کے قائل ہیں کہ قراء کا معنی حیض ہے۔

اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت مہینے کے اعتبار سے ہوگی

(وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ مِنْ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَاللَّائِي
بَيِّنَاتٍ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ) الْآيَةَ (وَكَذَٰلِكَ أَلَيُّ بِالْيَسْرِ وَلَمْ تَحِيضْ) بِأَخِيرِ
الْآيَةِ.

ترجمہ

اور جب وہ ایسی عورت ہو جسے حیض نہیں آتا کسی کی وجہ سے یا عمر زیادہ ہونے کی وجہ تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی اس کی
دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”اور جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں۔ اسی طرح (یہ آیت سے) اسی طرح وہ عورتیں جو اس
عمر کی ہوں کہ انہیں حیض نہ آتا ہو“۔

آئہ کی عدت میں فقہی تصریحات

جن بڑھیا عورتوں کی اپنی بڑی عمر کی وجہ سے ایام بند ہو گئے ہوں یہاں ان کی عدت بتائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت
گزاریں جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت، اسی طرح وہ عورتیں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ
انہیں حیض آئے ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی، اگر تمہیں شک ہو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ میں اور تمہیں
شبہ گذرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک پاتی رہ جائے اور
اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یا دو رکھو، یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے،

اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی عورتوں کی عدت ابھی
بیان نہیں ہوئی کس کی عورتیں بڑی عورتیں اور صل والی عورتیں اس کے جواب میں یہ آیت اتری، پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی
کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طبعی یا خاندانی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ ہیں اور
احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو
کران کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں قسم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین
مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے،

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت
بریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے اطفال کے بعد

چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذرانی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے
کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ جس والیوں کی عدت بچہ کا وجہ ہے، حضرت ابوبریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے
بیٹا زاد بچہ کی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے،

حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریم کو مسمومہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھاؤ انہوں
نے فرمایا سبیحہ اسمیہ کے شوہر قتل کئے گئے۔ در یہ اس وقت میدے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا
ارحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسائب بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے
ساتھ دو کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عقبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیحہ بنت حارث اسمیہ کے پاس جائیں اور ان
سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خویلد رضی اللہ عنہ تھے یہ
مدری صحابی تھے حجتہ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے
پاک ہوئیں تو اچھے پیڑ سے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسائب بن بک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت
میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر
جائیں۔ میں یہ سن کر چار روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا
ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کرلو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں
تھے جہاں حضرت عبدالرحمن بن بویعلی بھی تھے جن کی تعظیم مکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت
آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیحہ دالی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے بھوکے لگانے لگے
میں نے کہا بھرتو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کونہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا
شرعاً گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے میں حضرت ابو عتیہ مالک بن عامر سے مانا انہوں نے مجھے حضرت سبیحہ دالی
حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا
کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصرئی یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولی کے بعد تری ہے اور اس میں
فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملا عنہ کرنا چاہے میں اس سے ملا عنہ کرنے کو تیار
ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا
فتویٰ یہ ہے کہ جس والی کی عدت بچہ کا پیدا ہونا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت

گزاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل و لیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسکد بھی ہے کہ جس عورت کا خاوند مرد جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عورتوں میں سے جو آخری ہوا ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس وایوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی استدلال میں شی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرمادیتا ہے، یہ اللہ کے حکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف تار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچالیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آئسہ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علاء الدین کا سنی حنفی عبد الرحیم لکھتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعاً بند ہو چکا ہو ورنہ کبرسی کی وجہ سے وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہوگی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو باقی مہینے کا طلاق رویت ہلال کے لی طے سے عدت شمار ہوگی، اور اگر مہینے کے وسط میں کسی وقت طلاق دی گئی ہو تو مابین مہینہ کے نزدیک 30 دن کا مہینہ قرار دے کر 3 مہینے پورے کرنے ہوں گے۔

(بدائع الصنائع، کتاب عدت)

رہیں وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی بے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔

حضرت سعید بن السیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہو گیا ہو وہ 9 مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ 9 مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے طہل ہوگی۔

ابن عباسؓ، قتادہ اور عمرؓ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اسی عدت تین مہینے ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہی رائے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے۔

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک صاحب حبان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی جبکہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر نہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقام کر گئے۔ مہلقہ بیوی نے درخت کا دعویٰ کر

دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان بڑکیوں میں سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، ہذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھکی جو اسے پہلے آیا تھی اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو مگر اس کا بند ہونا سن ایام کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو حیض ہی سے ہوگی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اس عمر کے لحاظ سے ہوگی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہوگی۔ یہی قول امام شافعیؒ، امام ثوریؒ، و امام مالکؒ کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا ہے۔

امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے 9 مہینے گزارے گی مگر اس دوران میں حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالکؒ کے مسکد کی توضیح یہ کی ہے کہ 9 مہینے اس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ (یہ تمام تفصیلات احکام القرآن للبخاری اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں)

ام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت حیض کے اعتبار سے شروع ہوئی تھی، عدت کے دوران میں آئسہ ہو جائے تو اسے حیض دان عورتوں کے بجائے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہوگی۔ ورنہ اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیوں بند ہو گیا ہے تو پہلے وہ حمل کے شبہ میں 9 مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پل رہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع نہ ہو جائے اور عدت حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار سکے (الانصاف، مسائل عدت)

حاملہ عورت کی عدت کا اختتام وضع حمل یہ ہوگا

(وَأِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعُ حَمْلَهَا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) (وَأِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ (طَلَاؤُ الْأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ) وَلَآئِنَّ الرِّقَّ مُنْصِفٌ وَالْحَيْضَةُ لَا تَنْجِزُ أَفْكَمَتْ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ، وَلِيَهْ أَشَارَ عُمَرُ بِقَوْلِهِ. لَوْ اسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَبْصَةً وَبِضْفًا (۱)
(وَأِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ) لِأَنَّهُ مُتَجَزِّءٌ فَأَمَكُنَ تَنْصِيفُهُ عَمَلًا بِالرِّقِّ

ترجمہ

اور اگر وہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی پیدائش) ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اور جس وان عورتوں کی عدت کی انتہاء بچے کو جنم دینا ہے۔" اگر وہ عورت کثیر ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوگی اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے "کثیر کو دو طلاقیں دی جائیں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی۔" اس کی ایک وجہ یہ ہے غلام سونہ (نعت کو) نصف کر دینا ہے اور کیونکہ حیض کے اجزاء نہیں کیے جاسکتے اس لیے یہ مکمل ہوگا اور دو حیض شمار ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے ان الفاظ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "اگر میں استطاعت رکھتا تو اس (کثیر) کی عدت کو ڈیڑھ حیض مقرر کرتا۔" اگر وہ کثیر ایسی ہو کہ اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ اس وقت کو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اس لیے کثیر ہونے پر عمل کرتے ہوئے اسے نصف قرار دینا ممکن ہے۔

شرح

بوست بل سے مروی ہے سیدہ اسمیہ جو حارث کی بیٹی تھی اپنے خاوند کی وفات کے بعد بیس دن بعد بچہ جنی۔ جب نفاس سے فارغ ہوئی تو اس نے بناؤ سنگار کیا۔ لوگوں کو اچنبہ ہوا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسکا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک وہ سنگار کرے۔ اسکی عدت مکمل ہو چکی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 184)

حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ وہ اور حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کا مسئلہ چھیڑ دیا جو فوت ہو جائے اور اس کی وفات کے کچھ دن بعد بچے کی پیدائش ہو جائے حضرت ابن عباس نے بیان کیا بیوی اور حمل میں سے جو مدت زیادہ ہوگی وہ اس کی عدت ہوگی۔ بوسلمہ بولے جیسے ہی وہ بچے کو جنم دے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی یہ دونوں صاحبان اس مسئلے پر الجھ پڑے حضرت ابو ہریرہ بولے میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں یعنی ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ ان حضرات نے حضرت ابن عباس کے غلام کریم کو سیدہ ام فاطمہ کے پاس یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تو سیدہ ام سلمہ نے یہ بات بتائی کہ سیدہ بنت حارث اسمیہ کے شوہر فوت ہو گئے ان کی وفات کے کچھ دن بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی تو وہ ابن دار سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب جن کی کنیت بوست بل تھی نے نکاح کا پیغام بھیجا اور اسے یہ بتایا کہ تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے اس عورت نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اور کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ابوسلمہ نے اس سے کہا کہ تمہاری عدت ابھی ختم نہیں ہوئی سیدہ نامی خاتون نے اس بات کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے اسے اجازت دی کہ وہ شادی کر سکتی ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 136)

حاملہ کی عدت و نکاح ثانی میں مذاہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذریعے دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس

آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے ورجہوہم سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ماکران کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گزر چکے اور بچہ نہیں ہو تو بچے کے ہونے تک عدت ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار سو دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گزارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل دالیوں کی عدت بچہ کا دھانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے، حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریم کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجی کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھو انہوں نے فرمایا سیدہ اسمیہ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسائل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتاہوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سیدہ بنت حارث اسمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خوسہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ لوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسائل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں۔ میں یہ سن کر چار روزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کرلو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت سعد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمن بن ابوعبلی بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حامد کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سیدہ نامی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹپو کے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرمائے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے ہیں۔

حضرت ابو عطیہ مالک بن عاصم سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سیدہ نامی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت

حضرت عبداللہ سے بھی کچھ نہ ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نسا، قصہ یعنی سورۃ طلاق سورہ نہ طہولی کے بعد اتاری ہے وراس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملا عنہ کرنا چاہے میں اس سے ملا عنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے درجہ جو نے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گذریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل وایوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہوئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل وایوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق وایوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند وایوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس نے کہ اس کی اس میں شہی بن صبح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرمادیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف تار ہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچالیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۴)

باندی کی عدت میں مذہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اسی طرح بوٹڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح بوٹڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء و خابریہ بوٹڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابو احالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تورحم و در میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بست کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن حلیا ط اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل

ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونگی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس بوٹڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس سے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر غلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی بوٹڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابورادہ میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔

حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور حماد بن ضبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ اور ن کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں دو حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، کتب، لیث، ابو عبیدہ، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۳)

وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان

جس حمل کے وضع ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے وہ ہوگا جس میں انسان کا سریا پاؤں بن چکا ہو، تو باماء جماع اس سے عدت ختم ہو جائیگی، اسے ابن منذر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حمل تھا اس سے یہ عمومی نصوص میں داخل ہوگا۔

لیکن اگر یہ حمل وضع ہو جس میں ابھی کچھ بھی واضح نہ ہوا ہو اور وہ صرف خون اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہو اور خلقت واضح نہ ہوئی ہو تو ثقہ دانتوں نے گواہی دی ہو کہ اس میں خفیہ صورت وضع ہو چکی تھی تو اس سے بھی عدت ختم ہو جائیگی؛ کیونکہ یہ حمل ہے اور عمومی نصوص میں داخل ہے۔ (کشف القناع، ۵، ۴۱۳)

بیوہ عورت کی عدت کا بیان

(رَزَعَلَةُ الْحُرَّةِ فِي الرِّقَاةِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (وَعِدَّةُ الْأَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ) لِأَنَّ الرِّقَّ مُصَنَّفٌ.

ترجمہ

اور شوہر کی وفات کی صورت میں 'آز' عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "اور وہ دگ (موتے ہوئے) بیویں چھوڑ کر جاتے ہیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن تک خود کو روکے رکھیں گی"۔ (بیوہ) کنیز کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے اس کی وجہ یہی ہے رقیق (نعت کو) نصف کر دیتی ہے۔

شرح

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْوُجُوهِ غَيْرِ
إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ (البقرہ،)

اور جو تم میں سے مرے اور بیویں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں۔ سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی ہے نکالے۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مؤخرہ نہیں جو انہوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غاب حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

دور جاہلیت کی عدت و فوات کے منسوخ ہونے کا بیان

صدر الافاضل مولانا فہیم امین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال کی تھی اور ایک سال کا مال وہ شوہر کے یہاں رہ کر نان و نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی۔ پھر ایک سال کی عدت تو اِنْ تَوَلَّيْنِمْ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال بھر کا نفقہ بیت میراث سے منسوخ ہوا جس میں عورت کا حصہ شوہر کے ترکہ سے مقرر کیا گیا ہذا اب اس وصیت کا حکم باقی نہ رہا حکمت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنے صورت کی بیوہ کا نکلنا یا غیر سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اس کو عار سمجھتے تھے اس لئے اگر ایک دم چار ماہ دس روز کی عدت مقرر کی جاتی تو یہ ان پر بہت شاق ہوتی ہذا ابتداء میں انہیں راہ پر لایا گیا۔ (خزانة العرفان)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس رات کی عدت والی آیت کی منسوخ ہو چکی ہے،

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیر نے حضرت عثمان سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں، آپ نے فرمایا یہ سبج جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی، ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے وراں کے مکان میں یہ رہے، پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا ثلثوں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔

کثر صحابہ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۃ الاحزاب کی آیت (یا ایہا الدین امنوا اذ انکم حکم المومنات) الخ، نے اسے منسوخ کر دیا،

حضرت مجاہد فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں سات مہینے اس مدت کا حکم ہو رہا ہے، عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہ بیس بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے ورجہی جائے، میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا، وہ جہاں چار مہینے عدت گزارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ ہیں، پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟

یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہیے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے آیت (یوصیکم اللہ فی اولادکم) الخ، اس کا نصب فتنو صوالہیں کو محمد دف ماں کرے۔ وصیت کی قرأت یہی ہے یعنی آیت (کتب عسکم وصیتہ) پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے، پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی حدیث ہے کہ حضرت بوسعید خدری کی ہمشیرہ صاحبہ فریدہ بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کیسے میرے خاوند گئے قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے سیکے چلی جاؤں اور وہیں عدت پوری کروں، آپ نے فرمایا اجازت ہے، میں لوٹی ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہوا یا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا، میں نے پھر قصہ بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے، چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں آپ نے مجھے ہوا یا یا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا، میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سنایا، حضرت عثمان نے بھی اس کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا، اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

سعید بن اسحق اپنی پہلو بھی زینب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریجہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاوندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفرد

غلاموں کو تلاش کرنے کے لیے نکلا جب اس نے قدم کے پاس انہیں پایا تو ان کے غلاموں نے ان کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی تم اپنے گھر میں رہو۔ میں نے عرض کی میرے شوہر نے ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑا جس کی میں مالک ہوں نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہیں رہو جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی رومی بیان کرتے ہیں تو اس عورت نے اس گھر میں چار سو دن عدت بسر کی۔ نہ نب بخت کعب بیان کرتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں انہوں نے کسی کو بھجوا کر مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو میں نے اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 143)

باندی کی عدت و وقت میں فقہی مذاہب اربعہ

اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہریہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس حد کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔

حضرت سعید ابن مسیب ابو اہالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم دالی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم، در میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا ٹھنڈا رہتا ہے پھر اندہ حلی فرشتے کو بھیجتے ہیں اور وہ اس میں روح پھونکتے ہیں۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاط اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے ورنہ بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس سے تین عدت مقرر کی گئی واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔

ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فرات بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا گوشت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر غلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبد العزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبد الملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اور اسی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن حاکم اور قزوینی اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

ابو حنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن جی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، کچول، لیث، ابو عبیدہ، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جاتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

حاملہ بیوہ عورت کی عدت کا بیان

(وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: مَنْ شَاءَ سَاهَلْتُهُ أَنْ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بَعْدَ الْآيَةِ الْآتِيَةِ فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ. (۱) وَقَالَ عُمَرُ: لَوْ وَضَعَتْ وَزَوَّجَهَا عَلَى سَرِيرِهِ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَحَلَّ لَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ. (۲)

ترجمہ

اور اگر وہ عورت (جو بیوہ ہوئی ہے) حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے۔ اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے۔ وہ بچے کو جنم دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ (۱) اسرحہ البخاری فی "صحیحہ" (۴۹۱۰) و ابو داؤد فی "مسند" برقم (۲۳۰۷) و السنن فی "المجتبیٰ" برقم (۱۹۷/۶) و ابن ماجہ فی "مسند" برقم (۲۰۳۰) بلفظ: "مَنْ شَاءَ سَاهَلْتُهُ"

(۲) اسرحہ مالک فی "الموطأ" باب عِدَّةِ الْمَتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا (۵۸۹/۲) و الشافعی عمد و اسرحہ عبدالرزاق من وجہ آخر من مافع وهو عند عبدالرزاق من رواية سالم سمعت رجلا من الأنصار يحدث ابن عمر قال: سمعت أباك نحوه، و فی الباب قصه سبعة الأسلمی اسرحہ البخاری فی "صحیحہ" برقم (۵۳۳۶) و مسند فی "صحیحہ" برقم (۱۴۸۸) عن أم سلمة رضى الله عنها أنها قالت: "جاءت امرأة إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله إن ابنتي توفى عنها زوجها وقد شكت حبها فكيف أحلها؟ فقال رسول الله ﷺ: لاء، ميرتين أو ثلاثا، كل ذلك يقول، لاء، ثم قال: إنما هي أربعة أشهر وعشر، وقد كانت أحلها في الجاهلية ترمي بالبعرة على رأس الحجر"۔ قال البيهقي في "شرح السنة" ۳۰۸/۹ عن كلمة "ترمي بالبعرة" و معنى رميها بالبعرة "كأنها تقول: كإن جلتها في البيت وجلسها بفسها سنة، أعز عليها من رمي هذه البعرة، أو هو يسير في حب ما يحب من حق الزوج۔

مباہرہ کر سکتا ہو کہ چھوٹی دان سورہ نساء اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورہ بقرہ کے اندر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر وہ عورت بچے کو اس وقت جنم دے جب اس کے شوہر کی میت (غسل کے) تحفے پر پڑی ہوئی ہو تو بھی اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے لئے یہ جائز ہوگا وہ دوسری شادی کر لے۔

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب فقہاء

اس امر پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ یہ بی بی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو؟ یہ اختلاف اس وجہ سے ہو ہے کہ سورہ بقرہ آیت 234 میں اس عورت کی عدت 4 مہینے دس دن بیان کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا ان عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی حد وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخر الآجلیں ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ عویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا بچہ 4 مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو سے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذاہب اہل علم کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سورہ طلاق کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور برہنہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کردی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا 4 مہینے دس دن سے زیادہ طول کھینچے، بہر حال بچہ پیدا ہوتے ہیں وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔

اس مسلک کی تائید حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں، جب سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا ہاں۔ دوسری روایت میں حضور ﷺ نے مزید تصریح فرمائی احوال کل حامل ان تصع ما فی بطنھا، برہنہ عورت کی عدت اس کے وضع حمل تک ہے (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے اسنا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید سیبہ اسمیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالت حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد (بعض روایات میں 20 دن، بعض میں 23 دن، بعض میں 25 دن، بعض میں 40 دن اور بعض میں 35 دن بیان ہوئے ہیں) ان کا وضع حمل ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و

مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود سیبہ اسمیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن خویہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو، اب چاہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔ اس روایت کو بخاری نے بھی مختصر نقل کیا ہے۔

صحابہ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت وضع حمل کی ہے۔ اس پر انہوں نے ایک صاحب سے کہا کہ حضرت عمرؓ نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی فتن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی اش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔ یہی رائے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو مسعودؓ، کی اور حضرت عائشہؓ کی ہے، دراسی کا اسناد اربعہ اور دوسرے کا بر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہوگی۔ بچہ خواہ مردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اسقاط حمل کی صورت میں اگر دائیاں اپنے فتن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ محض خون کا توغیر انہوں نے اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یہ یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدمی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ (معنی المحتاح)

حاملہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر اسقاط کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک ان فی باؤث ظاہر نہ پائی جائے، محض دائیوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی کی اصل ہے، اعتناء نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہوگی (بدائع الصنائع۔ الانصاف)۔ حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ فنی براعتیہ ہے۔

مطلقہ عورت بیوہ ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم

وَإِذَا وَرِثْتُ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرِّصِ فَعِدَّتُهَا أَعَدُّ لَهَا حَلِّصٍ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ثَلَاثَ حَيْضٍ، وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَيْنًا أَوْ ثَلَاثًا، أَمَّا إِذَا كَانَ رَحِيًّا فَعَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْأَجْمَاعِ، لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ النِّكَاحَ قَدْ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلَمْ يَمْنَحْ ثَلَاثَ حَيْضٍ، وَأَمَّا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِي الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِي الْإِرْثِ لَا فِي حَقِّ تَعْبِيرِ الْعِدَّةِ، بِخِلَافِ الرَّحْمَنِ لَأَنَّ النِّكَاحَ نَاقٍ مِنْ كُلِّ

وَجِهٍ. وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ اخْتِيَاظًا فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ

اور جب (شوہر کی) بیماری کے دوران طلاق یافتہ عورت (اس شوہر کے فوت ہونے پر) اس کی وارث بن جائے تو اس کی عدت وہ ہوگی جو بعد میں ختم ہو۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس کی عدت تین حیض ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے جب طلاق بائنا ہو یا تین طہ قیں دی گئی ہوں۔ لیکن اگر رجعی طلاق ہو تو اس بات پر اتفاق ہے وہ وفات کی عدت بسر کرے گی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے (شوہر کی) موت سے پہلے ہی طلاق کے نتیجے میں نکاح ختم ہو چکا ہے تو عورت پر یہ لازم ہوگا وہ (تین حیض تک عدت بسر کرے) وفات سے متعلق عدت اس وقت واجب ہوگی جب وفات کی وجہ سے نکاح زائل ہوگا تاہم وراثت کے حق میں یہ باقی ہے لیکن عدت کے متغیر ہونے کے حق میں نکاح کا حکم باقی نہیں ہے جبکہ رجعی طلاق کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس میں باعتبار اسے نکاح باقی ہوتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے جب نکاح وراثت کے حق میں باقی ہے تو عدت کے حق میں بھی احتیاط کے پیش نظر اسے باقی قرار دیا جائے گا لہذا ان دونوں کو جمع کر دیا جائے گا۔

عدت طلاق و عدت وفات کے جمع ہونے کا بیان

حضرت سیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن یوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے لگ ہوگئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(موطا امام مالک، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاندان کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہوگئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہوگئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہوگئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی

طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت چارہری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملاطی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طبعی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ

آیت (والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء) اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طبعی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طبعی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط دلت نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدة لامة حیضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثہ قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند نہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے در اس بیوی سے مرد کا کمس انقطاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملاطی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

اگر مرد کو مرد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس کی بیوی کی عدت کا حکم

وَلَوْ قُتِلَ عَلَى رِجْلِهِ حَتَّى وَرِثَتْهُ امْرَأَةٌ فَعِدَّتُهَا عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ وَقِيلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْاِجْمَاعِ لِأَنَّ النِّكَاحَ حَبْنٌ مَّا أُغْتَبِرَ بَاقِيًا إِلَى وَقْتِ الْمَوْتِ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لِأَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ (فَإِذَا عَتَقَتِ الْأَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِإِقْبَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ (وَأَنَّ اعْتَقَتْ وَهِيَ مَبْنُوَّةٌ أَوْ مَسَوּیٌ عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ) لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيِّنَةِ أَوْ الْمَوْتِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر کو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے اور وہ عورت اس کی وارث بنے تو اس عورت کی عدت اسی ختلف پر مبنی ہوگی۔ ایک قول کے مطابق اس بات پر جماع ہے اس کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس صورت میں نکاح کو وراثت کے حوالے سے موت کے وقت تک باقی قرار نہیں دیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں بن سکتی۔ اگر رجعی طلاق کی صورت میں عدت کے دوران ہی کنیز کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح ہوگی کیونکہ نکاح ہر اعتبار سے باقی تھا۔ اگر کوئی کنیز باندہ طلاق کی عدت بسر کر رہی ہو یا وہ وفات کی عدت بسر کر رہی ہو اور پھر اسے آزاد کر دیا جائے تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی کیونکہ سابقہ نکاح، سند طلاق یا شوہر کی وفات کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ 'جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو مہا اہل مہم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائیگا لیکن داد و خطا ہری سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے۔ لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو)۔

درالمنہرجل کفر مان سے، (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)۔

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ (امنی) (7 / 133)

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر عیدہ کی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟

اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرت کامسک ورحمہمہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ رائج بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آجائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو عیدہ کی ہو جائیگی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر عیدہ کی واقع ہو جائیگی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ (امنی) (7 / 133) (الانصاف) (8 / 216) (کشاف القناع) (15 / 121) (نہجۃ المستبح) (7 / 328) الفتاویٰ الہندی: (1 / 339) (حاشیۃ الدرر) (2 / 270)

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر مرتد ہو جاتا ہے تو اب اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس

کے اور اس کی بیوی کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ مرتد ہونے کی حالت میں اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کی بیوی تو مسلمان ہے اور وہ بیوی اس شخص کے مال کی وارث ہوگی، لیکن اس پر بیوہ کی عدت لازم نہیں ہوگی۔ اس بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسی عورت کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: وراثت کے حوالے سے موت کے وقت نکاح کو باقی شمار نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں بن سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو رجعی طلاق دی جائے تو اس کی عدت دو حیض ہوتی ہے لیکن اگر اس رجعی طلاق کی عدت کے دوران اس کنیز کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی عدت کنیز کے طور پر نہیں ہوگی بلکہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے۔ رجعی طلاق کی صورت میں نکاح ہر اعتبار سے باقی ہوتا ہے اس لیے یہ اسی طرح ہوگا جیسے وہ کنیز منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کی گئی ہو۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کنیز کو طلاق دی گئی ہو یا وہ بیوہ ہو جائے اور پھر عدت کے دوران اسے آزاد کر دیا جائے۔ تو اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ طلاق باندہ یا شوہر کے انتقال کی وجہ سے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔

نہ عورت اگر خون دیکھ لے تو اس کی عدت نئے سرے سے شروع ہوگی

(وَأِنْ كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَتْ بِالشَّهْرِ ثُمَّ رَأَتْ الدَّمَ انْقَضَ مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا وَعَلَيْهَا أَنْ تَسْتَأِيفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ) وَمَعْنَاهُ إِذَا رَأَتْ الدَّمَ عَنِ الْعَادَةِ لِأَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْإِيَّاسَ هُوَ الصَّحِيحُ، فَظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلْفًا وَهَذَا لِأَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ تَحَقُّقُ الْيَّاسِ وَذَلِكَ بِاسْتِدْآمَةِ الْعُجْرِ إِلَى الْمَمَاتِ كَالْعِدَّةِ فِي حَقِّ الشَّيْخِ الْقَائِي (وَلَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ آيَسَتْ تَعْتَدُ بِالشَّهْرِ) تَحْزُرًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ .

ترجمہ

اور اگر طلاق یافتہ عورت آگے تھی اور اس نے مہینے کے اعتبار سے عدت گزار دی لیکن بعد میں خون جاری ہو گیا تو اس کی پہلی عدت کا عدم تصور ہوگی اور وہ نئے سرے سے حیض کے اعتبار سے اپنی عدت پوری کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے: جب وہ اپنی عدت کے مطابق خون دیکھے کیونکہ اس خون کا واپس آنا "ایاس" کو باطل قرار دیدے گا اور صحیح قول یہی ہے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے قائم مقام ہونے کے لیے یہ بات شرط ہے کہ اصل سے واپس ہو چکی ہو

اور یہ ثبوت اسی وقت متحقق ہو سکتا ہے جب مرتے دم تک اسے دوبارہ حیض نہ آئے جیسا کہ شیخ فانی کے حق میں فدیہ کا حکم ہے۔ اگر کسی عورت کو دوسرے حیض آئے اور پھر وہ کہہ ہو گئی تو وہ مہینوں کے اعتبار سے بسر کرے گی تاکہ بدل اور مبدل کو اکٹھا کرنے سے بچا جاسکے۔

دوران حمل جاری ہونے والے خون کی صورت میں عدت کا بیان

حمل کے دوران میں مہبل سے خون جاری ہونے میں اہل علم کے ہاں چند تفصیلات پائی جاتی ہیں۔ احادیث مبارکہ میں مختلف حالات میں آپ اس صورت کے مطابق حکم جاری فرمادیتے تھے۔ بعد میں جملہ احادیث کو سامنے رکھ کر علمائے کرام اور ائمہ عظام نے جو احکام استنباط کیے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے۔ علماء کرام کا ایک فریق حمل کے دوران میں مہبل سے جاری ہونے والے خون کو بھی حیض کا قائم مقام قرار دیتا ہے۔ اور حیض کے احکام مہنوں ترک نماز یہاں لاگو کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں۔ ان کی دلیل سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (آیت 222)

وہ فرماتے ہیں کہ پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہہ دو وہ ایک گندگی (ناپاکی) کی حالت ہے (تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ) اس مدت میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں مطلق حیض کا ذکر ہے، جو کسی وقت بھی خارج ہو سکتا ہے خواہ عورت جس سے ہو یا بغیر حمل کے۔ اسی طرح فاطمہ بنت ابی حمیش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اذا كان دم الحيضة فانه دم اسود يعرف) گریسلان رحم حیض کی وجہ سے ہوتا یا خون سیاہی مائل ہوتا ہے۔ (تجربہ کار عورتوں کی مدد سے) حیض والا خون بہ آسانی پہچانا جاتا ہے۔

آپ کے اس فرمان میں بھی کہیں تذکرہ نہیں ہے کہ سیلان رحم حمل کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ حاملہ عورت کے خون جاری ہو جائے تو کیا وہ نماز پڑھتی رہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: (لا تصلی حتی يذهب عنها الدم) نہیں، جب تک خون جاری رہتا ہے عورت نماز نہ پڑھے۔

علاوہ ازیں ائمہ کرام کی یہ رائے اس اصول پر ہے کہ عام حالات میں بالغ عورت کا خون جب حیض کی طرح گاڑھا سیال یا مائل بدبودار ہو تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا جس طرح دودھ پلانے والی عورت کو حیض آ سکتا ہے، اسی طرح حاملہ کو بھی حیض آ سکتا ہے۔ جس طرح شریعت نے دودھ پلانے والی عورت کے حیض کے احکام الگ نہیں بنائے اسی طرح حاملہ کے حیض کے احکام بھی الگ سے بیان نہیں کیئے گئے۔ بنابرین محولہ بالا دلیلوں کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے نزدیک حاملہ عورت کو حیض آ سکتا ہے اور جب کبھی جاری ہونے والے خون میں حیض والے خون سے مشابہت پائی جائے، وہ حیض کا خون سمجھا جائے گا اور ناپاکی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے نماز ترک کی جائے گی۔

دوسری طرف حنابلہ اور احناف، حمل کے دوران جاری ہونے والے خون کو حیض سے الگ، سیلان رحم میں سے سمجھتے ہیں۔ اس

رائے کے مطابق حاملہ عورت بدستور تمام نمازوں کی پابند رہے گی۔ صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ثوبان رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب تھا۔ تابعین کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے کہ حاملہ عورت کے جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔

جن تابعین سے یہ قول ثابت ہے وہ ہیں: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاء رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، جابر بن زید رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، محمد بن منکر رضی اللہ عنہ، شعبی رضی اللہ عنہ، کحول رضی اللہ عنہ، حماد رضی اللہ عنہ، ثوری رضی اللہ عنہ، اوزاعی رضی اللہ عنہ، ابو ثور رضی اللہ عنہ، سیمان بن یسار رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ۔

یہ رائے شریعت کی درج ذیل دلیلوں سے ماخوذ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا توطأ حامل حتى تضع ولا غیر ذات حمل حتى تحيض حیضہ

حاملہ عورت سے اس وقت تک (نکاح کر کے) ہم بستری نہیں کی جائے گی جب تک وضع حمل نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے ہم بستری کیلئے ضروری ہے کہ (اُسے کم از کم) ایک حیض آ گیا ہو۔

اس حدیث میں حاملہ اور غیر حاملہ کی عدت میں تفریق کی گئی ہے۔ حمل والی عورت کی عدت وضع حمل تک ہے اگر اُسے حمل نہ ہو تو پھر اعتبار حیض کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حمل والی عورت کو حیض نہیں آتا۔

اسی طرح ایک صحابی نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے دی۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدایت دے کر بھیجی کہ اُس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اُس کے بعد اُسے اختیار ہے کہ زوجیت میں لینے کے بعد اُسے حالت حمل میں یا پھر ایام حیض کے علاوہ پاک حالت میں، چاہے تو طلاق دے دے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ حمل کا ٹھہرنا ایسے ہے جیسے حیض کے بعد عورت کا پاک ہونا، کیونکہ ان دونوں حالتوں میں طلاق دینے (اگر دینی ہو) کو شریعت نے ردوار کھا ہے۔ جس طرح سورہ طلاق میں اللہ تعالیٰ طلاق دینے کیلئے عورت کی (جسمانی) طبی حالت کا اعتبار کرتا ہے کہ فطلقوهن لعدتهن (عورتوں کو) ان کی (مقررہ) عدت کیلئے طلاق دیا کرو۔

اس آیت مبارکہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عورتوں کی دو حالتیں مراد لی ہیں: ایک حیض سے پاک ہو کر بھلی چنگی ہو گئی، ہو یا پھر وہ عورت حمل سے ہو، یعنی ایام حیض میں طلاق ناپسندیدہ ہے۔ اگر حمل کے دنوں میں بھی شریعت میں حیض کا اعتبار ہوتا تو پھر آپ یہ نہ فرماتے کہ: بیطلقها طاهرا و حاملا

پاکی یا حمل کی حالت میں طلاق کی اہانت کا بیان

جہاں تک حمل میں حیض کے اعتبار کیسے فریق اول فاطمہ بنت ابی حمیش کی حدیث کو بنیاد بناتے ہیں، تو اس حدیث سے حمل کے دنوں میں حیض کا آنا ثابت نہیں ہوتا، اس بنا پر کہ فریق اول بھی حیض کے خون اور سیلان رحم کے خون کی رنگت اور صفات میں فرق

کا قائل ہے۔ سیلان رحم میں خون کا رنگ شوخ اور سرخ ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سیلان رحم میں حیض والی رنگت پائی جائے اور حیض کا خون رقیق (پتلا) ہو کر سیلان رحم والے خون کے مشابہ ہو جائے۔ شریعت کا مقصد اس حدیث سے معمول کے حالات میں ہر دو قسم کے خون کی رنگت میں فرق بتا کر، م حادثات میں حیض یا سیلان رحم میں سے ایک کو پہچان کر اس کے مطابق پاک ہونے یا صحت عدم پاک کا حکم لگانا ہے۔ جب خون کا جاری رہنا معمول سے ہٹ کر ہو تو پھر تمام اہل علم محض خون کی رنگ سے حکم مستنبط نہیں کرتے بلکہ شریعت کے دوسرے احکام و طبی حاست کو سامنے رکھ کر حکم لگاتے ہیں۔ مثلاً کے طور پر فریق اول کے ائمہ کرام میں سے اہل مشافعی رحمۃ اللہ علیہ معمول کے حالات میں تبدیلی کی وجہ سے دوسرے ذرائع پر اعتقاد کرتے ہیں اور فرہ تے ہیں کہ اگر رحم سے خون نکلنے کی مدت ایک دن رات سے کم ہو تو وہ حیض نہیں سمجھا جائے گا۔ (اس مختصر دورانیے میں حیض سمجھ کر جو نمازیں چھوڑ دیں گئیں تھیں عورت ان کی قضا دے گی) آیام کے مختصر ہونے کی وجہ سے خون کے رنگ پر اعتقاد نہیں کیا گیا خواہ وہ سیاہی مائل بدبودار ہی کیوں نہ ہو۔ مدت کے کم ہونے سے حالات معمول پر نہیں رہے، اس لئے شرعی حکم کیلئے دوسرے ذرائع پر اعتقاد کرنا پڑا اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اگر ہوا ری کی مدت پندرہ دنوں سے اوپر ہو جاتی ہے تو وہ اس مدت کے بعد جاری رہنے والے خون پر بھی حیض کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ اتنی بڑی مدت ان کے ہاں حیض کیلئے معتاد (معموم کی) نہیں سمجھی گئی۔

بتا بریں غیر معمولی حالات کے پیدا ہونے سے خون کی صفات کا اعتبار فریق اول کے نزدیک بھی نہیں رہتا تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حمیش والی حدیث معمول کے حالات میں تو دلیل ہے لیکن ہر حالت میں جبکہ حیض کی مدت گھٹ کر ایک دن رات سے کم ہو جائے یا بڑھ کر دوسرے چند دوڑے میں چلی جائے، مذکورہ بالا حدیث معمول کے آیام کیلئے آپ نے ارشاد فرمائی تھی۔ اس حدیث کا حمل یا جس کے بغیر کی (جسمانی) طبی حالت سے تعلق نہیں ہے۔

جدید طبی آلات سے جو تجربات ہوئے ہیں اور جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کی رو سے اہل علم کے ہاں یہی بات تسلیم کی گئی ہے۔ عام طور پر ایک ہزار حاملہ عورتوں میں سے پانچ ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں حمل کے پہلے ماہ میں معمولی قسم کا خون آتا ہے جو حیض سے مشابہ ہوتا ہے لیکن دنیا بھر کے اطباء اس قسم کے خون کو حیض نہیں کہتے۔ عورت کے رحم سے جاری ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔

(الف) عورت کے رحم میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات خون کے اخراج کا سبب بن جاتی ہیں۔
(ب) حمل کا معتاد جگہ کی بجائے رحم سے باہر ٹھہرنا۔ ایسا حمل جان لیوا ہوتا ہے وپہیٹ کے درد اور ہڈ پریشی میں شدید کمی کی وجہ سے رحم سے خون کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور عام طور پر ایسی حالت میں فوراً جراثیم کی جاتی ہے۔

(ج) حمل کی دوسری پیچیدہ حالتوں میں بھی عورت کے رحم سے خون جاری ہو سکتا ہے۔ بتا بریں حمل کی حالت میں جاری ہونے والے خون کو محض ظاہری مشابہت کی وجہ سے حیض نہیں کہا جاسکتا۔

فریق اول کی دوسری دلیل: (ن المواء اذا دلت الدم انها لا تصلى)

بھی حمل کے باب میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی راوی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا فتویٰ بھی تھا کہ حمل میں جاری ہونے والا خون حیض نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق رحم سے ایک قسم کا خون جاری ہونے کی صورت میں ترک صلوٰۃ کا حکم دیتی تھیں لیکن عورت کے ترک صلوٰۃ کا سبب ہمیشہ حیض نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاملہ کے جاری ہونے والے خون کو قبل از وقت ناس کا خون سمجھتی ہوں۔ کوئی ایسا سبب ان کے نزدیک ضرور رہا ہے جس کی وجہ سے وہ حاملہ عورت کے جسم سے جاری ہونے والے خون کو حیض نہیں سمجھتی تھیں۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے المغنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ان کے فتوے میں تطبیق کی ایک توجیہ اس طرح کی ہے کہ ولادت کے قریب جاری ہونے والے خون کو اہل علم نفاس میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حالات حمل میں خون جاری ہونے میں نماز چھوڑنے کا قول نفاس پر محمول کیا جائے گا۔

فریقین کی آراء پیش کرنے کے بعد راجح قول یہ ہے کہ حالت حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون، حیض کا حکم نہیں رکھتا۔ جی اصطلاح میں ایسے خون کو دم کا ذب (جھوٹا خون) کہا جاتا ہے۔ عورت کے رحم سے خارج ہونے والے خون کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ حیض کی مشابہت ہمیشہ حیض کا حکم نہیں رکھتی۔ اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ آیام حمل میں رحم سے جاری ہونے والا خون جب حیض میں شمار نہیں ہوگا تو عورت ٹھہر (پاک) کی حالت میں ہے۔ بتا بریں وہ تمام نمازیں اپنے وقت پر ادا کرے گی جب تک کوئی اور ایسا سبب نہ ہو جو دوسرے حکم کا تقاضی ہو۔

فاسد نکاح کی منکوحہ یا موطوءہ بہ شبہ کی عدت کا حکم

(وَالْمَسْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةِ عِدَّتَيْهِمَا الْحَيْضُ فِي الْفَرْقَةِ وَالْمَوْتُ لِأَنَّهَا لَتَعْرِفَ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّجِيمِ لَا لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَالْحَيْضُ هُوَ الْمَعْرِفُ (وَأَذَا مَاتَ مَوْلًى أَمَ الْوَلَدَ عَنْهَا أَوْ اغْتَقَلَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثٌ حَيْضٌ).

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: حَيْضَةٌ وَاحِدَةٌ) لِأَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِينِ فَشَابَهَتْ الْإِسْتِبْرَاءَ وَنَسَا أَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْإِمْرَاشِ فَاشْتَبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ ثُمَّ إِمَامُنَا فِيهِ عُمَرُ فَإِنَّهُ قَالَ: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ ثَلَاثٌ حَيْضٌ (۱) (وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ) كَمَا فِي النِّكَاحِ.

ترجمہ

نکاح فاسد کے نتیجے میں بننے والی منکوحہ اور شبہ کی وجہ سے جس عورت کے ساتھ دلی کی گئی ہو ان دونوں کی عدت علیحدگی اور موت دونوں صورتوں میں حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس لئے ہے تاکہ رحم کا بری ہونا جانا جاسکے یہ اس وجہ سے

نہیں ہے کہ نکاح کے حق کو ختم کیا جائے اور یہ معرفت حیض کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ام ولد کا آقا طلاق کر جائے تو اسے آزاد کر دے تو ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اس کی عدت صرف ایک حیض ہوگی، کیونکہ یہ عدت ملک یمن کے زائل ہونے کی وجہ سے لازم ہوئی ہے اس لیے یہ استبراء کی مانند ہو جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے ام ولد کی عدت کو اس لیے واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ اب فراش نہیں رہی اس لیے یہ عدت نکاح کے مشابہ ہوگی۔ نیز اس بارے میں ہمارے پیشوا حضرت عمر ہیں جن کا یہ ارشاد ہے۔ ”ام ولد کی عدت تین حیض ہوگی“۔ اگر ام ولد ایسی عورت ہو جسے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب س نے اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل طلاق دیدی تو پورا مہر واجب ہوگا ورنہ سے عدت پیچھے۔ یا نہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کر کے طلاق دیدی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی پھر نکاح کر کے طلاق دی یا نافلہ سے نکاح کر کے طلاق دی پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی نافلہ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نافلہ سے نکاح کر کے طلاق کی پھر لڑکی نے نافلہ ہو کر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اس سے نکاح کیا اور قبل دخول طلاق دیدی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر و طلاق کے بعد عدت واجب ہے، اگرچہ دوسرے نکاح کے بعد طلاق نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی طلاق نکاح ثانی میں بھی طلاق قرار دی جائیگی۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اسے تین حیض نہ آئیں دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی یا اس ایسا کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگرچہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اسے تین حیض نہ آیا ہو۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب عدت)

ام ولد کی تین حیض عدت کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی عورت کے ساتھ فاسد نکاح کیا گیا ہو یا اس کے ساتھ شہ کی وجہ سے صحبت کرنی گئی ہو تو ان دونوں کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ خواہ اس عورت کی مرد سے علیحدگی ہوئی ہو یا مرد کا انتقال ہو گیا ہو اس کی وجہ یہ ہے: اس عدت کو نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے مقرر نہیں کیا گیا بلکہ یہ جاننے کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ رحم میں نطفہ موجود ہے یا نہیں۔ اور یہ واقعیت حیض کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہو جائے یا وہ آقا اس ام ولد کو آزاد کر دے تو اس کی عدت تین حیض ہوگی۔

اس بارے میں امام شافعی کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت ایک حیض ہوگی اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے۔ یہ عدت ملک یمن کے زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے لہذا یہ استبراء کے مشابہ ہو جائے گی اور استبراء

ایک حیض کے ذریعے ہوتا ہے۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں اس عورت کی عدت فراش زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے اس لیے یہ نکاح کی عدت کے مشابہ ہوگی اور وہ تین حیض ہے۔ اس کے بعد مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں نقلی دلیل پیش کی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ”ام ولد کی عدت تین حیض ہوتی ہے“۔ اگر اس ام ولد کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی جیسا کہ نکاح کے بارے میں بھی حکم ہے۔

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة في "المصنف" أن عمرو بن العاص أمر أم ولد أعتقت أن تعتد ثلاث حيض، وكذا تب إلى عمر فكتب بحس رايه، وأخرج عن علي و ابن مسعود نحوه، فبمن مات عنها سبعا انظر "نصب الرأية" ۲/۲۵۸ و "الدرار" ۲/۷۸-۷۹۔

نابالغ شخص کی حاملہ بیوہ کی عدت کا حکم

(وَأَذَا مَاتَ الصَّغِيرُ عَنْ أَمْرٍ آتٍ وَبِهَا حَبْلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: عِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٍ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِقَابِلٍ النَّسَبِ مِنْهُ لِقَارِئَةِ الْحَادِثِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَلَهُمَا إِطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) وَلِأَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةٍ وَضَعِ الْحَمْلَ فِي أُولَاتِ الْأَحْمَالِ قُصِّرَتِ الْمُدَّةُ أَوْ طَالَتْ لَا لِلسَّمْعِ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ لِشَرِّعِهَا بِأَلَا شَهْرٍ مَعَ وَجُودِ الْأَقْرَاءِ، لَكِنْ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْحَمْلُ مِنْهُ، بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِأَنَّهُ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ بِالشَّهْرِ فَلَا تَتَغَيَّرُ بِخُلُوثِ الْحَمْلِ، وَفِيمَا نَحْنُ فِيهِ كَمَا رَجَبْتُ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ

در جب کوئی نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے جو حاملہ ہو تو طرفین کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں: اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اس حمل کی نسبت نابالغ کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اس نابالغ کے انتقال کے بعد وہ عورت حاملہ ہوئی ہو۔ طرفین کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”حمل والی عورتوں کی عدت کی حد وضع حمل ہے“۔ یہ حکم مطلق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ ہو اور یہ اس لیے نہیں ہوتی کہ رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم کیا جائے کیونکہ مہینوں کے اعتبار سے عدت دفات اس عورت کے لئے مشروط ہے جس کو حیض آیا کرتا ہے بلکہ یہ عدت نکاح کے حق کی

دینگ کے سنے اور نکاح کے حق کی ادائیگی نابالغ کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ حمل اس کے نطفے سے نہیں بھی ہے۔ تاہم اس حمل کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے جو وفات کے بعد رونہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے مہینوں کے اعتبار سے عدت واجب ہو چکی تھی لہذا بعد میں حمل سامنے آنے کے نتیجے میں یہ تبدیل نہیں ہوگی جبکہ یہاں عدت آغاز ہی سے حمل کی عدت کے ساتھ ہوئی ہے تو اس کا اختتام بھی وضع حمل کے ساتھ ہی ہوگا اس لیے دونوں مسکوں کے درمیان فرق ہوگا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بارہ برس سے کم عمر والے کا انتقال ہوا اور اس کی عورت کے چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور چھ مہینے یا زائد میں ہوا تو چھ مہینے دس دن اور نسب بہر حال ثابت نہ ہوگا۔ اور اگر شوہر مرا ہوا ہو تو دونوں صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اور بچہ ثابت النسب ہے۔ اور جو شخص شخص تھا اس کا انتقال ہوا اور اس کی عورت حاملہ ہے یا مرنے کے بعد حاملہ ہونا معلوم ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے۔

(جو ہرہ تیرہ باب عدت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا فوت ہو جائے اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اس عورت کی عدت وضع حمل ہوگی۔

امام ابو یوسف کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں۔ اس عورت کی عدت بیوہ ہونے کے حوالے سے چار ماہ دس دن ہوگی امام شافعی بھی اس بات کے قائل ہیں۔

امام ابو یوسف اپنے موقف کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کیونکہ اس عورت کا مرحوم شوہر نابالغ تھا اور نابالغ لڑکا بچے کی پیدائش کا سبب نہیں بن سکتا اس لئے اس عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس عورت کے مرحوم نابالغ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔ لہذا یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نابالغ لڑکے کی وفات کے بعد حمل ٹھہرا ہو۔

امام ابو حنیفہ و امام محمد نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مطلق ہے۔ ”حاملہ عورتوں کی عدت (کا اختتام) بچے کو جنم دینا ہے۔“ ان حضرات نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: حمل والی عورتوں میں عدت کی مدت وضع حمل ہے۔ خواہ یہ عدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو یہ اس سے نہیں ہے کہ اس بات کا پتہ چل جائے۔ کہ رحم میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ کیونکہ مہینے کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنے کا حکم اس عورت کے لیے ہے جسے حیض آتا ہو جبکہ یہاں بیوگی کی عدت نکاح کے حق کی ادائیگی کے لئے ہے اور یہ صورت اس وقت بھی پائی جائے گی جب عورت کا مرحوم شوہر نابالغ ہو، اگرچہ عورت کا حمل اس مرحوم کے نطفے سے نہ ہو۔

جبکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت کے حاملہ ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کے حاملہ ہونے سے پہلے اس

پر مہینوں کے اعتبار سے بیوگی کی عدت گزارنا لازم ہو چکا ہے اس لئے بعد میں وہ حاملہ ہو بھی جاتی ہے تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ہمارے زیر بحث مسئلے میں عدت کے آغاز کے وقت عورت حاملہ تھی۔ اس لیے اس کا اختتام وضع حمل کے ساتھ ہوگا۔ لہذا دونوں مسئلوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔

شوہر کی وفات کے بعد بڑی عمر کی بیوہ کے حاملہ ہونے کا حکم

وَلَا يَلْزَمُ امْرَأَةَ الْكَبِيرِ إِذَا حَدَّثَ لَهَا الْحَبْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ
فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَ الْمَوْتِ حُكْمًا (وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ فِي الْوَجْهَيْنِ) لِأَنَّ
الصَّبِيَّ لَا مَاءَ لَهُ فَلَا يَنْصَوِّرُ مِنْهُ الْعُقُوقُ، وَالْيَكَا حُ يَقُومُ مَقَامَهُ فِي مَوْضِعِ النَّصَوْرِ

ترجمہ

اور اس اصول کے پیش نظر بالغ شخص کی بیوی کا اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا جب اس کا بالغ شوہر انتقال کر جائے اور حمل بعد میں ظاہر ہو کیونکہ یہاں حمل کا نسب اس بالغ شخص کے ساتھ ثابت ہوگا تو گویا وہ حمل موت کے وقت میں ہی موجود تھا دونوں صورتوں میں بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ نابالغ بچے میں تو ابھی نطفہ کا وجود ہی نہیں تھا لہذا حمل کو اس کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے اور نکاح کو صحبت کے قائم مقام وہاں کیا جاتا ہے جہاں صحبت کا امکان ہو سکے۔

شرح

حضرت ابودرداء کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جدی وراثت ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے۔ میں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو بہا جب کہ بیٹے سے خدمت کے لیے کہن یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اسکو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جب کہ غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔

(مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت صل میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حج کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی

شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرگا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یا یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کر نیوالے کی ملکیت میں آئی ہے ت اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچہ کا اثنا وارث بنانا لازم نہ ہوگا جو مرہ ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا جب کہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا لہذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کر نیوالی صورت ہے لہذا اثبات ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

اس اصول کے پیش نظر یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا، اگر بالغ شوہر کا انتقال ہوا ہو اور حمل بعد میں ظاہر ہوا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے حمل کی نسبت اس بالغ شخص کی طرف ہوگی، اور یہ اس بات کی دلیل ہوگی، اس کے انتقال کے وقت وہ حمل موجود تھا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، دونوں صورتوں میں بھی اس نابالغ کے انتقال کے وقت حمل موجود ہو یا موجود نہ ہو، اس حمل کا نسب اس نابالغ مرحوم سے ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نابالغ مرحوم باپ بننے کے قابل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس کی طرف حمل کی نسبت کا امکان نہیں پایا جاسکتا جبکہ نکاح کو صحبت کا قائم مقام وہاں قرار دیا جاسکتا ہے۔ جہاں صحبت کا امکان موجود ہو۔

جس حیض میں عورت کو طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعُدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ) لِأَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ، بِثَلَاثِ حَيْضٍ كَوَامِلٍ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا.

ترجمہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدے تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شمار نہیں ہوگا، کیونکہ عدت تین مکمل حیضوں کے ذریعے پوری ہوتی ہے اس لیے اس میں کسی حیض کی کمی نہیں کی جاسکتی۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر شوہر بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدیتا ہے تو جس حیض کے دوران طلاق دی گئی ہے وہ عدت میں شامل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: عدت تین مکمل حیض ہے، اور جس حیض میں طلاق دی گئی ہے، کیونکہ اس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے اس لئے سے عدت میں شامل کرنے کے نتیجے میں عدت کے تین مکمل حیض نہیں ہوں گے۔

حیاض غلاشہ کو اطہار غلاشہ پر قیاس نہ کرنے کا فقہی بیان

احناف کے اس موقف پر بعض شوافع و لکھنے کی طرف یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جس طرح آپ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ لفظ قرء کا ترجمہ حیض کریں تو تین کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جبکہ طہر معنی کرنے میں غلاشہ کا خاص مکمل نہیں ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد یہ دلیل دینا کہ جس حیض میں طلاق دی گئی تو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا اور اگر اسی طرح جس طہر میں طلاق دی گئی اس کو بھی شمار نہ کریں تو تین اطہار بھی پورے ہو جائیں گے اور احناف کا دلیل خاص کا حل بھی ہو جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ طہر میں طلاق دینا یہ حکم شرعی کے مطابق مشروع ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا یہ شریعت کے مطابق مشروع نہیں ہے البتہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں طلاق یہ اس کا اصلی طریقہ کار ہے جبکہ حیض میں طلاق دینا غیر شرعی طریقہ ہے۔ ہذا یہ حکم رض کے ہوا تو اس کے عارضی ہونے کے سبب ہم نے اس اصلی حکم یعنی طہر میں طلاق دینے پر قیاس نہ کیا۔ کیونکہ عارضی و اصل میں جب اشتراک علت نہ ہو تو قیاس نہ کیا جائے گا۔

دو عدتوں میں تذاتل کا فقہی بیان

(وَإِذَا وَطِئْتُ الْمُسْتَعْدَّةَ بِشُبْهَةِ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ، وَيَكُونُ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيعًا، وَإِذَا انْقَضَتْ الْعِدَّةُ الْأُولَى وَلَمْ تُكْمَلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ) وَهَذَا عِنْدَنَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا تَتَدَاخَلَانِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْعِبَادَةُ فَإِنَّهَا عِبَادَةٌ كَفَّ عَنْ التَّزْوُجِ وَالْحُرُوجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ وَلَسْنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ التَّعَرُّفُ عَنْ فِرَاقِ الرَّجْمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَدَاخَلَانِ، وَمَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ، أَلَا تَرَى أَنَّهَا تَنْقُضِي بِلُؤْنِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكُفَّ (وَالْمُسْتَعْدَّةُ عَنْ وَقَاةٍ إِذَا وَطِئْتُ بِشُبْهَةٍ نَعْتَدُ بِالشُّهُورِ وَتَحْتَسِبُ بِمَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيهَا) تَحْقِيقًا لِلتَّذَاتُلِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

ترجمہ

اور جب عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کرنی جائے تو اس عورت پر دوسری عدت گزارنا لازم ہوگا اور یہ دونوں عدتیں ساتھ ساتھ شمار ہوں گی۔ اس کی صورت یہ ہوگی، اس کے بعد اس عورت کو جو حیض آئے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا جب پہلی عدت مکمل ہو جائے گی تو عورت پر دوسری عدت کی ادائیگی لازم ہوگی یہ حکم احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: وہ دونوں عدتیں ایک دوسرے کے اندر داخل نہیں ہو سکتی ہیں، کیونکہ عدت کا مقصد عورت اور اللہ تعالیٰ کے

احکام کی تکمیل ہے اور یہ حکم ہے کہ عورت اپنے آپ کو دوسرا نکاح کرنے یا گھر سے باہر نکلنے سے روکے تو دوحیات ایک ساتھ ادا نہیں کی جا سکتی جیسا کہ یک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھے جاسکتے۔ ہماری دلیل یہ ہے، عدت کا اصل مقصد یہ ہے یہ پتہ چل سکے کہ رحم حمل سے خالی ہے اور اس بات کا علم ایک عدت کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے لہذا دوسری عدت کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کیا جائے گا اور اس مسئلے میں عبادت کا پہلو عدت کے بنیادی مقصد کے تابع ہوگا۔ کیا آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا؟ عورت کے عہم اور اپنے آپ کو روکے بغیر بھی عدت گزر جاتی ہے۔ اگر وفات کی عدت بسر کرنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے تو وہ مہینوں کے اعتبار سے ہی اپنی عدت پوری کرے گی اور اس دوران جو حیض آئے گا وہ دوسری عدت میں شمار ہوگا تاکہ ممکنہ حد تک دونوں عدتوں کو ایک ساتھ شمار کیا جاسکے۔

دو عدتوں میں مداخلت وعدم مداخلت کا فقہی بیان

حضرت سیمن ابن یاسر کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن بوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ حوص سے الگ ہوگئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے ورنہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528 مؤطا امام مالک)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ورنہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیسرا حیض شروع ہوا تھا کہ حوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہوگئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہوگئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہوگئی لہذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ اقتل بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریح یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ آیت (والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک

تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طیبی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طیبی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ وہ تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدۃ لامۃ حیضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اسکے ساتھ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلث قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ حنفیہ رشتہ دار اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہہ کر تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انتہاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے۔ وہ عورت اس عدت کے دوران دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح درست نہیں، لیکن دوسرے شخص نے اس نکاح کو درست سمجھتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر لی۔ اب قاضی کی عدالت میں پہلے شخص نے مقدمہ کر دیا ہے اس عورت کی عدت تو ابھی پوری نہیں ہوئی تھی لہذا اس کا دوسرا نکاح درست نہیں ہے۔ قاضی نے معاملے کی چھان بین کرنے کے بعد دوسرے نکاح کو کالعدم قرار دیتے ہوئے۔ عورت اور اس کے دوسرے شوہر کے درمیان تفریق کروادی۔ اب اس عورت کی پہلے شوہر سے بھی عدت باقی ہے اور دوسرے شخص سے بھی عدت باقی ہے۔ اب یہاں دو عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوں گی۔

اس کو صورت یہ ہوگی: پہلے شوہر کی عدت کا جو حصہ باقی ہوگا، دوسرے شوہر کی عدت اس پہلی عدت کے ساتھ اس وقت تک شمار ہوگی جب تک پہلی عدت پوری نہیں ہو جاتی جب پہلی عدت پوری ہو جائے گی تو دوسری عدت کا بقیہ حصہ پورا کر دیا جائے گا۔

اس کا آسان لفظوں میں یوں واضح کیا جاسکتا ہے: پہلے شوہر کی عدت تین حیض ہوگئی عورت نے ایک حیض کے بعد دوسرا نکاح کر لیا اور دوسرا حیض آنے سے پہلے دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ صحبت بھی کر لی اور قاضی نے ان کے درمیان تفریق بھی کر دی تو اب عورت کو جو حیض آئے گا وہ پہلی عدت کا دوسرا حیض اور دوسری عدت کا پہلا حیض ہوگا۔ پھر گلا حیض

پہلی عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ جبکہ ساتھ پہلی عدت ختم ہو جائے گی اور وہ دوسری عدت کا دوسرا حیض ہوگا۔ اس کے بعد اگر کسی حیض صرف دوسری عدت سے متعلق ہوگا اور کیونکہ یہ دوسری عدت کا تیسرا حیض ہوگا۔ اس لئے اس کے ساتھ ہی دوسری عدت ختم ہو جائے گی۔

یہ علم احناف کے نزدیک ہے امام شافعی کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے۔ عدت کی ادائیگی لازم ہونا عبادت کے طور پر ہے۔ جتنی اس عدت کے دوران یہ بات عورت کے حق میں عبادت ہے۔ کہ وہ دوسری شادی کرنے اور گھر سے باہر نکلنے سے رک رہتی ہے تو عبادت ہونے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی جیسے کوئی شخص ایک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح ایک ہی حیض کو دو ہی عدتوں کا حصہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے وہ عورت دونوں مدتوں میں، الگ الگ، تین تین حیض تک کا عرصہ عدت کے طور پر گزارے گی۔

احناف کی دلیل یہ ہے عدت کا بنیادی مقصد یہ ہے۔ یہ پتہ چل جائے: رحم میں نطفہ موجود نہیں ہے اور یہ بات ایک ہی حیض کے ذریعے پتہ چل سکتی ہے اس لیے وہ ایک حیض ان دونوں عدتوں پر مشتمل شمار کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ عدت میں عبادت کا پہلو ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: عورت کو علم نہ بھی ہو تو بھی عدت اپنے وقت پر پوری ہو جاتی ہے۔ اس طرح اگر وہ دوسری شادی کرنے یا گھر سے باہر نکلنے سے باز نہیں آتی ہے تو بھی عدت پوری ہو جاتی ہے اگر یہ صرف عبادت ہوتی تو خلاف عدت کام کی وجہ سے یہ باطل ہو جاتی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جو عورت بیوگی کی عدت گزار رہی ہو اگر اس کے ساتھ شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی جائے تو بھی وہ عورت بیوگی کی عدت مہینوں کے اعتبار سے یعنی چار ماہ دس دن گزارے گی اور اس دوران اسے جو حیض آئے گا۔ وہ دوسری عدت کا حصہ شمار ہوگا۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو دونوں عدتوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا جائے۔

عقب طلاق عدت کے آغاز کا بیان

(وَأَبْتَدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِبَ الْوَفَاةِ، فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتَّى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا) لِأَنَّ سَبَبَ وَجُوبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ أَوْ الْوَفَاةُ فَيَعْتَبَرُ ابْتَدَاءُ هَا مِنْ وَقْتِ وَجُودِ السَّبَبِ، وَمَشَايِخُنَا يَقُولُونَ فِي الطَّلَاقِ أَنَّ ابْتَدَاءَ هَا مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ نَفْيًا لِنَهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ.

(وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِبَ التَّفَرُّقِ أَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلَى تَرْكِ وَطَنِهَا)

وَقَالَ زُفَرٌ: مِنْ آخِرِ الْوَطْأِ لِأَنَّ الْوَطْءَ هُوَ السَّبَبُ الْمَوْجِبُ.

وَلَسَا أَنْ كُلَّ وَطْءٍ وَجَدَ فِي الْعَقْدِ الْفَاسِدِ يَجْرِي مَجْرَى الْوَطْءِ الْوَاحِدَةِ لَا اسْتِنَادَ الْكُلِّ إِلَى حُكْمِ عَقْدٍ وَاحِدٍ، وَلِهَذَا يُكْتَفَى فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ، فَقِيلَ: الْمَتَارَكَةُ أَوْ الْعَزْمُ لَا تُثَبِّتُ الْعِدَّةَ مَعَ جَوَازِ وَجُودِ غَيْرِهِ وَلِأَنَّ الْعَمَلُ عَلَى وَجْهِ الشَّبْهَةِ أُقِيمَ مَقَامَ حَقِيقَةِ الْوَطْءِ لِخَفَائِهِ وَمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلَى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِي حَقِّ غَيْرِهِ.

ترجمہ

در طلاق کی صورت میں عدت کا آغاز طلاق کی ابتداء کے بعد شروع ہوگا اور وفات کی صورت میں شوہر کے فوت ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ اگر عورت کو طلاق یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر جائے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی کیونکہ عدت کے واجب ہونے کا بنیادی سبب طلاق یا وفات ہے لہذا اس کا آغاز بھی سبب کے موجود ہونے کے وقت سے شمار ہوگا۔ سمرقند اور بخارا کے متنازع کا فہمی اس بارے میں یہ ہے: عدت کا آغاز اقرار کے وقت سے ہوگا تاکہ باہمی اتفاق کا الزام دور کیا جاسکے۔ فاسد نکاح میں عدت کا آغاز تفریق کے وقت سے ہوگا یا پھر اس وقت سے ہوگا جب صحبت کرنے والے شخص نے صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہو۔ امام زفر فرماتے ہیں: عدت کا آغاز سب سے آخری مرتبہ صحبت کرنے کے بعد سے شروع ہوگا کیونکہ وہ صحبت ہی عدت کے وجوب کا سبب ہے۔

امامی دلیل یہ ہے۔ فاسد عقد میں جنسی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہے وہ سب ایک ہی مرتبہ شمار ہوگی کیونکہ سب کی نسبت ایک ہی فاسد عقد کی طرف ہے اس لیے ان تمام صحبتوں کے عوض میں ایک ہی مہر دیا جاتا ہے تو جب تک علیحدگی نہ ہو جائے یا صحبت ترک کرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو اس وقت تک عدت کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ابھی صحبت کا احتمال موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے شبہ کی وجہ سے صحبت کرنے کو بھی حقیقی صحبت کے قائم مقام قرار دیا جائے گا کیونکہ صحبت ایک محض عمل ہے اور یہاں یہ ضرورت اور پیش ہے کہ صحبت کرنے والے شخص کے علاوہ دوسرے شخص کے حق میں اس کا حکم معلوم کیا جائے۔

وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ واضح کیا ہے جس عدت کا تعلق طلاق سے ہو اس کا آغاز طلاق ہونے کے فوراً بعد ہو جاتا ہے اور جس عدت کا تعلق وفات سے اس کا آغاز شوہر کے انتقال کے فوراً بعد ہو جاتا ہے۔ خواہ عورت کو طلاق ہو جانے یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو سکے۔ اس عورت کی عدت پوری ہو جائے گی۔

مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ عدت کے وجود کا سبب طلاق ہونا یا شوہر کا انتقال ہے لہذا عدت کی ابتداء میں

سبب کی موجودگی کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: طلاق میں عدت کا آغاز اس وقت ہوگا جب شوہر اقرار کرے اس کی وجہ یہ ہے: ایسی صورت میں ن میاں بیوی پر یہ الزام عائد نہیں کیا جاسکے گا، انہوں نے باہمی رضامندی کے ساتھ اپنے کسی منافع کے حصول کے لئے سابقہ کسی وقت میں طلاق دیئے جانے اور موجودہ وقت میں اسی طلاق کی عدت ختم ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب نکاح فاسد ہو تو اس میں بھی عدت لازم ہوتی ہے اور اس عدت کا آغاز اس وقت ہوگا۔ جب اس مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی کر دی جائے یا اس کا آغاز اس وقت ہوگا جب صحبت کرنے والا شخص اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ اب وہ صحبت نہیں کرے گا۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فاسد نکاح میں سب سے آخری مرتبہ جو صحبت کی گئی تھی عدت کا آغاز اس وقت سے ہوگا۔

انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہاں عدت واجب کرنے کا بنیادی سبب صحبت کرنا ہے لہذا عدت کے آغاز میں سب سے آخری صحبت کا اعتبار کیا جائے گا۔

احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں فاسد عقد میں جتنی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہو وہ سب ایک ہی صحبت شمار ہوں گی، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی صرف ہے یہی وجہ ہے: ایسے فاسد عقد میں کئی مرتبہ صحبت کر لینے کے باوجود ایک ہی مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس لئے علیحدگی ہو جانے یا صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے غیر کے موجود ہونے کا جواز یعنی مکان بہر حال پایا جا رہا ہے۔

یہاں مصنف نے احناف کے موقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: شبہ کی وجہ سے کی جانے والی صحبت حقیقی وطی کی قائم مقام ہوگی، کیونکہ صحبت کرنے والے شخص کو شبہ کے اعتبار سے وطی کرنے کی قدرت حاصل ہے اس لیے جب تک مرد اور عورت میں علیحدگی نہیں ہوگی۔ یا مرد جب تک صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک دوبارہ صحبت کرنے کا امکان موجود رہے گا اور جب تک صحبت کا امکان رہے گا عدت کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حقیقی طور پر صحبت کا مخفی ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہاں عدت کی معرفت کی ضرورت متعلقہ فریقین کو ہے اور ان کے لئے وطی کی حقیقت کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہاں یہ امکان پایا جاتا ہے: دوسرا شخص اس بارے میں حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یعنی کوئی اور شخص اس عورت کے ساتھ صحیح نکاح کرنا چاہتا ہے تو اب اسے یہ ضرورت پیش آئے گی: وہ اس بات

سے واقف ہو کہ اس عورت کی عدت کا آغاز کب ہوا تھا اور اہتمام کب ہوا؟ تو دوسرے کے حق کی اس ضرورت کے پیش نظر اس امر کو مخفی قرار دیا جائے گا۔

عدت ختم ہونے میں عورت کے قول کے اعتبار کا بیان

(وَإِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَةُ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَكَذَبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِينِ) لِأَنَّهَا أَمِينَةٌ فِي ذَلِكَ وَقَدْ اتَّهَمَتْ بِالْكَذِبِ فَتَحْلِفُ كَالْمُؤَدَّعِ .

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّحُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَاطِلًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبَلَةٌ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهِ اِتِّمَامُ الْعِدَّةِ الْأُولَى) لِأَنَّ هَذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسْبُوسِ فَلَا يُوجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اسْتِنَافَ الْعِدَّةِ، وَكَمَالَ الْعِدَّةِ الْأُولَى إِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَطْهَرِ حَالُ التَّزْوِجِ الثَّانِي، فَإِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِي طَهَرَ حُكْمُهُ، كَمَا لَوْ اشْتَرَى امْرَأَةً وَلَدِيَهُ ثُمَّ اعْتَقَهَا .

وَلَهُمَا أَنَّهُمَا مَقْبُوضَةٌ فِي يَدِهِ حَقِيقَةٌ بِالْوُطْءِ الْأَوَّلِيِّ وَبَقِيَ أَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ، فَإِذَا جَدَّدَ النِّكَاحَ وَهِيَ مَقْبُوضَةٌ نَابَ ذَلِكَ الْقَبْضُ عَنِ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ فِي هَذَا النِّكَاحِ كَالْعَاصِبِ يَشْتَرِي الْمَغْضُوبَ الَّذِي فِي يَدِهِ يَصِيرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ، فَوَضَحَ بِهَذَا أَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُولِ. وَقَالَ زُفَرٌ: لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا أَصْلًا، لِأَنَّ الْأَوَّلَى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزْوِجِ فَلَا تَعُودُ، وَالثَّانِيَةُ لَمْ تَحِبْ وَخَوَابُهُ مَا قُلْنَا .

ترجمہ

اور جب عدت بسر کرنے والی عورت نے یہ بات کہی: میری عدت گزر چکی ہے اور شوہر اس کی بات کو جھٹلا دے تب عورت قسم اٹھا کر اپنی بات کی تصدیق کر دے تو اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ اس بارے میں وہ امین تصور کی جائے گی، لیکن اس پر غلط فہمی کا الزام لگایا گیا ہے اس لیے مودع کی طرح اسے قسم اٹھانا ہوگی۔ اگر کوئی شخص عورت کو طلاق بائنہ دیدے اور پھر عدت کے دوران ہی اس سے نکاح کر لے لیکن دخول سے پہلے اسے پھر طلاق دیدے تو مرد کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا اور عورت پر مستقل عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے ایسی صورت میں مرد پر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت پر پہلی عدت کو پورا کرنا لازم

ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اسے محبت سے پہلے طلاق دی گئی ہے اس لیے نہ تو مرد پر پورے مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور نہ ہی عورت پر از سر نو عدت، بسر کرنا لازم ہوگا۔ جہاں تک پہلی عدت کے پورا کرنے کا تعلق ہے تو وہ پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوئی تھی، کیونکہ دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہو سکا۔ لیکن جب دوسرا نکاح طلاق سے زائل ہو گیا تو پہلی طلاق کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر ام و مدخر یہ کرا سے آزاد کر دے (تو یہی حکم ہے)۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے: دراصل عورت پہلی محبت کی وجہ سے اپنے شوہر کے قبضے میں ہے اور پہلی محبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے لہذا اگر شوہر اس کے ساتھ نئے سرے سے نکاح کرے اور عورت شوہر کے قبضے میں ہو تو یہ پہلا قبضہ دوسرے نکاح کے واجب قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام کو چھین کر اپنے قبضے میں لے لے اور پھر اس غلام کو مالک سے خرید لے، جبکہ وہ غلام پہلے ہی سے اس کے قبضے میں ہے تو پہلا قبضہ ہی قبضہ خرید کے قائم مقام ہو جائے گا تو اس مثال سے یہ بات ظاہر ہو گئی، دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے وہ دغوں کے بعد طلاق شمار ہوگی، تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور اس پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا۔ امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے۔ عورت پر عدت گزارنا لازم ہی نہیں ہوگا، کیونکہ پہلی عدت دوسرے نکاح کی وجہ سے ساقط ہو گئی ہے لہذا وہ دوبارہ نہیں ہو سکتی اور طلاق کی صورت میں دوسری مرتبہ عدت واجب ہی نہیں ہوتی ہے (کیونکہ وہ دخول سے پہلے دی گئی ہے)۔ لیکن اس کا جواب وہی ہے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اعتقام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہو چکی اگر تازمانہ گزرا ہے کہ پوری ہو سکتی ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر تازمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔ مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اتنے دن گزرنے پر عدت ہو چکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم، زکم، سٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرا کے لیے اُنتائیس دن کہ تین حیض کی اقل مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن و ایک طہر درمیان کا پندرہ دن ہے۔

اور جب مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہو گئی کہ حمل تھا ساقط ہو گیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضا بن چکے تھے تو مان یا جاوے ورنہ نہیں مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضا چار ماہ میں بنتے ہیں۔ (رہنمائے باب عدۃ، ج ۵، ص ۲۱۰، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت جب یہ بیان کر دے: میری عدت ختم ہو چکی ہے اور شوہر اس کی بات کی تردید کر دے تو اس بارے میں، قسم کے ہمراہ، عورت کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ عورت اس بارے میں اٹین ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر وہ عورت اس بارے میں اٹین ہے تو پھر آپ اس سے حلف کیوں لے رہے ہیں تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: شوہر نے اس کی بات کو جھٹلا کر اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے اس لئے وہ عورت حلف اٹھائے گی کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

یہ حکم بالکل اسی طرح ہوگا، جیسے کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھوائے، تو جس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہو وہ یہ کہے میں اس امانت کو واپس کر چکا ہوں، لیکن رکھوانے والا شخص یہ کہے: واپس نہیں کی ہے، تو وہ شخص قسم اٹھائے گا، جس کے پاس امانت رکھوائی گئی تھی۔ ایسا اس وقت ہوگا جب امانت رکھوانے والا شخص اپنے موقف کو تائید میں کوئی ثبوت پیش نہ کر سکتا ہو۔ اگر ثبوت موجود ہوں تو ان کے مطابق حکم ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: ایک شخص اپنی بیوی کو بائنہ طلاق دیدیتا ہے اور پھر اس عورت کی عدت کے دوران اس عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے پھر اس عورت کے ساتھ محبت کرنے سے پہلے اُسے طلاق دیدیتا ہے تو اب مرد پر مکمل مہر کی ادائیگی لازم ہوگی، اور عورت پر دوسری عدت مستقل طور پر گزارنا لازم ہوگا، یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔

اس بارے میں امام محمد کی رائے مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: شوہر کے ذمے نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے: شوہر نے عورت کو محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی ہے اور اصول یہ ہے: جب شوہر بیوی کو محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے تو نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور بیوی پر اس دوسرے نکاح کی کوئی عدت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اصول یہ ہے: جب شوہر محبت کرنے سے پہلے طلاق دیدے تو بیوی پر کوئی عدت لازم نہیں ہوتی، لیکن کیونکہ عورت پر پہلی عدت پہلی طلاق کی وجہ سے لازم ہوتی تھی تو پہلی عدت کو پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: اگر کوئی شخص اپنی ام و ولد کو خرید کر آزاد کر دے۔

اس کی صورت یہ ہوگی: کوئی شخص کسی کنیز کے ساتھ شادی کر دیتا ہے اور وہ کنیز اس شخص کے بچوں کو جنم دیتی ہے۔ پھر وہ شخص اس کنیز کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو اس شخص نے جیسے ہی اپنی بیوی کو خرید کر اس کنیز کا نکاح زائل ہو جائے گا، کیونکہ ملک نکاح اور ملک رقبہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کی وجہ سے عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہو جائے گا۔

اور کیونکہ عورت کنیز ہے اس لیے اس کی عدت دو حیض ہوگی، لیکن جب شوہر نے اسے آزاد کر دیا تو اب اس کی عدت آزاد عورتوں کی طرح تین حیض ہونی چاہیے، لیکن آزاد ہونے سے پہلے جب وہ شوہر کی مملوک تھی اس وقت اس کے حق میں عدت ظاہر نہیں ہوئی، لیکن جب شوہر کے آزاد کرنے کے نتیجے میں یہ ملکیت زائل ہوگی تو عدت کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: پہلی محبت کی وجہ سے وہ عورت

در حقیقت ابھی شوہر کے قبضے میں ہے اور پہلی صحبت کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے جب شوہر اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرتا ہے جبکہ وہ عورت پہلے ہی اس کے قبضے میں ہے تو یہ قبضہ دوسرے نکاح کے وجہ قبضے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے ایک شخص کسی دوسرے کی چیز غصب کر بیٹا ہے اور پھر دوسرے سے وہی چیز خرید لیتا ہے جسے اس نے غصب کیا تھا تو اب وہ شخص صرف اس عقد کی وجہ سے اس چیز کو قبضے میں لینے والا شمار ہوگا یعنی غصب کی وجہ سے ہونے والا قبضہ خریداری کی وجہ سے ہونے والے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا۔

اس طرح سابقہ مسئلے میں شوہر کا پہلے نکاح کا قبضہ دوسرے نکاح کے قبضے کا قائم مقام ہو جائے گا اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی۔ دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے وہ صحبت ہو جانے کے بعد واقع ہوئی ہے اس لئے شوہر کے ذمے پورے مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور عورت پر مکمل عدت لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام زفر کی رائے بالکل مختلف ہے وہ اس بات کے قائل ہیں عورت پر عدت لازم ہی نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے دوسرے نکاح کے نتیجے میں پہلی عدت ساقط ہو جائے گی اور دوسری طلاق کیونکہ صحبت سے پہلے ہوئی ہے اس لئے اس میں عدت واجب ہی نہیں ہوگی۔ مصنف فرماتے ہیں اس کا جواب دہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

غیر مسلم عورت پر عدت لازم نہیں ہوتی

قَالَ (وَإِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيَّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَكَذَا إِذَا خَرَجَتْ الْحَرْبِيَّةُ إِلَى مُسْلِمَةٍ، فَإِنْ تَزَوَّجَتْ جَارًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ حَامِلًا، وَهَذَا كُلُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ لَا عَلَيْهَا وَعَسَى الذِّمِّيَّةُ الْعِدَّةُ) أَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَلَا اخْتِلَافَ فِيهَا نَظِيرُ الْاِخْتِلَافِ فِي نِكَاحِهِمْ مَحَارِمُهُمْ، وَقَدْ بَيَّنَّا فِي كِتَابِ النِّكَاحِ، وَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ فِيمَا إِذَا كَانَ مُعْتَقِدُهُمْ أَنَّهُ لَا عِلَّةَ عَلَيْهَا، وَأَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا أَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ آخَرَ وَجَبَتْ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَتَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْيِغِ.

وَلَسَهُ قَوْلُهُ تَعَالَى (لَا حُجَّاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ) وَلَئِنْ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيهَا حَقُّ نِسَى آدَمَ وَالْحَرْبِيِّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتَّى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ إِلَّا أَنْ

تَكُونُ حَامِلًا لِأَنَّ فِي بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَجُوزُ نِكَاحُهَا وَلَا يَطْوُهَا كَالْحَبْلِيِّ مِنَ الزَّيْنِ وَالْأَوَّلِ أَصَحُّ.

ترجمہ

اور جو بوی ذمی مرد کسی ذمی عورت کو طلاق دیدے تو اس ذمی عورت پر عدت بسر کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی حربی عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آجائے (تو یہی حکم ہے)۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے حربی عورت پر عدت بسر کرنا لازم ہوگا اور ذمی عورت پر بھی لازم ہوگا۔ ذمی عورت پر عدت واجب ہونے کی دلیل یہ ہے ذمی عورت کے بارے میں جو اختلاف ہے وہ اس نوعیت کا ہے جو ذمیوں کا دائمی حرام عورتوں سے نکاح کر کے کے بارے میں ہے۔ ورنہ اس بات کو کتب نکاح میں مشرکین کے باہمی نکاح کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس بارے میں امام ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے جب ذمیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ طلاق یافتہ عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔ جو عورت مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آئی ہو اس کے بارے میں صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے۔ اگر علیحدگی کسی دوسری وجہ سے واقع ہوئی ہے تو عدت واجب ہوگی۔ اسی طرح کفر کی سلطنت کو چھوڑ کر اسلامی سلطنت میں آنے کے نتیجے میں جو علیحدگی واقع ہوئی ہے اس سے بھی عدت واجب ہوگی اس کے برخلاف اگر شوہر مسلمان ہو کر اسلامی سلطنت میں آجائے اور بیوی کو دارالحرب میں چھوڑ آئے تو عدت لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس عورت تک شرعی حکم نہیں پہنچ سکا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”وَرَقَمَ بِرُؤُوسِهِمْ غَنَاهُمْ“ سے کہ تم ان عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دارالحرب سے مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ جاتی ہیں۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے انسانوں کے حق کو مد نظر رکھتے ہوئے عدت واجب کی گئی ہے لیکن حربی شخص کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ وہ تو جمادات کی مانند ہے یہاں تک کہ اسے ملکیت میں لایا جاسکتا ہے لیکن اگر حربی عورت حاملہ ہو (تو حکم مختلف ہوگا) کیونکہ اس کے پیٹ میں وہ بچہ موجود ہے جس کا نسب ثابت ہے۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا البتہ اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جائے گی جیسا کہ زنا کے نتیجے میں حاملہ ہونے والی عورت کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے لیکن صحبت نہیں کی جاسکتی تاہم پہلا قول زیادہ درست ہے۔

شرح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ أَلَلَهُ أَعْلَمَ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَانْتُهُنَّ مَا نَفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْنَهُنَّ أَخْوَرَهُنَّ وَلَا تُمَسِّكُوا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا دَلَّكُمْ حُكْمُ اللَّهِ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (ممتحنہ، ۱۰)

اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرلو۔ لنتن کے ایمان کا حال بہتر چلتا ہے پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ رو نہ دین۔ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال اور ان کے کافر شوہروں کو دے دو جو ان کا خرچ ہوا۔ اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کرلو۔ جب ان کے مہر انہیں دوہرے کافریوں کے نکاح پر جبر نہ ہو۔ اور مانگ لو جو تمہارا خرچ ہوا۔ اور کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا حکم ہے وہ تم میں فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

مہاجر عورتوں کے نکاح و فسخ نکاح میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہوا تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے،

ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے فسخ کر کے دوسرا نکاح کر لے اور اسی پر بن عباس والی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خرچ اخراجات جو ہوئے ہیں وہ ادا کر دو جیسے کہ مہر۔ پھر فرمان ہے کہ اب نہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جا نا و یا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجر عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانوں ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً طلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صلح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے بچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ بیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا با ایمان ہونا درخوض نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنایا گیا، اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے۔ بنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابو امیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام مکلثوم تھا جو عمرو بن حرو ل خزاہی کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی واندہ یہ بنی تھی، اس سے ابو جہم بن حدیفہ بن غانم خزاہی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے تحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی روی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے اسے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی

عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہو، خرچ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصیحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم وہی ہے۔ اس کے بعد کی آیت وان فاتکم الیہ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صحیح و صفائی نہیں، اگر کوئی عورت کسی مسلمان کے گھر سے جا کر ان میں جا ملے تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے خاوند کا کیا ہو خرچ نہیں دیں گے تو اس کے بارے میں بھی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تم میں چلی آئے تو تم بھی اس کے خاوند کو کچھ نہ دو جب تک وہ نہ دیں۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسلمانوں نے تو اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور کافروں کی جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئیں ان کے لئے ہونے مہر ان کے خاوندوں کو واپس کئے لیکن مشرکوں نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اگر تم میں سے کوئی عورت ان کے ہاں چلی گئی ہے اور انہوں نے تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہیں کی تو جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا یہ مطلب مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو مسلمان عورت کافروں میں جا ملے اور کافروں کے خاوند کو اس کا کیا ہو خرچ دانہ کریں تو وہ غنیمت میں سے آپ اس مسلمان کو بقدر اس کے خرچ کے دے دیں، پس فعاقبہم کے معنی یہ ہوئے کہ پھر تمہیں قریش یا کسی اور جماعت کفار سے مال غنیمت ہاتھ لگے تو ان مردوں کو جن کی عورتیں کافروں میں چلی گئی ہیں ان کا کیا ہو خرچ ادا کر دو، یعنی مہر مثل، ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں مطلب یہ ہے کہ یہی صورت اگر ناممکن ہو تو وہ سب ورنہ مال غنیمت میں سے اسے اس کا حق دے دیا جائے دلوں باتوں میں اختیار ہے اور حکم میں وسعت ہے حضرت امام ابن جریر اس تطبیق کو پسند فرماتے ہیں۔

میدان جنگ سے قبضہ میں آنے والی عورتیں

یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں، ہاں کفار عورتیں جو میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو یک حیض گزارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں، مسند احمد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بہت سوال کیا تب یہ آیت اتری ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا ترمذی ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے،

طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے، سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فراتی ہے کہ بوئدی کو بیچ و الیہ اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کال کے مترادف ہے، ابراہیم سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند ولی بوئدی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حصہ اس کا ملک ہے،

حضرت ابی بن کعب حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بطن ہی اس کی طلاق ہے، ابن جریر میں ہے کہ بونڈی کی طلاقات چھ ہیں، بچنا بھی طلاق ہے آزاد کرنا بھی برت کرنا بھی اور اس کے حوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں سے نہ ابن جریر میں)

حضرت ابن لمسیب فرماتے ہیں کہ خاندان والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن بونڈیوں اس کی طلاق ان کا بک جانا ہے۔ حضرت معمر اور حضرت حسن بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بچنا طلاق نہیں اس لئے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے، ان کی دلیل حضرت بریرہ وال حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب نہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا حکم دیا اور حضرت بریرہ نے فسخ کرنے کو پسند کیا یہ واقعہ مشہور ہے، پس اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دینے، اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں واللہ اعلم۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محضنت سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عقیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابوالاعالیہ و رطاؤس یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں کئیوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ حرمت اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دی ہے یعنی چار کی پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑو اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو، اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرمایا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ان کے علاوہ و سب حلال ہیں، ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں، لیکن یہ قول دور کا قول ہے و صحیح مطلب پہلا ہی ہے و یہی حضرت عطاء کا قول ہے، حضرت قتادہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں، یہی آیت ان وگوں کی دلیل ہے جو وہ بہنوں کے جمع کرنے کی حدت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کر دو چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بہ طریق شرع۔ اسی سے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لئے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے و کیف تاحدوہ وقد افصى بعضکم الی بعض یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لا گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا و اتوا النساء صدقاتہن نحسہ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو و جگہ فرمایا ولا یحل لکم ان تاحدوا مما اتیتموھن شیاً الخ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے، اس آیت سے نکاح

متعدہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعدد ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا، اہم شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دوسرے متعدد مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بڑھ کر مباح اور منسوخ ہوا، اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔

حضرت ابن عباس اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے، حضرت ام احمد بن ضبل سے بھی ایک روایت ایسی مروی ہے بن عباس ابی بن کعب سعید بن جبیر اور سدی سے مہر کے بعد الی اجل مسمى قرأت مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعدہ کی بابت نازل ہوئی ہے۔

لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعدہ سے اور گھریو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا، اس حدیث کے الفاظ کتب حکام میں مقرر ہیں، صحیح مسلم شریف میں حضرت سیرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعدہ کرنے کی رخصت دی تھی یہ دیکھو بیشک اب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجت الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے، جن کی تفصیل جگہ احکام کی کتاب میں ہیں، پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم پر رضامندی کچھ ملے کر لو تو کوئی حرج نہیں، اگلے جسے کو متعدہ پر محسوس کرنے دے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا بیٹے اور جو یہ ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں،

سہی کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی تنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھائے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی رشتہ نہ یہ مرد اس عورت کا، اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی کے مصداق کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکید ایمان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بآسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو، اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں،

حضرت حنفی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ گنتی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے ام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر

سے بسنے اور لگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عظیم و حکیم ہے ان کا احکام میں جو صحت و حرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصیبتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

اہل ظواہر کے نزدیک مقتود شوہر عورت کی عدت کا بیان

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے کسی ایک اقوال ہیں کہ عورت کتنی مدت انتظار کرے تاکہ خاوند پر موت کا حکم لگایا جاسکے۔

محقق علماء کرام نے راجح یہ قرار دیا ہے کہ اس مدت کی تقدیر حاکم کے اجتہاد پر منحصر ہے، اور اس میں حالات و اوقات اور قرآن کے اعتبار سے اختلاف ہو سکتا ہے تو اس طرح قاضی اپنے اجتہاد سے اس مدت کو مقرر کرے گا جو اس کے ظن غالب میں ہو کہ اس دوران اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

تو اس مدت کے اختتام پر وہ عورت فوت شدہ خاوند کی عدت چار ماہ و دس دن گزارے گی، اور اس مدت کے اختتام پر وہ شادی کر سکتی ہے۔

اور اگر اسے خاوند کی جگہ کا عیم ہے اور اس نے اس مدت میں اس سے علیحدگی اختیار کر رکھی ہے تو اس کا حکم ایذا و احکام ہوگا، لہذا عورت یا اس کا ولی اس سے رابطہ کرے گا یا پھر اس معاملے کو حاکم تک پہنچا دے گا جو خاوند کو مجبور کرے کہ وہ بیوی کے پاس واپس آئے اور اگر وہ واپس آنے سے انکار کر دے تو حاکم اس کی جانب سے ایک طلاق دے گا یا پھر نکاح فسخ کر دے گا۔

اسقاط حمل کی صورت میں حاملہ کی عدت کا بیان

علماء کرام کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر اس نے بچے کی تخلیق کے بعد وضع حمل کر دیا تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی (11 / 229)

اور حمل کے اسی (80) دن کے بعد بچے کی تخلیق یعنی شکل و صورت فنی شروع ہو جاتی ہے، اور غائبانہ (90) دن کی تکمیل میں تخلیق بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ لہذا اس بنا پر جس عورت نے حمل کے پانچویں ماہ میں حمل ساقط کر دیا، سب علماء کرام کے ہاں اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اور اس کی عدت ختم ہو جانے پر خاوند کے یہ رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو نیا نکاح کر سکتا ہے، اور اس میں نکاح کی وہ سب شروط پائی جانی ضروری ہیں جو نکاح میں پائی جاتی ہیں مثلاً مہر، گواہوں کی موجودگی، عورت کی رضا مندی، اور ولی کی موجودگی۔

اور اس شخص پر جو اسقاط حمل کا سبب بنا ہے وہ چیزیں باقی رہتی ہیں۔

ول اس کے ذمہ قتل خطا کا کفارہ ہے، جو ایک مومن غلام آزاد کرنا، اور اگر وہ غلام نہ پاسکے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے کیونکہ بندہ بھانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن آزاد کرنا اور مقتول کے عزیزوں کو دیت دینا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ معاف کر دیں۔۔۔)

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا: پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگا تار روزے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بخشوانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے) النساء (92)

دوم۔ اس کے ذمہ بچے کی دیت کی ادائیگی بھی ہے (اور وہ ماں کی دیت کا دسواں حصہ ہے، اور مسلمان عورت کی دیت بچہ س اونٹ میں جو انداز ساٹھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) لہذا دام کو چاہے کہ وہ بچے کے درثناء کو چھ ہزار ریال یا پھر ان کی قیمت کی دوسری کرنسی کی ادائیگی کرے، اور ان پر تقسیم کی جائے گی کیونکہ بچہ فوت ہو چکا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ والد اس دیت میں کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا کیونکہ قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ (اور اگر مجرم بچے کو گرانے والا اس کا باپ یا اس کے درثناء میں سے کوئی اور ہو تو اس کے ذمہ غرقہ ہے،) اور غرقہ غلام یا لونڈی کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت پانچ اونٹ ہیں، اور پر بیان ہو چکا ہے کہ وہ اندازاً چھ ہزار سعودی ریال بنتے ہیں) وہ اس میں سے کسی بھی چیز کا وارث نہیں ہوگا، اور ایک غلام آزاد کرے گا، مام زہری اور امام شافعی وغیرہ کا یہی قول ہے) (المغنی لابن قدامہ المقدسی (12 / 81)

فقہاء کرام کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ جب عورت کو خضوت کے بعد ورود دخول سے قبل طلاق دے دی جائے تو وہ باکرہ ہی رہتی ہے، اور اسی طرح شادی کر لے گی جس طرح باکرہ اور کنواری عورتیں کرتی ہیں درالاحکام میں درج ہے۔

"جسے صحیح خلوت کے بعد طلاق ہوئی ہو اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی ہو، یہ پھر دخول سے قبل طلاق ہو جائے تو وہ کنواری نہ کیوں کی طرح ہی شدی کر لے گی، چاہے اس پر عدت واجب ہوتی ہے، کیونکہ وہ حقیقت میں باکرہ ہے اور اس میں حیاء موجود ہے" دیکھیں: درالاحکام (1 / 336)

اور الفتاویٰ الہندیہ میں درج ہے: "ہمارے اصحاب (حنفی مذہب پر) نے صحیح خلوت کو بعض احکام میں وطء کے قائم مقام کیا ہے۔ اور بکارت زائل ہونے میں خلوت وطء کے قائم مقام نہیں ہوتی حتیٰ کہ کنواری عورت کے ساتھ خلوت کرے اور پھر اسے طلاق دے دے تو اس کی شدی کنواریوں کی طرح ہی کر لے گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ (1 / 306)

اور کتاب "بلغة السائل للفتاویٰ (4 / 354) اور الانصاف (8 / 284) میں بھی اسی طرح کلام درج ہے۔

دوم۔ جب بیوی خاوند کی کسی کوتاہی اور ایسے سبب کے بغیر ہی طلاق کا مطالبہ کرے جو طلاق طلب کرنے کا باعث نہ بن سکتا ہو، تو خاوند کو یہ مطالبہ رد کرنے کا حق حاصل ہے، اور وہ بیوی سے طلع کر سکتا ہے کہ وہ مہر واپس کرے۔



﴿یہ فصل عورت کے سوگ کے بیان میں ہے﴾

فصل سوگ کی فقہی مطبقت کا بیان

عہدہ ابن محمود ہارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے عدت کے احکام کو بیان کیا ہے وراہ وہ عدت کی کیفیت اور عدت والی عورت پر کیا احکام واجب ہیں اور کیا احکام واجب نہیں ہیں ان کو بیان کر رہے ہیں۔ اس فصل میں مصنف علیہ الرحمہ بیان کریں گے عدت والی عورت پر کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے اور کن افعال سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اور حد کا معنی منع ہے۔ چونکہ عدت میں عورت کو بناؤں سکھا رہے منع کر دیا جاتا ہے لہذا اس کو حد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(عنا یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۱۳۶، بیروت)

سوگ کا فقہی مفہوم

سوگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤں سکھ کر دے اور خوشبو دوسرہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینے دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتدا کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتدا خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی لیکن حضرت علیؑ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر وغیرہ میں مر گیا، اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ چار مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہوگئی جب کہ حضرت علیؑ کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور ان ایام یعنی زمانہ عدت میں عصب کے علاوہ نہ تو کوئی تلکین کپڑ پہنے نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قحطیہ اٹھفرا استعمال کرے تو قباحات نہیں (بخاری و مسلم)

(وَلَا حُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنُتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهِ أَنَّكُمْ سَأَلَ تُكْرُوهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْخُذْنَ بِسَرٍّ إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزُورٌ حَبِيمٌ (لقومہ، ۲۳۵)

اور تم پر گنہگار نہیں اس میں کہ اشارۃ عورتوں کے نکاح کا پیغام دیا اپنے دل میں چھپا رکھو، اللہ (عزوجل) کو معصوم ہے کہ تم اس کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ مت کرو مگر یہ کہ تنہا ہی بات کرو، جو شرع کے موافق ہے۔ اور عقد نکاح کا پکارا وہ نہ مرو اب تک کتاب کا حکم پڑھا ہے یا نہ پڑھا ہے اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) اس کو جو نہ ہے جو تمہارے دلوں میں ہے تو اس سے ذرا اور جان لو کہ اللہ (عزوجل) بخشنے والا، حلم والا ہے۔

سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عدت کے دوران ایسی عورتوں سے اشارہ و کتابیہ میں نکاح کا پیغام دینے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً یہ کہہ کہ مجھے اپنے گھر سنبھالنے کیلئے ایک شریف عورت کی ضرورت ہے، یا یہ کہ آپ جیسی کوئی بھی خاتون مجھے مل جاتی تو میرے گھر کا نظام بہت اچھی طرح چلتا، یا یہ کہ مجھے کسی وفا شعار شریک حیات کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ، موصول تو یہی ہے کہ دوران عدت اس طرح کے کسی اشارہ و کتابیہ کی بھی اجازت نہ ہوتی، لیکن اس کی فطرت، اور اس کے طبعی میاں کی رعایت میں کسی اجازت دے دی گئی سی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو معصوم ہے کہ تم لوگ ان عورتوں کو یاد کرو گے اس لئے تمہارے اس فطری میاں و رحمان کی بناء پر تم کو اس کی اجازت دے دی گئی لیکن بات صرف اشارہ و کتابیہ ہی کی حد تک رہے۔ اس سے آگے بڑھ کر کہیں نہ سے کوئی خفیہ وعدہ و پیمانہ نہ کر لینا کہ اس سے آگے کئی طرح فقہی جزم لے سکتے ہیں اور مختلف قسم کی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں، والعیاذ باللہ العظیم، خطبہ کا لفظ جب حرف خاء کے پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی خطاب کے آتے ہیں جیسا کہ مجمع کا خطبہ وغیرہ اور جب یہ اس کے زیر کے ساتھ ہو جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی مگلی کے آتے ہیں۔

اس لئے اس کے یہاں صرف ظاہر داری سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ وہاں پر دلوں کے ارادوں اور نیتوں کو درست رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ اپنے دلوں کے ارادوں کو بھی درست رکھنا۔

بیوہ اور مطلقہ پر سوگ کرنا لازم ہے

قَالَ (وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا رَوْحُهَا إِذَا كَانَتْ بِإِلْعَاقِ مُسْلِمَةٍ الْحَدَادِ) أَمَّا الْمَبْتُوتَةُ عَنْهَا رَوْحُهَا فَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَزَوَّجَتْ بِأَلَيْهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحَدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى رَوْحِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (۱)) وَمَا الْمَبْتُوتَةُ فَمَدَّهْنًا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا حَدَادَ عَلَيْهَا لِأَنَّهُ وَحَبَّ إِظْهَارِ النَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ زَوْجٍ وَفِي بَعْدِهَا إِلَى مَسَاتِهِ وَقَدْ أَوْحَشَهَا بِالْإِنْيَةِ فَلَا تَأْسَفُ بِقَوْتِهِ وَلَكِنَّا مَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الْمُعْتَدَةَ أَنْ تَحْتَضِبَ بِالْحَيَاءِ) وَقَالَ (الْحَيَاءُ طِبُّ (۲)) وَلِأَنَّهُ يَجِبُ إِظْهَارُ النَّاسِفِ عَلَى قَوْتِ نِعْمَةِ ابْنِكَاحِ الْيَدَى هُوَ سَنَتْ

لِصَوْنِهَا وَكَفَايَةُ مُزْنِهَا، وَالْإِبَانَةُ أَقْطَعُ لَهَا مِنَ الْمَوْتِ حَتَّى كَانَتْ لَهَا أَنْ تُغَسِّلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْإِبَانَةِ لَا بَعْدَهَا (وَالْجِدَادُ) وَيُقَالُ الْإِحْدَادُ وَهُمَا لَفْتَانِ (أَنْ تَتْرَكَ الطَّيْبَ وَالزَّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالذَّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَغَيْرَ الْمُطَيَّبِ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ، وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ إِلَّا مِنْ وَجَعٍ) وَالْمُعْتَدُّ فِيهِ وَحْهَانِ: أَحَدُهُمَا مَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ إِطْهَارِ النَّاسِ فِيهِ.

وَالثَّانِي: أَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ كَوَاعِي الرَّغْبَةِ فِيهَا وَهِيَ مَمْنُوعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْ لَا تَصِيرَ ذَرِيعَةً إِلَى الْوُقُوعِ فِي الْمَحْرَمِ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَأْدَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْإِكْتِحَالِ^(۱).

وَالذَّهْنُ لَا يَغْرَى عَنْ نَوْعِ طَيِّبٍ وَفِيهِ زِينَةُ الشَّعْرِ، وَلِهَذَا يُمْنَعُ الْمَحْرَمُ عَنْهُ قَالَ: إِلَّا مِنْ عُدْرٍ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً، وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ لَا الزَّيْنَةُ.

رجمہ

اور جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو یا بیوہ عورت اگر بالغ اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا لازم نہیں تک بیوہ عورت کا تعلق ہے اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ”اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کرے گی۔“ جہاں تک طلاق بتہ پانے ان عورت کا تعلق ہے تو یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں: ایسی عورت پر سوگ لازم نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے سوگ اس شوہر کے انتقال پر کیا جاتا ہے جو مرتے دم تک عورت کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے جبکہ اس شخص نے تو علیحدگی کے ذریعے اسے پریشان کر دیا ہے لہذا اس سے علیحدگی کی وجہ سے سوگ نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل وہ روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزرنے والی عورت کو منع کیا تھا کہ وہ مہندی لگائے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا ”مہندی ایک خوشبو ہے“۔ اس کی ایک

(۱) روى الحديث عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله ﷺ منهم أم عطية رضي الله عنها أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۴۲) و"مسند" في "صحيحه" برقم (۶۲۸) وعن أم حبيبة و زينت بنت جحش مرفوعاً أخرجه البخاري في "صحيحه" برقم (۵۳۳۴-۵۳۳۵) و"مسند" في "صحيحه" برقم (۱۴۸۶-۱۴۸۷)

(۲) هذا حديثان يحدیث الحاء طیب تقدم فی الجمع، و الثاني أخرجه مالك في "الموطأ" برقم ۶۰۰/۲ و"مسند" برقم (۱۰۸) و"مؤدود" في "مسند" برقم (۲۳۰۵) والسنائي في "المعنى" ۴/۶-۵-۲ عن أم سلمة مرفوعاً وفيه "ولا تمسطي بالطيب، ولا بالحاء فانه حطاب" و"وأخرجه أحمد في "المستند" ۳۰۲/۶ و أبو داود في "مسند" برقم (۲۳۰۴) عن أم سلمة رضي الله عنها مرفوعاً "المتوفى عنها زوجها لا تلبس المسفر من الثياب، ولا الممشقة، ولا الحل، ولا تعتصب، ولا تكتحل"

توجہ یہ بھی ہے نکاح کی سخت زائل ہونے پر افسوس کے اظہار کے لئے سوگ کرنا لازم ہے کیونکہ نکاح اس خاتون کے لیے عصمت و حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس کی ضروریات کا کفیل تھا اور یہ جدائی شوہر کی انتقال کی صورت میں ملنے والی جدائی سے زیادہ افسوس ناک ہے۔

یہی وجہ ہے اس جدائی سے پہلے وہ اپنے مرحوم شوہر کو غسل دے سکتی ہے جبکہ اس عیحدگی کے بعد اس کے لئے یہ چار نہیں ہے۔ غلط حداد کو "احداد" بھی کہا گیا ہے: یہ لغات (اس سے مراد یہ ہے) عورت خوشبو، زینت، سرمہ، خوشبودار تیل، بغیر خوشبو کے تیل نہیں لگائے گی البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے: یہ الفاظ ہیں "البتہ کسی عذر کی وجہ سے لگا سکتی ہے"۔

اس میں دو پہلو پوائے جاتے ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے: جس کا ہم نے ذکر کیا افسوس کا اظہار کرنا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے: اس طرح کی ریب و زینت عورت کی طرف رغبت دلالتی ہے جبکہ اس عورت کے لئے نکاح کرنے کی ممانعت ہے لہذا وہ ایسی تمام چیزوں سے گریز کرے گی تاکہ یہ تمام چیزیں اس کے حرام میں مبتلا ہونے کا باعث نہ بنیں۔ صحیح روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدت گزارنے والی خاتون کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی جہاں تک تیل کا تعلق ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خوشبو ضرور ہوتی ہے نیز اس کے ذریعے بالوں کی زینت بھی ظاہر ہوتی ہے یہی وجہ ہے: احرام باندھنے والے شخص کے لئے تیل لگانا منع ہے۔ مصنف نے (متن میں) یہ جو کہا ہے: "البتہ کسی عذر کی وجہ سے کیا جاسکتا ہے" تو اس کی وجہ یہ ہے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس سے مراد وہائی ہے آرائش و زیبائش نہیں ہے۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی کسی بھی خاتون (شاید یہ الفاظ ہیں) اللہ پر ایمان رکھنے والی کسی بھی خاتون کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۴۰)

حضرت ام حبیبہ بنت ابوسلمیہ کے بھائی یا شاید کوئی قریبی عزیز فوت ہو گئے تین دن کے بعد انہوں نے زرد رنگ منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں پر لیا اور فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے ایب کیا ہے کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی کسی بھی عورت کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ شوہر کے عذر وہ کسی اور شخص کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ شوہر کی وفات پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ "مقول" ہے تاہم اس میں سیدہ ام سلمہ کا ذکر ہے یا شاید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور

(۱) البھی عن الکاحل تقدم فی حدیث أم سمة أول ابی عبد الشیخ وأما الذهن فلم یجدہ محرر "الهدایة" انظر "نصب الراية" ۲/۲۵۲ و"اللمعة" ۸۰/۲۔

زوجہ محترمہ کا ذکر ہے۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 141)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میری خالہ کو علاق دے دی گئی انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنے بھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کیا کریں تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہیں سات کی اجازت نہیں کہ تم گھر سے باہر نکلو وہ خاتون بیان کرتی ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گھر سے باہر نکلو اور اپنے باغ میں کام کرو۔ شاید تم اسے صدقہ کرو دیا نیکی کے کسی اور کام میں استعمال کرو۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 144)

عذر کی وجہ سے سوگ والی عورت تیل لگا سکتی ہے

وَلَوْ اعْتَادَتْ الذَّهْنُ فَحَافَتْ وَجَعًا، فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ أَمْرًا ظَاهِرًا يُبَاحُ لَهَا لِأَنَّ لِعَالِمَاتِ كَالْوَقْعِ، وَكَذَا لُبْسُ الْحَوِيرِ إِذَا احْتَجَّتْ إِلَيْهِ لِعَذْرِ لَا بَأْسَ بِهِ.
(وَلَا تَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ) لَمَّا رَوَيْنَا (وَلَا تَلْسُ قَوْنًا مَصُوغًا بِعَصْفَرٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ) لِأَنَّهُ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطَّيِّبِ.

ترجمہ

اور اگر عورت تیل استعمال کرنے کی عادی ہو (اور نہ لگانے سے) تکلیف کا اندیشہ ہو تو اگر یہ معاملہ ظاہر ہے تو اس کے لئے عذر شمار ہوگا کیونکہ غائب (امکان) واقع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح ریشم پہننے کا حکم ہے۔ اگر اس کی کسی عذر کی وجہ سے ضرورت ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ تاہم وہ مہندی کو منضاب کے طور پر نہیں لگا سکتی اس کی وجہ سے روایت ہیں جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح وہ درس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا بھی نہیں پہن سکتی کیونکہ اس کے نتیجے میں اس کی خوشبو ادھر ادھر پھیلے گی۔

عدت والی عورت کیلئے تیل استعمال کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہرا بوسمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے یعنی ایوا لگانے سے چہرہ چمکد رہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے ہذا اتم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان ہوتا ہے (اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ سے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے

صاف کرو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو صاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی پیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔

(ابوداؤد و نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 527)

حضرت ام خطیبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں کوئی بھی عورت شوہر کے عہدہ کسی اور کے سرے پر تین سے زیادہ سوگ نہیں کر سکتی۔ شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن کرے گی اس دوران وہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا استعمال نہیں کرے گی نہ خوشبو لگائے گی اور نہ سر ملگائے گی البتہ جب حیض سے پاک ہوگی اور غسل کرے گی اس وقت تھوڑی سی خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔

(سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 142)

خوشبودار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون وقل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ و حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور علماء طواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خد نہ مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے ورنہ سر ملگائے۔

(ابوداؤد و نسائی)

اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی سو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ باعزت کو کسی عذر مثلاً کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

سوگ کے مسئلہ میں فقہی مذاہب

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خد نہ مر گیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعی اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خد نہ کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے خواہ وہ مدغوبہ ہو یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو یا غیر مدغوبہ ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے کہ (۱) کافرہ (۲) مجنونہ (۳) صغیرہ (۴) معتدہ علق یعنی وہ ام ولد جو اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد کئے جانے یا اپنے

مولیٰ کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۵) وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو (۶) وہ عورت جو وحی بالنبی کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جبراع کر لیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۷) وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف صبح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کر کے بناؤ سنگار کرے اور بیوی خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے فقہی احکام و مسائل

جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو نفقہ اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اس کے لئے بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ مسلمہ یعنی باغ و قفل اور مسلمان ہوتی ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے ورنہ بناؤ سنگار کرے یہ سب باتیں اس پر حرم ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا کپڑے بسانا زیور گہنا پہننا پھوس پہننا سرمہ لگانا پان کھا کر نہ لال کرنا سی مسلمانہ میں تیل ڈالنا کنگھی کرنا مہندی لگانا اچھے کپڑے پہننا ریشمی اور رنگے ہوئے بہر دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے اسی طرح دوا کے لیے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کر دیا گیا یا خاوند مر گیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت حق یعنی آزادی کی عدت میں ہو جیسے ام ولد کو اس کا مولیٰ آزاد کر دے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنہ یہ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں جائز ہے مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے کہ جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو

وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لہذا اپنے ساقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ و طلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکال جائے اس مکان میں اپنے مال و اسباب کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا گریہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگرچہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور ناقابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگرچہ خاوند کا منتقل ہونا اولیٰ ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی یعنی تین دن کے سفر سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آ جائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات ہوئی ہے اس کا سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا دلی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

کافر عورت پر سوگ کرنا لازم نہیں

قَالَ (وَلَا حِدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ) لَأَنَّهَُا غَيْرُ مُحَاطَبَةٍ بِحَقِّقِ الشَّرْعِ (وَلَا عَلَى حَسِيرَةٍ) لَأَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوعٌ عَنْهَا (وَعَنِ الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ) لَأَنَّهَُا مُحَاطَبَةٌ بِحَقِّقِ اللَّهِ تَعَالَى فِيمَا لَيْسَ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلَى، بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوجِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّهِ وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ. قَالَ (وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ وَلَا فِي عِدَّةِ الْبَيْتِ حِجَابُ الْقَائِدِ الْإِحْدَادُ) لَأَنَّهُمَا مَا فَاتَهُمَا نِعْمَةُ النِّكَاحِ لَتُظْهِرَ النَّاسُفَ، وَالْإِبَاحَةُ أَصْلٌ.

ترجمہ

فریاد اور کافر عورت پر سوگ کرنا۔ رضی نہیں ہے کیونکہ وہ شرعی احکام کی پابندی نہیں ہے اسی طرح نابالغ عورت پر بھی۔ نہ نہیں ہے کیونکہ وہ احکام کا مخاطب نہیں ہے۔ کینز سوگ کرے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مخاطب ہے۔ ان معاملات میں جس میں اس کے آقا کا حق باطل نہ ہو جب کہ گھر سے باہر نکلنے سے روکنا اس سے مختلف ہے کیونکہ اس صورت میں آقا کا حق باطل ہو جائے گا اور بندے کی ضرورت کے پیش نظر اس کا حق مقدم قرار دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں: ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ کرنا نہیں سوگا کیونکہ ان کے حق میں نکاح کی نعمت رائل نہیں ہوئی وہ اسوس کا اظہار کرے جب کہ اصل مباح ہونا ہے۔

شرح

کم عمر نابالغ لڑکی ہو تو ساری چیزیں کر سکتی ہے البتہ گھر سے باہر نہ نکلے نہ عدت ختم ہوئے تک دوسرے سے نکاح کرے۔

وَلَا تَعْرِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَحْلَهُ (البقرة، ۲۳۵)

قَلَّا يَجِبُ عَلَى الصَّغِيرَةِ وَالْمَجْنُونَةِ الْكَبِيرَةِ وَلِكِنَّا بَيِّنَةٌ وَالْمُعْتَدَّةُ مِنَ نِكَاحٍ فَاسِدٍ وَالْمُطَلَّاقَةُ طَلَاقًا رَجْعِيًّا، وَهَذَا عِنْدَنَا. (بدائع الصنائع فصل في أحكام المعتدة)

شوہر کے علاوہ کسی کے انتقال پر سوگ ماننا (یعنی زینت و زینت وغیرہ نہ کرنا) درست نہیں البتہ اگر شوہر اجازت دے تو تین دن تک اس طرح کر سکتی ہے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِلَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا نَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوعًا إِلَّا ثَوْبَ عَصَبٍ وَقَدْ رُحِّصَ لَنَا عِنْدَ الطَّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْدِيَةٍ مِنْ كُنُسِ أَطْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنْ اتِّسَاعِ الْجَنَائِزِ (بخاری باب الطَّيِّبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ زینت شوہر کا حق ہے اور کسی کا حق اس کی اجازت کے بغیر یہاں درست نہیں یہ اور بات ہے اجازت زبانی بھی ہوتی اور بے زبانی بھی۔ ولسروج منع زوجته من الحداد على الأقرباء؛ لأن الزينة حقه. (الفقه الاسلامی وادبہ الا حداد والحداد ج ۹ ص ۶۳۳)

عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جاسکتا

(وَلَا يَسْعَى أَنْ تُسْحَطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا يَأْسَ بِالتَّعْرِيطِ فِي الْخُطْبَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَلَا

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ) إِلَى أَنْ قَالِ (وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (السِّرُّ النِّكَاحُ) (۱) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: التَّعْرِيطُ أَنْ يَقُولَ زَانِي أُرِيدُ أَنْ أَتَزَوَّجَ. (۲) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوفِ إِنِّي فَبِكَ لَرَأَيْتُ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَجْتَمِعَ (۳).

ترجمہ

اور یہ مناسب نہیں ہے عدت گزارنے والی عورت کو شادی کا پیغام بھیج جائے البتہ اشارے کنائے میں یہ بات کی جاسکتی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "اور تم پہ کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اشارے کنائے میں عورتوں کو نکاح کے بارے میں کہتے ہو"۔ یہ آیت یہاں تک ہے "لیکن تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ بھلائی کی بات کرو"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "پوشیدہ سے مراد نکاح ہے"۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اشارۃً ذکر کرنے سے یہ مراد ہے۔ آدمی یہ کہے: میں شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں: مناسب بات سے مراد یہ ہے "میں تم میں دلچسپی رکھتا ہوں یا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم اکٹھے ہو جائیں۔"

شرح

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَسْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَنَّهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ ذَلِيلٌ (البقرة، ۲۳۴)

اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دیا اپنے دس میں چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ اتنی سی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ بچی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلیم ہے۔

(۱) لم يحمله مخرجو "الهداية" وأخرج ابن أبي شيبة في "مصنفه" "لا يأخذ عليها عهد، وميثاقا أن لا تزوج غيره" انظر "نصب الرعية" ۲/۶۶۲ و "الدرية" ۲/۷۹-۷۰.

(۲) أخرجه البخاري بنحوه في "صحيحه" في باب قول الله تعالى (ولا جناح عليكم فيما عرضتم به) برقم (۵۱۴).

(۳) أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" ۷/۱۷۹.

تقدیرالفاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی عدت میں نکاح و نکاح کا کھلا ہوا یہ تو ممنوع ہے لیکن پردہ کے ساتھ خواہش نکاح کا اظہار گناہ نہیں مثلاً یہ کہہ کر کہ تم بہت نیک عورت ہو یا اپنا ارادہ دل ہی میں رکھے اور زبان سے کسی طرح نہ کہے۔ اور تمہارے دلوں میں خواہش ہوگی سی سنے تمہارے واسطے تعریض مباح کی گئی۔ (خزانة العرفان، بقرہ ۲۳۴)

حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک و بجا عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن قیس سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا، عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتوم کے ہاں گزارو، جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید سے جن کا مانگا تھا نکاح کرادیا، ہر رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارہ کرنا کہ یہ بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔

یہ فرما کر تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی متکلی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کر گئے اس واسطے اس نے تنگی بنا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو، یعنی زنا کاری سے بچو، ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں، تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کروگی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے،

پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آسکتے ہیں اسی سے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جدی نہ کرنا، عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منع نہ کیا کرو، علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیسے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟

اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہوگئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملے تو ان دونوں

میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص مجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں مدہ پ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف مزادی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کیسے حرام کر دی گئی، جیسا کہ قتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے،

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قور آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر دلا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دلوں میں عورتوں کے متعلق فرمان باری بخلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دلوں کو صاف رکھو، برے خیالات سے اسے پاک رکھو۔ ذر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طبع اور بچ بھی دل کی اور فرمایا کہ اے العالمین خطاؤں کو بخشے والا اور حلم و کرم والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۳۴)

معتدہ سے بطور اشارہ کلام کرنے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جاسکتا، البتہ اشارے کے طور پر اپنی خواہش کا اظہار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مصنف نے دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

”اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بارے میں جو تم اشارے کے طور پر عورتوں کو نکاح کا پیغام دیتے ہو“۔ یہ آیت یہاں تک ہے: ”تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ وعدہ نہ کرو بلکہ صرف مناسب بات کرو“۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ”(پوشیدہ وعدے سے مراد) نکاح کرنا ہے، یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کا وعدہ نہ کرو“۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ (اشارے کے طور پر کوئی بات کہنے) سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص یہ کہے: میں شادی کرنا چاہتا ہوں، یعنی وہ یہ نہ کہے: میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں اشارے کے طور پر یہ کہہ دے۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں ظاہر یہ کہنا ہو کہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔

مصنف بیان کرتے ہیں: سعید بن جبیر نے یہ وضاحت کی ہے مذکورہ بالا آیت میں استعمال ہونے والے لفظ ”مناسب بات“ سے مراد آدمی کا یہ کہنا ہے: مجھے تم میں دلچسپی ہے یا یہ کہنا ہے کہ ہم اکٹھے ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

طلاق یافتہ عورت گھر سے باہر نہیں نکل سکتی

(وَلَا يَجُوزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا، وَالْمُتَوَفَّى

عَسَٰهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَتَعَصَّ اللَّيْلُ وَلَا تَبِثُ فِي عَيْرٍ مِّنْزِلِهَا) أَمَّا الْمُطَلَّاقَةُ فَلَقَوْلُهُ
تَعَالَى (لَا تَخْرُجُ جَوْهَرٌ مِّنْ بُيُوتِهِمْ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ) قِيلَ
الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوجِ، وَقِيلَ الزَّانَا، وَيَخْرُجْنَ لِإِقَامَةِ الْحَدِّ، وَأَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا
زَوْجُهَا فَلِأَنَّهُ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَتَحْتَاجُ إِلَى الْخُرُوجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ، وَقَدْ يَمْتَدُّ إِلَى أَنْ
يَهْجُمَ اللَّيْلُ، وَلَا كَذَلِكَ الْمُطَلَّاقَةُ لِأَنَّ النَّفَقَةَ دَارَةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَّالِ زَوْجِهَا، حَتَّى لَوْ
اخْتَلَعَتْ عَلَى نَفَقَةٍ عَدْنِهَا قِيلَ: إِنَّمَا تَخْرُجُ نَهَارًا، وَقِيلَ لَا تَخْرُجُ لِأَنَّهَا اسْقَطَتْ حَقَّهَا
فَلَا يَطُلُّ بِهِ حَقُّ عَلَيْهَا.

ترجمہ

اور جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو یا جس کو طلاق بتہ دی گئی ہو اس کے لئے رات کے وقت یا دن کے وقت گھر سے نکلنا
جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ وہ عورت دن کے وقت ہر نکل سکتی ہے اور رات کے کچھ حصے میں بھی باہر رہ سکتی ہے لیکن وہ اپنے گھر سے
باہر کہیں رات نہیں بسر کرے گی۔ جہاں تک طلاق یافتہ عورت کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”تم انہیں ن کے
گھروں سے نہ نکالو اور وہ بھی نہ نکلیں“ سوائے اس کے جب وہ واضح طور پر برائی کا ارتکاب کریں۔ ایک قول کے مطابق یہاں
”فاحشہ“ سے مراد گھر سے نکلنا ہے اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد زنا کرنا ہے البتہ اگر ان پر حد قائم کی جائے تو وہ ہر نکلے
گی۔ جہاں تک یہ عورت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے اس کا خرچ کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا اس لیے وہ دن کے وقت ہر نکلنے
کی محتاج ہوگی تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے ورنہ بعض اوقات آدی کو گھر واپس آتے ہوئے رات ہو جاتی لیکن طلاق یافتہ
عورت کا حکم مختلف ہے اس کی وجہ یہ ہے اس کا خرچ اس کے شوہر کے مال میں سے ادا کیا جائے گا۔ البتہ اگر اس نے اپنی عدت کے
دوران کے خرچ کے عوض ضلع حاصل کر لیا ہو تو ایک قول کے مطابق وہ دن کے وقت ہر نکل سکتی ہے اور ایک قول کے مطابق پھر بھی
نہیں نکلے گی، کیونکہ اس نے خود اپنے حق کو ساقط کیا ہے لہذا اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہوگا جو اس کے ذمے رزم ہے۔

شرح

سعد بن ابی وقاص نے اپنی پھوپھی نہ نب بنت کعب کا یہ بیان نقل کرتے ہیں فریجہ بنت مالک نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ اسے اجازت دیں کہ وہ اپنے خاندان میں واپس چلی جائیں کیونکہ اس کا شوہر اپنے مفروز
غلاموں کو تلاش کرنے کے لیے نکلا جب اس نے قدم کے پاس انہیں پایا تو ان کے غلاموں نے ان کو قتل کر دیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی تم اپنے گھر میں رہو۔ میں نے عرض کی میرے شوہر نے ایسا کوئی گھر نہیں چھوڑا
جس کی میں مالک ہوں نہ کوئی خرچ چھوڑا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم یہیں رہو جب تک عدت ختم نہیں ہو جاتی راوی

بیان کرتے ہیں تو اس عورت نے اس گھر میں چار دس دن عدت بسر کی۔ نہ نب بنت کعب بیون کرتی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ
عندہ عہد حکومت میں انہوں نے کسی کو بھیجا کہ مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو میں نے اس بارے میں بتایا تو انہوں نے اس کی پیروی
کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 143)

معتدہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب

حضرت نہ نب بنت کعب فرماتی ہیں کہ فریجہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدری کی بہن ہیں مجھے بتایا کہ وہ
فریجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ اپنی عدت گزارنے کے لئے اپنے میکہ ہی
خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھائے کے غلاموں کی ستمناش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا
چنانچہ فریجہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے میکہ میں آ جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس
مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے
پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریجہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم اپنے
میکہ چلی جاؤ چنانچہ میں یہ اجازت حاصل کر کے واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے گرچہ وہ تمہارے
شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے تا آنکہ کتاب یعنی عدت اپنی مدت تک پہنچ جائے فریجہ کہتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس حکم کے مطابق چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔

(مالک ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 526)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت) کو بلا ضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں
اٹھا آنا درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاندان کے مرجع کی وجہ سے عدت
میں بیٹھی ہو اس کے لیے سکنی یعنی شوہر کے مکان میں عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی
کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے سکنی ضروری ہے۔

حضرت عمر حضرت عثمان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر بھی اسی کے قائل تھے ان کی طرف سے یہی حدیث
بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو فریجہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دے دی مگر پھر آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں اس سے ثابت ہوا
کہ فریجہ کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث (امسکینی فی بیتک) ارشاد تم اپنے اسی
گھر میں عدت میں بیٹھو کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سبکی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہر چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت عی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریاد کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی اور پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا جو مسلک ہے وہ ان شاء اللہ باب التفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت گزارنے والی عورت اپنے گھر میں قیامت پذیر رہے گی

وَعَلَى الْمُعْتَدَةِ أَنْ تَعْتَدَ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُصَافُ إِلَيْهَا بِالسُّكْنَى حَلَّ وَفُوعِ الْفَرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ) وَالْبَيْتُ الْمُصَافُ إِلَيْهَا هُوَ الَّذِي تَسْكُنُهُ، وَلِهَذَا لَوْ رَأَتْ أَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا كَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَ فِيهِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلْنِّبِيِّ فُتَيْلَ زَوْجَهَا (أَسْكِنِي فِي بَيْتِكَ حَتَّى يَنْفَعِ الْكِتَابَ أَجَلَهُ) (۱) (وَإِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيهَا فَأَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيبِهِمْ) انْتَقَلَتْ لِأَنَّ هَذَا انْتِقَالٌ بَعْدُ، وَالْعِبَادَاتُ تَزِيدُ فِيهَا الْأَعْدَارُ فَصَارَ كَمَا إِذَا خَافَتْ عَلَى مَتَاعِهَا أَوْ حَافَتْ سُقُوطَ الْمَنْزِلِ أَوْ كَانَتْ فِيْمَا بِأَجْرٍ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيهِ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت کے لئے یہ بات لازم ہے کہ وہ اسی گھر میں عدت بسر کرے جو بیکہدگی یا شوہر کے انتقال کے وقت اس کا رہائشی گھر تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”اور تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو“۔ یہاں گھر کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے یعنی وہ گھر جس میں وہ عورت رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے وہ اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوئی ہو اور اس دوران اس کا شوہر اسے طلاق دیدے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آ کر وہاں عدت بسر کرے۔ جس خاتون کا شوہر قتل ہو گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ فرمایا تھا ”تم اپنے گھر میں رہو ایساں تک کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے“۔ اگر مرحوم کے گھر میں عورت کے لئے جگہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور دوسرے درختاں اسے اپنے حصے میں سے نکال دیں تو وہ عورت وہاں سے منتقل ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منتقلی عذر کی وجہ سے ہے اور عبادتیں عذر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہوگا جیسے اسے اپنے ساز و سامان کے بارے میں خوف ہو یا گھر کے گر جانے کا خوف ہو یا وہ کہے: یہ گھر کرائے کا ہے اور اس کے پاس کرائے کی ادائیگی

(۲) أخرجه أبو داود عن "سننه" برقم (۲۳۰۰) والترمذی عن "جامعه" برقم (۱۲۲۴) وفتاویٰ فی "المحیی" برقم (۲۰۳۱) و ابن ماجہ

کے لئے (رقم نہ ہو)

دوران عدت ازواج کو ٹھہرانے کا بیان

بَابُهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطُفِقُوهُنَّ بِعَدَّتِهِنَّ وَخُصُّوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَذَرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا (طلاق ۱۰)

اے نبی (ﷺ) جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی کی بات لائیں اور یہ کہ لبت کی حدیں ہیں اور جو امت کی حدوں سے آگے بڑھ جائیں اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے۔ (کنز المایین)

عدت کی حفاظت کرو اس کی ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے، اور اس بارے میں اپنے ابتداء انتہا کی دیکھ بھال رکھو ایسا نہ ہو کہ عدت کی لمبائی عورت کو دوسرا خاوند کرنے سے روک دے اور اس بارے میں اپنے معذور حقیقی پروردگار عالم سے ڈرتے رہو، عدت کے زمانہ میں مطلقہ عورت کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمہ ہے وہ اسے نکال نہ دے اور نہ خود اسے نکلتا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے حق میں رکی ہوئی ہے

زنا کو بھی شامل ہے اور اسے بھی کہ عورت اپنے خاوند کو تنگ کرے اس کا خلاف کرے اور ایذا پہنچائے، یا بدزبانی و کج خلقی شروع کر دے اور اپنے کاموں سے اور اپنی زبان سے سسرال والوں کو تکلیف پہنچائے تو ان صورتوں میں بیشک خاوند کو جو بڑے سے کہ اسے اپنے گھر سے نکال باہر کرے، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کی شریعت اور اس کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ جو شخص ان پر عمل نہ کرے انہیں عجمی کے ساتھ توڑ دے ان سے آگے بڑھ جائے وہ اپنا ہی برا کرنے والا اور اپنی جان پر ظلم ڈھانے والا ہے شاید کہ اللہ کو نئی بات پیدا کر دے اللہ کے ارادوں کو اور ہونے والی باتوں کو کوئی نہیں چا سکتا، عدت کا زمانہ مطلقہ عورت کو خاوند کے گھر گزارنے کا حکم دیتا اس مصیحت سے ہے کہ ممکن ہے اس مدت میں اس کے خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وامان سے گزر کر نئے لگیں، نیا کام پیدا کرنے سے مراد بھی رجعت ہے۔

اسی بنا پر بعض سلف اور ان کے تابعین مثلاً حضرت امام محمد بن حنبل وغیرہ کا مذہب ہے کہ متبوتہ یعنی وہ عورت جس کی طلاق کے بعد خاوند کو رجعت کا حق باقی نہ رہا ہو اس کے لئے عدت گزارنے کے زمانے تک مکان کا دینا خاوند کے ذمہ نہیں، اسی صرح

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اسے بھی ہاٹی مکان عدت تک کے لئے دینا اس کے ورثوں پر نہیں ان کی اعتدائی دلیل حضرت
فاطمہ بنت قیس فہریدہ والی حدیث ہے کہ جب ان کے خاوند حضرت ابو عمر بن حفص نے ان کو تیسری آخری طلاق دی اور وہ اس وقت
یہاں موجود تھے بلکہ یمن میں تھے اور وہیں سے طلاق دی تھی تو ان کے وکیل نے ان کے پاس تھوڑے سے جو بھیج دیئے تھے کہ یہ
تمہاری خوراک ہے یہ بہت تاراض ہو بس اس نے کہا بگڑتی کیوں ہو تمہارا نفقہ کھانا پینا ہمارے ذمہ نہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس آئیں آپ نے فرمایا ٹھیک ہے حیرانفکد اس پر نہیں۔

مسلم میں ہے نہ تیرے رہے تیرے گھر اور ان سے فرمایا کہ تم ام شریک کے گھر پتی عدت گزارو، پھر فرمایا وہاں تو میرے اکثر
صحابہ جایا آتے ہیں تم عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں پتی عدت کا زمانہ گزارو وہ ایک نایاب آدمی ہیں تم وہاں آرام سے اپنے
کپڑے بھی رکھ سکتی ہو،

مسند احمد میں ہے کہ ن کے خاوند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جہاد پر بھیجا تھا انہوں نے وہیں سے انہیں حدیث بھیج دی ان
کے بھائی نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر سے چلی جاؤ انہوں نے کہا نہیں جب تک عدت ختم نہ ہو جائے میرا کھانا پینا اور رہنا سہنا
میرے خاوند کے ذمہ ہے اس نے انکار کیا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاملہ پہنچا جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ آخری تیسری
طلاق ہے تب آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا ان نفقہ گھر، خاوند کے ذمہ اس صورت میں ہے کہ اسے حق رجعت حاصل ہو جب
یہ نہیں تو وہ بھی نہیں تم یہاں سے چلی جاؤ اور فلاں عورت کے گھر پتی عدت گزارو پھر فرمایا وہاں تو صحابی کی آمد و رفت ہے تم ابن ام
مکتوم کے گھر عدت کا زمانہ گزارو وہ نایاب ہیں تمہیں دیکھ نہیں سکتے۔ طبرانی میں ہے یہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی
ہن تھیں اس کے خاوند خردی قبیلہ کے تھے، طلاق کی خبر کے بعد ان کے نفقہ طلب کرنے پر ان کے خاوند کے اوبیاء نے کہا تھا نہ تو
تمہارے میاں نے کچھ بھیجا ہے نہ ہمیں دیئے کو کہا ہے و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ جب عورت کو و
طلاق مل جائے جس کے بعد وہ اپنے اگلے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے جب تک دوسرے سے نکاح اور پھر طلاق نہ ہو جائے تو اس
صورت میں عدت کا نان نفقہ اور رہنے کا مکان اس کے خاوند کے ذمہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۱)

عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذہب اربعہ

ان میں سے مشہور اور قوی قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔ اکثر علماء کرام جن میں آئمہ اربعہ بھی
شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے: فریہ بنت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے لگا اور جب وہ ان
کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاوند بن بخوذہ میں واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی
ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جاسکتی ہیں، تو میں واپس
پٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دھرایا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہو حتیٰ کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ وک دن عدت گزار لی، اور جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوا تو اس
تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کر کے میرے قریب آئے۔ اس
اوراد سند سنائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند ترمذی، بن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت
دیا ہے۔

جاننا ابن قیم کا کہنا ہے کہ: اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
عزادرا کا برصیبہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد 5 / 691)

بعض اوقات عدت گزارنے والی عورت اور یا پھر اس کے گھر میں کوئی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے مثلاً: راد خون،
انہدام، خرق، یا پھر دشمن کا خوف یا وحشت، یا یہ کہ وہ فاسق ناحلوگوں کے درمیان رہائش پذیر ہو، یا پھر اس کے ورثہ اسے وہاں
سے لانے کا ارادہ کریں، یا پھر اس کا وہاں رہنا اولاد یا مال و دولت کے ضیاع کا باعث بن جائے، وغیرہ۔

اصناف، حنبلیہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا جائز
ہے، اور اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔

لیکن شریعہ یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔
اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح
نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلاً وہ دراشت یا ملاک کی بارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔
اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے بے
ملک بننے کا وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

عدت کے دوران میاں بیوی کے درمیان پروے کا بیان

(ثُمَّ إِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَطْلَاقٍ بَيْنَ أَوْ فَلَاحٍ لَا بُدَّ مِنْ سُرَّةٍ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَا بَسَ بِهِ لِأَنَّهُ
مُغْتَصَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فَاسِقًا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَيَحْيِلُ تَحْرُجُ لِأَنَّهُ عَدُوٌّ وَلَا
تَخْرُجُ عَمَّا نَقَلَتْ إِلَيْهِ، وَالْأُولَى أَنْ يَخْرُجَ هُوَ وَيَتْرَكَهَا (وَأَنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا أَمْرًا تَقَافَ
تَقْدِيرُ عَلَى الْحَيْلُولَةِ فَحَسَنٌ، وَإِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْيَخْرُجْ، وَالْأُولَى خُرُوجُهُ)

ترجمہ

اور جب علیحدگی باندہ طلاق کی وجہ سے ہوئی ہو تو میاں بیوی کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے اور پھر

اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا (وہ ایک ہی گھر میں رہیں) اس کی وجہ یہ ہے مرد اس کی حرمت کا معترف ہوگا ابت اگر وہ برے کردار کا مالک ہو اور عورت کو اس کی طرف سے اندیشہ ہو تو اس صورت میں وہ عورت گھر سے نکل سکتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک عذر ہے لیکن وہ اس گھر سے نہیں نکلے گی جس میں وہ منتقل ہوگئی ہے زیادہ بہتر تو یہ ہے مرد اس گھر سے نکل جائے اور عورت کو وہاں رہنے دے۔ اگر وہ دونوں میاں بیوی اپنے درمیان ایک قابل اعتماد عورت کو بے لیس جو برائی سے روکنے پر قادر ہو تو یہ مناسب ہوگا اور اگر وہ گھر دونوں کے لئے تنگ ہو تو عورت کے لئے ٹکنا جائز ہوگا تاہم مناسب یہی ہے مرد وہاں سے نکل جائے۔

عدت بائین و ثلاثہ میں زوجین مثل اجنبی ہیں

طلاق بائن واقع ہوتے ہی زوجین کے درمیان رضیۃ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں، البتہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں مہر جدید کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش رہتی ہے، عدت گزرنے تک مطلقہ خاتون کو شوہر کے گھر میں رہنا از روئے شریعت لازمی ہے۔

مذکورہ صورت میں شوہر نے جب اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی ہے تو اب وہ مرد اس کا شوہر نہیں اور یہ خاتون اس کی بیوی نہیں، دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی قرار پائے لہذا اس مطلقہ خاتون کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شوہر سے جس نے اسے طلاق بائن دی ہے پردہ کرے۔

در مختار ج 2، کتاب الطلاق، باب اعدۃ، فصل فی الحداد، ص 675 میں ہے۔

(ولا بد من سترة بیہما فی البائن) لتلا یحتلی بالاجنبیۃ ومفادہ ان الحائل یمنع الحلوة المحرمة۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب وہ دونوں میاں بیوی پروے کے ساتھ اس گھر میں نہ رہ سکتے ہوں، یعنی وہ مکان تنگ اور چھوٹا ہو تو کسی صورت میں وہ عورت وہاں سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے تاہم زیادہ بہتر یہی ہے۔ مرد وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جائے۔

اگر سفر کے دوران عورت مطلقہ یا بیوہ ہو جائے؟

(وَإِذَا خَرَجَتْ الْمَرْأَةُ مَعَ زَوْجِهَا إِلَى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فِي غَيْرِ مِصْرٍ، فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مِصْرٌ أَوْ بَيْنَ مِصْرَئِهَا أَقْلٌ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ رَجَعَتْ إِلَى مِصْرِهَا) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِإِبْتِدَاءِ الْخُرُوجِ مَعْنَى بَلْ هُوَ بَسَاءٌ (وَإِنْ كَانَتْ مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَإِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءً كَانَ مَعَهَا وَلِيٌّ أَوْ لَمْ يَكُنْ) مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ إِلَى الْمَقْصِدِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ أَيْضًا لِأَنَّ الْمَكَّةَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ أَحْوَفَ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوجِ، إِلَّا أَنَّ الرُّجُوعَ أَوْلَى لِيَكُونَ الْإِعْذَارُ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ.

قَالَ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ طَلَّقَهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِي مِصْرٍ فَإِنَّهَا لَا تَخْرُجُ حَتَّى تَعْتَدَ ثُمَّ تَخْرُجَ إِنْ كَانَ لَهَا مَحْرَمٌ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ زَانٌ كَانَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ أَنْ تَعْتَدَ) لِهَمَا أَنَّ نَفْسَ الْخُرُوجِ مُبَاحٌ دَفْعًا لِأَدَى لُغْرَبَةٍ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهَذَا عُدْرٌ، وَإِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلْسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمَحْرَمِ.

وَلَهُ أَنَّ الْعِدَّةَ أَمْعُ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرَمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرَمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَةِ ذَلِكَ، فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوجُ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرَمِ فَفِي الْعِدَّةِ أَوْلَى.

ترجمہ

اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئی تھی ورنہ راستے میں ایسی جگہ جہاں کوئی آدمی نہیں تھی اس مقام پر اس مرد نے اسے تین طلاقیں دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا تو اگر اس جگہ سے اس عورت کا شہر تین دن سے کم فاصلے پر ہو تو وہ بے شہر واپس چلی جائے گی کیونکہ یہ ابتدائی طور پر اس کا ٹکنا نہیں ہوگا بلکہ پہلے سفر پر ہی مبنی شمار ہوگا۔ لیکن اگر تین دن کا فاصلہ ہو تو عورت کو اختیار ہے، گروہ چاہے تو وہ پس چلی جائے اور اگر چاہے تو مکہ کی طرف سفر جاری رکھے خواہ اس کے ساتھ اس کا دلی ہو یا نہ ہو۔

اس مسئلے کا مطلب یہ ہے جہاں تک وہ جانا چاہ رہی ہو وہاں تک بھی تین دن کی مسافت ہونی چاہئے کیونکہ آگے جانا وہاں رہنے کی نسبت کم خطرناک ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے۔ وہ اپنے گھر واپس چلی جائے تاکہ شوہر کے گھر میں ہی عدت بسر کرے۔ فرماتے ہیں: ابتہ اگر شوہر نے اسے طلاق دی یا اسے چھوڑ کر فوت ہو گیا اور یہ عمل کسی شہر میں ہوا تو وہ عورت شہر سے باہر نہیں نکلے گی جب تک اس کی عدت پوری نہیں ہو جاتی پھر وہ اس کے بعد شہر سے اس وقت نکلے گی اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو یا حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں اگر اس کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس شہر سے عدت پوری ہونے سے پہلے نکل جائے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب سفر میں شوہر نے طلاق بائن دیدی یا اس کا انتقال ہوا اب وہ جگہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں سے جہاں جانا ہے مدت سفر ہے یا نہیں درہر صورت مکان مدت سفر ہے یا نہیں اگر کسی طرف مسافت سفر نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے وہاں سے گھر واپس آئے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو مگر بہتر یہ ہے کہ گھر واپس آئے اور اگر ایک طرف مسافت سفر ہے

اور دوسری طرف نہیں تو جدھر مسافت سفر نہ ہو اس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف مسافت سفر ہے اور وہاں آبادی نہ ہو تو اختیار ہے جائے یا واپس آئے ساتھ میں محرم ہو یا نہ ہو اور بہتر گھر واپس آتا ہے اور اگر اس وقت شہر میں ہے تو وہیں عدت پوری کرے پھر غیر محرم نہ ادھر آ سکتی ہے نہ ادھر جا سکتی اور اگر اس وقت جنگل میں ہے مگر راستہ میں گاؤں یا شہر ملے گا اور وہاں ٹھہر سکتی ہے کہ وہ آبادی کا اندیشہ نہیں اور ضرورت کی چیزیں وہاں ملتی ہوں تو وہیں عدت پوری کرے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے سفر کرے۔

(در مختار، باب عدت)

صاحبین کی دلیل اور اس کے جواب کا بیان

لَهُمَا أَنْ نَفْسَ الْخُرُوجِ مَبَاحٌ دَفْعًا لِأَذَى الْغُوبَةِ وَوَحْشَةِ الْوَحْدَةِ فَهَذَا عُدَّتُ، وَالْمَا الْحُرْمَةُ لِلْسَّفَرِ وَقَدْ ارْتَفَعَتْ بِالْمُحْرِمِ. وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْعِدَّةَ أَمْنٌ مِنَ الْخُرُوجِ مِنْ عَدَمِ الْمُحْرِمِ، فَإِنَّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى مَا دُونَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مُحْرِمٍ وَلَيْسَ لِلْمُعْتَدَةِ ذَلِكَ، فَلَمَّا حُرِّمَ عَلَيْهَا الْخُرُوجُ إِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ فَفِي الْعِدَّةِ أَوَّلَى.

ترجمہ

صاحبین کی دلیل یہ ہے نفس خروج مباح ہے تاکہ غریب الوطنی کی اذیت اور تنہائی کی وحشت کو دور کیا جاسکے اور یہ چیز ضرور ہے اصل حرمت سفر کے لئے ہے جبکہ وہ محرم کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ محرم کی عدم موجودگی کی بابت عدت باہر نکلنے سے زیادہ روکتی ہے کیونکہ عورت کے لئے یہ بات جو ہے کہ سفر سے کم فاصلہ محرم کے بغیر طے کر سکتی ہے لیکن عدت گزارنے والی عورت کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور جب محرم کے بغیر سفر پر نکلنا اس کے لئے حرام ہے تو عدت میں سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

حرمت سفر بہ سبب محرم کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ کا سفر کرتی ہے اور اس دوران وہ شوہر اسے تنہا طلاق دیدیتا ہے یا عورت کا شوہر سفر کے دوران راستے میں انتقال کر جاتا ہے تو اگر اس جگہ اور عورت کے شہر کے درمیان تین دن سے کم کا سفر ہو تو عورت اپنے شوہر واپس آجائے گی۔ مصنف فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے: حقیقی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ گھر سے نکلنے کا آغاز نہیں ہے بلکہ گھر سے تودہ پہلے ہی نکل ہوئی تھی، اب وہ اسی بنیاد پر واپس آ رہی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: عورت اس وقت جب شوہر نے اسے طلاق دی یا جب شوہر کا انتقال ہوا اور وہ مکہ سے تین دن کی مسافت پر ہے تو وہ عورت اصل وطن ستین دن کی مسافت کی دوری پر ہو تو اس بارے میں عورت کو اختیار

ہوگا چاہے تو اپنے وطن واپس چلی جائے اور چاہے تو اپنی منزل مقصود یعنی مکہ مکرمہ چلی جائے خواہ اس کے بعد ان کے ساتھ اس کا ولی ہو یا نہ ہو کیونکہ جس جگہ پر حادثہ پیش آیا ہے اس جگہ رک کر عورت کا اپنی پورت عدت گزارنا یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ عورت وہاں سے چلی کر اپنی منزل کی طرف چلی جائے یا اپنے وطن واپس آجائے۔
تاہم عورت کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے وہ واپس اپنے وطن آجائے تاکہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزار سکے کیونکہ وہاں وہ زیادہ محفوظ ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر دوسرے شہر میں شوہر بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا ہے یا شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس دوسرے شہر میں قیام کے دوران وہ عدت پوری ہونے سے پہلے نہیں نکل سکتی پھر وہ نکلے گی بھی اس وقت جب اس کے ساتھ کوئی محرم ہوگا یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں: اگر اس عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو وہ عدت پوری ہونے سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: غریب الوطنی کو دور کرنے کے لئے اس عورت کے لئے شہر سے نکلنا بذات خود مباح ہے یہ بات عدت کی حیثیت رکھتی ہے البتہ رکاوٹ صرف سفر کے اعتبار سے ہے کہ وہ ایک سفر نہیں کر سکتی ہے لیکن جب اس کا محرم اس کے ساتھ ہوگا تو اس کی حرمت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے اس عورت کو اس بات کا اختیار ہوگا وہ عورت چل کر اپنے وطن واپس آجائے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں: محرم کی عدم موجودگی سے زیادہ عدت گھر سے باہر نکلنے میں رکاوٹ ہوتی ہے کیونکہ عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ سفر کی شرعی مسافت سے کم سفر محرم کے بغیر کر سکتی ہے لیکن عدت کے دوران اس بات کی بھی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ سفر کر سکے۔

تو جب اس عورت کے لئے محرم کے بغیر سفر پر نکلنا حرام ہوگا تو عدت گزارنے والی عورت کے لئے بدرجہ اولیٰ سفر کے لئے نکلنا حرام ہونا چاہیے۔

دور جاہلیت کے نکاح و عدت کے احکام

سورہ فتح کی تفسیر میں صحیح حدیث کا واقعہ مفصل بیان ہو چکا ہے، اس صلح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان جو شرائط ہوئی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے آپ اسے اہل مکہ کو واپس کر دیں، لیکن قرآن کریم نے ان میں سے ان عورتوں کو مخصوص کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور فی الواقع ہو گئی وہ بھی ایمان دار تو مسلمان اسے کافروں کو واپس نہ دیں، حدیث شریف کی تخصیص قرآن کریم سے ہونے کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔

اور بعض سلف کے نزدیک یہ آیت اس حدیث کی ناخ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت مکشوم بنت عقبہ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں، ان کے دونوں بھائی عمرہ اور ولید ان کے واپس لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا سنائیں یہ آیت امتحان نازل ہوئی اور مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے سے ممانعت کر دی گئی، حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ فرمایا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر بیچ بچہ کہہ کر وہ اپنے خاوند کی ناپاکی کی وجہ سے نہیں چلی گئی صرف آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی کرنے کے لئے بطور سیر و سیاحت نہیں آئی کسی دنیاوی کی لئے نہیں آئی بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سلام کی خاطر ترک وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں، قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزمائشیں یہ کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا اور روایت میں ہے کہ امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے معبود برحق و رب شریک ہونے کی گواہی دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے بندے اور اس کے پیچھے ہوئے رسول ہونے کی شہادت دیں، اگر آزمائش میں کسی کی غرض دنیاوی کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹا دیئے کا حکم تھا۔ مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ میں بیوی کی بن کی وجہ سے یا کسی اور غرض کی محبت میں چلی آئی ہے وغیرہ، اس آیت کے اس جملہ سے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ ایمان عورت ہے تو پھر اسے کافر نہ کہے اور اس کی طرف مت لوٹنا و طاہت ہوتا ہے کہ ایمان پر بھی یقینی طور پر مطلع ہو جانا ممکن امر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں کافر نہ کہیں اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں،

اس آیت نے اس رشتہ کو حرام کر دیا اور نہ اس سے پہلے مومنہ عورتوں کا نکاح کافر مردوں سے جائز تھا، جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ریح سے ہوا تھا حالانکہ یہ اس وقت کافر تھے اور بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمہ تھیں، بدر کی لڑائی میں یہ بھی کافروں کے ساتھ تھے اور جو کافر زندہ پکڑے گئے تھے ان میں یہ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے حضرت زینب نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار ان کے قدیئے میں بھیج دیا تھا کہ یہ آزاد ہو کر آئیں جسے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا اگر میری بیٹی کے قیدی کو چھوڑ دینا تم پر واجب کرتے ہو تو اسے رہا کر دو مسلمانوں نے بہ خوشی بغیر فدیہ کے انہیں چھوڑ دینا منظور کیا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور فرمایا کہ آپ کی صاحبزادی کو آپ کے پاس مدینہ میں بھیج دیں انہوں نے اسے منظور کر لیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھیج بھیج دیا، یہ واقعہ سنہ 2 ہجری کا ہے، حضرت زینب نے مدینہ میں ہی اقامت نہ رکھی اور یونہی بیٹھی رہیں یہاں تک کہ سنہ 8 ہجری میں ان کے خاوند حضرت ابوالعاص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے تو حضور نے پھر ان کے لئے نکاح بغیر نئے مہر کے اپنی صاحبزادی کو ان کے پاس رخصت کر دیا اور روایت میں ہے کہ دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص مسلمان ہو گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلے نکاح پر حضرت زینب کو لوٹا دیا تھا یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہو گئے تھے، ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے اسلام کے بعد

سرے سے نکاح ہو اور نیا مہر بندہ،

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت یزید نے فرمایا ہے پہلی روایت کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور وہ روایت ازروئے اسد کے بہت اعلیٰ اور دوسری روایت کے راوی حضرت عمرو بن شعیب ہیں اور عمل اسی پر ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ عمرو بن شعیب دانی روایت کے ایک راوی حجاج بن ارطاة کو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضعیف بتاتے ہیں،

حضرت ابن عباس دانی حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ یہ شخصی واقعہ ہے ممکن ہے ان کی عدت ختم ہی نہ ہوئی ہو، اکثر حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں جب عورت نے عدت کے دن پورے کر لئے اور اب تک اس کا کافر خاوند مسلمان نہیں ہو تو وہ نکاح منع ہو جاتا ہے، ہاں بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ عدت پوری کر لینے کے بعد عورت کو اختیار ہے اگر چاہے اپنے اس نکاح کو باقی رکھے اگر چاہے نکاح کر کے دوسرا نکاح کر لے اور ایسی پر ابن عباس دانی روایت کو محمول کرتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مہاجر عورتوں کے کافر خاوندوں کو ان کے خروج اخراجات جو ہوئے ہیں وادار کر دو جیسے کہ مہر۔

پھر فرماں ہے کہ اب انہیں ان کے مہر دے کر ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی حرج نہیں، عدت کا گذر جانا ان کا مقرر کرنا وغیرہ جو امور نکاح میں ضروری ہیں ان شرائط کو پورا کر کے ان مہاجرہ عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تم پر بھی اے مسلمانو ان عورتوں کا اپنے نکاح میں باقی رکھنا حرام ہے جو کافرہ ہیں، اسی طرح کافر عورتوں سے نکاح کرنا بھی حرام ہے اس کے حکم نازل ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو کافر بیویوں کو فوراً حلاق دے دی جن میں سے ایک نے تو معاویہ بن سفیان سے نکاح کر لیا اور دوسری نے صفوان بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں سے صحیح کی اور ابھی تو آپ حدیبیہ کے نیچے کے حصے میں ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ جو عورت مہاجرہ آئے اس کا بائمان ہونا اور خلوص نیت سے ہجرت کرنا بھی معلوم ہو جائے تو اس کے کافر خاوندوں کو ان کے دیئے ہوئے مہر واپس کر دو اسی طرح کافروں کو بھی یہ حکم سنایا گیا، اس حکم کی وجہ عہد نامہ تھا جو ابھی ابھی مرتب ہوا تھا۔

حضرت الفاروق نے اپنی جن دو کافرہ بیویوں کو طلاق دی ان میں سے پہلی کا نام قریبہ تھا یہ ابوامیہ بن مغیرہ کی لڑکی تھی اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن حروہ خزانہ کی لڑکی تھی حضرت عبید اللہ کی ولدہ یہی تھی، اس سے ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے نکاح کر لیا یہ بھی مشرک تھا، اسی طرح اس حکم کے ماتحت حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنی کافرہ بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دے دی اس سے خالد بن سعید بن عاص نے نکاح کر لیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تمہاری بیویوں پر جو تم نے خرچ کیا ہے سے کافروں سے لے لو جبکہ وہ ان میں چلی جائیں اور کافروں کی عورتیں جو مسلمان ہو کر تم میں آجائیں انہیں تم ان کا کیا ہوا خرچہ دے دو۔ صلح کے بارے میں اور عورتوں کے بارے میں اللہ کا فیصلہ بیان ہو چکا جو اس نے اپنی مخلوق میں کر دیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تمام تر مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ علی الاطلاق حکیم دی ہے۔ اس کے بعد کی آیت دان فانکم الخ کا مطلب حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جن کفار سے تمہارا عہد و پیمان صحیح و حقائق نہیں،

کے مع میں اور مقبول ہوئی کہ اس کے سامنے اسلام پیش کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ یہ مسلک بہت کمزور ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعدد واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ عورت نے اسلام قبول کر لیا اور مرد سے اسلام لانے کے لیے کہا گیا اور جب اس نے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی گئی۔ مثلاً بنی تغلب کے ایک عیسائی کی بیوی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے مرد سے کہہ دیا تو اسلام قبول کر لے ورنہ میں تم دونوں کے درمیان تفریق کر دوں گا۔ اس نے انکار کیا اور آپ نے تفریق نہ کر دی۔ یہوذاہنک کی ایک نو مسلم زمیندارنی کا مقدمہ ان کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے معاملہ میں بھی انہوں نے حکم دیا کہ اس کے شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کر لے تو بہتر، ورنہ دونوں میں تفریق کرادی جائے۔ یہ واقعات صحابہ کرم کے سامنے پیش آئے تھے اور کسی کا اختلاف مقبول نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص - المصنوع - فتح القدیر)

امام مالکؒ کے رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر عورت سے پہلے عورت مسلمان ہو جائے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کر جائے، وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ فوراً تفریق کرادی جائے۔ اور اگر عورت پہلی ہو اور اس کے بعد عورت اسلام لائی ہو تو زمانہ عدت ختم ہونے تک انتظار کیا جائے، اس مدت میں شوہر اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام احمد کا ایک قول امام شافعیؒ کی تائید میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہو جائے بہر حال فوری تفریق کا موجب ہے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو (المصنوع، مسائل نکاح و طلاق)

در لکھنؤ میں اگر عورت مسلمان ہو جائے اور مرد کافر رہے، یہ مرد مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی (جو عیسائی یا یہودی نہ ہو بلکہ کسی غیر کتابی مذہب کی ہو) اپنے مذہب پر قائم رہے، تو خفیہ کے نزدیک خواہ ان کے درمیان خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، تفریق واقع نہ ہوگی جب تک عورت کو تین مرتبہ یا مہا واری نہ آجائیں، یا اس کے غیر حاکمہ ہونے کو صورت میں تین مہینے نہ گزر جائیں۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ یہ مدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اس معاملہ میں بھی خلوت اور عدم خلوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان دین کا اختلاف واقع ہوتے ہی فرقت ہو جائے گی، اگر خلوت ہو جانے کے بعد دین کا اختلاف رونما ہوا ہو تو عدت کی مدت ختم ہونے تک ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق اسلام قبول نہ کرے تو عدت ختم ہونے کے ساتھ ہی نکاح بھی ختم ہو جائے گا (المصنوع، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص)

اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جس صورت میں زوجین کے درمیان اختلاف دین کے ساتھ اختلاف دار بھی واقع ہو جائے، یعنی ان میں سے کوئی ایک دار الکفر میں کافر رہے اور دوسرا دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جائے، اس کے متعلق خفیہ کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان نکاح کا تعلق آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ اگر ہجرت کرنے والی عورت ہو تو اسے فوراً دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے، اس پر کوئی عدت نہیں ہے، البتہ مقاربت کے لیے اس کے شوہر کو استبراء جم کی خاطر ایک مرتبہ یا مہا واری نہ جانے تک انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ

حاملہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے مگر مقاربت کے لیے وضع حمل تک انتظار کرنا ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ سے صرف اتنا اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر عدت مازم ہے، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (المصنوع - ہدایہ - احکام القرآن للجصاص)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اختلاف دار کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز صرف اختلاف دین ہے۔ یہ اختلاف اگر زوجین میں واقع ہو جائے تو احکام وہی ہیں جو دارالاسلام میں زوجین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہونے کے احکام ہیں (المصنوع)

امام شافعیؒ اپنی مذکورہ بالا رائے کے ساتھ ساتھ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کے معاملہ میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کافر شوہر سے نکاح کر کے حق زوجیت کو ساقط کرنے کے ارادے سے آئی ہو تو اختلاف دار کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اس قصد کی بنا پر فوراً فرقت واقع ہو جائے گی (المصنوع - ہدایہ)

لیکن قرآن مجید کی زیر بحث آیت پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں صحیح ترین رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں ہی کے بارے میں نازل فرمائی ہے، اور انہی کا حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان کافر شوہروں کے لیے حلال نہیں رہیں جنہیں وہ دار الکفر میں چھوڑ آئی ہیں، اور دارالاسلام کے مسلمانوں کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر لیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اپنی ان کافر بیویوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو جو دار الکفر میں رہ گئی ہیں اور کفار سے اپنے وہ مہر واپس، تنگ لو جو تم نے ان عورتوں کو دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف اختلاف دین ہی کے احکام نہیں ہیں بلکہ ان احکام کو جس چیز نے یہ خاص شک دے دی ہے وہ اختلاف دار ہے۔ اگر ہجرت کی بنا پر مسلمان عورتوں کے نکاح ان کے کافر شوہروں سے ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کو ان سے نکاح کر لینے کی اجازت کیسے دی جاسکتی تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس اجازت میں عدت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لَا تُمْسِكُوْا بِعَصَمِ الْكُوفَرِ کا حکم آجائے کے بعد بھی مسلمان مہاجرین کی کافر بیویوں ان کے نکاح میں باقی رہا کرتی ہوتیں تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا کہ نکاح طلاق دے دو۔ مگر یہاں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے مہاجرین نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ مگر یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کے لیے یہاں ضروری تھا، اور ان بیویوں کے ساتھ تعلق زوجیت کا انقطاع ان کے طلاق دینے پر موقوف تھا، اور اگر وہ طلاق نہ دیتے تو وہ بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ جاتیں۔

اس کے جواب میں عہد نبوی کے تین واقعات کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں جن کو اس امر کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف دار کے باوجود مومن اور کافر زوجین کے درمیان نکاح کا تعلق برقرار رکھا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے ذرا پہلے یوسف بن مرثد بن الحارث بن ابی سفیان (موجودہ وادی فاطمہ) کے مقام پر لشکر اسلام میں آئے اور یہاں

بَابُ ثُبُوتِ النَّسَبِ

یہ باب ثبوت نسب کے بیان میں ہے

باب ثبوت نسب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب عدت کے بعد ثبوت نسب کا باب بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت کا مقصد ہی استبراء رحم ہوتا ہے کیونکہ اگر کسی خاوند کی طلاق کے دو یا تین ۷۰ بعد یا سی طرح چھ ماہ سے پہلے اور اسی طرح عدت حد کی صورت میں وضع حمل، ورنہ عدت وفات میں عدت پوری ہونے سے پہلے اگر مطلقہ نے بچہ کو جنم دیا تو ان صورتوں میں اسی کا نسب ثابت ہوگا جس سے وہ مطلقہ ہوئی ہے۔ عدت کا تحقق نسب کے ساتھ مربوط ہے۔ کیونکہ عدت سے قبل یعنی جب کوئی عورت خاوند کے عقد میں ہو تو نسب کا جھگڑا پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اور یہ تصادم جب ہی ہو سکتا ہے جب کوئی عورت مطلقہ کسی طرح بھی تفریق ہو جائے۔ تو ان صورتوں میں نسب کا مسئلہ پیدا ہوگا مگر مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو عدت کے بعد ذکر کیا ہے۔ تاکہ عدت کے احکام ورنہ عدت کی مدت سے معلوم ہو جانے کے بعد ثبوت نسب کے احکام کو سمجھنا قدرے آسان ہوگا لہذا باب ثبوت نسب کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عن شرح الہدایہ بتصرف، ج ۲، ص ۱۵۲، میرات)

نسب بدلنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب عاتق بن ابی اسفہان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنے بچہ کو اس قوم میں داخل کیا جس میں سے وہ نہیں ہے تو وہ عورت اللہ کی (رحمت کی) چیزوں میں سے کسی چیز میں داخل نہیں ہے اور اللہ اس کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ کرے گا۔ درجہ دیا کہ بچہ کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کرے اس حال میں کہ وہ بچہ اس کی طرف (پیدا ہونے کی نظر سے) دیکھ رہا ہو تو قیامت کے دن اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے رسوا کرے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 497)

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ (ابو داؤد، قَالَ أَبُو دَاوُدَ ابْنُ أَبِي

زَكَرِيَّا لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ، بَابُ فِي تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ، حَدِيثُ نُمَيْرٍ، ۳۲۹)

حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور

اپنے باپوں کے نام کے ساتھ بلائے جاؤ گے؛ لہذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس معاملہ میں فیصلہ کرنا چاہا جو بچہ اپنے باپ کے مر جانے کے بعد اس سے ملایا جائے یعنی اس باپ سے جس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور باپ کے وارث اس کو ملانا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا اگر وہ بچہ اس باندی سے ہے جس کا بوقت جماع اس کا باپ مالک تھا تو اس کا نسب ملانے والے سے مل جائے گا لیکن جو ترکہ اس کے ملائے جانے سے پہلے تقسیم ہو چکا ہے اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا البتہ جو ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا اس میں اس کا حصہ ہوگا مگر جب وہ باپ جس سے اس کا نسب ملایا جا رہا ہے اپنی زندگی میں اس کے نسب سے انکار کرتا رہا ہو تو وارثوں کے ماننے سے اس کا نسب نہیں ملے گا اور اگر وہ بچہ ایسی باندی سے ہو جس کا مالک اس کا باپ نہ تھا یا وہ بچی آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہو جس سے اس کے باپ نے زنا کیا تھا تو اس کا نسب نہ ملے گا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا اگرچہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں اس کا دعویٰ کیا ہو کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ وہ ولد اثرنا ہے خواہ آزاد عورت کے پیٹ سے ہو یا باندی کے پیٹ سے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 499)

نیز سنن ابوداؤد میں پانچ مقام پر یہ حدیث انہی اسناد اور ردایوں کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ درست یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے باپوں ہی کے نام سے بلایا جائے گا، ماؤں کے نام سے نہیں جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے بلکہ بعض علماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں ایک باب یوں قائم کیا ہے، یَسَابُ مَا يَدْعَى النَّاسُ مَا نَاهَهُمُ عَنْهُ یعنی یہ بیان کہ لوگوں کو ان کے آباء کے ناموں سے بلایا جائے گا۔ اس باب کے تحت وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث لائے ہیں ان الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال: هذه غدره فلان بن فلان (شرح بخاری لابن بطال: 354/9 واليضاح الباری 10/56)

خائن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، سو کہا جائے گا کہ یہ فلان بن فلان کی خیانت ہے۔

قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث و نظر

علامہ ابن بطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے س فرماں هذه غدره فلان بن فلان میں لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے اور یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف ہے۔

اس حدیث کی بنا پر دیگر علماء نے بھی اس قول کے قائلین کا رد کیا ہے۔ اس کے بارے میں یک صریح حدیث بھی ہے مگر وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے اور وہ حدیث ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے: انکم تدعون يوم القيامة باسمائکم واسماء آبائکم فاحسبوا اسمائکم۔ یقیناً تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے نام سے بلائے جاؤ گے چنانچہ تم اپنے اچھے نام رکھو (اس حدیث کو امام احمد 5/194) ابوداؤد 4948) ابن حبان 7/528) اور بنو

(شرح السنہ 12/32) : نے عبد اللہ بن ابی زکریا کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف اس لیے ہے کہ ابن زکریا نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے جبکہ امام ابو داؤد اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/577) میں کہا ہے اور حافظ منذری نے مختصر السنن (7/571) میں کہا ہے کہ ان کا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

جن بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کو اس کی ماں کے ناموں سے یاد کیا جائے گا باپ کے نام سے نہیں۔ ان کے درج ذیل دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: قوله سبحانه و تعالیٰ، یوم ندعو کل اناس بامامہم (الاسراء 7) : جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بدیں گے۔ محمد بن کعب نے (بامامہم) کی تفسیر میں کہا ہے: قیل یحییٰ: بامہاتہم کہا گیا ہے۔ حتیٰ ان کی ماؤں کے ناموں سے۔ ان کے اس قول کو امام بخاری اور امام قرطبی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں تین حکمتیں ہیں جیسی علیہ السلام کی وجہ سے، حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے شرف کی بنا پر، اولاد زمانہ کی عدم رسوائی کی وجہ سے۔ (معالم التنزیل للبخاری 5/110 اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 5/628)

یہ قول بلا شک باطل ہے۔ صحیح میں ابن عمر کی حدیث سے ثابت ہے اس کے بعد انہوں نے ابن عمر کی مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح زنجری نے بھی امام کی تفسیر اصحاحات سے کی ہے۔ چنانچہ کہہ ہے: و من بدع التفسیر ان الامام جمع الام و ان الناس یدعون بامہاتہم۔۔۔ (تفسیر الکشاف - 2/369) : انوکھی تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ امام کی جمع ہے اور لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔ زنجری کی اس انوکھی تفسیر کا رد کرنے بن الفاظ میں کیا ہے۔

و لقد استبدع بدعا لفظا و معنی، فان جمع الام المعروف الامہات، اما رعاۃ عیسیٰ (علیہ السلام) بذکر امہات الخلائق لیذکر بامہ فیستدعی ان خلق عیسیٰ (علیہ السلام) من غیر اب غمیۃ فی منصبہ، و دلک عکس الحقیقۃ، فان خلقہ من غیر اب کان لہ آیۃ، و شرفا فی حقہ واللہ اعلم (الانتصاب فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال 2/369: بہامش الکشاف)۔

زنجری نے لفظی اور معنوی بدعت ایجاد کی ہے، کیوں کہ امام کی معروف جمع اصحاحات ہے۔ رہا عیسیٰ (علیہ السلام) کی رعایت کی خاطر لوگوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ ذکر کرنا تا کہ ان کی (جیسی علیہ السلام) کی ماں کا ذکر کیا جائے تو یہ امر اس بات کا تقاضی ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی بغیر باپ کے خلقت سے ان کے منصب پر حرف آتا ہے اور یہ حقیقت کے برعکس ہے کیوں کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا کیا جانا، ان کے لیے مجزہ اور ان کے حق میں شرف ہے۔ بعض دیگر علماء نے مذکورہ تمام حکمتوں کا رد کیا ہے اور بعض نے اس رد کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ (تفسیر روح المعانی للآلوکی، ج ۱۵، ۲۲۱)

واضح رہے کہ امام کی معتبر مفسرین نے چار تفسیریں کی ہیں مگر ان میں سے سب سے معتبر تفسیر یہ ہے۔ کہ امام سے مراد

آدمی کا اہل نامہ ہے کیوں کہ (یوم ندعو کل اناس بامامہم) کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ (فمن اوتی کتابہ فہمیدہ) حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور علامہ شمس الدین نے ان کی تائید کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر 5/127 و اضواء البیان: 2/322)

فائدہ: امام کی تفسیر نبی اور پیشوا سے بھی کی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال بعض النسب: ہذا اکبر شرف لاصحاب الحدیث لان امامہم الانبیاء (تفسیر ابن کثیر - 5/126) : بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ اصحاب حدیث کے لیے بہت بڑا شرف ہے کیوں کہ ان کے امام انبیاء ہیں۔

دوسری دلیل: بعض و اہل سخت ضعیف قسم کی روایات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔ حدیث انس مں جس کے الفاظ یہ ہیں: یدعی الناس یوم القیامۃ بامہاتہم سترا من اللہ عزوجل علیہم (ابن عدی 1/336 اور ابن جوزی نے الموضوعات 3/248) میں روایت کیا ہے اور اس کو عد مذہبی نے میزان الاعتدال (1/177) میں ابن عدی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس میں بامہاتہم کی بجائے باسماء امہاتہم ہے روز قیامت لوگوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے (اس حدیث کی سند اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ امام جدو ابن سبوت کی اس حدیث کی تقویت کی طرف رجحان ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر ابن جوزی کا تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قلت: صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع، ولہ شاهد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اخرجہ الطبرانی (التعقیبات علی الموضوعات 51)

میں کہتا ہوں ابن عدی نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ چنانچہ یہ موضوع نہیں اور اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ قلت اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں: بان اللہ تعالیٰ یدعو الناس یوم القیامۃ باسمائہم سترا منہ علی عبادہ (طبرانی نے المعجم الکبیر 11/122) میں روایت کیا ہے)

یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان پر پردہ پوشی کی خاطر ان کے ناموں سے بدے گا مگر یہ حدیث درج ذیل دو وجوہ کی بنا پر شاہد بننے کے قابل نہیں اس میں لوگوں کو ان کے ناموں سے بدے جانے کا ذکر ہے ماؤں کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر نہیں۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔ (کیوں کہ اس کی سند میں اسحاق بن شیر ابو حذیفہ بخاری ہے جو متردک بلکہ کذاب ہے۔ البانی نے اس کو الضعیفہ 434) میں موضوع کہا ہے)

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/563) میں ابن بطل کا یہ قول: فی ہذا الحدیث رد لقول من زعم انہم لا یدعون یوم القیامۃ الا بامہاتہم سترا علی ابائہم۔ (شرح البخاری لابن بطل 9/354) :

اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: قلت: ہو حدیث اخرجہ الطبرانی من حدیث ابن عباس وسندہ ضعیف جدا، واخرج ابن عدی من حدیث انس مثله، وقال: منکر اور وہ فی ترجمۃ اسحاق بن ابراہیم الطبری (فتح الباری) (10/563)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث انس سے بھی روایت کی ہے اور اسے منکر غیر صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کو اسحاق بن ابراہیم طالقانی طبری کے ترجمے میں روایت کیا ہے۔

قلت: حدیث ابن عباس میں باسمائہم ہے باسمائہم نہیں۔ اسی طرح ان کا حدیث انس مثله بھی کہا درست نہیں کیوں کہ اس حدیث میں باسمائہم ہے۔ یہی وہم علامہ ابو الطیب عظیم آبادی سے بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حدیث ابن عباس کو لفظ باسمائہم سے ذکر کیا ہے۔ نیز ان سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباس کو طبرانی نے سند ضعیف روایت کیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے حافیۃ السنن میں کہا ہے جبکہ ابن قیم نے حدیث ابن عباس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ انہوں نے حدیث ابوامامہ کا ذکر کیا ہے جو عنقریب آ رہی ہے۔ (عون المعبود 8/283: اور تہذیب السنن، ج ۷، ص ۲۵۰)

2۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما: اس حدیث کا ابھی حدیث انس کے ضمن میں ذکر ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ دو وجوہ کی بنا پر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں۔

3۔ حدیث ابوامامہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں میت کو دفن کر دینے کے بعد اسے تقنین کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا مات احدکم من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہ فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم لیقل: یا فلاں بن فلاں فانه یسمعه، ولا یجیب لہ بقول: یا فلاں بن فلاں، وفی آخرہ۔ فقال رجل: یا رسول اللہ فان لم یعرف احد قال: فیسبہ الی حواء، یا فلاں بن حواء (طبرانی نے المعجم الکبیر 8/298) حدیث نمبر 8989: میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

جب تہہ رے بھائیوں میں سے کوئی مر جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی کو برابر کرو تو تم میں سے کوئی ایک اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو، پھر کہے، اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، سو یقیناً وہ اس کی بات کو سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے پاتا۔ پھر کہے اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، (اور اس حدیث کے آخر میں ہے) ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ اس کی ماں کو نہ جانتا ہو؟ فرمایا، وہ اس کو حواء کی طرف منسوب کرے کہے، اے فلاں حواء کے بیٹے مگر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں کیوں کہ یہ سخت ضعیف ہے (طبرانی نے سعید بن عبد اللہ الاودری کی سند سے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حافظ عثمینی نے کہا ہے وہی اسناد

حصاعۃ لم اعرفہ (مجمع الزوائد 48) 3/ اس کی سند میں ایک جماعت ایسی ہے جن کو پہچان نہیں سکا۔ یعنی ان کو ان کے ترجمہ میں ملے)

ابن القیم نے اس حدیث کو اس لیے بھی رد کیا ہے کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں ولکس ہذا الحدیث منفق علی ضعفہ، فلا تقوم بہ حجة فصلا عن ان یعارض بہ ما هو اصح منه (تہذیب سنن 7/250): لیکن اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے لہذا اس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی چنانچہ اس کو صحیح حدیث کے مقابلے میں، یا جائے۔

قلت: اس حدیث کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی رد ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے: استغفروا لایحیکم وسلوا لہ النیب، فانه الآن یسال (بوراکو 3221 الحاکم 370) اس کی سند حسن درجے کی ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ بھی اس سے سول کیا جائے گا۔ اس حدیث معلوم ہوا کہ اس موقع پر میت کے لیے استغفار و ثابت قدمی کا سوال کیا جائے گا نہ کہ اس کو تلقین کی جائے گی۔ ابن عدنان نے اس حدیث کو حدیث بی امامہ کے شواہد میں ذکر کیا ہے۔ (افتوحات الربانیہ 4/196)

اور کس قدر عجیب بات ہے کہ اس حدیث میں بہت فرق ہے اور صحیح احادیث سے جو مقین ثابت ہے وہ قریب اموت آدمی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا: لقوا موتکم لا الہ الا اللہ (صحیح مسلم 6/219) (230) اپنے مردوں کو (قریب امرگ لوگوں کو) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی قابل اعتماد حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ روز قیامت آدمی کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا بلکہ عبد اللہ بن عمر کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کے نام سے بلایا جائے گا۔ بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے وہ یوں کہ جس حدیث میں باپ کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ صحیح النسب آدمی کے بارے میں ہو اور جس میں ماں کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ دوسرے آدمی کے بارے میں ہے۔ یہ کہ کچھ آدمی لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے اور کچھ لوگوں کو ان کے ماں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس جمع یا تطبیق کو عظیم آبادی نے نقل کیا ہے۔ (عون المعبود 8/283:)

بعض نے ایک دوسرے طریقے سے تطبیق دی ہے، وہ یہ کہ خائن کو اس کے باپ کے نام سے اور غیر خائن کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی جمع کو ابن عدنان نے شیخ زکریا سے نقل کیا ہے۔ (افتوحات الربانیہ 6/104:)

بعض نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ اس آدمی کے بارے میں ہے۔ جو ولد الزنا نہ ہو یا لعان سے اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔ (افتوحات الربانیہ 6/104:)

مگر یہ سب تکلفات ہیں کیوں کہ جمع اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دونوں طرف کی روایت صحیح ہو

جب کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو روایات ہیں وہ انتہائی ضعیف قسم کی ہیں۔ نیز اصل یہ ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کی کے نام سے پکارا جائے گا، ابن بطل لکھتے ہیں:

والدعاء بالآباء اشد في التعريف وابلغ في التميز وبذلك نطق القرآن والسنة۔ (شرح البخاری لاہور بطل 9/354) : باپ کے نام سے بلانا پہچان میں زیادہ واضح اور تمیز میں زیادہ بیشع ہے اور قرآن و سنت بھی کسی پر شاہد ہے۔

ثبوت نسب سے متعلق فقہی حکام

(وَمَنْ قَالَ إِنَّ تَزَوَّجْتُ فَلَانَةَ فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لَيْسَتْ أَشْهَرُ مِنْ يَوْمٍ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ ابْنُهُ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ) أَمَّا النَّسَبُ فَلَانَتُهَا فِرَاشُهُ، لِأَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لَيْسَتْ أَشْهَرُ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوقُ قَبْلَهُ فِي حَالَةِ النِّكَاحِ وَالتَّصَوُّرُ قَابِتٌ بَأَن تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْإِنْزَالُ النِّكَاحَ وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِي اثْبَاتِهِ، وَأَمَّا الْمَهْرُ فَلَانَتُهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطْنًا حُكْمًا فَتَاكَدَ الْمَهْرُ بِهِ (وَيَثْبُتُ نَسَبٌ وَلَدِ الْمُطَلَّاقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسِتْنَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ يُقَرَّرْ بِانْقِصَاءِ عِدَّتِهَا) لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ فِي حَالَةِ الْعِدَّةِ لِخَوَازِ أَنَّهُ تَكُونُ مُمْتَدَّةَ الطَّهَرِ (وَأِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سِتْنَيْنِ بَانَ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِصَاءِ الْعِدَّةِ) وَثَبَتَ نَسَبُهُ لَوْ جُودَ الْعُلُوقِ فِي النِّكَاحِ أَوْ فِي الْعِدَّةِ فَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ الْعُلُوقَ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَيَحْتَمِلُ بَعْدَهُ فَلَا يَصِيرُ مُرَاجِعًا بِالسَّيِّئِ (وَأِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتْنَيْنِ كَانَتْ رَجْعَةً) لِأَنَّ الْعُلُوقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ مِنْهُ لَا نِفَاءَ الزَّانَا مِنْهَا فَيَصِيرُ بِالْوَطْءِ مُرَاجِعًا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہے: میں نے اگر فلاں عورت کے ساتھ شادی کی تو اسے طلاق ہوگی اور پھر وہ شخص اس عورت کے ساتھ شادی کرے اور نکاح کے چھ ماہ بعد عورت ایک بچے کو جنم دے تو وہ بچہ اسی نکاح کرنے والے کا بیٹا شمار ہوگا اور اس شوہر پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ نسب کا ثبوت اس بنیاد پر ہوگا کہ عورت اس مرد کی فراش (مکود) تھی کیونکہ جب اس نے نکاح کے چھ ماہ بعد بچے کو جنم دیا اور طلاق کے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوئی تو بچے کا نطفہ حالت نکاح میں موجود تھا۔ اس کی صورت یہ ہے

مکنی ہے، مرد نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی حالت میں نکاح کیا اور نکاح ہو جانے کے ساتھ ہی انزال کے نتیجے میں حمل ٹھہر گیا۔ تو حیاط یہی ہے: نسب کو ثابت کیا جائے جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو اس وقت تک لازم ہوگا جب مرد کا نسب ثابت ہو گیا تو حکم کے اعتبار سے اسے صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ فی الحال اس کے نتیجے میں مہر سو کہہ دیا جائے گا۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو اگر وہ طلاق کے دو سال یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب تک کہ اس عورت سے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ عدت کی حالت میں نطفہ رہ گیا ہو کیونکہ عورت کے طہر کا زمانہ بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی اور اس کے ہاں دو برس سے کم عرصے میں بچے کی پیدائش ہوگی تو وہ اپنے شوہر سے باندھ ہو جائے گی کیونکہ بچے کی طلاق کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی اور بچے کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ بچے کا نطفہ نکاح کی حالت میں یا عدت کی حالت میں ٹھہرا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں مرد کا رجوع کرنا ثابت نہیں ہوگا کیونکہ یہاں دو صورتوں کا احتمال موجود ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ طلاق سے پہلے ٹھہرا ہوا یعنی نکاح کی حالت میں ٹھہر ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ طلاق کے بعد ہو تو شک کی بنیاد پر شوہر کو رجوع کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اگر دو سال کے بعد بچے کی پیدائش ہو تو رجوع ثابت ہو جائے گا کیونکہ جس ٹھہرے طلاق کے بعد ہوا ہے اور بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جس اسی مرد کا ہوگا کیونکہ زنا کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکا لہذا وہ صحبت کرنے کے ذریعے رجوع کرنے والا شمار ہوگا۔

شرح

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زعمد کی باندی کے بچہ کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زعمد نے جھگڑا کیا۔ سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زعمد کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے اصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زعمد کا کہن تھا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے گھر میں پیدا ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو دیکھ کر اسے حور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر) ہر چند کہ سودہ بنت زعمد کا وہ بچہ بھائی قرار پایا مگر چونکہ وہ عتبہ کا نطفہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا اور مسدود نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زعمد یہ بچہ تیرا بھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 507)

(۲) حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فلاں بچہ میرا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سلام میں (زنا کے سبب نسب کا) دعویٰ نہیں ہے۔ جاہلیت کے تمام طریقے ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زنا کار کے لیے سنگ ساری کی سزا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 508)

(۳) حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے ہر والوں نے۔ گھر ہی کی ایک باندی سے۔ میرا نکاح کر دیا پھر میں نے اس سے جماع کیا تو مجھ جیسا ہی ایک کالا بچہ پیدا ہوا جس کا میں نے عبد اللہ نام رکھا۔ میں نے پھر اس سے صحبت کی تو پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو میری ہی طرح کالا تھا میں نے اس کا نام عبید اللہ رکھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے ہی گھر کے ایک رومی غلام نے اس پر چالیا جس کا نام یوحنا تھا یہ اس سے اپنی زبان میں اس سے گفتگو کرتا (جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے) پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا گویا کہ وہ گرگت تھا (یعنی اس کا رنگ رومیوں کی طرح سرخ تھا) میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کا نطفہ ہے؟) وہ بولی یہ یوحنا کا ہے جس ہم نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے عتراف کر لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم اس فیصلہ پر راضی ہو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے روای کا بیان ہے کہ میرا مکان ہے حضرت عثمان نے ان دونوں۔ غلام اور باندی کو (زنا کی سزا میں) کوڑے لگائے تھے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 509)

حقی الامکان نسب کی حفاظت میں شرعی تحفظ

شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بچہ کو حرامی نہ کہے، اس لیے پورے چھ مہینہ میں یا اس سے زیادہ میں جو بچہ پیدا ہوا یا نکاح ہونے کے بعد گھنٹی سے پہلے پیدا ہوا اور اس پر شبہ ہو تو حرامی نہ کہیں گے اور اگر شوہر انکار کرے تو پہلے جان ہوگا (بشرطیکہ اسلامی ملک ہو) پھر حکم لگایا جائے گا۔

وقد دل طاهر الحديث على أن لولد إنما يلحق بالأب بعد ثبوت الفراه، وهو لا يثبت إلا بعد إمكان الوطء في الزواج الصحيح أو الفاسد، وهو رأي الجمهور، وروى عن أبي حنيفة أنه يثبت بمجرد العقد، لأن مجرد المظنة كافية

(الفقه الاسلامي وادلته عناية الشرع بالنسب وتحريم التبنی والإلحاق من طريق

غير مشروع، ج ۱۰، ص ۳)

مطلقہ بتہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا

(وَالْمَبْنُوتَةُ يَنْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهَ لَا قَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ قَائِمًا وَقَدْ طَلَّقَ فَلَا يَتَقَيَّنُ بَزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوقِ فَيَنْبُتُ النَّسَبُ اخْتِيَاطًا، (فَإِنْ خَالَتْ بِهَ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَنْبُتْ) لِأَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ لَأَنَّ وَطْأَهَا حَرَامٌ. قَالَ (أَلَا أَنْ يَدَّعِيَهُ) لِأَنَّهُ التَّزَمَهُ. وَلَهُ وَحَهُ بَأَنَّ وَطْأَهَا

بُشْبَهَةٍ فِي الْعِدَّةِ (فَإِنْ كَانَتْ الْمَبْنُوتَةُ صَغِيرَةً يَجَامَعُ مِثْلَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمَهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ لَا قَلَّ مِنْ تِسْعَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَحَمَهُمَا اللَّهُ. وَقَالَ أَبُو يُونُسَ: يَنْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ إِلَى سَنَتَيْنِ) لِأَنَّهُ مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ حَامِلًا وَلَمْ تَفِرْ بِإِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاشْبَهَتْ الْكَبِيرَةَ.

وَلِهَذَا أَنَّ لِإِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُتَعَيِّنَةً وَهِيَ الْأَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِإِلْإِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ إِقْرَارِهَا لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ الْخِلَافَ، وَالْإِقْرَارُ يَحْتَمِلُهُ وَإِنْ كَانَتْ مُطْلَقَةً طَلَقًا رَجْعِيًّا فَكَذَلِكَ لُجُوبُ جَنْدُهُمَا، وَعِنْدَهُ يَنْبُتُ إِلَى سَبْعَةِ وَعِشْرِينَ شَهْرًا لِأَنَّهُ يُجْعَلُ وَاطِنًا فِي آخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلَاثَةُ الْأَشْهُرُ ثُمَّ تَأْتِي لَا كَثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ، وَإِنْ كَانَتْ الصَّغِيرَةَ أَدْعَتْ الْحَمْلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيهَا وَفِي الْكَبِيرَةِ سَوَاءٌ، لِأَنَّ إِقْرَارِهَا يُنَحِّمُ بِبُلُوغِهَا.

ترجمہ

اور وہ عورت جسے ایک باندہ طلاق یا تین طلاق دی گئی ہوں اگر وہ دو سال سے پہلے بچے کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت حمل موجود ہو اور اس بات کا یقین نہیں ہے کہ جب حمل ٹھہرا تھا اس وقت نکاح زائل ہو چکا تھا یا نہیں۔ اس لئے احتیاط کے پیش نظر نسب ثابت ہوگا۔ جس عورت کو باندہ طلاق دی گئی ہو وہ عید گئی کے وقت سے پورے دو سال بعد بچے کو جنم دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں حمل طلاق کے بعد وجود میں آیا ہے لہذا وہ اس کے شوہر کا نہیں ہوگا کیونکہ اس کے لئے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام تھا۔ البتہ اگر وہ شوہر خود یہ دعویٰ کر دے یہ بچہ میرا نطفہ ہے اس کی وجہ یہ ہے: اس نے نسب کو خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اس کی ممکن صورت یہ ہو سکتی ہے، مرد نے عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے صحبت کر لی ہو۔ جس عورت کو طلاق بتہ دی گئی تھی اگر وہ نابالغ تھی لیکن یہی عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اس کی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ صحبت کی جاسکتی ہو اور پھر وہ طلاق کے نوماہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دے تو نسب ثابت ہو جائے گا یہ طریقین کا قول ہے۔

امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں طلاق کے آغاز سے لے کر دو سال تک مرد کا ہی نسب ثابت ہوگا اور وہ عورت عدت گزارنے والی نہ ہوگی۔ اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ وہ حاملہ ہو اور اس نے عدت گزارنے کا اقرار بھی نہ کیا ہو تو بڑی عمر کی عورت سے مشابہہ ہو جائے گی۔ طریقین کی دلیل یہ ہے: اس عورت کی عدت پوری ہونے کے معین وقت کے بارے میں پتہ ہے اور وہ مہینے کے اعتبار سے ہے اور وہ وقت گزار جانے کے بعد شریعت عدت ختم ہونے کا حکم دیدیتی ہے اس سے شریعت کا حکم اس عورت کے اقرار

سے زیادہ واضح ہوگا کیونکہ شرعی حکم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا لیکن قرآن میں اس بات کا احتمال موجود ہے۔ اگر نابالغ لڑکی کو رجسی طلاق دی گئی ہو تو طرفین کے نزدیک مسکن کی بھی صورت ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہو سکتا ہے چونکہ یہ بات کا مکان موجود ہے مرد نے عدت کے آخر میں یعنی تیسرے ماہ کے آخر میں صحبت کر لی ہو اور عورت کے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہوتی ہے۔ اگر نابالغ لڑکی نے عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا دعویٰ کر دیا تو اس بارے میں نابالغ اور بالغ کا حکم ایک ہی ہے کیونکہ نابالغ لڑکی کے حمل کا اقرار کرنے کے نتیجے میں بالغ تصور کیا جائے گا۔

شرح

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکنہ اپنے والد اور وہ بن کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بے طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی عداوتیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا بند کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ البتہ کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی عداوتیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمر سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس سے تین عداوتیں واقع ہو جاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر روکی نیت کی ہو تو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

امام مالک بن انس فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت سرچکا تو تین عداوتیں واقع ہوں گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر روکی نیت کی ہو تو دو اگر تین کی نیت کی ہو تو تین واقع ہوں گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول، حدیث نمبر 1185)

امام ترمذی کے قول بعض اہل علم سے مراد

مواہب: امامبارک پوری لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ سے وہ حضرات مراد لیے ہیں جو اہل علم وہاں رہتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ وغیرہ اور بعض اہل کوفہ سے بعض مراد لیے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل کوفہ یا بعض اہل کوفہ سے صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی مراد نہیں لیے۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذ ص 209)

دو سال گزرنے کے بعد ثبوت نسب کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اسے طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے مردہ بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت ہوگا اس کی وجہ یہ ہے جب بچے کی پیدائش اور طلاق ہونے کے درمیان دو سال سے کم عرصہ موجود ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگا طلاق کے وقت حمل قرار پا چکا تھا اس لیے احتیاط کے

پیش نظر سب کو ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اگر وہ طلاق ہونے کے ٹھیک دو سال بعد بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب اس عورت کے سابقہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے ایسی صورت میں حمل طلاق ہونے کے بعد قرار پایا ہے لہذا وہ اس شخص کا نہیں ہوگا کیونکہ طلاق بتدی ہو جانے کے بعد اس شخص کے لیے اس عورت کے ساتھ صحبت کرنا حرام ہو گا۔

تاہم اگر عورت کا سابقہ شوہر اس بچے کا باپ ہونے کا دعویٰ کرے تو اس صورت میں بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اب اس شخص نے نسب خود اپنے ذمے لیا ہے۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: اس صورت میں نسب ثابت ہونے کی ممکنہ صورت یہ ہو سکتی ہے شوہر نے عورت کی عدت کے دوران شبہ کی وجہ سے عورت کے ساتھ صحبت کر لی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کسی عورت کو طلاق بتدی گئی ہو اور وہ ابھی نابالغ ہو اب اس کی ہم عمر لڑکی کے ساتھ صحبت کی جا سکتی ہو اور پھر وہ عورت نو مہینے گزرنے کے بعد بچے کو جنم دے اور وہ اس دوران عدت گزر جانے کا اعتراف نہ کرے تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اس بات کے قائل ہیں۔ اس بچے کے نسب کو اپنا عورت کے سابقہ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا البتہ مردہ عورت نو ماہ کا عرصہ گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو شوہر پر یہ بات لازم ہوگی: وہ بچے کے نسب کو تسلیم کرے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ اس بات کے قائل ہیں اگر وہ لڑکی طلاق ہونے کے بعد دو سال گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو اس بچے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ وہ عورت عدت گزار رہی ہے اور اس نے عدت گزار جانے کا قرار بھی نہیں کیا تو اس لیے اس بات کا احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت وہ حاملہ ہو تو اس کی مثال بھی بڑی عمر کی عورت کی طرح ہو جائے گی اور بڑی عورت کا حکم وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: کیونکہ لڑکی نابالغ ہے اور نابالغ لڑکی کے بارے میں حکم یہ ہے اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوتی ہے حیض کے اعتبار سے نہیں ہوتی کیونکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اسے حیض نہیں آتا اس لیے مذکورہ بالا مسئلے میں اس نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ گزرنے کے بعد خورج بختم ہو جائے گی خواہ اس نے عدت گزار جانے کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو کیونکہ شریعت کے حکم کے تحت عورت کی عدت ختم ہو چکی ہے اس لیے یہ شرعی دالالت عورت کے اقرار پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ شرعی دالالت میں خلاف واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے جبکہ عورت کے اقرار میں اس بات کا احتمال موجود ہے کہ وہ امر واقع کے خلاف ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر اس عورت کو تین سال اس نابالغ لڑکی کو رجسی طلاق دی گئی ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد

رحمۃ اللہ علیہا کے نزدیک یہی حکم ہوگا جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں اگر وہ طلاق ہونے کے بعد ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے بچے کو جنم دیتی ہے تو اس ستائیس مہینوں میں سے چوبیس مہینے دوساروں کے ہوں گے ورتین مہینے اس نابالغ لڑکی کی عدت کے ہوں گے تو ستائیس مہینے گزرنے سے پہلے گروہ بچے کو جنم دیتی ہے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ عورت کی عدت تین ماہ ہے تو شوہر کو عدت کے آخری حصے میں صحبت کرنے والا قرار دیا جائے گا اور پھر یہ تصور کیا جائے گا عورت نے حمل کے زیادہ سے زیادہ عرصے یعنی دو سال بعد بچے کو جنم دیا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر وہ نابالغ لڑکی عدت گزرنے کے دوران یعنی طلاق ہونے کے بعد تین ماہ گزرنے سے پہلے حاملہ ہونے کا دعویٰ کر دیتی ہے تو اس بارے میں اس کا وہی حکم ہوگا جو بڑی عمر کی عورت کا حکم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار اس کا بالغ ہونے کا حکم جاری کرنے کا باعث بن جائے گا۔

یہ عورت کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا؟

(وَيَبْتُ نَسْبَ وَلَدِ الْمُتَوَقَّى عَنْهَا رَوْجَهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ السَّتَيْنِ) وَقَالَ زُفَرٍ:
إِذَا جَاءَتْ بِه بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَا يَبْتُ النِّسْبُ لِأَنَّ الشَّرْعَ
حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُورِ لِتَعْيِنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقْرَأَتْ بِالْانْقِضَاءِ كَمَا
يَسْنَأُ فِي الصَّغِيرَةِ إِلَّا أَنَّا نَقُولُ لَا نَقْضَاءَ عِدَّتِهَا جِهَةً أُخْرَى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ،
بِخِلَافِ الصَّغِيرَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا عَدَمُ الْحَمْلِ لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوغِ وَفِيهِ
شَكٌّ.

ترجمہ

اور جس خاتون کا شوہر انتقال کر جائے اس خاتون کے بچے کا نسب شوہر کی وفات کے دو سال بعد تک بچے کی پیدائش کی صورت میں ثابت شمار ہوگا۔ امام زفرین کرتے ہیں: اگر اس نے وفات کی عدت کے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے مہینوں کے حساب سے اس کی عدت کی تکمیل کا حکم دیا ہے تو گویا اس نے عدت کے اختتام کا اقرار کر لیا ہے جیسا کہ ہم نابالغ لڑکی کے بارے میں یہ بات پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں: یہ وہ عدت گزارنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے اس عورت کی عدت بچے کی پیدائش ہو جس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ختم ہو۔ لیکن نابالغ لڑکی کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ نابالغ میں اصل تو یہ ہے وہ حاملہ نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ بالغ ہونے سے پہلے وہ حمل کا محل اور اس کے بالغ ہونے کے بارے میں شک پایا جاتا ہے۔

ثبوت نسب میں مدت حمل کا فقہی بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینے ہے ورنہ زیادہ سے زیادہ دو سال لہذا جو عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہے اور عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار نہ کیا ہو ورنہ بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وہ مدت تھی ہے کہ اس میں عدت پوری ہو سکتی ہے اور وقت اقرار سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا جب بھی نسب ثابت ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے معصوم ہوا کہ عورت کا اقرار غلط تھا دوران دونوں صورتوں میں ورنہ مدت سے ثابت ہوا کہ شوہر نے رجعت کر لی ہے جبکہ وقت طلاق سے پورے دو برس یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا اور دو برس سے کم میں پیدا ہوا تو رجعت ثابت نہ ہوئی ممکن ہے کہ طلاق دینے سے پہلے کا حمل ہو اور اگر وقت اقرار سے چھ مہینے پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں۔ یونہی طلاق بائن یا موت کی عدت پوری ہونے کا عورت نے اقرار کیا اور وقت اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ جس عورت کو بائن طلاق دی اور وقت طلاق سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ دو برس کے بعد پیدا ہوا تو نہیں مگر جبکہ شوہر اس بچہ کی نسبت کہے کہ یہ میرا ہے یا ایک بچہ دو برس کے اندر پیدا ہوا دوسرا بعد میں تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائیگا۔
(الدرا المختار، کتاب الطلاق، فصل فی ثبوت النسب، ج ۵، ص ۵۷، ۲۳۷، بیروت)

نابالغہ مطلقہ کے بچے کے ثبوت نسب کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب نابالغہ کو اس کے شوہر نے بعد دخول طلاق رجعی دی اور اس نے حاملہ ہونا نہ کہا تو اگر ستائیس مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے، ورنہ طلاق بائن میں دو برس کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر اس نے عدت پوری ہو نہ کیا اقرار کیا ہے تو وقت اقرار سے چھ مہینے کے اندر ہوگا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر نہ حاملہ ہونا نہ کہا نہ عدت پوری ہوئے کا اقرار کیا بلکہ سکوت کیا تو سکوت کا وہی حکم ہے جو عدت پوری ہونے کے اقرار کا ہے۔ شوہر کے مرنے کے وقت سے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوگا تو نسب ثابت ہے، ورنہ نہیں۔ یہی حکم صغیرہ کا ہے جبکہ حمل کا اقرار کرتی ہو اور اگر عورت صغیرہ ہے جس نے نہ حمل کا اقرار کیا، نہ عدت پوری ہونے کا اور دس مہینے دس دن سے کم میں ہوا تو ثابت ہے ورنہ نہیں اور اگر عدت پوری ہونے کا اقرار کیا اور وقت اقرار یعنی چار مہینے دس دن کے بعد اگر چھ مہینے کے اندر پیدا ہوا تو ثابت ہے، ورنہ نہیں ہوگا۔
(در مختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

عدت ختم ہونے کا اقرار کرنے کے بعد بچے کی پیدائش کا حکم

(وَإِذَا اعْتَرَفَتْ الْمَعْتَدَةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لَاقِلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ يَبْتُ نَسْبُهُ) لِأَنَّهُ طَهَرَ كَذِبُهَا بِقِيْنِ فَطُلَّ الْأَقْرَارُ (وَإِنْ جَاءَتْ بِه لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَبْتُ) لِأَنَّا لَمْ نَعْلَمْ بِطُلَانِ الْأَقْرَارِ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَهُ، وَهَذَا اللَّفْظُ بِاطْلَاقِهِ يَتَنَاوَلُ

کُلُّ مُعْتَدَةٍ.

ترجمہ

اور عدت گزارنے والی عورت اگر عدت پوری ہونے کا اعتراف کرے اور پھر چھ ماہ سے کم عرصے میں اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہو جائے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ عورت کی غلط بیانی ظاہر ہوگئی ہے لہذا اس کا اعتراف مصل قرر دیا جائے گا۔ اگر وہ چھ مہینے کے بعد بچے کو جنم دے تو پھر اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ ہم اس کے اقرار کے باطل ہونے کا علم نہیں رکھتے اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے یہ حمل قرار کرنے کے بعد ٹھہرا ہو۔ یہاں پر مطلق طور پر عدت گزارنے والی عورت کا ذکر ہوا اس میں ہر قسم کی عدت شامل ہوگی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یہ سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہو تو ایک عورت کی گواہی سے وراثت ثابت ہو جائیگی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جننے تو تجھ کو طلاق و عورت بچہ پیدا ہوتا بیان کرتی ہے اور شوہر نکار کرتا ہے تو دوسرا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تب جنائی کی شہادت ناکالی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قور کافی ہے۔ ورا اگر وہ بچہ پیدا ہوئے یک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر نکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے جان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عام گیرن، باب ثبوت نسب)

جب جھوٹ یقین سے ثابت ہو جائے قاعدہ فقہیہ

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل الاقرار (ماخوذ من الهدایہ ج ۲ ص ۳۱۱)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

بہت سے احکام ہیں جہاں اقرار کو شرعاً قبول کر لیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا مجبونا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس وقت وہ سابقہ قرار باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والی یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔

اس کا ثبوت اس حکم سے مستط ہے۔

ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحتاف، ۱۵۰)

اب آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جواز ہائی سال ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی

مدت "حیثین کا مین" یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: اور تیس ماہ اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (المعرۃ، ۲۳۰)

اس سے فقہاء نے یہ سنہ ط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔ اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۳۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اثبات نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس طرح وراثت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل غلطی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کے ہاں بچے کی پیدائش کا ثبوت

(وَإِذَا وَلَدَتْ الْمُعْتَدَةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَحْلَانُ أَوْ رَحُلٌ وَامْرَأَتَانِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ حَبْلٌ ظَاهِرٌ أَوْ اعْتِرَافٌ مِنْ قَبْلِ الرَّوْحِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَثْبُتُ فِي الْحَمِيمِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَ مُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ أَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَا فِي حَالِ قِيَامِ الْكَاحِ.

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقُضِي بِإِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ، وَالْمُنْقُضِي لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَى اثْبَاتِ النَّسَبِ ابْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ ظَهَرَ الْحَبْلُ أَوْ صَدَرَ الْاعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ لِأَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعْيِينُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا (فَإِنْ كَانَتْ مُعْتَدَةً عَنْ وَقْفَةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرِثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ أَحَدٌ فَهُوَ ابْنُهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) وَهَذَا فِي حَقِّ الْإِرْتِ ظَاهِرٌ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقِّهِمْ فَيَقْبَلُ فِيهِ تَصْدِيقُهُمْ، أَمَّا فِي حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ.

قَالُوا: إِذَا كَانُوا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ وَلِهَذَا قِيلَ: تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ

الشَّهَادَةُ، وَقِيلَ لَا تُشْطَرُطُ لَأَنَّ الثَّبُوتَ فِي حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِّلثُبُوتِ فِي حَقِّهِمْ
بِإِقْرَارِهِمْ، وَمَا كُنْتَ تَبَعًا لَا يُرَاعَى فِيهِ الشَّرَاطُ.

ترجمہ

جب کوئی عدت گزارنے والی عورت بچے کو جنم دے تو اس کا نسب اس شرط پر ثابت ہوگا ایک مرد یا دو خواتین اس بات کی گواہی دیں البتہ اگر حمل ظاہر ہو جائے یا خود شوہر اقرار کرے تو گواہی کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ طریقین نے یہ بات بیان کی ہے: تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے ہی نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ عدت قائم ہونے کی بنیاد پر وہ عورت بچے شوہر کا فراش شمار ہوگی اور نسب کے ثبوت کے لئے فراش کی موجودگی کافی ہے۔ البتہ اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اس بچے کو واقعی اس خاتون نے جنم دیا ہے تو اس کے لئے ایک خاتون کی گواہی ہی کافی ہوگی جیسے کہ نکاح کی موجودگی میں (اس طرح سے) نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل دی ہے: جب خاتون بچے کی پیدائش کا اقرار کرے تو اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اور گزری ہوئی چیز دیس ہیں ہو سکتی ہیں اس لئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور اس کے لئے پوری گواہی درکار ہوگی۔ اس کے برخلاف جب حمل ظاہر ہو جائے یا شوہر کی طرف سے اعتراف پایا جائے تو ان صورتوں میں ولادت سے پہلے ہی نسب ثابت ہو گیا ہے البتہ تعین کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہوگی۔

اگر کوئی عورت عدت وفات گزار رہی ہو (اور دوسال سے پہلے بچے کو جنم دے) اور وراثت اس بات کی تصدیق کر دیں کہ یہ بچہ اس کے مرحوم شوہر کا ہی ہے اور اس بچے کی پیدائش پر کوئی ایک شخص بھی گواہ نہ ہو تو اس بارے میں اتفاق ہے کہ وہ اس بارے میں مرحوم شوہر کا بیٹا شمار ہوگا۔ اور یہ بات وراثت کے حق میں ظاہر ہوگی کیونکہ یہ خالص ان کا حق ہے تو ان کا تصدیق کرنا قیوں ہوگا۔ یہاں یہ سواں ہے وراثت کے اقرار کے نتیجے میں نسب ثابت ہو اس کے علاوہ دوسروں کے حق میں بھی ثابت ہوگا یا نہیں ہوگا فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے: تصدیق کرنے والے وراثت ایسے ہوں جن کی گواہی قابل اعتماد ہو تو سب کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا شرعی شہادت کے موجود ہونے کے نتیجے میں سب دوسروں کے حق میں بھی حجت ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے شہادت (گواہی) کا لفظ شرط ہے۔ بعض فقہاء نے اسے شرط قرار نہیں دیا ہے: دوسروں کے حق میں نسب ثابت ہونا تابع کے طور پر ہے جو چیز تابع کے طور پر ثابت ہوتی ہے اس میں شرائط کا کوئی اثر نہیں رکھا جاتا ہے۔

عدت وفات میں پیدا ہونے والے بچے میں وراثت کی تصدیق

علامہ ابن عابدین آفندی رضی اللہ عنہما لکھتے ہیں کہ جب عدت وفات میں بچہ پیدا ہوا اور بعض ورثہ نے تصدیق کی تو اس کے حق میں نسب ثابت ہو گیا پھر اگر یہ عدت ہے اور اس کے ساتھ کسی اور وراثت قابل شہادت نے بھی تصدیق کی یا کسی اجنبی نے شہادت دی تو ورثہ اور غیر سب کے حق میں نسب ثابت ہو گیا یعنی مثلاً اگر اس لڑکے نے دعویٰ کیا کہ میرے باپ کے فلاں شخص پر اسے

مردے زین میں تو دعویٰ کرنے کے لئے اسکی حاجت نہیں کہ وہ اپنا نسب ثابت کرے اور اگر تہا ایک وارث تصدیق کرتا ہے یا چند ہوں مگر وہ عادل نہ ہوں تو فقط ان کے حق میں ثابت ہے اور اس کے حق میں ثابت نہیں یعنی مثلاً اگر دیگر ورثہ اس صورت میں انکار کرتے ہوں تو اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے حصوں میں کوئی کمی نہ ہوگی اور وارث اگر تصدیق کریں تو ان کے لئے اقرار کرنے میں لفظ شہادت اور مجلس قاضی وغیرہ کچھ شرط نہیں مگر اور اس کے حق میں ان کا اقرار اس وقت مانا جائیگا جب عدت ہو ہوں ہاں اگر اس وارث کے ساتھ کوئی غیر وارث ہے تو اس کا فقط یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا کہ یہ عدل کا لڑکا ہے بلکہ لفظ شہادت اور مجلس حکم وغیرہ وہ سب امور جو شہادت میں شرط ہیں، اس کے لئے شرط ہیں۔ بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھلائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (رہنما، فصل فی ثبوت نسب، ج ۵، ص ۲۳۳، بیروت)

شادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کی پیدائش کا حکم

وَإِذَا تَرَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ تَرَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ لِأَنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُونُ مِنْهُ (وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتْ نَسَبُهُ مِنْهُ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ سَكَتَ) لِأَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَةٌ (فَإِنْ جَحَدَ الْوَلَادَةَ يَثْبُتْ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتَّى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يَلَاغِيَنَّ) لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ، وَاللِّغَانِ إِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَذْفِ وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَتِهِ وَجُودُ الْوَلَدِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ بِدَوْرِهِ (فَإِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ: تَزَوَّجْتُكَ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَقَالَتْ هِيَ: مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَقَوْلُهَا قَوْلُهَا وَهُوَ إِنَّهُ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا فَإِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا سِتَّ حُلَافٍ وَهُوَ عَلَى الْإِخْتِلَافِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرے اور وہ عورت نکاح کے بعد چھ مہینے گزرنے سے پہلے ہی بچے کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حمل نکاح سے پہلے ٹھہر گیا تھا لہذا وہ شوہر کا نطفہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر وہ چھ ماہ کے بعد یا اس سے زیادہ عرصے کے بعد بچے کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا خواہ وہ مرد اس کا اعتراف کرے یا خاموش رہے کیونکہ

لیکن اگر وہ اس کا اعتراف کرے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے، درہند کہے کہ وہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ میرے زنا سے ہی پیدا ہوا ہے تو اس طرح نہ تو نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا وارث بنے گا۔

اور حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کے قول کے مطابق لعان کرنے والی عورت نے بچے کو لعان کرنے والا جب اپنے خاندان میں مدنا چاہے تو اسے اس کے ساتھ ہی حلق کیا جائے گا، لیکن ولد زنا کو زانی سے نفی نہیں کی جائے گی، یعنی جب زانی و مدنا کو اپنے ساتھ ملانا چاہے تو اسے زانی کے ساتھ ہی حلق نہیں کیا جائے گا۔

اور راجح تو یہی ہے کہ ولد زنا کا زانی سے نسب ثابت نہیں ہو سکتا چاہے وہ رانیہ عورت سے شادی کر لے اور شادی کے چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہو یا پھر شادی نہ کرے اور بچہ پیدا ہو جائے تو یہ نسب کے ثبوت کا باعث نہیں، لیکن اگر وہ اسے اپنے خاندان میں ملانا چاہے اور نہ کہے کہ وہ اس کے زنا کا بیٹا ہے تو اس سے احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ زانی کی عورت سے حمل کی حالت میں شادی کرے اور چھ ماہ سے قبل بچے کی پیدائش ہو اور زانی اس پر خاموشی اختیار کرے یہ پھر اس کا وارث کرے لیکن یہ نہ کہے کہ وہ زنا سے ہے تو احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (المفصل فی احکام المرأة 9 / 381)

چھ ماہ کے بچے کے انساب الی الوالد کا بیان

علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اگر عورت کے ہاں رخصتی اور خاوند کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ خاوند کی طرف منسوب کیا جائیگا، اور صرف گمان اور احتمال کی بنا پر بچے کی والد کی طرف سے نفی نہیں کی جائیگی کیونکہ بچہ بڑا ہوا ہے۔

ایک شخص نے کنواری عورت سے شادی کی اور اس کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تو کیا اس بچے کی نسبت والد کی طرف کی جائیگی؟

"اگر دخول کے چھ ماہ کے بعد چاہے ایک لحظہ بعد ہی بچہ پیدا ہو تو سب آئمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ والد کی طرف منسوب ہوگا، اس طرح کا واقعہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بھی پیش آیا اور صحابہ کرام نے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کے امکان کو استدلال اس فرمان باری تعالیٰ سے کیا: اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر تیس ماہ ہیں۔ (الاحقاف، ۱۵)

اور اس فرمان باری تعالیٰ سے بھی۔ اور مانیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں البقرة (۲۳۳) اگر تیس ماہ رضاعت کی مدت دو برس ہو تو پھر حمل چھ ماہ کا ہوگا، تو اس طرح آیت میں کم از کم حمل کو اور رضاعت کی پوری مدت کو جمع کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس مسئلہ پر استنباط کے متعلق کہتے ہیں: یہ ایک قوی استنباط ہے اور عثمان اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی موافقت کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم 4 / 158)

"حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اور یہ قرآن مجید کی دلالت کا مقتضی ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تیس ماہ ہے۔ اور یہ فرمان: اور اس کا دودھ چھڑانا دو برسوں میں۔

جب ہم دودھ چھڑانے کی عمر دو برس لیتے ہیں تو حمل کے لیے باقی چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اور یہ واضح ہے۔

لعان و حلف میں فقہی اختلاف کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: چھ ماہ گزرنے کے بعد یا اس سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے اور شوہر اس کی پیدائش سے انکار کر دیتا ہے تو بچے کی پیدائش کے لیے ایک ایسی عورت کی گواہی کافی ہوگی جو پیدائش کے وقت بچے کی ماں کے پاس موجود تھی اس کے لیے مزید کسی اضافی گواہی کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن اگر اس کے باوجود شوہر بچے کی اپنی اولاد ہونے کی نفی کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر لعان کرنا واجب ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے: جب فرشتہ درست ہے تو نسب کے ثبوت کے لیے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن کیونکہ شوہر نے انکار کر دیا ہے تو اب اس انکار کے نتیجے میں اس پر لعان کرنا لازم ہوگا اس کی وجہ یہ ہے بچے کے نسب کا انکار کر کے شوہر نے براہ راست عورت پر زنا کا الزام لگا دیا ہے اور اس وجہ سے لعان لازم ہو جاتا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ شادی کرتا ہے اور پھر عورت بچے کو جنم دیتی ہے اور پھر میاں بیوی کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو جاتا ہے شوہر یہ کہتا ہے میں نے چار ماہ پہلے تمہارے ساتھ شادی کی تھی جبکہ عورت یہ کہتی ہے تم نے چھ ماہ پہلے شادی کی تھی تو اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوگا اور وہ بچہ اس شخص کی اولاد شمار ہوگا اس کی وجہ یہ ہے ظاہری صورت حال عورت کے حق میں گواہی دے رہی ہے کیونکہ ظاہر تو یہی ہے عورت نے نکاح کے نتیجے میں بچے کو جنم دیا ہوگا زنا کے نتیجے میں جنم نہیں دیا ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ بات واضح کی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر نہیں کی اس بارے میں کسی سے قسم لی جائے گی حالانکہ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلف نہیں لیا جائے گا جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے حلف لیا جائے گا۔

بچے کی پیدائش کے ساتھ طلاق مشروط کرنے کا حکم

(وَأِنْ قَالَ لَا مَرَاتِبَهُ إِذَا وَلَدَتْ فَالَّتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَمُحَمَّدٌ: تَطْلُقُ) لِأَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِي ذَلِكَ.

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ) وَلَئِنَّهَا لَمَّا قَبِلَتْ فِي الْوِلَادَةِ تَقْبَلُ فِيمَا يَبْتَنِي عَلَيْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلَا يَبْنِي

حَبِيفَةً اَنْهَا اَذَعَتْ الْحَيْثُ فَلَا يَثْبُتُ اِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ، وَهَذَا لِأَنَّ شَهَادَتَهُنَّ صَرُورِيَّةٌ فِي حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الطَّلَاقِ لِأَنَّهُ يَفْلُكُ عَنْهَا (وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْ أَقْرَرَ بِالْحَبْلِ طَلَّقَتْ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ) لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لَدَعَوَاهَا الْحَيْثُ، وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيهِ عَلَى مَا بَيَّنَّا. وَلَكِنَّهُ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْحَبْلِ إِقْرَارٌ بِمَا يُفْصِلُ إِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَرَ بِكُونِهَا مُؤْتَمِّنَةً فَيَقْبَلُ قَوْلُهَا فِي رَدِّ الْأَمَانَةِ.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہے تمہارے ہاں بچے کی پیدائش ہو تو تمہیں طلاق ہے اور عورت نے اس کے بچے کی پیدائش کی گواہی دیدی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین نے یہ دلیل دی ہے بچے کی پیدائش کے بارے میں ایک خاتون کی گواہی اثر انداز ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے ”وہ امور جن کا مردوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے اس بارے میں خواتین کی گواہی جائز ہوگی“۔ صاحبین نے یہ دلیل بھی دی ہے جب بچے کی پیدائش کے بارے میں خاتون کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے تو ان امور کے بارے میں بھی قبول کی جائے گی جو پیدائش سے متعلق ہوں اور زیر بحث صورت میں طلاق بھی اسی پیدائش سے متعلق ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے اس خاتون کے شوہر نے حائض ہوئے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ مکمل شرعی گواہی کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ بچے کی پیدائش کے سلسلے میں عورت کی گواہی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے لیکن اس کا اثر طلاق کے حق میں خاہر نہیں ہوگا چونکہ طلاق تو پیدائش کے علاوہ بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر شوہر حمل ٹھہرنے کا اقرار کر چکا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی گواہی کے بغیر طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک یہاں بھی ایک خاتون کی گواہی شرط ہوگی کیونکہ قسم توڑنے کا دعویٰ کرنے کے لئے شرعی شہادت کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں اور اس بارے میں خاتون کی گواہی کافی ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے عورت کے حائل ہونے کا اقرار ایسی چیز کا اقرار ہے جو اس حمل کا نتیجہ ہو اور وہ بچے کی پیدائش ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے شوہر نے بیوی کے اہتمام ہونے کا اقرار کر لیا ہے تو امانت واپس کرنے میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔

شرح

علامہ عداؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کس شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر تو مجھے تو تھکھ کو طلاق ہے اس کے بچے پیدا ہوا طلاق ہوگی پھر چھ مہینے یا زیادہ میں دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ہوگی اگر چہ دوسرا بچہ دو برس سے زیادہ میں پیدا ہوا کہ اکثر مدت حمل

دو برس ہے اور اس صورت میں عدت حیض سے ہے تو ہو سکتا ہے کہ زیادہ یا زیادہ دنوں کے بعد حیض آیا اور عدت ختم ہونے سے پیشتر شوہر نے طلاق کی ہو۔ اس اگر عورت عدت گزرنے کا اقرار کر چکی ہو تو مجبوری ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ پہلے بچے سے چھ مہینے سے کم میں پیدا ہوا تو بچہ پیدا ہونے کے بعد رجعت نہیں۔ (درمختار، کتاب طلاق)

وہ مسائل جن میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہے

وہ مسائل جن سے مرد گاہ نہیں ہو سکتے ان میں صرف عورت ہی کی گواہی معتبر ہوگی چاہے گواہی دینے والی ایک ہی عورت ہو تحور شہادۃ المرأة الواحد فيما لا يطلع عليه الرجال. جن امور سے مرد مطلع نہیں ہو سکتے ان میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہوگی۔ (عبدالرزاق، المصنف، 484، 7، رقم 13978)

تحور شہادۃ المرأة الواحدة في الرضاع. بچے کی رضاعت میں ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہے۔ عبد الرزاق، المصنف، 335 : 8، رقم 15406)

و يقبل في الولادة والبكارة والعيوب بالسوء في موضع لا يطلع عليه الرجال شهادة امرأة واحد. ولدت اور عورتوں کے وہ معاملات جن سے مرد گاہ نہیں ہو سکتے وہاں ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (مرغینانی، ہدایہ، 154 : 2)

ہم یہاں ان معاملات اور مسائل کو بیان کریں گے جن میں مردوں کی گواہی معتبر نہیں، بلکہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے ان مسائل میں علماء کا اتفاق ہے اور کوئی اختلافی رائے نہیں پائی جاتی۔

ولادت اور بچے کے رونے پر گواہی

اگر بچے کی ولادت اور بچے کے رونے کے مسئلے میں کوئی نزاع واقع ہو جائے تو یہاں صرف عورت کی گواہی معتبر ہوگی مرد کی نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان امور میں سے ہے جن پر اکثر اوقات مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔ اس معاملے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائی کی تنہا گواہی جائز قرار دی ہے۔

رضاعت پر عورت کی گواہی کا بیان

اسی طرح اگر رضاعت کے معاملے پر اختلاف ہو جائے اور معاملہ قاضی تک پہنچ جائے تو عورت کو یہ حق ہے کہ وہ گواہی دے کیونکہ یہ وہ مسئلہ ہے جو عورت کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کی تنہا گواہی قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث نے ام نجی بنت ابی اہاب سے نکاح کیا۔ تو سودا، وندی نے آکر کہا کہ تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

دسم نے ارشاد فرمایا۔

کیف و قد قیل فہر قہا و نکحت روح عبیرہ۔ نکاح کیسے (قائم رہ سکتا ہے) اور گواہی دیدی گئی ہے۔ تو عقبہ نے
ن سے یتحدگی اختیار کر لی اور بنت ابی اہب نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ (بخاری، 934 : 2، رقم 2497)

ماہواری پر عورت کی گواہی کا بیان

ماہواری (حیض) کے کسی بھی اختلاف پر بھی گواہی عورت ہی دے سکتی ہے۔ اسلام میں عورتوں کے حقوق اور عزت و احترام
کے س تذکرے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی تہذیب کے اس مرحلے پر جب عورت کو جانوروں سے بھی بدتر تصور کیا
جاتا تھا۔ اور کسی عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو وہ حقوق عطا فرمائے جس سے اسے
تقدس اور احترام پہنچی ہوئی ہو۔ معاشرتی مقام نصیب ہوا۔ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی یہ صرف اسلام کا عطا کردہ ضابطہ حیات
ہے جہاں عورت کو تکریم اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت میسر آ سکتی ہے۔

معلق بدولادت سے متعلق طلاق احناف کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے تم نے بچے کو جنم دیا تو تمہیں طلاق ہے اور پھر ایک عورت
اس بات کی گواہی دیدیتی ہے وہ عورت بچے کو جنم دے چکی ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما اپنے موقف اختیار کرتے ہیں: عورت کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ ایسی صورت حال میں
دوسری عورت کی گواہی ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما اپنے موقف کی تائید میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں ”جس صورت حال
کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں اس بارے میں عورت کی گواہی درست ہوتی ہے۔“

صاحبین نے اپنے موقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے جب بچے کی پیدائش میں ایسی عورت کی گواہی قبول کی جا
سکتی ہے تو اس بارے میں بھی قبول کی جائے گی جس حکم کی بنیاد بچے کی پیدائش پر ہو اور وہ حکم طلاق ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: عورت نے یہاں حاشہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس لیے اس کے لیے مکمل شرعی
گواہی درکار ہوگی۔

مصنف نے اس مسئلے کی حکمت یہ بیان کی ہے بچے کی پیدائش کے بارے میں صرف عورتوں کی گواہی کو قبول کرنا مجبوری کی
وجہ سے ہے لیکن یہ مجبوری طلاق دینے کے حق میں ظاہر نہیں ہوتی ہے کیونکہ طلاق گواہی کے بغیر بھی ہو سکتی ہے اسی طرح طلاق
بچے کی پیدائش کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

کے نزدیک گواہی کے بغیر عورت کو طلاق ہو جائے گی جبکہ صاحبین اس بات کے قائل ہیں یہاں یہ بات شرط ہوگی بچے کی پیدائش
کے وقت کوئی عورت موجود ہو اور اس بات کی گواہی دے کہ اس بچے کو ایسی عورت نے جنم دیا ہے۔

ان حضرات نے اس بات کی دلیل یہ دی ہے: جب عورت نے قسم توڑنے کا دعویٰ کیا تو اس کے لیے ثبوت ضروری ہے اور اس
بارے میں ثبوت اس عورت کی گواہی ہوگی جو بچے کی پیدائش کے وقت وہاں موجود ہوگی جیسا کہ اس بارے میں پہلے بیان کر چکے
تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں حاملہ ہونے کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ جو اس حمل
کے نتیجے میں سامنے آئے گی اور جب شوہر بیوی کے امانت دار ہونے کا اقرار کر لیتا ہے یعنی اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کر لیتا ہے تو
انت کی واپسی کے نتیجے میں بھی عورت کے قول کو قبول کیا جائے گا اس کا مطلب یہ ہے جب شوہر نے یہ اقرار کر لیا کہ عورت حاملہ
ہے تو یہ بات ہے اس عورت نے اس حمل کو جنم دیا ہے تو بالواسطہ طور پر شوہر جب حمل کے بارے میں عورت کو سچا قرار دیدیا ہے تو
حمل کی پیدائش کے بارے میں بھی وہ اس کو سچا قرار دے گا، حمل چونکہ عورت کے پاس شوہر کی امانت ہوتا ہے تو اس بارے میں
جب عورت کو سچا قرار دے رہا ہے تو اس کی واپسی یعنی بچے کی پیدائش میں شوہر اس کی بات کی تصدیق کر دے گا لہذا عودت کا قول
یہاں کسی اضافی گواہی کے بغیر قائل قبول ہوگا۔

گواہی کیلئے شرائط کا فقہی بیان

علمائے امت نے احادیث اور قیاس کی روشنی میں گواہ کی کچھ شرطیں بتائی ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شاہد گواہ، (۲) آزاد ہو، غلام نہ ہو۔ (۳) بالغ ہو۔

مسلمان ہو، جیسا کہ من رجا حکم سے سمجھا جاتا ہے۔ کافر نہ ہو، البتہ کافر متامن کی گواہی کافر متامن پر درست ہو سکتی ہے نہ کہ
مسلمان پر۔ واضح رہے کہ مندرجہ بالا تینوں شرطیں انھی باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف
اہل عقل و تمیز کا قول معتبر ہوگا خواہ آزاد ہو یا غلام، کافر جو ان ہو یا عقل و تمیز والا لا اس لیے کہ معاملات کثیرا بوقوع ہیں۔ چنانچہ ہدایہ
ن کتاب الکراہیہ میں لکھا ہے۔

ويقبل في المعاملات قول الفاسق ولا يقبل في الديانات الا قول العدل ووجه الفرق ان المعاملات
بكثر وجودها فيما بين الناس فلو شرطنا شرطا زائدا يودي الى الحرج فيقبل قول الواحد فيها عدلا كان او
لسا كافرا كان او مسلما عبدا كان او حرا ذكرنا كان او انثى دفعا للحرج .

معاملات کی مثال شراء، اذن تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ اور دیانات کی مثال نجاست آب کی خبر دینا یا اور کوئی حل و حرمت کے
حقوق خبر دینا۔

(۴) عادل ہو فاسق نہ ہو۔ (۵) جس چیز کی گواہی دے رہا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔ (۶) اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔

(۷) اس سے اس کی کوئی مضرت دفع نہ ہو۔ (۸) غلط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ (۹) بے مروت اور لاپرواہی نہ ہو۔ (۱۰) باہر کا عداوت نہ ہو۔

مذکورہ صفات کے اوپر مہسوز نہ ہوں تو اس سے سے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ مرد معتمد میں آئے اس وقت اور مرد بطور گواہ نہ ہوں یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مرد اور بقیہ عورتیں ہی موجود ہوں۔ اسی وجہ سے یہ شرطیں آئی ہیں۔ اور ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کرو۔ اس امر سے یہ معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ مرد کے بغیر نصف ایک عورت کی دہائی بھی جائز نہیں ہوئے ان معاملات کے جن پر عورت کے علاوہ کوئی اور مطلع نہیں ہوگا جیس کہ بھارت، ولایت اور عورتوں کے خاص بیوب وغیرہ۔ اس امر میں ختلاف ہے کہ مدتی کی ایک قسم کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ جس طرح ایک مرد گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے جب کہ دوسرے گواہ کی جگہ مدتی گواہ لکھا ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں جب کہ محدثین اس کے قائل ہیں۔

عورت کیلئے دو کے عدد میں حکمت و علت

ان تصل احمدہما فتذکر احمدہما علی الاخریٰ یہ آیت ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی علت و حکمت ہے۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ اور کم از کم مدت کا بیان

قَالَ (وَ أَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سِتَانِ) لِقَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا الْوَلَدُ لَا يَبْقَى فِي الْبَطْنِ أَكْثَرَ مِنْ سِتَيْنِ وَلَوْ بَظِلِّ مِغْزَلٍ^(۱) (وَ أَقَلُّهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَ حَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا) ثُمَّ قَالَ (وَ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ) فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَ الشَّافِعِيُّ يُقَدِّرُ الْأَكْثَرَ بِأَرْبَعِ سِنِينَ، وَ الْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، وَ الطَّاهِرُ أَنَّهُ قَالَنَّه سَمَاعًا إِذْ الْعَقْلُ لَا يَهْتَدِي إِلَيْهِ ۱۔

ترجمہ

فیہ روایت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس کی دلیل یہ ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان "ت" بچہ دو سال سے زیادہ عرصہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا خواہ نکلے کے سائے کی ہی طرح کیوں نہ ہو" حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ سے ہے۔ "ان کا حمل اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ میں ہوگا" ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے "اسی

دودھ چھوڑنا دو سال میں ہوگا" تو حمل کی مدت چھ ماہ تک باقی رہ جائے گی۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے۔ ہماری پیش کردہ روایات امام شافعی کے خلاف حجت ہے۔ یہ بھی بات ہے سیدہ عائشہؓ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی ارشاد فرمائی ہوگی کیونکہ عام طور پر یہ امور کے بارے میں پرخص انداز سے کی جیاد پر بات نہیں کی جاسکتی۔

حمل کی مدت کا فقہی بیان

وَ وَصَّيَا الْإِنْسَانِ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَ وَصَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمَلُهُ وَ يَصْلُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ اَشُدَّهُ وَ بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَى وَالِدَيَّ وَ أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَ أَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُنْتُ إِلَيْكَ وَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (الاحقاف، ۱۵)

اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جانی اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے پھر بنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ یہاں تک کہ جب اپنے زور کو پہنچا۔ اور چائیس برس کا ہوا۔ عرض کی اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی۔ اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے۔ اور میرے بچے میری اولاد میں صلاح رکھے۔ میں تیری طرف رجوع لایا۔ اور میں مسلمان ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے کیونکہ جب دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہوئی جیس کہ بتدعیٰ نے فرمایا "خو لیس گامبلین" تو حمل کے لئے چھ ماہ باقی رہے، یہی قول ہے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا اور حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس آیت سے رضاع کی مدت ڈھائی سال ثابت ہوتی ہے۔ مسئلہ کی تفصیل مع دلائل گلب اصول میں مذکور ہیں۔ (خزانة العرقان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے انسان کو حکم کیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کروان سے تواضع سے پیش آؤ۔ ابودودھ کی کسی حدیث کہ حضرت سعد کی والدہ نے آپ سے کہا کہ کیا ماں باپ کی اطاعت کا حکم اللہ نہیں؟ سن میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں نہ جب تک تو اللہ کے ساتھ کفر نہ کر حضرت سعد کے انکار پر اس نے یہی کیا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا یہیں تک کہ لکڑی سے اس کا منہ کھول کر جبراً پانی وغیرہ چھوڑ دیتے اس پر یہ آیت اتری یہ حدیث مسم شریف وغیرہ میں بھی ہے ماں نے حامت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار رہی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت

سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت (وفصّالہ فی عامیں) اور اللہ عزوجل کا فرمان آیت (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرصاعۃ) یعنی، مکمل اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں ان کے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔

حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اس کی تائید کی ہے حضرت عمر بن عبد اللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کا ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تو مد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمان سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آ دی بھیجی وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ و زاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنے بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم اس کی مخلوق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفہ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضیٰ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی (وحملہ وفصّالہ ثلثون شہرا) اور ساتھ ہی یہ آیت بھی (حولین کاملین) جس میں حمل اور مدت دودھ پلانے دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلانے کی کل مدت دو سال کے چوبیس وضع کر دے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہو پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہے کہ اس طرف نہیں گیا جو اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پکڑا کہ اسے فراغت ہو چکی تھی۔

حضرت عمر فرماتے ہیں واللہ ایک کو دوسرے کو لے سے اور ایک اثر دوسرے اثر سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ بنی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا (ابن ابی حاتم)

حالت حمل کے دکھ درد کی حالت سب کو معوم ہے پھر دو سال تک اسے دودھ پنانی رہتی ہے اور اس کی پرورش میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے (والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتیم الرصاعۃ الخ) یعنی جو لوگ اپنی اولاد کو پورا پورا دودھ پلانا چاہے ان کے لئے آخری انتہائی سبب یہ ہے کہ دو سال کامل تک ان بچوں کو ان کی مائیں اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ چونکہ ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے (وحملہ وفصّالہ ثلاثون شہرا) یعنی مدت حمل اور دودھ پھانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباس اور دوسرے بڑے اماموں نے استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔

کنیز کے ساتھ شادی کر کے اسے خریدنے اس کے ہاں بچے کی پیدائش کا حکم

(وَمَنْ تَزَوَّجَ امَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لَّأَقْلَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمٍ اشْتَرَاهَا لَزِمَهُ وَإِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ) لِأَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَلَكَ الْمُعْتَدَّةَ فَإِنَّ الْعُلُوقَ سَابِقَ عَلَى الْبِشْرَاءِ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَكَ الْمَمْلُوكَةَ لِأَنَّهُ يُصَافُ الْحَادِثُ إِلَى أَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ، وَهَذَا إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَانِنًا أَوْ خُلْعًا أَوْ رَجْعِيًّا، أَمَّا إِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَنْبُتُ النَّسَبُ إِلَى سَتَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لِأَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيظَةً فَلَا يُصَافُ الْعُلُوقُ إِلَّا إِلَى مَا قَبْلَهُ، لِأَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالْبِشْرَاءِ.

(وَمَنْ قَالَ لَا مَتَّهِ إِنْ كَانَ فِي بَطْنِكَ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّي فَشَهِدَتْ عَلَى الْوَلَادَةِ امْرَأَةً فَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ) لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى تَعْيِينِ الْوَلَدِ، وَيَنْبُتُ ذَلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْإِجْمَاعِ.

ترجمہ

اور جو شخص کسی کنیز کے ساتھ نکاح کر لے اور پھر اسے طلاق دیدے اور پھر اسے خرید لے۔ اب اس کنیز کے ہاں خریدنے سے چھ ماہ پہلے بچے کی پیدائش ہو جائے تو وہ اسی مرد کا شمار ہوگا ورنہ اس کے ذمے لازم نہیں آئے گا۔ پہلی صورت کی دلیل یہ ہے وہ ایسی صورت میں عدت گزارنے والی عورت کا بچہ شمار ہوگا کیونکہ خریدنے سے پہلے بچے کا خفیہ قرار پا چکا تھا۔

دوسری صورت میں وہ کنیز کا بچہ شمار ہوگا کیونکہ بچہ کی نسبت قریب ترین وقت کی طرف ہوگی تو اس صورت میں دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب کنیز کو ایک باندہ یا رجعی طلاق دی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو لیکن اگر دو طلاقیں دی گئی ہوں تو وقت طلاق سے دو برس تک نسب ثابت ہوگا کیونکہ دو طلاقیں کی صورت میں وہ کنیز شوہر کے حق میں حرمت غلیظہ کے تحت حرام ہو جاتی ہے اس لئے حمل ٹھہرنا طلاق سے پہلے کسی وقت کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ خریدنے کی وجہ سے یہ کنیز اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے اگر تمہارے پیٹ میں بچہ ہوگا تو وہ مجھ سے ہوگا۔ پھر ایک عورت بچے کی پیدائش کی گواہی دیدیتی ہے تو یہ کنیز اس کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں بچے کی تعین کی ضرورت تھی اور یہ تعین اتفاقی طور پر ایک دایہ کی شہادت سے پوری ہو جائے گی۔

باندی کے بچے کا نسب اقرار سے ثابت ہونے کا بیان

علامہ ابن عابدین آقندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی کنیز سے وطی کرتا ہے اور بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب اس وقت ثابت ہوگا کہ یہ اقرار کرے کہ میرا بچہ ہے اور وہ لونڈی ام ولد ہوگی اب اس کے بعد جو بچہ پیدا ہوئے ان میں اقرار کی حاجت نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ نفی کرنے سے منکفی ہو جائے گا مگر نفی سے اس وقت منکفی ہوگا کہ زیادہ زمانہ نہ گزارا ہو نہ قاضی نے اس کے نسب کا حکم دیدیا ہو اور ان میں کوئی بات پائی گئی تو نفی نہیں ہو سکتی۔ اور مدبرہ کے بچے کا نسب بھی اقرار سے ثابت ہوگا۔ منکوحہ کے بچے کا نسب ثابت ہونے کے لیے اقرار کی حاجت نہیں بلکہ انکار کی صورت میں معن کرنا ہوگا اور جہاں لعان نہیں وہاں انکار سے بھی کام نہ چلے گا۔ (روقت، باب عدت، ج ۵، ص ۲۵۱، بیروت)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی کنیز کے ساتھ شادی کریتا ہے اور پھر صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدیتا ہے پھر اس کے بعد وہ اسی کنیز کو اس کے مالک سے خرید لیتا ہے اب اگر وہ کنیز اس شخص کے خریدنے کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ کو جنم دیتی ہے تو اب اس خریدار کے لیے اس بچے کے نسب کو قبول کرنا لازم ہوگا، لیکن اگر وہ چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ کو جنم دیتی ہے تو اب خریدار پر اس بچے کے نسب کو اختیار کرنا لازم نہیں ہوگا۔

یہاں دو صورتیں ہیں جن میں سے پہلی صورت کی دلیل یہ ہے اگر اس عورت نے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچہ کو جنم دیا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی۔ یہ نطفہ اس عورت کے پیٹ میں اس شخص کے کنیز کو خریدنے سے پہلے قرار پا چکا تھا اب اس شخص سے پہلے کیونکہ وہ عورت عدت کی حالت میں تھی تو وہ بچہ عدت گزارنے والی عورت کا بچہ ہوگا اور اصول یہ ہے: عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب دعوے کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے اور اس عورت کے شوہر پر یہ بات لازم ہوگی، وہ اس بچے کے نسب کو قبول کر لے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی جب وہ عورت چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ کو جنم دیتی ہے تو اس صورت میں یہ بات لازم آئے گی: شوہر کے اس عورت کو خریدنے کے بعد ملک یمن کی حالت میں وہ نطفہ قرار پایا ہے اور کیونکہ وہ اس کی کنیز کا بچہ ہے اس لیے اصول یہ ہے کسی بھی پیش آنے والے حدیث کو کنیز وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جب کوئی کنیز کسی کی ملکیت ہو تو اس کے بچے کا نسب مالک کے دعوے کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اس لیے یہاں ہم نے یہ حکم دیا ہے اس شخص کا دعویٰ کرنا ضروری ہو گا۔

یہ تمام احکام اس صورت میں ہوں گے جب اس کنیز کو ایک یا ایک رجعی طلاق دی گئی ہو یا اس کنیز نے طلع حاصل کر لیا ہو لیکن اگر شوہر نے سے دو طلاق دی ہوں تو کیونکہ کنیز کو دو طلاق دی جاسکتی ہیں اس لیے طلاق ہونے کے وقت سے دو سال گزرنے تک اس کنیز کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ دو طلاق ہو جانے کے نتیجے میں وہ کنیز حرمت غلیظہ کے طور پر شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی اور اب شوہر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کنیز کے ساتھ صحبت کر سکے نہ تو وہ نکاح کے اعتبار سے اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے اور نہ ہی ملک یمن کے اعتبار سے صحبت کر سکتا ہے اس لیے اب طلاق ہو جانے کے بعد کے دھکی طرف

اس نطفے کو منسوب نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے طلاق ہونے سے پہلے کی طرف منسوب کیا جائے گا اور طلاق ہو جانے کے بعد دوسرے گزرنے سے پہلے اگر وہ عورت بچہ کو جنم دیدیتی ہے تو اس کا نسب اس کے سابقہ شوہر سے ثابت ہو جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی آقا اپنی کنیز سے یہ کہتا ہے اگر تمہارے پیٹ میں بچہ موجود ہے تو میرا نطفہ ہے اور پھر ایک عورت اس کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی گواہی دیدیتی ہے تو اب اس بچے کا نسب اس آقا سے ثابت ہو جائے گا وہ کنیز اس شخص کی ام ولد قرار پائے گی کیونکہ یہاں اس صورت میں صرف بچے کی پیدائش کے تعین کی ضرورت تھی اور پیدائش کے وقت عورت کی گواہی پائی گئی ہے اس لیے اس عورت کی گواہی کی وجہ سے اس عورت کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

کسی بچے کے اولاد ہونے کے اقرار کا حکم

(وَمَنْ قَالَ لِعَلَامٍ هُوَ ابْنِي ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ أُمُّ الْعَلَامِ وَقَالَتْ أَنَا امْرَأَتُهُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَهُوَ ابْنُهَا يَرْتَابُ) وَفِي النِّوَائِدِ جُعِلَ هَذَا جَوَابُ الْإِسْتِحْسَانِ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهَا الْمِيرَاثُ لِأَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَتَّبِعُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ يَتَّبِعُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْءِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِينِ، فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ إِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ وَحْدَهُ الْإِسْتِحْسَانُ أَنَّ الْمَسْأَلَةَ فِيمَا إِذَا كَانَتْ مَعْرُوفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَيَكُونُهَا أُمُّ الْعَلَامِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيحُ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ لِذَلِكَ وَضَعًا وَعَادَةً (وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتْ الْوَرِثَةُ أَنْتِ أُمُّ وَلَدٍ فَلَا مِيرَاثَ لَهَا) لِأَنَّ ظُهُورَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِي دَفْعِ الرِّقِّ لَا فِي اسْتِحْقَاقِ الْمِيرَاثِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ

اور ایک شخص ایک لڑکے کے بارے یہ کہتا ہے: یہ میرا بیٹا ہے اور پھر وہ شخص فوت ہو جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کی ماں آ کے کہتی ہے میں اس (مرحوم شخص) کی بیوی ہوں تو یہ عورت اس کی بیوی شمار ہوگی اور وہ لڑکا اس کا بیٹا شمار ہوگا اور دونوں وراثت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام محمد نے نوادر یہ بات بیان کی ہے یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے اس عورت کو وراثت میں حصہ نہ ملے کیونکہ جس طرح نسب صحیح نکاح کے ذریعے ثابت ہوتا ہے اور فاسد نکاح کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے بلکہ شبہ کے ذریعے کی گئی وطی کے ذریعے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور عورت کا مالک بن جانے کے نتیجے میں بھی ثابت ہو جاتا ہے تو مرد کا لڑکے کے بارے میں یہ کہنا یہ میرا بیٹا ہے یہ نکاح کرنے کے مترادف شمار نہیں ہوگا۔

استحسان کی وجہ یہ ہے: جب مسکے کی صورت ایسی ہو کہ جس میں عورت سے متعلق یہ بات مشہور ہو۔ وہ آزاد عورت ہو اور لوگوں

کو یہ بھی علم ہو کہ یہ اس بچے کی ماں ہے تو ایسا نسب ثابت ہونے میں عادت اور شریعت دونوں کے لحاظ سے نکاح کا صحیح ہونا متعین ہو جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت نہ ہو سکے کہ وہ عورت آزاد ہے اور وراثت نہیں یہ ام ولد ہے تو عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اسلامی سسٹم کے اعتبار سے آزادی کا ظہور غلامی کے زلے کے لئے معتبر ہو سکتا ہے لیکن وراثت کے حق کو ثابت نہیں کرتا ہے۔

میرا بیٹا کہنے سے ثبوت نسب کا بیان

شیخ محمد الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی بڑے کی نسبت کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اس شخص کا انتقال ہو گیا اور اس بڑے کی ماں جس کا حرہ و مسلمہ ہونا معلوم ہے یہ کہتی ہے کہ میں اس کی عورت ہوں اور یہ اس کا بیٹا تو دونوں وارث ہو گئے اور اگر عورت کا آزاد ہونا مشہور نہ ہو یا پہلے وہ باندی تھی اور اب آزاد ہے اور یہ نہیں معلوم کہ مطلق کے وقت آزاد تھی یا نہیں اور ورثہ کہتے ہیں تو اس کی ام ولد تھی تو وارث نہ ہوگی۔ یونہی اگر ورثہ کہتے ہیں کہ تو اس کے مرنے کے وقت نصرانی تھی اور اس وقت اس عورت کا مسلمان ہونا مشہور نہیں ہے، جب بھی وارث نہ ہوگی۔ عورت کا بچہ خود عورت کے قبضہ میں ہے شوہر کے قبضہ میں نہیں اس کی نسبت عورت یہ کہتی ہے کہ یہ بڑا میرے پہلے شوہر سے ہے اس کے پیدا ہونے کے بعد میں نے تجھ سے نکاح کیا اور شوہر کہتا ہے کہ میرا ہے میرے نکاح میں پیدا ہوا تو شوہر کا قول معتبر ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب طلاق)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کے پاس بچہ پیدا ہوا عورت کہتی ہے کہ نکاح کو چھ مہینے یا زائد کا عرصہ گزرا اور مرد کہتا ہے کہ چھ مہینے نہیں ہوئے تو عورت کو قسم کھائیں، قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور شوہر یا اس کے ورثہ گواہ پیش کرنا چاہیں تو گواہ نہ سنے جائیں۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

بَابُ الْوَلَدِ مِمَّنْ أَحَقُّ بِهِ

﴿یہ باب پرورش بچہ کے حقدار کے بیان میں ہے﴾

باب بچے کی پرورش کے حق کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے ثبوت نسب کے باب کے بعد حق حضانت کے باب کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ کسی بچے کے نسب کے ثابت ہونے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ حق حضانت بچے کے باپ کو دیا جائے یا پھر اس کی والدہ کو دیا جائے تو نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق حق حضانت ماں کو حاصل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضانت کا دار و مدار شفقت کے پیش نظر متعین کیا گیا ہے اور شفقت باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر ماں زیادہ حقدار ہوئی۔ اور اسی طرح حدیث مبارکہ میں تین مرتبہ ماں کے حق تقدم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جبکہ چوتھی مرتبہ باپ کے حق کو تاخر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضانت کا فقہی مفہوم

جب پرندے اندے پر پروں کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں تو عربی زبان میں اس کو کہاجاتا ہے حَضَنَ الطائر بیضہ عورت کا پرورش کرنا ٹھیک اسی متا کا مظہر ہے جو ایک بے زبان مادہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اندوں یا چھوٹے بچوں کو اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لے۔

حَضَنَ الطَّائِرُ بَيْضَهُ حَضًّا مِنْ بَابِ قَتَلَ وَحَضًّا بِالْكَسْرِ أَيْضًا صَمَهُ تَحْتَ جَنَاحِهِ (المصباح المیز، ج ۲، ص ۷۷۷)

حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے۔ زمانہ حمل میں میرا پیٹ اس کا غلاف تھا اور زمانہ رضاعت میری چھاتی اس کے پینے کا برتن اور میری گود اس کا ٹھکانا۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور چاہتا ہے کہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

(سنن ابوداؤد، جلد دوم، حدیث نمبر 510)

امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد دوسرے سال میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ قضا سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی پیچھے ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں لے لیا اور ہاتھ پکڑ لیا پھر حضرت علی وزید بن حارثہ و

جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہر ایک نے اپنے پاس رکھنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میں نے ہی اسے لیا اور میرے بچے کی لڑکی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے بچے کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بی بی ہے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، میرے (رضائی) بھائی کی لڑکی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لڑکی خالہ کو دلوائی اور فرمایا: کہ "خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور حضرت علی سے فرمایا: کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور حضرت جعفر سے فرمایا: کہ تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا: کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۴۲۵۱)

پرورش کیلئے شرائط کا بیان

حق پرورش کے لیے ضروری ہے کہ جس کی پرورش کی جائے وہ نابالغ ہو اور اگر بالغ ہو تو معتوہ ہو (معتل و ہوش سے اعتبار سے متوازن نہ ہو)۔

بالغ اور ذی ہوش (رشید) لڑکے اور لڑکیاں والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں، لڑکے ہوں تو ان کو بھی رہنے کا حق حاصل ہے، لڑکی ہو تو اس کو تنہا رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔

حق پرورش کے لیے کچھ شرطیں وہ ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے ضروری ہیں، کچھ شرطیں مردوں سے متعلق ہیں اور کچھ عورتوں سے متعلق، عورتوں اور مردوں کے لیے مشترکہ اوصاف میں سے یہ ہے کہ پرورش کرنے والا مائل و بالغ ہو۔

بعض لوگوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ذوق نہ ہو، لیکن حافظ ابن قیم کا خیال ہے کہ فسق جتن عام ہے، اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لیے بھی کہ اکثر اوقات فاسق و فاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لیے فسق و فجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم کی رائے عین قرین قیاس ہے، بشرطیکہ پرورش کرنے والی ایک پیشہ ور فاسقہ نہ ہو کہ اس سے اپنے ذریعہ پرورش بچوں کو غلط راہ پر ڈال دینا غیر متوقع نہ ہو۔

۱۸۱۔ بوحنیفہ کے نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کافر ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے، اگر عورت مرد ہو جائے تو اس کو حق پرورش بھی باقی نہ رہے گا، غلامی بھی حق پرورش میں مانع ہے، غلام یا باندی اس حق سے محروم رہیں گے، کہ وہ بچہ کی من سب پرورش و پرداخت کے لیے وقت فارغ نہیں کر سکتے۔

عورتوں کے لیے حق پرورش کی حاصل شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی محرم رشتہ دار ہو۔

دوسرے اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو اس زیر پرورش بچہ کا محرم نہ ہو، اگر ایسے اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، ہاں اگر اس کا نیا شوہر بچہ کا محرم ہو، جیسے بچہ کے چچا سے نکاح کر لے، یا بچہ کی مانی اس کے دادا سے نکاح کر لے تو اس کے حق پرورش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روایت موجود ہے کہ ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا

تہانت احق بہ مالک تنکحی (سنن ابو داؤد)

مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اس کا محرم ہوتا ہو، البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو اور قاضی من سب سمجھے وہ مطمئن ہو تو وہ بچہ زاد بھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے، لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل عقیدہ ہو، یہاں تک کہ بھائی اور چچا ہی کیوں نہ ہو لیکن فسق و خیانیت کی وجہ سے اس پر اطمینان نہ محسوس کیا جائے تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہو سکے گا۔

بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ماں ہوگی

وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَلَا مَ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ لِمَا رَوَى (أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وَغَاءٌ وَحَجْرِي لَهُ حِوَاءٌ وَتَذْيَبِي لَهُ سِقَاءٌ وَزَعَمَ أَبُوهُ أَنَّهُ يَنْزِعُهُ مِنِّي، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: أَسْتَ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْزَوِجِي (۱)) وَلَاَنَّ الْأُمَّ أَشْفَقُ وَأَقْدَرُ عَلَى الْحَصَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ إِلَيْهَا أَنْظَرَ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ الصِّدِّيقُ بِقَوْلِهِ: رَيْقُهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ شَهِدٍ وَعَسَلٍ عِندَكَ يَا عُمَرُ، قَالَهُ حِينَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُونَ مُتَوَفِّرُونَ (۲) (وَالْفَقَّةُ عَلَى الْآبِ) عَلَى مَا نَذَكُرُ (وَلَا تُجَبِّرُ الْأُمَّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحَصَانَةِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ أُمٌّ فَأُمُّ الْأُمِّ أُولَى مِنْ أُمِّ الْآبِ وَإِنْ تَعَدَّتْ) لِأَنَّ هَذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْأُمَّهَاتِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْآبِ أُولَى مِنَ الْأَخَوَاتِ) لِأَنَّهَا مِنَ الْأُمَّهَاتِ، وَلِهَذَا تَحَرَّزَ مِيرَانُ السُّدُسُ وَلِأَنَّهَا أَوْفَرُ شَفَقَةً لِلْوِلَادِ (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَلَا أَخَوَاتُ أُولَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْحَالَاتِ) لِأَنَّهِنَّ بَسَاتُ الْأَبَوَيْنِ وَلِهَذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيرَاثِ. وَفِي رِوَايَةِ الْحَالَةِ أُولَى مِنَ الْأَخْتِ لِأَنَّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْحَالَةُ وَالِدَةُ (۱)) وَقِيلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ) أَنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهُ (وَتَقَدَّمَ الْأَخْتُ لِأَبِ وَأُمِّ) لِأَنَّهَا أَشْفَقُ (ثُمَّ الْأَخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأَخْتُ مِنَ الْآبِ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهَا مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ (ثُمَّ الْحَالَاتُ أُولَى

(۱) أخرجه أبو داود في "مسند" برقم (۲۲۶۶) والحاكم في "المستدرک" ۲۰۷ و صححه حاکم و رواه الذهبي.

(۲) لم يحمله معرجو "الهداية" بهذا اللفظ وأصله عند ابن أبي شيبة من طريق سعيد بن المسيب أن عمر طلوعه عاصم، ثم نبى عيباً.

عاصم في حجرها، فأراد أن ياحده معها، فتحاذياه بيتهما حتى يكى، فانطلقا إلى أبي بكر فقال له: يا عمر مسحها وحجرها وريحها خير.

منك حتى يشب الصبي فيختار لنفسه، انظر "نصب الراية" ۲۶۶-۲۶۷ و "الدرارية" ۸۱/۲.

تَمِيزُ الْعَمَّاتِ تَرْجِيحًا لِقَرَابَةِ الْأُمِّ (وَيَنْزِلُ كَمَا نَزَلْنَا الْأَخَوَاتِ) مَعْنَاهُ تَرْجِيحُ ذَاتِ قَرَابَتَيْنِ ثُمَّ قَرَابَةِ الْأُمِّ (لَمْ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذَلِكَ، وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هَؤُلَاءِ يَسْقُطُ حَقُّهَا) لِمَا رَوَيْنَا، وَلَا نَزَّ رُوحُ الْأُمِّ إِذَا كَانَ أَحْسَبًا يُعْطِيهِ نَزْرًا وَيَنْظُرُ إِلَيْهِ شَزْرًا فَلَا نَظَرَ. قَالَ (إِلَّا الْجَدَّةَ إِذَا كَانَ رُوحُهَا الْجَدُّ) لِأَنَّهُ قَامَ مَقَامَ أَبِيهِ فَيَنْظُرُ لَهُ (وَكَذَلِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُو رَحِمٍ مَحْرُومٍ مِنْهُ) لِقِيَامِ الشَّقِيقَةِ نَظْرًا إِلَى الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ (وَمَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزْوُجِ يَعُودُ إِذَا ارْتَفَعَتِ الزَّوْجِيَّةُ) لِأَنَّ الْمَنَاعَ قَدْ رَالَ.

رحمہ

اور جب میاں بیوی کے درمیان عیحدگی واقع ہو جائے تو ماں بچے (کی پرورش) کرنے کی زیادہ حقدار ہوگی اس کی دلیل دو روایت ہے۔ ایک مرتبہ ایک خاتون نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا یہ بیٹا ہے۔ میرا بیٹ اس کے لئے پتا تھا میری گود اس کے لئے آرام دہ تھی میری چھاتی اس کے لئے سیرابی کا ذریعہ ہے اور اس کا باپ یہ کہتا ہے کہ وہ اسے مجھ سے جدا کر دے گا تو نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: تم اس کی زیادہ حقدار ہو جب تک تم (دوسری) شادی نہیں کر لیتی۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے پرورش کے حوالے سے ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پرورش کرنے کی زیادہ بہتر صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لئے (بچے کو) اس کے سپرد کرنے میں زیادہ شفقت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے ”اے عمر! اُس (ماں) کا عجب دہن اس بچے کے لیے تمہارے پاس سے ملنے والے شہد اور غسل سے زیادہ بہتر ہوگا۔“

حضرت ابوبکر نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب حضرت عمر اور ان کی اہلیہ کے درمیان عیحدگی ہو گئی تھی اور اس وقت کثیر تعداد میں صحابہ کرام موجود تھے۔ (بچے کا) خرچ باپ کے ذمے ہوگا جیسا کہ ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ بچے کی پرورش کے لیے ماں کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کسی وجہ سے وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو۔ اگر بچے کی ماں (پرورش کرنے کی قانونی اہلیت نہ رکھتی ہو) تو بچے کی نانی اُس کی دادی سے زیادہ حقدار ہوگی اگر چہ وہ نانی دور کی عزیزہ (یعنی پر نانی) ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ یہ حق ماں کی طرف سے مستفد ہوتا ہے۔

اگر نانی موجود نہ ہو تو بچے کی بہنوں کے مقابے میں اس کی دادی زیادہ حق دار ہوگی کیونکہ وہ بھی ماں ہی شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ نانی اور دادی کو وراثت میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے: اس رشتے میں اولاد کے لیے زیادہ شفقت پائی جاتی ہے۔ اگر بچے کی دادی موجود نہ ہو تو اس کی پھوپھیوں اور خالوں کے مقابلے میں اُس کی بہنیں زیادہ حقدار ہوں گی کیونکہ وہ اُس کے ماں باپ کی اولاد ہیں اور اسی وجہ سے انہیں وراثت میں بھی فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق: باپ کی طرف

سے شریک بہن کے مقابلے میں بچے کی خالہ زیادہ حقدار ہوگی اس کی دلیل نبی اکرم کا یہ فرمان ہے:

”خالہ بھی ماں ہوتی ہے۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اُس (یوسف) نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا۔“ ایک قول کے مطابق: خاتون حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ سگی بہن کو فوقیت حاصل ہوگی کیونکہ اس میں زیادہ شفقت پائی جاتی ہے پھر ماں کی طرف سے شریک بہن ہوگی اور اس کے بعد باپ کی طرف سے شریک بہن کا حق ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے خواتین کو یہ حق ماں کی نسبت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر پھوپھیوں خالوں سے زیادہ حقدار ہوں گی کیونکہ ماں کی طرف سے رشتے داری کو ترجیح دی جائے گی۔ ان میں بھی وہی اصول کارفرما ہوگا جو ہم نے بہنوں کے بارے میں بیان کیا ہے۔ یعنی دو جہت سے قرابت رکھنے والی کو ترجیح حاصل ہوگی اس کے بعد ماں کی طرف سے قرابت کو ترجیح ہوگی۔ اس کے بعد پھوپھیوں کو بھی وہی اصول کے اعتبار سے حق حاصل ہوگا۔ ان تمام خواتین میں سے جو بھی شادی کر لے گی اُس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ جب ماں کا (دوسرا) شوہر اجنبی ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں شفقت کی کمی پائی جاتی ہے تو کسی دوسرے میں بدرجہ اولیٰ (یہ شفقت کم ہوگی)۔ تاہم نانی کا حکم مختلف ہے۔ جب اُس کا دوسرا شوہر (بچے کا) دادا ہو تو وہ بچے کے باپ کا قائم مقام شمار ہوگا۔ تو اس صورت میں بچے کے لیے شفقت کا پہلو پایا جائے گا۔ اسی طرح (پرورش کا حق رکھنے والی خاتون) کا وہ شوہر جو بچے کا محرم ہو (وہ خاتون کے حق کو ساقط نہیں کرے گا) کیونکہ بچے کے ساتھ اس کی قرابت کی وجہ سے شفقت موجود ہونے کا پہلو پایا جائے گا۔ جس خاتون کا حق شادی کرنے کی وجہ سے ساقط ہو جائے اگر اس کی شادی ختم ہو جائے تو اس کا حق اسے واپس مل جائے گا کیونکہ رکاوٹ زائل ہو گئی ہے۔

حق حضانت میں محرماتی ترتیب کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ماں اگر نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو یا انکار کر دیا یا اجنبی سے نکاح کیا تو اب حق پرورش نانی کے لیے ہے یہ بھی نہ ہو تو نانی کی ماں اس کے بعد دادی پر دادی بشرائط مذکورہ بالہ پھر حقیقی بہن پھر اخیانی بہن پھر سوتیلی بہن پھر حقیقی بہن کی بیٹی پھر اخیانی بہن کی بیٹی پھر خالہ یعنی ماں کی حقیقی بہن پھر اخیانی پھر سوتیلی بہن کی بیٹی پھر حقیقی بھتیجی پھر نانی بھائی کی بیٹی پھر سوتیلی بھائی کی بیٹی پھر اسی ترتیب سے پھوپھیاں پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر ماں کی پھوپھیاں پھر بہن کی پھوپھیاں اور ان سب میں وہی ترتیب ملحوظ ہے کہ حقیقی پھر اخیانی پھر سوتیلی۔ اور اگر کوئی عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا ہو مگر ناقص ساقط ہو تو عصبات بہ ترتیب ارث یعنی باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلی پھر بھتیجے پھر بچے پھر اس کے بیٹے مگر لڑکی کو چچا زاد

۱۔ از من حدیث عبدی أخرجه اسحاق بن راہویہ فی ”مسندہ“ و أحمد فی ”مسندہ“ ۹۸/۱ و من حدیث البراء أخرجه البخاری فی ”تبیحہ“ ۲۰۳ رقم (۶۶۹۹) بلفظ: ”الحالۃ، الأم“ و من حدیث أمی مسعود رضی اللہ عنہ أخرجه الطبرانی فی ”معجمہ“ ۱۰ فیہ قس ۱۰ لیسع: و نفہ شعبۃ و الثوری و ضعفہ جماعة، و بقیہ رجالہ ثقات کما فی ”المجموع“ ۳۲۴/۴ و من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أخرجه العقیلی فی ”الصفاء“ و فی ”مسندہ“ یوسف بن خالد السننی متهم بالکذب انظر ”تہذیب الراۃ“ ۲۶۷/۳ و ”الدراریۃ“ ۸۰/۲۔

بھائی کی پرورش میں نہ دیں خصوصاً جبکہ مشہور ہو اور اگر عصبیت بھی نہ ہوں تو ذوی امارحام کی پرورش میں دیں مثلاً اخیانی بھائی، اسی کا بیٹا بھرمات کا چچا پھر حقیقی ماموں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خاندان کی بیٹیوں کو لڑکے کی پرورش کا حق نہیں۔

اگر چند شخص ایک درجہ کے ہوں تو ان میں جو زیادہ بہتر ہو پھر وہ کہ زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ کہ ان میں بڑا ہو ہے۔ (در مختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۱، بیروت)

حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان

پرورش کا حق عمر کی ایک حد تک عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت عورتوں کے طبعی رفق، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیز خود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات و دلی کی رعایت کرتی ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے۔

علامہ کاسانیؒ کے الفاظ میں: وَالْأَصْلُ فِيهَا لِلنِّسَاءِ؛ لِأَنَّهُنَّ أَشْفَقُ وَأَرْفَقُ وَأَهْدَى إِلَى تَرْبِيَةِ الصَّغَارِ. (بدائع الصنائع، فصل: فِي بَيَانِ مَنْ لَهُ الْحَضَانَةُ)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے، اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے بہت قریب ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی چاہے وہ باریک پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھی یہی ترتیب ہے، کہ دادی نہ ہو تو پر دادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپھیوں کا درجہ ہے، بہن، خالہ، پھوپھی سب میں یہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ ہے۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصب رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیب یوں لکھی ہے: باپ، دادا، پردادا وغیرہ، اس کے بعد حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر حقیقی بھتیجہ، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر حقیقی چچا، باپ شریک چچا، پھر حقیقی چچا زاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے۔

عَنْ عُمَرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ طَبِئِي لَهُ وَغَاءٌ وَلَذِيذِي لَهُ سِقَاءٌ وَحَجْرِي لَهُ حِوَاءٌ وَإِنَّ أَنَا طَلَقْتِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَكُنِي حَيًّا (ابو داؤد، باب مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ: عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحَبِّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ترمذی، باب فِي كَرَاهِيَةِ التَّفْرِيقِ بَيْنَ السَّبْيِ السَّبْيِ: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ طَلَّقَ أُمَّ عَاصِمٍ، ثُمَّ أَتَى عَلَيْهَا، وَفِي حَجَرِهَا عَاصِمٌ، فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهَا، فَتَجَادَبَا بَيْنَهُمَا حَتَّى نَكَى الْعَلَامُ، فَانْطَلَقَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ يَا عُمَرُ، مَنْحُهَا وَحَجَرُهَا وَرِيحُهَا خَيْرٌ لَكَ مِنْكَ حَتَّى يَثْبُتَ الصَّبِيُّ لِبَحْتَارٍ (مصنف ابن ابی شیبہ، مَا قَالُوا: فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ وَلَهَا وَلَدٌ صَغِيرٌ وَلِلرَّجَالِ مِنَ الْعَصَبَاتِ مَدْخَلٌ فِي الْحَضَانَةِ، وَأَوَّلَاهُمْ الْأَبُ، ثُمَّ الْجَدُّ أَبُو الْأَبِ وَإِنْ غَلَا، ثُمَّ الْأَخُ مِنَ الْأَبَوَيْنِ، ثُمَّ الْأَخُ مِنَ الْأَبِ، ثُمَّ بَنُوهُمْ وَإِنْ سَفَلُوا، عَلَى تَرْتِيبِ الْمِيرَاثِ، ثُمَّ الْعُمُومَةُ، ثُمَّ بَنُوهُمْ كَذَلِكَ، ثُمَّ عُمُومَةُ الْأَبِ، ثُمَّ بَنُوهُمْ).

(المغنی، كِتَابُ الْفَقَاتِ)

حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ

ولاية الحضانة تستفاد من قبل الامهات، (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۴۱۴)

حضانت کی روایت ماؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے تو صورت میں بچے کی پرورش کا زیادہ حقدار اور اس پر شفقت کی زیادہ حقدار اسکی ماں ہے کیونکہ حق حضانت یعنی پرورش کا حق ماں کا ہے اور وہی زیادہ شفقت و رحم کرنے والی ہوتی ہے۔

یہ ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ: یہ میرا بیٹا ہے جس کیسے میرا بطن غلامہ، میری چھاتی نے اس کو سیراب کیا اور میری گود اسی کیلئے پرورش گاہ رہی، اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور مجھ سے جیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی دوسرے سے

نہ لے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱ ص ۳۱۰، دارالحدیث، لبنان)

نہ لے اور ماں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳)

اس سے بھی یہ استنباط ہوتا ہے کہ پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا اس حکم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حضانت کی ابتدا ماں کو حاصل ہے۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، شبیر برادرز، لاہور)

بچے کو کب اختیار دیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا جائے۔ (جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اس حدیث کا مکمل یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنے بچے کے ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن یہ حدیث باب الاختصاص سے بالکل نہیں ہے۔ (توت المکتدی ج ۳ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اگر خاتون عزیز موجود نہ ہو تو کون سا مرد پرورش کا حقدار ہوگا؟

(فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ فَاخْتَصِمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأُولَاهُمْ أَقْرَبُهُمْ تَعَصُّبًا) لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْأَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيبُ فِي مَوْضِعِهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّغِيرَةَ لَا تُدْفَعُ إِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مُحَرَّمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ

ترجمہ

اور اگر بچے کی کوئی رشتہ دار خاتون موجود نہ ہو اس بارے میں مردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو ان میں سے زیادہ حقدار وہ مرد ہوگا جو عصبہ ہونے میں زیادہ قریبی ہوگا کیونکہ یہ حق زیادہ قریبی عزیز کو ملتا ہے۔ اس حوالے سے ترتیب میں مخصوص مقام پر بیان کی جائے گی تاہم نابالغ بچی کو نامحرم عصبہ کے سپرد نہیں کیا جائے گا جیسے مولیٰ عتاقہ یا چچا زاد ہے۔ آزمائش سے بچا جائے۔

شرح

سبحی بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیوی (ایک انصاری عورت تھی جس سے ان کے بیٹے عمر بن عاصم پیدا ہوئے، پھر بعد میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو دیا، ایک دفعہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تباہ ہو گئے تو اپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلنے کے لیے لے گئے اور وہاں سے پکڑ کر اپنے ساتھ پر سوار کر لیا اتنی دیر میں بچے کی مانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آ پہنچی اور بچے کو لینے کی کوشش کرنے لگی حتیٰ کہ دونوں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے: میرا بیٹا ہے، اور عورت کہنے لگی: یہ بیٹا میرا ہے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اسے اس عورت کو دے دیں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کوئی بات بھی نہ کی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موطا میں روایت کیا ہے (2 / 767) سنن بیہقی (8 / 5)

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع اور متصل دونوں طریق سے مشہور ہے اور اہل علم نے اسے قبول کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ماں زیادہ مہربان اور رحم کرنے والی اور نرم دس، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ لائق اور جب تک شادی نہ کر لے وہ بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ماں زیادہ مہربان اور رحم رکھتی ہوتی ہے، اسی صلت اور سبب سے ماں چھوٹے بچے کی زیادہ حقدار ہے،

حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب

مدت حضانت پوری ہونے کے بعد بچہ کس کے پاس رہے گا؟ اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔ عہد نبوی کے بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں باپ، جس کے ساتھ چاہے رہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور قاضی شریح نے بھی بعض مقدمات میں یہی فیصلہ کیا تھا، اس بنا پر شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدت حضانت ختم ہونے کے بعد باپ بچے کو اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اسی کو اس کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ باپ کی یہ ولایت بچے کے بالغ ہونے تک ہے۔ اس کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ ملحوظ رہے کہ بچے کی صحیح ذہنیت سے تعلیم اور دینی و اخلاقی تربیت کس کے پاس ہو سکتی ہے۔ اگر باپ راہبالی ہو، یا کسی بنا پر بچے کی تعلیم و تربیت سے قاصر ہو اور اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہو تو بچے کو اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا۔

بچے کی پرورش کا حق کب تک برقرار رہے گا؟

(وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ. وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ: حَتَّى يُسْتَفْنَى فَيَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ) وَالْمَعْنَى وَاحِدًا لِأَنَّ تَمَامَ الْإِسْتِفْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَى الْإِسْتِنْجَاءِ. وَوَجْهُهُ أَنَّهُ إِذَا اسْتَفْنَى يَحْتَاجُ إِلَى التَّأْدِبِ وَالتَّخْلُقِ بِآدَابِ الرِّجَالِ وَأَخْلَاقِهِمْ، وَالْأَبُ أَقْدَرُ عَلَى التَّأْدِيبِ وَالتَّقْيِيفِ، وَالْحَصَافُ قَدَّرَ الْإِسْتِفْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِينَ عِتَابًا لِلْغَالِبِ (رَأَى أُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَحِيضَ) لِأَنَّ بَعْدَ الْإِسْتِفْنَاءِ تَحْتَاجُ إِلَى مَعْرِفَةِ آدَابِ النِّسَاءِ وَالْمَرْأَةُ عَلَى ذَلِكَ أَقْدَرُ وَبَعْدَ الْبُلُوغِ تَحْتَاجُ إِلَى التَّحْصِينِ وَالْحِفْظِ وَالْأَبُ فِيهِ أَقْوَى وَأَهْدَى. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا تُدْفَعُ إِلَى الْآبِ إِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الصِّيَانَةِ. (وَمَنْ سِوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهَى،

وَفِي الْحَامِيعِ الصَّغِيرِ: حَتَّى تَسْتَغْفِرَ لِأَنَّهُ لَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِحْدَامِهَا، وَلِهَذَا لَا تُؤْجِرُهَا لِلْحِدْمَةِ فَلَا يَحْضُلُ الْمَقْصُودُ، بِخِلَافِ الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا.

ترجمہ

اور ماں اور نانی بچے کی پرورش کرنے کی اس وقت تک حقدار ہیں گی جب تک وہ خود کھانے پینے لباس پہنے اور استنجہ کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں جب تک وہ بے نیاز نہیں ہو جائیں خود کھانے پینے لگتے ہیں خود لباس پہن سکتا ہے۔ مطلب ایک ہی ہے کیونکہ مکمل بے نیازی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خود استنجہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے جب وہ اس حوالے سے (ماں اور نانی) سے بے نیاز ہو جائے گا تو اب اسے مردوں کے مخصوص آداب و اخلاق سیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور یہ آداب سکھانے میں باپ زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ امام خصاف نے غائب صورت حال (یعنی عمومی تجربے) کے پیش نظر عمر کی حد سات برس مقرر کی ہے۔ ماں اور نانی بچی کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہیں جب تک اسے حیض نہیں آ جاتا۔ کیونکہ بے نیاز ہو جانے کے بعد بھی اسے خواتین کے مخصوص آداب کی تربیت دینے کے حوالے سے خاتون ہی زیادہ قدرت رکھے گی۔ جبکہ بالغ ہونے کے بعد اس کی پاکدامنی اور حفاظت کی ضرورت ہوگی اس حوالے سے باپ زیادہ قوت رکھتا ہوگا ورزیدہ بہتر ثابت ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے جب بچی کی عمر شہوت کی حد تک پہنچ جائے تو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ماں اور نانی کے علاوہ دیگر خواتین بچی کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہیں جب تک وہ شہوت کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ جبکہ الجامع الصغیر میں یہ الفاظ ہیں جب تک وہ بے نیاز نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے یہ خواتین اس بچی سے اپنی ذاتی خدمت نہیں لے سکتی ہیں۔ اس لئے یہ خدمت کے حوالے سے اس کی تربیت بھی نہیں کر سکیں گی اور مقصود حاصل نہیں ہو پائے گا۔ جبکہ ماں اور نانی کا حکم مختلف ہے۔ کیونکہ شرعی طور پر خدمت لینے کا حق رکھتی ہیں۔

شرح

حضرت ابو یوسف سلیمان بیان کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس میں موجود تھا کہ ایک خاتون ان کے پاس آئی اور عرض کی میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ایک عورت آئی اور بولی کہ میرا شوہر یہ چاہتا ہے کہ وہ میرے بچے کو اپنے ساتھ لے جائے حالانکہ اس نے مجھے نفع بھی دیا ہے اور مجھے ابو عبیدہ کے کنوئیں سے سیراب بھی کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں حصہ مقرر کرو۔ یا شاید یہ الفاظ ہیں قرعہ اندازی کر لو اسی دوران اس کا شوہر بھی آ گیا اور بولا کہ میری اولاد کے بدلے میں کون سے بھڑکا کر سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا کہ اے لڑکے یہ تمہاری امی ہے اور یہ تمہارے ابو ہیں تم ان دونوں میں سے جس کا چہو ہاتھ تھم ہو۔ راوی بیان کرتے ہیں تم ان میں سے جس کے ساتھ چاہو چلے جاؤ تو لڑکے نے اپنی والدہ کا ہاتھ

تمام لیا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 149)

حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان

امام مدد قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت کے لیے حق پرورش ہے اس کے پاس لڑکے کو اس وقت تک رہنے دین کہ اب اسے اس کی حاجت نہ رہے یعنی اپنے آپ کھانا پیتا، پہنتا، استنجا کریتا ہو، اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے اور اگر عمر میں اختلاف ہو تو اگر یہ سب کام خود کر لیتا ہو تو اس کے پاس سے مجتہدہ کر لیا جائے ورنہ نہیں اور اگر باپ بیٹے سے انکار کرے تو جبراً اس کے حق لے لیا جائے اور لڑکی اس وقت تک عورت کی پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے اور اگر اس عمر سے کم میں لڑکی کا نکاح کر دیا گیا جب بھی اسی کی پرورش میں رہے گی جس کی پرورش میں ہے نکاح کر دینے سے حق پرورش باطل نہ ہوگا، جب تک مرد کے قابل نہ ہو۔ (فتاویٰ خانہ، فصل فی حضانت، ج ۵، ص ۱۹۶، بیروت)

مدد علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سات برس کی عمر سے بلوغ تک لڑکا اپنے باپ یا دادا یا کسی اور ولی کے پاس رہے گا پھر جب بالغ ہو گیا اور سمجھو اس ہے کہ فتنہ یا بدنامی کا اندیشہ نہ ہو اور تادیب کی ضرورت نہ ہو تو جہاں چاہے وہاں رہے اور اگر ان باتوں کا اندیشہ ہو۔ اور تادیب کی ضرورت ہو تو باپ دادا وغیرہ کے پاس رہے گا خود مختار نہ ہوگا مگر بالغ ہونے کے بعد باپ پر نفقہ واجب نہیں اب اگر اخراجات کا متکفل ہو تو تبرع و احسان ہے۔ یہ حکم فقہی ہے مگر نظر بحال زمانہ خود مختار نہ رکھا جائے، جب تک چل چلن اچھی طرح درست نہ ہو میں اور پورا وثوق نہ ہوے کہ اب اس کی وجہ سے فتنہ و عار نہ ہوگا کہ آج کل اکثر مجتہدین مغرب اخلاق ہوتی ہیں اور نو عمری میں فساد بہت جد سرائت کرتا ہے۔ مدد ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کو آری ہے باپ دادا بھائی وغیرہم کے یہاں رہے گی مگر جبکہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے جہاں چاہے رہے اور لڑکی عیب ہے مثلاً بیوہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے، ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ بچا کے بیٹے کو لڑکی کے لیے حق پرورش نہیں یہی حکم اب بھی ہے کہ وہ محرم نہیں بلکہ ضرور ہے کہ محرم کے پاس رہے اور محرم نہ ہو تو کسی ثقہ امانت دار عورت کے پاس رہے جو اس کی عفت کی حفاظت کر سکے اور اگر لڑکی ایسی ہو کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اختیار ہے۔ (ردھتار، کتاب طلاق، باب حضانت)

لڑکا بالغ نہ ہو اگر کام کے قابل ہو گیا ہے تو باپ اسے کسی کام میں لگا دے جو کام سکھانا چاہے اس کے چہننے والوں کے ہاتھ بچھ دے کہ ان سے کام سیکھے نوکری یا مزدوری کے قابل ہو اور باپ اس سے نوکری یا مزدوری کرانا چاہے تو نوکری یا مزدوری اسے اور جو کمائے اس پر صرف کرے اور بچ رہے تو اس کے لیے جمع کرتا رہے اور اگر باپ جانتا ہے کہ میرے پاس خرچ ہو جائے گا تو کسی اور کے پاس امانت رکھ دے۔ مگر سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں

سکھائی جائیں روزہ و نذر و طہارت اور بیع و اب رہ و دیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرہ حاجت پڑتی ہے ورنہ واقعی سے خلاف شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی تعلیم ہوا کر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم پر زور خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو تصحیح و تعلیم عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگا کر اختیار ہے۔

لڑکے پر پرورش کرنے وان کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہو جاتا جس کا اندازہ سات سال عمر ہے اور سی پر تنہا دیا جائے گا ورنہ لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور سی پر تنہا دیا جائے گا۔ (درمختار باب الحضانه مطبع مجتہانی دہلی)

کنیز اور ام ولد آزاد ہونے پر بچے کی پرورش کی حقدار ہوں گی

قَالَ (وَالْأَمَةُ إِذَا أُعْتِقَهَا مَوْلَاهَا وَامُّ الْوَلَدِ إِذَا أُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِي حَقِّ الْوَلَدِ) لَا لَهَا حُرَّتَانِ أَوْ أَنْ تُبَوِّتَ الْحَقَّ (وَلَيْسَ لَهَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا) عَنْ الْحَضَانَةِ بِالْإِسْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلَى (وَالذِّمَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلَ إِلَّا ذِيَانًا أَوْ يَخْفَ أَنْ يَأْتَلَ الْكُفْرَ) لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذَلِكَ وَاحْتِمَالِ الضَّرَرِ بَعْدَهُ (وَلَا خِيَارَ لِلْعَلَامِ وَالْحَارِيَةِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُمَا الْخِيَارُ لِأَنَّ النَّسَبَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَيَّرَ (۱) وَلَنَا أَنَّهُ لِقُصُورِ عَقْلِهِ يَحْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَى لِتَخْلِيَّتِهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظَرُ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيَّرُوا، أَمَّا الْحَدِيثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (اللَّهُمَّ اهْدِهِ (۲) فَوْقَ لَا خِيَارَ لَهُ الْأَنْظَرُ بِدُعَايِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ يُحْمَلُ عَلَى مَا إِذَا كَانَ بِالْعَلَا.

ترجمہ

اور جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کر دے یا ام ولد جب آزاد ہو جائے تو بچے کی پرورش کے حق کے مسئلے میں ان کی حیثیت آزاد عورت کی طرح ہوگی کیونکہ جس وقت انہیں یہ حق حاصل ہوگا اس وقت یہ دونوں آزاد ہیں۔ آزاد ہونے سے پہلے انہیں بچے کی پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں پرورش کرنے سے عاجز ہوں گی کیونکہ یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہوں گی۔ ذمی عورت اپنے مسلمان بچے کی پرورش کی اس وقت تک حقدار ہوگی جب تک بچے کو دینی معاملات کی سمجھ بوجھ حاصل نہیں ہو جاتی یا اس بات کا اندیشہ پیدا نہیں ہو جاتا کہ بچہ کفر سے نوس ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اس صورت میں بچے کے لیے اس

وقت سے پہلے شفقت پائی جاتی ہے اور اس کے بعد ضرر کا پہلو پایا جاتا ہے۔

اس بارے میں بچے یا بچی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ ام شافعی یہ فرماتے ہیں ان دونوں کو اختیار ہوگا کیونکہ نبی اکرم نے (اسی صورت حال میں) اختیار دیا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے بچے میں عقل ناقص ہوتی ہے اس لئے وہ (ماں باپ میں سے) اسے ترجیح دے گا جس کے پاس اسے کھیلنے کے مواقع زیادہ میسر ہوں گے تو اس صورت میں بچے کے لیے شفقت نہیں پائی جائے گی۔ پھر صحابہ کرم کے بارے میں بھی یہ بات مستند طور پر ثابت ہے کہ وہ ایسی صورت حال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں: نبی اکرم نے اس بچے کو یہ دعا دی تھی: "اے اللہ! اسے ہدایت نصیب کر"۔ تو نبی اکرم کی دعا کی برکت سے اس بچے کو اسے اختیار کرنے کی توفیق ملی جس کے ساتھ میں اس کے لیے زیادہ بہتری تھی۔ یا پھر اس روایت کو اس بات پر محسوس کیا جائے گا کہ وہ بچہ بالغ تھا۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے جب کسی کنیز کو اس کا آقا آزاد کر دیتا ہے یا جب کوئی ام ولد آزاد ہو جاتی ہے تو بچے کی پرورش کے حق میں ان کا حکم آزاد عورت کی طرح ہوگا اس کی وجہ یہ ہے وہ دونوں اب آزاد ہیں لیکن جب تک یہ دونوں آزاد نہیں ہوتے تھے اس وقت تک انہیں بچے کی پرورش کا حق نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے یہ اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچے کی مناسب طور پر دیکھ بھال کرنے کے قابل نہیں ہوں گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی مسلمان کسی اہل کتاب عورت کے ساتھ شادی کریتا ہے تو وہ عورت اس مسلمان کے بچے کی اس وقت تک پرورش کرنے کی حقدار ہوگی جب تک بچے کو دینی معاملات میں سمجھ بوجھ حاصل نہیں ہو جاتی یا جب تک یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ بچہ اس کے مذہب سے نوس نہ ہو جائے اس وقت کے آجانے کے بعد بچے کو اس کے زیر پرورش رکھنے میں اس کے لیے ضرر کا احتمال ہے اس لیے اس وقت کے بعد اس کی اہل کتاب ماں اس کی پرورش کرنے کی حقدار نہیں ہوگی۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے لڑکا ہو یا لڑکی انہیں ذاتی طور پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا کہ وہ ماں یا باپ میں سے جس کے ساتھ جانا چاہیں اس کے ساتھ چلے جائیں۔

ام شافعی رحمہ اللہ کی رائے اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں لڑکا ہو یا لڑکی اسے یہ اختیار حاصل ہوگا اگر وہ ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ جانا چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے۔

(۱) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۵۷) والترمذي في "جامعه" برقم (۱۳۸۱) والنسائي في "المجتبى" برقم (۳۲۷۱) وابن ماجه في "سننه" برقم (۲۲۵۷). (۲) أخرجه أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۳۳) والنسائي في "المجتبى" برقم (۳۲۷۰) والحاكم في "المستدرک" برقم (۲۰۶/۲) وصححه والدارقطني (۳۳/۳) عن رافع بن سنان: أنه أسلم وأبنت امرأته أن تسلم، فهاهنا ابن لهما صغير لم يبلغ فخير، فقال: اللهم اهده، فذهب إلى أبيه.

امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل نقل کی ہے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار دیا تھا۔ مصنف یہ فرماتے ہیں: احناف اس بات کے قائل ہیں بچے میں عقل کیونکہ کم ہوتی ہے اس لیے وہ ماں باپ میں سے اس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دے گا جس کی طرف سے اسے زیادہ چھوٹ حاصل ہوگی، کہیں کودنے کے زیادہ مواقع ملیں گے پابندیاں اور روک ٹوک کم ہونے کا امکان ہوگا، لیکن دوسری طرف یہ نرمی اس بچے کے اخلاق کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے اور یہ چھوٹ بچے کے حق میں شفقت شمار نہیں کی جاسکتی اس لیے اس حوالے سے بچے کو اختیار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کے بعد مصنف نے نقلی طور پر یہ بات نقل کی ہے: صحیحہ کرام کے بارے میں یہ بات متفقہ طور پر ثابت ہے: وہ ایسی صورتحال میں بچے کو اختیار نہیں دیتے تھے اگر ایسا کرنا مسنون ہوتا تو صحیحہ کرام بھی اس طرح کی صورتحال میں بچے کو اختیار دیتے کہ وہ ماں یا باپ میں سے جس کے ساتھ جانا چاہے اس کے ساتھ چلا جائے۔

اب یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے: جب نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورتحال میں اختیار دیا تھا تو پھر ہمیں صحیحہ کرام کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کے لیے بطور خاص یہ دعا کی تھی۔ "اے اللہ! اسے ہدایت عطا کر!" نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کی برکت کے نتیجے میں اس بچے کو وہ صورتحال اختیار کرنے کی توفیق ملی جو اس کے حق میں زیادہ شفقت والی تھی، لیکن یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے تھا جبکہ بعد میں چونکہ ایسی کوئی صورتحال نہیں پائی گئی اسی لیے صحیحہ کرام نے ایسی کسی صورتحال میں بچے کو کوئی اختیار نہیں دیا۔

یہاں ایک احتساب یہ بھی ہو سکتا ہے جس وقت نبی اکرم ﷺ نے اس بچے کو یہ اختیار دیا تھا اس وقت وہ بچہ بالغ ہو چکا تھا۔ ہدایہ کے شارحین نے اس بات کی وضاحت کی ہے صاحب ہدایہ کا بیان کردہ دوسرا احتمال درست نہیں ہے کیونکہ احادیث کی کتابوں سے یہ بات واضح ہے: اس بچے کی عمر کم تھی۔

بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ

جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے والدین میں سے کسی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا جائیگا، اور وہ جسے زیادہ پسند کرتا ہے اسے اختیار کر کے اس کے ساتھ رہے گا، لیکن بچی سات برس کی ہو جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے بھی اختیار دیا جائیگا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ماں زیادہ حقدار ہے حتیٰ کہ بچی کی شادی ہو جائے یا حیض آجائے"

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کی ماں زیادہ حقدار ہے، حتیٰ کہ بچی کی شادی ہو جائے اور خاندان داخل کر لے" اور امام احمد کہتے ہیں: "اس بچی کا باپ زیادہ حقدار ہے، کیونکہ باپ اس کی حفاظت زیادہ کر سکتا ہے۔"

کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی مقدسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے قوس میں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کافر نہیں کر سکتا۔ (المغنی (11/ 412)

اس لیے اگر آدمی کے مسلمان رشتہ دار بہت زیادہ دور رہائش پذیر ہوں تو بچوں کو ان کے پاس بھیج دیا جائے گا، اگر ایب کرنا ممکن نہیں تو پھر ان بچوں کو کسی مسلمان گھرانے کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کر سکے۔

پرورش کرنے والے کی بعض شرائط: اسلام: کافر پرورش نہیں کر سکتا۔ عقل: مجنون اور پاگل اور مدہوش شخص کو پرورش کا حق نہیں۔ بوغت: چھوٹی عمر والا بھی پرورش نہیں کر سکتا۔ حسن تربیت: یعنی وہ تربیت بھی اچھی کر سکتا ہو اس لیے گندی تربیت کرنے والے کو بھی پرورش کا حق حاصل نہیں۔

ابن قیم کا کہنا ہے: مسلمان کی کافر دو وجوہات سے پرورش نہیں کر سکتا۔

پہلی: اس لیے کہ پرورش کرنے والا اپنے دین کے مطابق بچے کی پرورش کرنے پر حریص ہوتا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اس کے دین پر بڑا ہو اور تربیت حاصل کرے تو اس طرح اس کے لیے بڑا اور عقل مند ہونے کے بعد اس دین سے ٹکنا مشکل ہو جائے۔ اور بعض اوقات تو وہ اس بچے کی فطرت ہی تبدیل کر ڈالتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے تو اس طرح وہ اس فطرت کی طرف کبھی بھی نہیں لوٹا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

(ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، (لیکن) اس کے والدین اسے یہودی یا پھر عیسائی، یا پھر مجوسی بنا ڈالتے ہیں) تو اس لیے خدشہ ہے کہ مسلمان بچے کو کہیں وہ یہودی یا پھر عیسائی نہ بنا ڈالے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ: یہ حدیث تو والدین کے بارہ میں خاص ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: حدیث میں غالب چیز کا ذکر ہے اس لیے کہ اکثر اور غالب طور پر بچہ اپنے والدین کے درمیان ہی پرورش پاتا ہے، لیکن اگر اس کے والدین نہ ہوں یا پھر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ان کی جگہ اس کے رشتہ دار بچے کے ولی بنتے ہوئے پرورش کرتے ہیں۔

دوسری: بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں اور کفار کے مابین دوستی اور مولاۃ ختم کر دی ہے، اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور ولی بنایا ہے، اور اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ولی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ختم کردہ مولاۃ کے اسباب میں سے سب سے قوی سبب پرورش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے مابین ختم کیا ہے۔

فصل

یہ فصل مطلقہ کا بچے کو شہر سے باہر لے جانے کے بیان میں ہے ﴿
فصل خروج اہل الہند والی القری کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب حضانت کے بعد اس کو الگ فصل کے طور پر بیان کرنا یہ حضانت میں فرق کرنے کی غرض سے ہے۔ تاکہ حق حضانت و حق خروج میں فرق واضح ہو جائے۔ در الگ کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ حق حضانت عورت اس کو اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچے جبکہ حق خروج الی قری میں باپ کو نقصان ہے لہذا اب یہاں ماں کیلئے خروج کا حق معدوم ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۶، ص ۱۹۲، بیروت)

کوئی مستحق حضانت اپنے حق سے دست بردار ہونا چاہے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا حق استعمال کرنا چاہے تو اسے اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ نانی تنہا رہتی ہو اسے بچے کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانے میں دشواری ہو تو وہ اس سے معذرت کر سکتی ہے۔ اس صورت میں بچہ کو اس شخص کی پرورش میں دیا جائے گا جو اس کے بعد مستحق حضانت ہو۔ استحقاق حضانت کی بنیاد شریعت میں اس بات پر نہیں رکھی گئی ہے کہ باپ اس کے لیے تیار ہے یا نہیں اور بچے کے کسی دوسرے کے پاس رہنے کو وہ اپنی حق تلفی سمجھتا ہے یا نہیں۔ بہت فقہاء نے استحقاق حضانت کے لیے بعض شرائط بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ مستحق حضانت مسلمان ہو، بالغ و عاقل ہو، دین دار ہو اور اس کا فاقہ و غور عام نہ ہو، وہ بچے کی پرورش کرنے پر قادر ہو، بڑھاپے، مرض یا کسی مصروفیت کی بنا پر اس سے معذور نہ ہو، اسے کوئی متعدی مرض نہ ہو، جہاں اس کا قیام ہو وہ جگہ محفوظ و مامون ہو، وغیرہ۔ ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

طریق یافتہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جاسکتی ہے؟

(وَإِذَا أَرَادَتْ الْمُسْتَلْقَةُ أَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمَضِرِّ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ) لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِضْرَارِ بِالْأَبِ (أَلَا أَنْ تَخْرُجَ بِهِ إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيهِ) لِأَنَّهُ التَّزَمَ الْمَقَامَ فِيهِ عُرْفًا وَشَرْعًا، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ تَاهَلَ بِبَلَدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ) (۱) وَلِهَذَا يَصِيرُ الْحَرْبِيُّ بِهِ ذِمِّيًّا، وَإِنْ أَرَادَتْ الْخُرُوجَ إِلَى مَضِرٍّ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ

(۱) أخرجه ابن أبي شيبة و أبو يعلى من حديث عثمان و هي سند ما عكرمة بن ابراهيم الأزدی و هو ضعيف بلفظ: "إذا تزوج الرجل ببلد فهو من أهلها" وأحمد في "مسنده" ۶۲/۱ بلفظ: "من تأهل في بلد فليصل صلاة مقيم".

التَّرَوُّحُ فِيهِ أَشَارَ فِي الْكِتَابِ إِلَى أَنَّهُ لَيْسَ لَهَا ذَلِكَ، وَهَذَا رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَقَدْ ذَكَرَ فِي الْحَامِيعِ الصَّغِيرِ أَنَّ لَهَا ذَلِكَ لِأَنَّ الْعَقْدَ مَتَى وَجِدَ فِي مَكَانٍ يُوجِبُ أَحْكَامَهُ فِيهِ كَمَا يُوجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيمَ فِي مَكَانِهِ، وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ حَقُّ امْسَاكِ الْأَوْلَادِ وَجْهَ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّرَوُّحَ فِي دَارِ الْفُرْتَةِ لَيْسَ التَّرَامًا لِلْمُكْنِ فِيهِ عُرْفًا، وَهَذَا أَصَحُّ وَالْخَاصِلُ أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْأَمْرَيْنِ جَمِيعًا: الْوُطْنُ وَوُجُودُ النِّكَاحِ،

ترجمہ

اور ارضاق یافتہ عورت یہ ارادہ کرے کہ وہ بچے کو شہر سے باہر لے جائے تو اسے اس کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اس کے نتیجے میں باپ کو ضرر، حق ہوگا البتہ وہ اس بچے کے ساتھ اپنے آبائی وطن جاسکتی ہے جہاں مرد نے اس کے ساتھ شادی کی تھی کیونکہ مرد نے عام رواج اور شریعت کے حساب سے اس بات کا التزام کیا تھا کہ وہ وہاں قیام کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے "جو شخص کسی مخصوص علاقے میں شادی کرے تو وہ ان کا حصہ شمار ہوگا"۔ یہی وجہ ہے اس کے نتیجے میں حربی شخص ذی بن جاتا ہے۔ اگر وہ عورت اپنے آبائی وطن کے علاوہ کسی اور جگہ جانا چاہتی ہو اور اس کی شادی بھی اسی جگہ ہوئی تھی تو (مختصر القدوری) میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہوگا کہ بت الطلاق کی روایت یہی ہے۔ "الحامیہ الصغیر" میں یہ بات ذکر کی گئی ہے۔ عورت کو اس بات کا حق حاصل ہوگا کیونکہ جس جگہ پر عقد پایا گیا عقد کے احکام اس جگہ میں پائے جائیں گے جیسے کہ سودا جس جگہ منعقد ہوتا ہے فروخت شدہ چیز اسی جگہ حوالے کی جاتی ہے۔ عقد کے دیگر احکام میں یہ بات بھی شامل ہے اولاد کی پرورش اپنے ساتھ رکھ کر کی جائے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے۔ جنہی جگہ پر شادی کرنا اس میں عام رواج کے مطابق اپنے اوپر یہ بات لازم کرنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا کہ مرد وہاں قیام بھی کرے گا اور یہی روایت زیادہ مستند ہے۔ حاصل کلام یہ ہے عورت اسی صورت میں بچے کو ساتھ لے جاسکتی ہے جب دو باتیں پائی جا رہی ہوں ایک یہ ہے عورت اسے اپنے وطن لے کر جا رہی ہو اور دوسری یہ ہے اس وطن میں اس کی شادی بھی ہوئی ہو۔

قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ

عام حالات میں بچے کو وہیں رکھنا ضروری ہے جہاں اس کے باپ کا قیام ہو۔ اس لیے کہ شریعت نے باپ کو بچے کی تعلیم و تربیت اور مجموعی خبر گیری کا ذمہ دار بنایا ہے اور اسے بچے کو دیکھنے کا بھی حق حاصل ہے۔ اس لیے ماں باپ میں سے کوئی بھی اگر دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ بالکلیہ، شوافع اور حنابلہ کا مسلک ہے۔ احناف کے نزدیک ماں بچے کے ساتھ کسی دوسرے قریبی شہر میں رہ سکتی ہے، جہاں باپ کی بد آسانی آمد و رفت ہو سکتی ہو۔ اسی طرح وہ اسے کسی دور دراز شہر لے بھی لے جاسکتی ہے اگر وہ شہر اس کا وطن ہو۔ (الموسمۃ الفقہیہ، کویت)

بچے کے ماں باپ میں سے کوئی ایک دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو بچہ کس کے پاس رہے؟ اس سلسلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ بچہ کس کے پاس رہنا زیادہ بہتر اور مفید ہے اور کس کے پاس وہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی دوسرے شہر منتقل کہیں دوسرے فریق کو پریشان کرنے اور اس کو بچے سے محروم کرنے کے مقصد سے تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو بچے کو اس کے ساتھ نہیں بھیجا جائے گا۔ (فقہ السنہ)

جب خاوند اور بیوی کا ملک علیحدہ علیحدہ ہو اور بچہ بھی پرورش کی عمر (یعنی سات برس کی عمر سے چھوٹا) میں ہو تو صحیح اور اصل یہی ہے کہ پرورش کا حق ماں کو ہے۔

اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان ہے۔ (جب تک نکاح نہ کر لے تو اس کی زیادہ حقدار ہے)

سنن ابوداؤد حدیث نمبر (1938)

یہ تو اصل کے اعتبار سے ہوا، لیکن یہاں ایک اور اصل اور قاعدہ ہے کہ پرورش بچے کی مصلحت پر مبنی ہے: تو اگر ماں یا پھر باپ کے ساتھ سفر میں بچے کو ضرر اور تکلیف ہو تو بچے کی پرورش کا مسئلہ والد کے حق میں ہوگا کہ بچے کو سفر کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اور اگر ماں کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر میں بچے کو کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی تو اصل پرورش کا حق ماں کو ہی حاصل رہے گا۔

حق حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمانہ پرورش میں باپ یہ چاہتا ہے کہ عورت سے بچہ لے کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے تو اس کو یہ اختیار حاصل نہیں اور اگر عورت چاہتی ہے کہ بچہ کو لے کر دوسرے شہر کو چلی جائے اور دونوں شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ باپ اگر بچہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ کر رات آنے سے پہلے واپس آ سکتا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہے تو خود بھی نہیں جاسکتی۔ یہی حکم ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں جانے کا ہے کہ قریب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور شہر سے گاؤں میں بغیر اجازت نہیں لے جاسکتی، ہاں اگر جہاں جانا چاہتی ہے وہاں اس کا میکا ہے اور وہیں اس کا نکاح ہوا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اگر اس کا میکا ہے مگر وہاں نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کہیں اور ہوا ہے تو نہ میکے لے جاسکتی ہے، نہ وہاں جہاں نکاح ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والی لے جانا چاہتی ہو تو باپ کی اجازت سے لے جاسکتی ہے۔ مسلمان یا ذمی عورت بچہ کو دارالحرب میں مطلقاً نہیں بجا سکتی، اگر چہ وہیں نکاح ہوا ہو۔ عورت کو طلاق دیدی اس نے کسی اجنبی سے نکاح کر لیا تو باپ بچہ کو اس سے لے کر سفر میں لے جاسکتا ہے جبکہ کوئی اور پرورش کا حقدار نہ ہو ورنہ نہیں۔ جب پرورش کا زمانہ پورا ہو چکا اور بچہ باپ کے پاس آ گیا تو باپ پر یہ واجب نہیں کہ بچہ کو اس کی ماں کے پاس بھیجے نہ پرورش کے زمانہ میں ماں پر باپ کے پاس بھیجنا لازم تھا ہاں اگر ایک کے پاس ہے اور دوسرا اسے دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ (درمختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۰، بیروت)

دو شہروں کے درمیان کتنا فاصلہ معتبر ہوگا؟

وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَصْرُفَيْنِ تَفَاوُثٌ، أَمَّا إِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمَكِّنُ لِلْوَالِدِ أَنْ

يُطَالَعُ وَلَدُهُ وَيَبْتَ فِي بَيْتِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرَبَيْنِ، وَلَوْ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْبَةِ الْمَصْرِ إِلَى الْمَصْرِ لَا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِاخْلَاقِ أَهْلِ الْمَصْرِ وَلَيْسَ فِيهِ ضَرَرٌ بِالْأَبِ، وَفِي عَكْسِهِ ضَرَرٌ بِالصَّغِيرِ لِتَخَلُّقِهِ بِاخْلَاقِ أَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ.

ترجمہ

اور یہ سب ان صورتوں میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو، لیکن اگر دونوں شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ باپ جب چاہے وہاں جا کر اپنے بچے سے مل کر رات تک واپس آ سکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ پھر دو گاؤں کے درمیان کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر شوہر اپنے بچے کو چھوٹی بستی سے بڑے شہر کی طرف منتقل کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بچے کی بہتری کا مفہوم پایا جاتا ہے اور وہ اس صورت میں شہر یوں کے آداب و اخلاق سیکھ سکتا ہے اور باپ کا بھی اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ لیکن شہر سے گاؤں لے جانے کا حکم اس سے مختلف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بچے کے حق میں نقصان پایا جا رہا ہے کیونکہ وہ دیہاتیوں کے اخلاق سیکھ لے گا اس لیے عورت کو اسے وہاں لے جانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

شرح

مصنف یہ فرماتے ہیں: یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب ان دو شہروں یعنی جس شہر سے دوسرے شہر میں عورت اس بچے کو لے جانا چاہتی ہے ان دونوں شہروں کے درمیان کافی فاصلہ ہو، لیکن اگر وہ دونوں شہر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں کہ بچے کے والد کے لیے یہ بات ممکن ہو کہ وہ اپنے بچے کے لیے ملنے جا کر وہاں اس سے مل کر اپنے گھر میں آ کر رات بسر کر سکتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: اسی طرح دو بستیوں کے بارے میں بھی جواب یہی ہوگا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر عورت اس بچے کو شہر کی نواحی بستی سے اٹھا کر شہر لے جانا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں بچے کے لیے شفقت کا پہلو پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ شہر یوں کے آداب و اخلاق سیکھ لے گا اور اس میں باپ کے لیے کوئی ضرر بھی نہیں ہے، لیکن اس کے برعکس صورتحال میں یعنی جب وہ عورت بچے کو شہر سے گاؤں لے جانا چاہتی ہو تو اس میں بچے کے لیے بھی ضرر ہے، کیونکہ اس میں دیہاتیوں کے آداب و اخلاق پیدا ہو جائیں گے تو ایسی صورت میں عورت کو اس بات کا اختیار نہیں ہوگا، وہ اس بچے کو شہر سے لے جا کر گاؤں میں آباد کرے۔

بَابُ النِّفَقَةِ

﴿یہ باب بیوی کو خرچ دینے کے بیان میں ہے﴾

باب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب باب حضانت کو بیان کیا ہے تو حق حضانت چونکہ ماں کو حاصل ہے تو حضانت بھی نفقہ کی تحت ہے۔ لہذا ضروری ہو کہ اس چیز کو بیان کیا جائے جس میں نفقہ کا بیان ہوا، نفقہ کا معنی خرچ ہے۔ یعنی بیوی کے اخراجات کا وہ حق جو اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کو نفقہ کہتے ہیں۔ کسی شخص پر غیر کی طرف سے وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔ (۱) زوجیت (۲) نسب (۳) ملک، زوجیت کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ نسب میں اصل زوجیت ہے کیونکہ ثبوت نسب کا سبب وہی ہے۔ اور نسب کا سبب ہونا ملکیت سے افضل ہے کیونکہ نسب میں جس پر اغلاق ہے وہ نافتی کے جسم کا حصہ ہے۔ جبکہ ملکیت یعنی غلامی میں ایسا نہیں ہے۔ لہذا ملک پر نسب کو مقدم کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۱۹۷، میرتب)

نفقہ کا لغوی و فقہی مفہوم

نفقات نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام لباس اور سکنی مکان کو نفقہ کہتے ہیں چونکہ نفقہ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ اولاد کا نفقہ والدین کا نفقہ اور عزیز و اقارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں نفقات یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں نفقہ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔

لو نذی غلام کے حقوق کا مطلب ہے ان کو کھانا پہنا نا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت و ہمت سے باہر ہوں۔

بیوی کے نفقہ کے احکام و مسائل کا بیان

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ لباس اور مکان دینا واجب ہے چاہے مرد عمر میں اپنی بیوی سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ بیوی مسنن ہو یا کافرہ ہو خواہ بالغہ ہو یا ایسی نابالغہ ہو جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو لیکن نفقہ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں شوہر کے سپرد کر دیا ہو اگر سپرد نہ کیا ہو تو اس کی وجہ یا تو اس کا کوئی حق ہو کہ جس کو ادا کرنے سے انکار کرتا ہو یا خود شوہر سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔

بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں اور حیثیت کے مطابق جو کچھ میسر ہو اس میں

دونوں گزارہ کریں اور جیسا کہ شریف گھرانوں کا قاعدہ ہے شوہر باہر کسب معاش کرے اور بیوی گھر کے انتظامات کی ذمہ دار بنے شوہر جو کچھ کمائے اسکے مطابق جنس و سامان گھر میں مہیا کرے اور بیوی اپنی سلیقہ شعاری کے ذریعہ اس جنس و سامان کو پورے گھر اور متعلقین کی ضرورتوں میں صرف کرے اور اگر کسی وجہ سے شوہر بیوی کا اس طرح ہم پیالہ وہم نوالہ رہن ممکن نہ ہو اور بیوی قاضی و حاکم کے یہاں یہ درخواست کرے کہ میرے لئے شوہر پر نفقہ مقرر کر دیا جائے تو حاکم و قاضی کی طرف سے بیوی کے لئے ماہانہ نفقہ دینے پینے کا خرچ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور وہ مقرر مقدار اس کے سپرد کر دیا جائے گا اسی طرح ایک سال میں دوسرے کیزا دینا مقرر کیا جائے گا اور وہ مقرر کیزا ہر ششماہی پر اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اگر قاضی و حاکم نے عورت کے لئے ماہانہ نفقہ مقرر کر دیا تو شوہر ان کو ماہانہ ادا کرے گا اور اگر شوہر نے ماہانہ نہ دیا اور عورت نے روزانہ طلب کیا تو شام کے وقت عورت کو مطالبہ کرنے کا اختیار ہو گا۔

نفقہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں اس مقدار کا لحاظ رکھا جائے گا جو بیوی کے لئے کافی ہو اور بغیر کسی اسراف و تنگی کے اپنا گزارہ کر سکے۔ یہی معیار کی بات تو اس میں میاں بیوی دونوں کی حالت و حیثیت کا اعتبار ہوگا اگر وہ دونوں مالی طور پر اچھی حالت و حیثیت کے مالک ہیں تو اچھی ہی حیثیت کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ دونوں تنگ دست و مفلس ہوں تو نفقہ بھی اسی کے اعتبار سے واجب ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ میاں تو خوش حال ہو اور بیوی تنگ دست ہو یا میاں تنگ دست ہو اور بیوی خوش حال ہو تو پھر درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا حتیٰ کہ وہ نفقہ دیا جائے گا جو خوشحالی کے درجہ سے کم ہو اور تنگدستی کے درجہ سے زیادہ ہو اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ہر صورت شوہر ہی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس حالت و حیثیت کا ہوگا اسی کے مطابق نفقہ مقرر کیا جائے گا خواہ بیوی کسی بھی حیثیت و حالت کی مالک ہو۔

اگر شوہر بیوی کے درمیان خوشحالی و تنگدستی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے یعنی شوہر تو کہے کہ میں تنگ دست ہوں اس لئے تنگدستی کا نفقہ دوں گا اور بیوی کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لیے میں خوشحالی کا نفقہ لوں گی اور پھر یہ معاملہ حاکم و قاضی کی عدالت میں پہنچے دربیوی اپنے دعویٰ کے گواہ پیش کر دے تو ان گواہوں کا اعتبار کر کے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر بیوی نے گواہ پیش نہ کئے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر بیوی کے ساتھ کوئی خادم یا خادمہ بھی ہے اور شوہر خوشحالی ہے تو عورت کے نفقہ کے ساتھ اس خادم یا خادمہ کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا اور اگر شوہر تنگ دست ہو تو اس خادم یا خادمہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

اگر حاکم و قاضی نے شوہر کی تنگدستی کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا اور پھر شوہر خوش حال ہو گیا اور ثلث نے خوش حالی کے نفقہ کا دعویٰ کر دیا تو اس کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اور اگر شوہر کی خوش حالی کی وجہ سے بیوی کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر شوہر تنگ دست ہو گیا تو اب تنگدستی کا نفقہ مقرر کر دیا جائے گا۔

جو عورت شوہر کی وفات کی عدت میں ہو اس کو نفقہ نہیں ملتا خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اسی طرح جو بیوی نافرمان ہو جائے یعنی

شوہر کی اجازت کے بغیر اور بلا کسی وجہ کے شوہر کے گھر سے چلی جائے تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ نیز جو بیوی کسی دین یعنی قرض وغیرہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دی گئی ہو یا اپنے میکہ میں ایسی بیمار ہو کہ شادی کے بعد شوہر کے گھر نہ بھی گئی ہو، یا اس کو کوئی غاصب لے کر بھاگ گیا ہو یا وہ اتنی کم عمر ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو اور یا بغیر شوہر کے حج کو چلی گئی ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا ہاں جو بیوی شوہر کے ساتھ حج کو جائے گی اس کا حضر کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا سفر کا خرچ اور سواری کا کرایہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر بیوی اپنے میکہ میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد شوہر کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا البتہ جو بیوی اپنے شوہر کے گھر آ کر بیمار ہوئی ہے اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا۔

شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے رہنے کا ٹھکانہ مکان شرعی مقدار کا لکھا رکھتے ہوئے اپنی حیثیت واستقامت کے مطابق خود مقررہ مہیا کرے اور وہ مکان ایسا ہونا چاہئے جو خود اس کے اہل و عیال اور اس بیوی کے اہل و عیال سے خالی ہو اور اگر خود بیوی ان اہل و عیال کے ساتھ رہنا چاہے تو پھر اس طرح کا مکان بنادینا واجب نہیں رہے گا۔

اگر شوہر کے گھر میں کئی کمرے ہوں اور ان میں سے ایک کمرہ کہ جس میں کواڑ اور تالہ کنبی وغیرہ ہو خالی کر کے بیوی کو دے دے تو یہ کافی ہے بیوی کو دوسرے کمرے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

اگر شوہر چاہے کہ گھر میں بیوی کے پاس اس کے عزیز و اقارب کو اگرچہ دوسرے شوہر سے اس بیوی کا لڑکا ہی کیوں نہ ہو آنے سے منع کر دے تو اس کو اس کا حق ہے ہاں اگر بیوی کے وہ عزیز و اقارب اس کے محرم ہوں تو ان کو بیوی کا سامنا کرنے یا اس سے بات چیت کرنے سے روکنے کا حق اس کو نہیں ہے اسی طرح شوہر کو یہ بھی حق نہیں ہے کہ وہ مہینہ میں ایک بار بیوی کو اپنے والدین کے پاس جانے یا والدین کو اس کے پاس آنے سے روکے یعنی ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے جانے سے روک سکتا ہے اور والدین کے علاوہ دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے پاس سال بھر میں ایک مرتبہ بیوی کے جانے یا بیوی کے پاس ان کے آنے پر پابندی عائد کرنے کا حق نہیں ہے یعنی سال بھر میں ایک بار سے زائد ان کے آنے پر پابندی عائد کر سکتا ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں ہو وہ شوہر سے نفقہ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا مغلطہ ہو اور خواہ عورت حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اسی طرح جو عورت ایسی تفریق جدائی کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی شرعی حق کی وجہ سے واقع ہوئی ہو تو اس کا نفقہ و سکنی بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، مثلاً کوئی ام ولد یا مدبرہ کسی کے نکاح میں تھی اور پھر خیار حق کی بناء پر اس نے شوہر سے جدائی اختیار کر لی یا کسی نابالغ کا نکاح اس کے ولی نے کسی شخص سے کر دیا تھا اور پھر اس نے بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ کی بناء پر اس شوہر سے جدائی اختیار کر لی تو ان صورتوں میں بھی عورت نفقہ اور سکنی پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کسی ایسی تفریق (جدائی) کی عدت میں ہو جو کسی معصیت کی بناء پر واقع ہوئی ہو اور اس کا نفقہ و سکنی شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، مثلاً عورت نعوذ باللہ مرتد ہو گئی یا اس نے شوہر کے بیٹے سے کوئی ایسا برا فعل کرا لیا جس سے شوہر پر حرام ہو گئی جیسے اس سے ہم بستری

کر لی یا اس کو شہوت سے چھو لیا یا اس کا بوسہ لیا اور اس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو گئی اور وہ عدت میں بیٹھ گئی تو ان صورتوں میں وہ شوہر سے کھانے پینے کا خرچ اور رہنے کے لئے مکان پانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی عورت کو تین طلاقیں دی گئیں اور وہ عدت میں بیٹھ گئی نیز نفقہ و سکنی کی حقدار رہی لیکن پھر زمانہ عدت میں نعوذ باللہ مرتد ہو گئی تو اس کے نفقہ و سکنی کا حق ساقط ہو جائیگا اور اگر عورت نے اپنے زمانہ عدت میں شوہر کے لڑکے یا شوہر کے باپ سے ناجائز تعلق قائم کر لیا یا شہوت سے بوس و کنار کرا لیا تو نفقہ و سکنی کی مستحق رہے گی بشرطیکہ وہ عدت طلاق رجعی کی نہ ہو بلکہ طلاق بائن مغلطہ کی ہو۔

بیوی کا خرچ شوہر پر لازم ہونے کا بیان

قَالَ (النَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِذَا سَلِمَتْ نَفْسَهَا إِلَى مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكَّاهَا) وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى (لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ) وَقَوْلُهُ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ حَبَّةِ الْوَدَاعِ (وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ) وَلَآنَ النَّفَقَةُ جَزَاءُ الْإِحْتِسَابِ فَكُلُّ مَنْ كَانَ مُحْبُوسًا بِحَقِّ مَقْصُودٍ لِبَعْضِهِ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ: أَصْلَةُ الْقَاضِي وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ. وَهَذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَضْلَ فِيهَا فَتَسْتَوِي فِيهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ (وَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ حَالُهُمَا جَمِيعًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذَا اخْتِيَارُ الْحَصَافِ وَعَلَيْهِ الْقَتَوِيُّ، وَتَفْسِيرُهُ أَنَّهُمَا إِذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ تَجِبُ نَفَقَةُ الْبَسَارِ، وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ فَفَقَّةُ الْإِعْسَارِ، وَإِنْ كَانَتْ مُعْسِرَةً وَالزَّوْجُ مُوسِرًا فَفَقَّةُ دُونَ نَفَقَةِ الْمُوسِرَاتِ وَفَوْقَ نَفَقَةِ الْمُعْسِرَاتِ.

وَقَالَ الْكُرَّخِيُّ: يُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لِيُنْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ) وَجِهَةُ الْأَوَّلِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِهَذَا امْرَأَةِ أَبِي سُفْيَانَ (خُذِي مِنْ مَالِ زَوْجِكَ مَا يَكْفِيكَ وَوَلَدِكَ بِالْمَعْرُوفِ) (۱) اِغْتَبَرَ حَالَهَا وَهُوَ الْفَقْرُ فَإِنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ بِطَرِيقِ الْكِفَايَةِ، وَالْفَقِيرَةُ لَا تَقْتَرُ إِلَى كِفَايَةِ الْمُوسِرَاتِ فَلَا مَعْنَى لِلزِّيَادَةِ، وَنَحْنُ نَقُولُ بِمُوجِبِ النَّصِّ أَنَّهُ يُخَاطَبُ بِقَدْرِ وَسْعِهِ وَبِالْبَاقِي دَيْنٌ فِي ذِمَّتِهِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ بِالْمَعْرُوفِ الْوَسْطُ وَهُوَ الْوَاجِبُ بِهِ يَتَبَيَّنُ أَنَّهُ لَا مَعْنَى لِلتَّقْدِيرِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ

الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ عَلَى الْمُؤَسِّرِ مَدَانٍ وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ مَدَّةٌ وَبَصْفٌ مَدَّةٌ
لَآنَ مَا وَجَبَ كِفَايَةً لَا يَتَقَدَّرُ شَرْعًا فِي نَفْسِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر بوجہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے گھر حوالے کر دے تو اس کا خرچ اس کا لباس اور رہائش شوہر کے ذمے ہوگی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بنیادی حکم ہے۔ "خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا"۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بچے کا والد اس کی ماں کا کھانا اور لباس مناسب طور پر دے گا"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔ "ان خواتین کی خوراک اور لباس کی مناسب طور پر فراہمی تم پر لازم ہے"۔ اس کی وجہ یہ ہے، نفقہ دراصل اس بات کا عوض ہے جو عورت کو روکے رکھنے کا اختیار مرد کو حاصل ہے اور جو بھی شخص کسی دوسرے کے حق کے لئے رکے رکھے گا پابند ہو اس کا خرچ روکنے والے کے ذمے ہوگا۔ اس کی مثال قاضی اور عامل کی تنخواہ کا حکم ہے۔ ان تمام دلائل میں کوئی فصل نہیں ہے اس لیے خرچ کی ادائیگی کے بارے میں مسلمان اور کافر بیوی کی حیثیت یکساں ہوگی۔ خرچ کی مقدار کے بارے میں مرد اور عورت دونوں کی حیثیت کا خیال رکھ جائے گا۔ فرماتے ہیں۔ یہ امام مقدوریؒ کے رائے ہے اور امام خفاف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی کے مطابق دیا جاتا ہے۔

خفاف کے قول سے مراد یہ ہے: جب میاں بیوی دونوں خوشحال ہوں گے تو خرچ بھی خوشحالی کے حساب سے واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگدست ہوں گے تو خرچ بھی اسی حیثیت کے مطابق ہوگا لیکن اگر شوہر خوشحال ہو اور بیوی غریب ہو تو اس کا خرچ نام غریب عورتوں سے زیادہ ہوگا اور والد اور عورتوں سے کم ہوگا۔

امام کرنفی اور امام شافعی کے نزدیک تمام حالات میں مرد کی حیثیت کا خیال رکھا جائے گا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے"۔

امام خفاف کے فتویٰ کی وجہ یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا تھا۔ "تم اپنے شوہر کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے مناسب طور پر کافی ہو"۔ تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ عنہا کا اعتبار کیا تھا اور فقہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نکاح خرچ کفایت کے اعتبار سے لازم ہوتا ہے اور غریب عورت کے لئے خوشحال عورتوں جیسی کفایت ضروری نہیں ہے اس لیے اسے زیادہ ادائیگی کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ جہاں تک نص کا تعلق ہے تو ہم بھی اس کے مطابق یہی کہتے ہیں۔ مرد کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کرے اور جو باقی ہوگا وہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ قرآن پاک میں "معروف" سے مراد میانہ روی ہے کیونکہ واجب بھی یہی

(۲) "معرجہ البخاری فی صحیحہ" برقم (۵۳۶۱) و مسلم فی صحیحہ" برقم (۱۷۱۴) و أبو داؤد فی "سنن" برقم (۳۵۳۲) و نسائی

فی "المجتبیٰ" برقم (۵۰۱۰) و ابن ماجہ برقم (۱۸۵۷)۔

ہے۔ زیر بحث مسئلے میں یہ بات تحقیق پایہ تک پہنچ چکی ہے کہ نفقہ کے سلسلے میں کوئی معین مقدم نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے خوشحال شخص پر نصف صاع کی ادائیگی لازم ہوگی اور غریب شخص پر چوتھائی صاع کی اور درمیانے درجے کے شخص پر پڑھ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ کیونکہ جو بھی چیز کفایت کے طور پر واجب ہوگی وہ شرعی طور پر متعین نہیں کی جاسکتی۔

نفقہ ولد کے والد پر ہونے میں شرعی بیان

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ. (البقرہ، ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے۔ اس پر عورتوں کا کھانا پہننا ہے حسب دستور۔ کسی جان پر بوجھ نہ رکھ جائے گا مگر اس کے مقدور بھروسہ کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچہ سے۔ اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے۔ یا ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والے کو اپنی اولاد کو۔ اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر بھی ایسا ہی واجب ہے۔ (کنز الایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی والد، اس انداز میں سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پینا باپ کے ذمہ واجب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلانے تو مستحب ہے۔ شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔

اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر بہ اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی گمرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرر دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔ (خزان العرفان، بقرہ، ۲۳۳)

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عقبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال

میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو (بخاری و مسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ مقدمہ ۱۰ کا اس پر جماع و اتفاق ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کا اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے سنے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریح اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضا مندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندو سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

وجوب نفقہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں۔ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں، نہ تو زیادہ ہونہ کم بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا آیت (لینفق ذو وسعۃ من سعۃ) یعنی کثادگی والے اپنی کثادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں، اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔

ضحیٰ کہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ چرائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈال دے بلکہ بچے کو دودھ پلائی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسائی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب و دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرورت پہنچائے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں، ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن) اے عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دینا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلواد، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوادیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۲۳)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ

حضرت شععی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیمؑ سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر ۱۱۸۹)

حضرت شععی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بنتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام کلثوم کے گھر عدت کے دن گزار دوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بھری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن

خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مک لیث بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس نئے گھر نہیں دلایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1190)

نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع

علامہ ابن قدامہ مقدسی صلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن منذ کہتے ہیں: ہمیں اہل علم میں سے جتنے بھی یاد ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ ان بچوں کا خرچہ جن کے پاس مال نہیں والد کے ذمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ اولاد وہ انسان کا ایک حصہ ہے اور والد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہذا جس طرح اس کا اپنے آپ اور گھر والوں پر خرچ کرنا واجب ہے اسی طرح اپنے بعض یعنی اولاد اور اپنی اصل یعنی مال باپ پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (المغنی (8 / 171)

بچوں پر خرچہ کرنے میں کتاب وصنت اور اجماع دلیل اور اصل ہے۔

کتاب اللہ کے دلائل: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو) (الطلاق (6)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی اجرت والد کے ذمہ واجب کی ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہے) البقرة (233)

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا: (جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کو اچھے طریقے سے کفایت کرے وہ لے لیا کرو) (صحیح بخاری حدیث نمبر (5364) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

اور اجماع کی دلیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چھوٹے بڑے بچوں کا خرچہ اس وقت تک والد کے ذمہ ہے جب تک وہ مستغنی نہیں ہو جاتے۔

علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ والد پر اس بیٹے کا کوہ خرچہ لازم نہیں جس کے پاس مال ہو اور وہ مستغنی ہو اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بیٹا جب بالغ ہو جائے اور کمانے پر قادر ہو تو والد پر اس کا خرچہ لازم نہیں۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیٹا فقیر اور بالغ ہو لیکن کمانے کی قدرت نہ رکھے تو اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ والد کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں اس

لیے کہ وہ کماء کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ بیٹا اگر فقیر اور بالغ ہو چاہے وہ کمانے کی قدرت و طاقت رکھے والد پر اس کا خرچہ واجب ہے۔

اس میں وہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان دیتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا تھا: اپنے ور پنے بچوں کی کفایت جتن مال لے لیا کرو)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بالغ اور صحیح کو مستغنی نہیں کیا، اور اس لیے کہ وہ بیٹا فقیر ہے جس کی بنا پر وہ خرچہ کا مستحق ہے کہ غنی والد اس پر خرچہ کرے جیسا کہ اگر بیٹا اندھا ہو یا مستقل مریض ہو۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: والد غنی اور والد اور اس کا بیٹا تنگ دست ہو تو کیا غنی والد اپنے تنگ دست بیٹے پر خرچ کرے گا؟ ابن تیمیہ کا جواب تھا: جی ہاں اگر بیٹا فقیر ہو اور کئی کرنے سے عاجز اور والد مالدار ہو تو بیٹے پر بہتر اور اچھے طریقے سے خرچ کرنا لازم ہے۔ اھ یہ مختصر لکھا گیا ہے

علماء کرام کا اس پر بھی اختلاف ہے کہ اگر بیٹا بالغ ہو جائے تو کیا والد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے کہ نہیں؟ اکثر علماء کرام کہتے ہیں کہ شادی تک اس پر خرچہ لازم ہے، اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لیے کہ وہ کمائی کرنے سے عاجز ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کے کلام کا مجمل طور پر مفہوم یہی ہے، آپ کچھ نصوص اور ان کے دلائل جن سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے مندرجہ ذیل کتب میں دیکھ سکتے ہیں

(علماء شافعیہ: کتاب الام (8 / 340) علماء مالکیہ: المدونہ (2 / 263) اور تبیین المبالک شرح تدریب السالک (3 / 244)۔ علماء حنفیہ: المہدوی (5 / 223)۔ علماء حنابلہ: المغنی ابن قدامہ (8 / 171)

کس صورت میں عورت کو خرچ ملے گا؟

(وَأَنْ أَمْتَنَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ) لِأَنَّهُ مَنَعَ بِحَقِّ فَكَّانٍ قَوْتُ الْإِخْتِيَّاسِ لِمَعْنَى مَنْ قَبْلِهِ فَيَجْعَلُ كَلًّا فَإِنِ (وَأَنْ نَشَرْتَ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهِ) لِأَنَّ قَوْتُ الْإِخْتِيَّاسِ مِنْهَا، وَأَنْ عَادَتْ جَاءَ الْإِخْتِيَّاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ، بِإِخْلَافٍ مَا إِذَا أَمْتَنَتْ مِنَ التَّمَكُّنِ فِي بَيْتِ الزَّوْجِ لِأَنَّ الْإِخْتِيَّاسَ قَائِمٌ وَالزَّوْجُ يَقْدِرُ عَلَى الْوُطْءِ كَرَّهَا.

ترجمہ

اور اگر عورت اپنے آپ کو اس وقت تک مرد کے حوالے کرنے سے انکار کر دے جب تک مرد اس کا مہر نہیں دیدیتا تو اس دوران عورت کو خرچ ملتا رہے گا کیونکہ اس نے اپنے حق کی وجہ سے انکار کیا ہے لہذا عورت کا محبوب نہ ہونا ایسی وجہ سے ہے جو شوہر کی طرف سے پائی جا رہی ہے گویا اس عورت نے منع نہیں کیا۔ اگر عورت نافرمانی سے کام لے تو اسے اس وقت تک خرچ نہیں ملے گا

جب تک وہ شوہر کے گھر واپس نہیں آ جاتی کیونکہ اس صورت میں محبوس ہونے کا خوف ہونا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے جب وہ واپس آ جائے گی تو محبوس ہونے کا مفہوم آ جائے گا ہذا خرچ کی ادائیگی لازم ہو جائے گی۔ اس کے برعکس جب وہ شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے صحبت کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اس وجہ سے خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ احتباس موجود ہے اور شوہر اس کی رضا مندی کے بغیر بھی اس کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جب نان و نفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے، کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں۔ اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے نان و نفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔

اور اگر بیوی ولد اور بھی ہو تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں، کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ (المغنی (8) / (165))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی آنے سے انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کی حالت میں ہی رات بسر کر دے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری بدء المخلوق حدیث نمبر (2998))

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب عورت اپنے خاوند کا بستر چھوڑ کر رات بسر کرے تو اس کے واپس آنے تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر (4795))

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور اس کی بیوی آنے سے انکار کر دے تو آسمان والا اس پر ناراض رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو جائے) (صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث نمبر (1736))

طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آنا چاہیے، اگر چہ وہ خور پر ہی کیوں نہ ہو) سنن ترمذی کتاب الرضاع حدیث نمبر (1080)

اور جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ رات گزارنے اور اس کے بستر میں جانے سے رک جائے تو اس کا حق نفقہ اور تقسیم کا حق

بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفقہ تو استمتاع کے بدلے میں ہے، اور ایسی عورت کو اپنے خاوند کی نافرمانی کہا جائے گا۔

ابہوتی کا کہنا ہے: نشوز یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اپنے استمتاع سے منع کر دے یا اس کی بات زنج ہو کر تسلیم کرے، مثلاً جب وہ اسے بلائے تو حیل و حجت سے کام لے، یا پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہ کرے جب تک خاوند اسے مجبور نہیں کرتا (شرح منہی الارادات للہوتی (3 / 55))

اور جب بیوی نافرمانی کرنے لگے تو اس کا نفقہ ختم اس لیے کہ نفقہ تو اطاعت اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے کے عوض میں تھا۔

اور نشوز یہ ہے کہ بیوی پر جو خاوند کے حقوق میں سے واجب ہیں وہ ان میں خاوند کی نافرمانی کرنے لگے تو اسے نشوز کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی خاوند کے لیے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بیوی کی نافرمانی کی حالت میں کیا کرنا چاہیے اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تمہاری بات تسلیم کر لیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے) (النساء (34))

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اگر نافرمانی کرنے والی بیوی وعظ و نصیحت اور اسے بستر میں علیحدگی یعنی جب تک وہ اپنی نافرمانی پر قائم ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے (اور انہیں الگ بستروں میں چھوڑ دو) مضاجعت اور تین دن تک کلام نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی نافرمانی پر مصر ہے تو اسے مار کی سزا دی جائے گی لیکن مار میں سختی نہیں ہونی چاہیے۔

اور خاوند کے لیے اس حالت میں اسے طلاق دینا جائز ہے، المراد وی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: بیوی کے برے اخلاق اور اس کی سوء معاشرت وغیرہ کے سبب سے ضرورت کے وقت طلاق دینا مباح ہے، اور اسی طرح اس سے تنگی ہونے اور غرض پوری نہ ہونے کے وقت، ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بغیر کسی اختلاف کے طلاق مباح ہے۔ (الانصاف (8 / 430))

اور اگر وہ آپ سے نفرت کرنے لگی اور آپ سے کراہت کرنے لگی ہے جس کا آپ حل نہیں نکال سکتے تو اس وقت طلاق دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اس حالت میں نکاح باقی رکھنے سے بیوی کو نقصان ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(نہ تو کسی کو نقصان دو اور نہ ہی خود نقصان اٹھاؤ) (المملخص الفقہی (2 / 305))

اور ایسی حالت میں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں، اور آپ کی مالی مشکلات کے بارہ میں گزارش یہ ہے کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ ایسی عورت سیھاوی کر لیں جو اپنا خرچہ خود برداشت کر سکتی ہو یا پھر آپ کی کچھ مالی مسوئیت سے ہی گزارے کرنے پر راضی ہو جائے۔

اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی سے کچھ معاملات پر صلح کر لیں اور بیوی کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کچھ

حقوق خاوند کو چھوڑ دے جس میں نفقہ و تقسیم وغیرہ شامل ہوں تاکہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اپنے پاس ہی رکھے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اگر عورت اپنے خاوند کی نافرمانی سے ڈرے یا پھر اسے اس کے اعراض کا ڈر ہو تو نہ دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ صبح کر لیں اور صبح کرنا ہی بہتر ہے) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ: یہ اس طرح ہے کہ عورت کسی شخص کے پاس ہو اور اس کا خاوند اسے طلاق دینا چاہے وہ بیوی اسے کہے کہ مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور طلاق نہ دو مجھ پر نفقہ اور تقسیم میں تجھے آزادی ہے۔ (الملخص الفقہی 2 / 296)

نابالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً لَا يَسْتَمِعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِأَنَّ امْتِسَاعَ الْإِسْتِمَاعِ لِمَعْنَى فِيهَا، وَالْإِحْتِبَاسُ الْمَوْحِبُ مَا يَكُونُ وَبَيِّنَةً إِلَى مَقْصُودٍ مُنْتَحَقٍ بِالْبَيْعِ وَلَمْ يُؤْخَذْ بِخِلَافِ الْمَرِيضَةِ عَلَى مَا نُسِنَ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهَا النِّفَقَةُ لِأَنَّهَا عَوَضٌ مِنَ الْمِلْكِ عِنْدَهُ كَمَا فِي الْمَمْلُوكَةِ بِمِلْكِ الْيَمِينِ. وَلَنَا أَنَّ الْمَهْرَ عَوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَا يَجْتَمِعُ الْعَوَضَانِ عَنْ مَعَوَضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُ دُونَ النِّفَقَةِ.

ترجمہ

اور اگر عورت نابالغ ہو اور اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو مرد پر اس کا خرچ واجب نہیں ہوگا کیونکہ صحبت میں رکاوٹ ایک ایسی عبت ہے جو عورت میں پائی جا رہی ہے اور خرچ اس احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جو نکاح کے مطلوب تک رسائی کا ذریعہ بن سکتا ہو لیکن یہ احتباس اس نوعیت کا نہیں ہے اس لیے اس میں خرچ بھی واجب نہیں ہوگا۔ تاہم بیمار بیوی کا حکم اس سے مختلف ہے اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے: نابالغ بیوی کو بھی خرچ ملے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے امام شافعی کے نزدیک خرچ شوہر کی ملکیت کے عوض میں ہوتا ہے جیسا کہ کنیز کا خرچ اس کے مالک کے ذمے ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مہر ملک کا عوض ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کے دو عوض نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے نابالغ لڑکی مہر کی حقدار ہوگی خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

شرح

احتباس

عربی زبان سے اسم مشتق ہے، مثلاً مزید فیہ کے باب افتعال سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ اردو میں 1874ء کو انیس کے مجموعے "مرآئی" میں مستعمل ملتا ہے۔

اگر خاوند نابالغ فقیر یا پانچ ہو تو اسکی بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمہ ہے۔ (در مختار، باب النفقة مطبع مجتہائی دہلی)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

بہرہ عورت جس کا خرچ اور نفقہ خاوند پر لازم نہیں مثلاً جس عورت کی رخصتی نہیں ہوئی اور خاوند کے سپرد نہیں کی گئی، اور وہ چھوٹی مرکی بچی جس سے استمتاع کرنا ممکن نہیں، تو اس کا خرچ خاوند کے ذمہ لازم نہیں، اور نہ ہی اس کا فطرانہ خاوند کے ذمہ ہے، کیونکہ وہ ان میں شامل نہیں ہوتی جن کی معونت خاوند کے ذمہ ہے۔ (المغنی 2 / 361)

اور بھوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کا نفقہ خاوند کے ذمہ لازم نہیں ان کا فطرانہ بھی خاوند پر لازم نہیں آتا مثلاً وہ بیوی جس سے دخل نہیں ہوا اور اس نے اپنا آپ خاوند کے سپرد نہیں کیا۔ (کشاف القناع 2 / 252)

گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ

نفقے کے باب میں ایک قابل ذکر مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے ایک عرصے تک نفقہ ادا نہیں کیا، حالاں کہ بیوی نے نفقہ معاف نہیں کیا تھا، تو سوال یہ ہے کہ گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء احناف کا عمومی رجحان یہ ہے کہ نفقہ اصل میں تبرع ہے نہ کہ عوض۔ اس لیے گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ دو ہی صورتوں میں واجب ہوگا، یا تو پہلے سے قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کر دیا ہو اور فیصلے کے باوجود شوہر نے نفقہ ادا نہ کیا ہو تو گزشتہ ایام کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔ یا زوجین کے درمیان پہلے نفقے کی دائی کے سلسلے میں کوئی معاہدہ ہوا ہو اور شوہر نے اس معاہدے کے مطابق عمل نہ کیا ہو، اگر فقہاء حنفی یا صلیبی تراضی پہلے سے موجود نہ ہو تو گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ (رد المحتار، مجمع الانہر) دوسرے فقہاء نفقہ کو شوہر کو حاصل حق احتباس کا عوض قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نزدیک گزرے ہوئے وقت کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

(حاشیۃ الدسوقی: روضة الطالبین: ۱۱، المعنی)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اگر بیوی اتنی کم سن ہو کہ اس کے ساتھ صحبت نہ کی جاسکتی ہو تو احناف اس بات کے قائل ہیں: ایسی صورت میں بیوی کو خرچ نہیں ملے گا اس کی وجہ یہ ہے: یہاں تمتع میں رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جا رہی ہے اس لیے اگرچہ یہاں پر ظاہری طور پر احتباس کی صورت موجود ہے لیکن کیونکہ وہ ناقص ہے اس وجہ سے وہ عورت خرچ کی حقدار نہیں ہوگی کیونکہ خرچ اسی احتباس کی وجہ سے لازم ہوتا ہے جو اصل مقصود کا وسیلہ بن سکتا ہو اس میں نکاح کے اصل مقصد یعنی صحبت کرنے کی قدرت حاصل ہو اور یہاں احتباس کال نہیں ہے کیونکہ اس نابالغ لڑکی کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی اس لیے اس وجہ سے اس کا خرچ لازم نہیں ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: اگر بیوی بیمار ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جاسکتی تو یہاں بھی رکاوٹ عورت کی طرف سے پائی جا رہی ہے تو پھر آپ ایسے عالم میں عورت کو خرچ کا حقدار کیوں قرار دیتے ہیں؟ مصنف یہ فرماتے ہیں: بیمار عورت کا حکم اس سے مختلف ہے اس کی ہم مزید وضاحت آگے چل کر کریں گے۔

امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں: نابالغ بیوی کو خرچ ملے گا اس کی وجہ یہ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک خرچ کی ادائیگی

”تمتع“ کی ملکیت کے عوض میں ہوئی ہے اور کیونکہ شوہر اپنے شوہر ہونے کی وجہ سے بیوی سے ”تمتع“ کا مالک بن چکا ہے اس لیے اس پر خرچ کی ادائیگی بھی لازم ہوگی بالکل اسی طرح جیسے اگر کوئی شخص کسی کینر کے خرید لیتا ہے تو وہ کینر اگرچہ نابالغ ہو اس کینر کے خرچ کی ادائیگی اس پر لازم ہو جاتی ہے کیونکہ اسے ”تمتع“ کا حق حاصل ہو چکا ہے۔

احناف یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس ملکیت کا عوض مہر ہوتا ہے اور کیونکہ ایک چیز کے دو عوض نہیں ہو سکتے اس لیے آپ اس ملکیت کا عوض مہر اور خرچ دونوں کو قرار نہیں دے سکتے اگر آپ خرچ کی ادائیگی کو اس ملکیت کا عوض قرار دیتے ہیں تو پھر آپ مہر کس چیز کا عوض قرار دیں گے؟ تو کیونکہ مہر اس ملکیت کا عوض ہے لہذا خرچ کی ادائیگی اس ملکیت کا عوض نہیں ہوگی اس لیے اس کی نابالغ بیوی کو مہر مل جائے گا لیکن خرچ نہیں ملے گا۔

نابالغ شوہر کی بالغ بیوی کے نفقہ کا بیان

(وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْءِ وَهِيَ كَبِيرَةٌ فَلَهَا النِّفْقَةُ مِنْ مَالِهِ)
لِأَنَّ التَّسْلِيمَ قَدْ تَحَقَّقَ مِنْهَا، وَإِنَّمَا الْعَجُزُ مِنْ قِبَلِهِ فَصَارَ كَالْمَجْبُوبِ وَالْيَعِينِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر اتنا کسن ہو کہ محبت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور بیوی اس سے عمر میں بڑی ہو تو اس بیوی کو اس شوہر کے مال میں سے خرچ ملے گا کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا عابت ہو گیا ہے اور عذر شوہر کی طرف سے پایا جا رہا ہے اس لیے وہ مجبور یا عین کی مانند شمار کیا جائیگا۔

حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان

علامہ علاؤ الدین جنشی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ محتاج ہو یا مالدار، دخول ہو یا نہیں، بالغ ہو یا نابالغ مگر نابالغ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشعجہ ہو۔ اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اس پر نفقہ واجب ہے اس کے مال سے دیا جائے گا۔ اور اگر اس کی ملک میں مال نہ ہو تو اس کی عورت کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہاں اگر اس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عین ہے یا اس کا عضو تامل کتا ہو یا میریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا ج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔ نابالغ جو قابل جماع نہ ہو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابل دلی نہ ہو جائے ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اس سے اس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔ (در مختار، باب نفقہ زوجہ، ج ۵، ص ۲۸۰، بیروت)

محسوس زوجہ کے نفقہ کا بیان

(وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ فَلَا نَفْقَةَ لَهَا) لِأَنَّ قُوَّتَ الْاِحْتِيَاكِسِ مِنْهَا بِالْمَمَاطِلَةِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهَا بِأَنَّ كَانَتْ عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ، وَكَذَا إِذَا غَضِبَهَا رَجُلٌ كَرِهًا فَلَذَهَبَ بِهَا.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ لَهَا النِّفْقَةَ، وَالْفَتَوَى عَلَى الْأَوَّلِ لِأَنَّ قُوَّتَ الْاِحْتِيَاكِسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيرًا، وَكَذَا إِذَا حَبَّتْ مَعَ مُحْرَمٍ لِأَنَّ قُوَّتَ الْاِحْتِيَاكِسِ مِنْهَا.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ لَهَا النِّفْقَةَ لِأَنَّ إِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ، وَلَكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفْقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّافِرِ لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحَقَّةُ عَلَيْهِ، وَلَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النِّفْقَةُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ الْاِحْتِيَاكِسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهِ عَلَيْهَا وَتَجِبُ نَفْقَةُ الْحَضَرِ دُونَ السَّافِرِ، وَلَا يَجِبُ الْكَرَاءُ لِمَا قُلْنَا (فَإِنْ مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النِّفْقَةُ) وَالْقِيَاسُ أَنَّ لَا نَفْقَةَ لَهَا إِذَا كَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجَمَاعِ لِقُوَّتِ الْاِحْتِيَاكِسِ لِلاِسْتِمْتَاعِ.

وَجِبَةُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْاِحْتِيَاكِسَ قَائِمٌ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِسُ بِهَا وَيَمْسُهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ، وَالْمَانِعُ بِعَارِضِ فَاشْتَبَهَ الْحَيْضَ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا إِذَا سَلِمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النِّفْقَةُ لِتَحْقِيقِ التَّسْلِيمِ، وَلَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلِمَتْ لَا تَجِبُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يَصَحَّ قَالُوا هَذَا حَسَنٌ.

وَفِي لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيرُ إِلَيْهِ.

ترجمہ

جب کوئی عورت کسی قرض کی وجہ سے محسوس ہو تو اس کا خرچ بند کرنے والے کے ذمے نہیں ہوگا کیونکہ احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے کیونکہ اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کی ہے لیکن اگر احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے نہ ہو یعنی وہ عورت قرض کی ادائیگی نہ کر سکتی ہو تو شوہر سے خرچ کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عورت کو زبردستی لے جائے تو اس کا خرچ شوہر کے ذمے نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے۔ اس کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا لیکن

فتویٰ پہلے قول پر ہے کیونکہ احتباس کا زائل ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے اس لیے حکمی طور پر یہ برقرار رہے گا۔

اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے کسی محرم کے ساتھ حج کے لئے چلی جاتی ہے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتباس زائل کرنے کا مفہوم عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے۔ امام ابو یوسف اس صورت میں بھی خرچ لازم ہونے کے قائل ہیں کیونکہ شرعی فرض کی تکمیل ایک عذر ہے اس لیے شوہر پر حضر کا خرچ لازم ہوگا سفر کا خرچ لازم نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے شوہر پر بیکی چیز لازم ہے۔

اگر بیوی شوہر کے ساتھ سفر کرتی ہے تو اس بات پر اتفاق ہے خرچ شوہر کے ذمے ہوگا کیونکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہے اس لیے احتباس کا مفہوم پایا جا رہا ہے۔ تاہم وہ سفر کے دوران اتنا ہی خرچ دے گا جتنے حضر میں دیتا تھا سفر کے لئے کوئی اضافی طور پر خرچ نہیں دیا جائے گا اور کرائے کی ادائیگی شوہر کے ذمے نہیں ہوگی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اگر بیوی شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے تو اسے خرچ ملے گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے اگر بیماری کی نوعیت ایسی ہو جو صحبت میں رکاوٹ ہو تو اسے خرچ نہ دیا جائے کیونکہ تمتع کا احتباس ختم ہو گیا ہے تاہم استحسان کے پیش نظر یہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ احتباس کا مفہوم موجود ہے اور شوہر اس سے مانوس ہے اسے ہاتھ لگا سکتا ہے وہ عورت اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے جہاں تک صحبت میں رکاوٹ کا تعلق ہے تو وہ عارضے کی وجہ سے ہے تو یہ رضہ حیض کے مشابہہ قرار دیا جائے گا۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے اگر عورت ایک مرتبہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دے اور پھر بیمار ہو جائے تو سپردگی ثابت ہونے کی وجہ سے خرچ کی ادائیگی لازم رہے گی۔ لیکن اگر عورت پہلے بیمار ہوئی ہو اور پھر اس نے خود کو شوہر کے سپرد کیا تو خرچ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں سپردگی درست نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے یہ قول بہترین ہے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قید ہونے کی بیوی کا سقوط نفقہ کا فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت اگر قید ہوگئی اگرچہ بطور ظلم تب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہاں اگر خود شوہر کا عورت پر ذین تھا اسی نے قید کرایا تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عورت کو کوئی اٹھالے گیا یا چھین لے گیا جب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔ عورت حج کے لئے گئی اور شوہر ساتھ نہ ہو تو نفقہ واجب نہیں اگرچہ محرم کے ساتھ گئی ہو اگرچہ حج فرض ہو۔ اگرچہ شوہر کے مکان پر رہتی تھی۔ اور اگر شوہر کے ہمراہ ہے تو نفقہ واجب ہے حج فرض ہو یا نفل مگر سفر کے مطابق نفقہ واجب نہیں بلکہ حضر کا نفقہ واجب ہے، لہذا کرایہ وغیرہ مصارف سفر شوہر پر واجب نہیں ہے۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

حالت قید کے سبب حالت احتباس کے ختم ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کسی شخص کی بیوی نے کسی دوسرے شخص کا قرض ادا کرنا تھا اور قرض کی عدم ادائیگی کی

جسے اس عورت کو قید کر دیا گیا تو اب اس عورت کے قید ہونے کی وجہ سے شوہر کے گھر میں احتباس کی صورت ختم ہوگئی ہے اس لیے قید کے دوران اس کے خرچ کی ادائیگی اس کے شوہر پر لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہاں احتباس میں رکاوٹ عورت کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ اگر وہ قرض کو بروقت ادا کر دیتی تو اسے قید نہ کیا جاتا۔

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے اگرچہ عورت خود بھی اس قرض کو ادا کرنے سے باز ہو تو بھی شوہر سے وہ قرض کا مطالبہ نہیں کر سکتی کیونکہ اس صورت میں اس عورت کا قرض بینا اس احتباس میں رکاوٹ کا سبب بن جائے گا اور کیونکہ یہ عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے اس لیے وہ خرچ کی حقدار نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی بیوی کو غصب کر لیتا ہے یعنی کسی شخص کی بیوی کسی دوسرے شخص کی کنیز تھی اور کسی تیسرے شخص نے اسے غصب کر لیا اب وہ عورت شوہر سے خرچ ملنے کی حقدار نہیں ہوگی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے ایسی عورت کو خرچ ملے گا کیونکہ وہ احتباس فوت ہونے کے لئے ہے۔

پہلے قول کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے جب بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہ ہو تو عورت خرچ کی حقدار قرار نہیں دینا اس لیے جس عورت کو غصب کیا گیا ہے اس میں بھی احتباس میں رکاوٹ شوہر کی طرف سے نہیں ہے اس لیے اس عورت کو خرچ نہیں کیا جائے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں۔ ایسی عورت کو خرچ ملے گا وہ یہ فرماتے ہیں جس طرح فرض کی ادائیگی کی وجہ سے عورت کو معذور قرار دیا جاتا ہے یعنی اگر عورت پر حج فرض ہو جائے تو اب وہ حج کرنے کے لیے جاتی ہے تو اس کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے لیکن یہ خرچ بھی قیام کے دوران یعنی حضر کی حالت میں لازم ہوتا ہے سفر کی حالت کا لازم نہیں ہوتا کیونکہ حبس کے الفاظ "من سب طور پر" میں صرف حضر کا خرچ شامل ہوگا کیونکہ اگر سفر کے خرچ کی ادائیگی بھی شوہر کے ذمے لازم کر دی جائے تو یہ اس کے لیے بہت بھاری ہو جائے گی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر عورت کے سفر میں اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ ہو تو اس صورت میں عورت کو ضرور قید کیا جائے گا تاہم اس بارے میں حکم یہی ہے کسی جگہ پر قیام کے دوران کھانے پینے وغیرہ کے حوالے سے جو خرچ ہوتا ہے اس کا ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی البتہ اگر شوہر احسان کے طور پر بیوی کے دیگر اخراجات ادا کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے لیکن بیوی کے عذر وفت کے کرائے کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اگر کوئی عورت شوہر کے گھر میں بیمار ہو جاتی ہے تو استحسان کے پیش نظر وہ بیماری کے عارضوں کے دوران خرچ کی حقدار ہوگی اگر وہ کوئی ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے شوہر اس کے ساتھ صحبت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اگرچہ قضا تو یہ تھا: ایسی عورت کو بھی خرچ نہ ملے کیونکہ یہاں احتباس میں فوت ہونے کا پہلا عورت کی طرف سے پایا جا رہا ہے

کیونکہ مرد اس سے تمتع نہیں کر سکتا ہے۔

احسان کی دلیل یہ ہے احتیاس یہاں موجود ہے شوہر اس عورت سے انیت محسوس کر سکتا ہے اسے چھو سکتا ہے وہ عورت شوہر کے گھر کی حفاظت کر سکتی ہے بیماری کی وجہ سے جو رکاوٹ آئی ہے وہ عارضی ہے اور اس کی مثال حیض کی طرح ہوجائے گی اگر طرح حیض کے دوران شوہر بیوی کے ساتھ محبت نہیں کر پاتا لیکن اس دوران بیوی کو خرچ ملتا رہتا ہے اسی طرح بیماری کے دوران اگرچہ شوہر بیوی کے ساتھ محبت کرنے کے قابل نہ ہو لیکن پھر بھی عورت کو خرچ ملتا رہے گا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں جب وہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دیتی ہے پھر وہ بیمار ہوتی ہے تو اب خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی اس کی وجہ یہ ہے اس نے اپنا آپ مکمل طور پر شوہر کے سپرد کر دیا تھا لیکن اگر وہ پہلے بیمار ہوئی اور پھر پنا آپ شوہر کے سپرد کیا تو اس صورت میں خرچ کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے شوہر کے سپرد کرنا مکمل طور پر پابندی چارہا فقہاء نے یہ بات بیان کی ہے یہ رائے زیادہ بہتر ہے۔

خوشحال شوہر پر بیوی کے خادم کا خرچ بھی لازم ہوگا

(قَالَ: وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النِّفْقَةُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا وَنَفَقَةُ خَادِمِهَا) الْمُرَادُ بِهَذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ، وَلِهَذَا ذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسخِ: وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا.

وَوَجْهُهُ أَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا مِنْ تَمَامِهَا إِذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ (وَلَا يُفْرَضُ لِأَكْثَرِ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: تُفْرَضُ لِلْخَادِمَيْنِ لِأَنَّهَا تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّخْلِ وَإِلَى الْآخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ.

وَلَهُمَا أَنَّ الْوَاحِدَ يَقُومُ بِالْأَمْرَيْنِ فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى الثَّانِي، وَلَآئِذَا لَوْ تَوَلَّى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهِ كَانَ كَافِيًا، فَكَذَا إِذَا أَقَامَ الْوَاحِدُ مَقَامَ نَفْسِهِ، وَقَالُوا: إِنَّ الزَّوْجَ الْمُوسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرُ مِنْ نَفَقَةِ امْرَأَتِهِ وَهُوَ آذَنَى الْكِفَايَةِ.

وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ لَا تَحِبُّ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ اعْسَارِهِ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَهُوَ الْأَصَحُّ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ

لَآنَ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ آذَنَى الْكِفَايَةِ وَهِيَ قَدْ تَكْتَفِي بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا.

ترجمہ

اگر شوہر خوشحال ہو تو اس پر بیوی اور اس کے خادم کا خرچ لازم ہوگا۔ اس سکے کی بنیاد خادم کے خرچ کا بیان ہے یہی وجہ ہے نزدیکی کے بعض نسخوں میں یہ عبارت موجود ہے۔ ”اگر شوہر خوشحال ہو تو اس پر عورت کے خادم کا خرچ عائد کیا جائے گا۔“ اس کی وجہ یہ ہے بیوی کی کفایت شوہر پر لازم ہے اور کفایت کی تکمیل میں خادم کا خرچ بھی شامل ہوگا کیونکہ عورت کے لئے اس کے بغیر چاہے نہیں ہے۔ تاہم عورت کو ایک خادم سے زیادہ کا خرچ نہیں ملے گا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے اس پر دو خادموں کا خرچ لازم ہوگا کیونکہ ایک خادم گھریلو کام کے لئے ہوگا اور دوسرا باہر کے کاموں کے لئے ہوگا۔ طرفین نے یہ بات بیان کی ہے ایک ہی خادم دونوں طرح کی ضروریات پوری کر سکتا ہے لہذا دو کی ضرورت نہیں ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے اگر شوہر خود بیوی کے ان معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا ہے تو یہ بھی کافی ہوگا اسی طرح جب وہ اپنی جگہ پر کسی شخص کو مقرر کر دیتا ہے (تو اسے بھی کافی ہونا چاہئے)۔ مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے صاحب حیثیت شوہر پر خادم کا اتنا خرچ لازم ہوگا جتنا خرچ ایک غریب آدمی اپنی بیوی کو دیتا ہے اور یہ کفایت کا کم ترین درجہ ہے۔ متن کے یہ الفاظ ”جب وہ خوشحال ہو“ یہ بات کی طرف اشارہ ہے اگر شوہر غریب ہو تو خادم کا خرچ اس کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔ امام حسن بن زید نے امام ابو حنیفہ سے روایت نقل کی ہے اور یہی بات درست ہے۔ اس کے برخلاف امام محمد نے یہ بات پیش کی ہے (کہ غریب شخص پر بھی خادم کا خرچ لازم ہوگا) اس کی وجہ یہ ہے جتنی دست شخص پر کفایت کا کم سے کم مرتبہ لازم ہوگا اور بیوی خود بھی اپنے کام کاج کر سکتی ہے۔

فقہ میں اصل عمرویسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ

واجب نفقہ میں اصل عمرویسر ہے۔ (الہدایہ ۴۷۷)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو نفقہ واجب ہے اس کی مقدار شوہر کے حال کے مطابق ہوگی اگر شوہر امیر دولت مند ہے تو نفقہ امراء لوگوں کی طرح ادا کرے اور اگر شوہر غریب مفلس ہے تو نفقہ غرباء و مفلس لوگوں کی طرح ادا کرے، لہذا کسی غریب شخص کی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دولت مند لوگوں کی بیویوں کی طرح نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور کسی امیر و دولت مند شخص کی بیوی جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو غریب عورت کی طرح نفقہ دے۔

ناکاثوت یہ ہے۔

وعلى المولود له رزق هن وكسوتهن بالمعروف لا تكلف نفس الا وسعها (البقرہ ۲۲۳)

مردم کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے اور کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جائے گا۔

نفقہ کی تعریف:

عقد نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کیلئے کھانا، لباس و مکان کا لازم ہونا نفقہ کہلاتا ہے جبکہ عرف و معاشرہ میں محض کھانے کا بہا جاتا ہے۔

اختیار

نفقہ عسریہ کے سبب سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔

طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائنہ دے دی تو بعد از طلاق بھی عدت میں اس پر نفقہ واجب ہوگا۔ تنگ دست شخص کے ذمے بیوی کا خرچ قرض ہوگا۔

(وَمَنْ أَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهِ لَمْ يَفْرُقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِينِي عَلَيْهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَفْرُقُ، لِأَنَّهُ عَجَرَ عَنِ الْأَمْسَاكِ بِالْمَعْرُوفِ فَيَنْبُؤُ الْقَاضِي مَبَابَهُ فِي التَّفْرِيقِ كَمَا فِي الْحَبِّ وَالْعَنَةِ، بَلْ أَوْلَى لَأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى النَّفَقَةِ أَقْوَى. وَلَنَا أَنَّ حَقَّهُ يَبْطُلُ وَحَقُّهَا يَتَأَخَّرُ، وَالْأَوَّلُ أَقْوَى فِي الضَّرَرِ، وَهَذَا لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِي فَتُسْتَوْفَى الزَّمَانِ الثَّانِي، وَقَوْتُ الْمَالِ وَهُوَ تَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَا يَلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ التَّنَاسُلُ.

وَقَائِدَةُ الْأَمْرِ بِالِاسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ أَنْ يُمَكِّنَهَا إِحَالَةَ الْغَرِيمِ عَلَى الزَّوْجِ، فَإِنَّمَا إِذَا كَانَتْ الْاسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي كَانَتْ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُونَ الزَّوْجِ. (وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةُ الْمُؤَسَّرِ) لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسَبِ الْإِسَارِ وَالْإِعْسَارِ، وَمَا قَضَى بِهِ تَقْدِيرٌ لِنَفَقَةِ لَمْ تَحِبَّ، فَإِذَا تَبَدَّلَ حَالُهُ فَلَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا.

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص بیوی کا خرچ ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو دونوں کے درمیان علیحدگی نہیں کروائی جائے گی بلکہ قاضی

یہ کہے گا وہ اپنے شوہر کی ذمہ داری پر قرض حاصل کر لے۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے۔ دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے گی کیونکہ شوہر عام روایت کے مطابق اس عورت کو اپنے ساتھ رکھنے سے عاجز ہو گیا ہے۔ اس لیے تفریق کرنے میں قاضی اس کا قائم مقام قرار دیا جائے گا جیسا کہ محبوب اور عینین میں ہوتا ہے۔

بلکہ خرچ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا کیونکہ خرچ کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے اس طرح مرد کا حق مکمل طور پر باطل ہو جائے گا جبکہ عورت کا حق متاخر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن مرد کے حق کو باطل کرنے کے نتیجے میں نقصان زیادہ ہو جائے گا کیونکہ قاضی کے مقرر کرنے کے نتیجے میں وہ خرچ مرد کے ذمے قرض بن جائے گا۔ اور عورت اسے مستقبل میں کسی وقت وصول کر سکتی ہے۔ نیز نکاح میں مال کی حیثیت تابع کی ہوتی ہے تو اسے اس چیز کے ساتھ حق نہیں کیا جاسکتا جو نکاح کا اصل مقصد ہوتا ہے یعنی نسل کی بقا و خرچ کی ادائیگی لازم کرنے کے ساتھ قرض لینے کا حکم دینے کا قائدہ یہ ہوگا عورت قرض خواہ کو مرد کے حوالے کر دے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے عورت اگر قاضی کے حکم کے بغیر قرض لے گی تو قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا اس کے شوہر سے نہیں کرے گا۔

اگر قاضی عورت کے حق میں غریب شخص پر واجب ہونے والے خرچ کی ادائیگی کو لازم کرے اور بعد میں عورت کا شوہر خوشحال ہو جائے اور پھر عورت دعویٰ کر دے تو قاضی خوشحال شخص پر واجب ہونے والے قرض کی ادائیگی کا حکم دے گا کیونکہ خوشحالی اور تنگدستی کے عالم میں خرچ بدلتا رہتا ہے اس لیے قاضی نے جس خرچ کے بارے میں حکم دیا تھا وہ ایسے شوہر کے بارے میں تھا جو (زیادہ خرچ کا) پابند نہیں تھا لیکن جب اس کی حالت تبدیل ہو گئی تو بیوی کو پورے حق کا مطالبہ کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

ناداری نفقہ کے سبب عدم تفریق کا بیان

علامہ علاؤ الدین ہسکی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شوہر اگر ناداری کے سبب نفقہ دینے سے عاجز ہے تو اس کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے۔ یونہی اگر مالدار ہے مگر مال یہاں موجود نہیں جب بھی تفریق نہ کریں بلکہ اگر نفقہ مقرر ہو چکا ہے تو قاضی حکم دے کہ قرض لیکر یا کچھ کام کر کے صرف کرے اور وہ سب شوہر کے ذمہ ہے کہ اسے دینا ہوگا۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

قال الامام المحقق على الاطلاق علامه اكمل الدين ابن همام الحنفى فى شرح عبارة المدكوة،

بِقَوْلِنَا قَالَ الزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ وَابْنُ يَسَارٍ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَالثَّوْرِيُّ وَابْنُ أَبِي لَيْلَى وَابْنُ شُبْرُمَةَ وَحَمَادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ وَالظَّاهِرِيُّ، وَمَعْنَى الْاسْتِدَانَةِ أَنْ تَشْتَرِيَ الطَّعَامَ عَلَى أَنْ يُؤَدَّى الزَّوْجُ ثَمَنَهُ.

وَقَالَ الْخَصَّافُ: الشَّرَاءُ بِالنِّسْبَةِ لِيَقْضَى الثَّمَنُ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ، وَيَقُولُ الشَّافِعِيُّ

قَالَ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِ ، وَعَنْهُ رَوَايَةٌ كَقَوْلِنَا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْعَجَزُ عَنْ الْكِسْوَةِ وَالْعَجَزُ عَنْ الْمَسْكَنِ ، وَهَذَا التَّفْرِيقُ فَسَخَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ ، وَأَحْمَدُ طَلَّاقٌ عِنْدَ مَالِكٍ .

وَلَوْ امْتَنَعَ عَنِ الْإِنْفَاقِ عَلَيْهَا مَعَ الْيُسْرِ لَمْ يُفَرَّقْ ، وَيَبْعُ الْحَاكِمُ عَلَيْهِ مَالَهُ وَيَصْرِفُهُ فِي نَفَقَتِهَا ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ مَالَهُ يَحْبِسُهُ حَتَّى يُفِيقَ عَلَيْهَا وَلَا يَفْسَخْ ، وَعَنْ هَذَا مَا ذَكَرَ فِي السَّهَائِيَةِ حَيْثُ قَالَ : ثُمَّ اَعْلَمَ أَنَّ ظُهُورَ الْعَجْرِ عَنِ النَّفَقَةِ إِنَّمَا يَكُونُ إِذَا كَانَ الزَّوْجُ حَاضِرًا ، أَمَّا إِذَا غَابَ عَيَّةٌ مُنْقَطِعَةً وَلَمْ يَخْلُفْ لَهَا نَفَقَةً فَرَفَعَتْ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي فَكَتَبَ الْقَاضِي إِلَى عَالِمٍ يَرَى التَّفْرِيقَ بِالْعَجَزِ عَنِ النَّفَقَةِ فَمَرَّقَ بَيْنَهُمَا هَلْ تَقَعُ الْفُرْقَةُ ؟ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ السَّعْدِيُّ : نَعَمْ إِذَا تَحَقَّقَ الْعَجَزُ عَنِ النَّفَقَةِ .

قَالَ صَاحِبُ الذَّخِيرَةِ : فِي هَذَا الْجَوَابِ نَظَرٌ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ لِأَنَّ الْعَجَزَ لَا يُعَرِّفُ حَالَةَ الْعَيَّةِ لِحَوَازِ أَنْ يَكُونَ قَادِرًا فَيَكُونُ هَذَا تَرْكُ الْإِنْفَاقِ لَا الْعَجَزُ عَنْهُ ، فَإِنْ رَفَعَ هَذَا الْقَضَاءُ إِلَى قَاضٍ آخَرَ فَأَمَّصَاهُ حَازَ قَضَاؤُهُ ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَنْفَعُ لِأَنَّ هَذَا الْقَضَاءَ لَيْسَ فِي مُجْتَهِدٍ فِيهِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْعَجَزَ لَمْ يَبْثُ ذِكْرُهُ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي مِنْ فُصُولِ الْإِيمَانِ الْأَسْرُوسِيِّ فَتَكُونُ الشُّهُودُ

عَلِمَتْ مَجَازَهُ مُجَازَاتِهِمْ فَلَا يَقْضِي بِهَا كَمَا ذَكَرَهُ طَهِيرُ الدِّينِ . وَاعْلَمْ أَنَّ الْفُسْخَ إِذَا غَابَ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهَا نَفَقَةً يُمَكِّنُ بَعِيرَ طَرِيقِ اثْبَاتِ عَجْزِهِ بِمَعْنَى فَقْرِهِ لِيَجِيءَ مَا قَالَ وَهُوَ أَنَّ تَعَدُّرَ النَّفَقَةِ عَلَيْهَا . قَالَ الْقَاضِي أَبُو الطَّيِّبِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ : إِذَا تَعَدَّدَتْ النَّفَقَةُ عَلَيْهَا بِغَيْرِئِهِ ثَبَتَ لَهَا الْفُسْخُ . قَالَ فِي الْحِلْيَةِ : وَهُوَ وَجْهٌ حَذَّ فَلَا يَلْزَمُ مَجِيءُ مَا قَالَ طَهِيرُ الدِّينِ . (فتح القدیر ، ج ۹ ، ص ۴۴۵ ، بیروت)

اگر کچھ عرصہ شوہر بیوی کو خرچ نہ دے؟

(وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُفِيقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَتْ بِذَلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْقَاضِيُ قَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ لَوْ صَالَحَتْ الزَّوْجَ عَلَى مِقْدَارٍ فِيهَا فَيَقْضِي لَهَا بِنَفَقَةِ مَا

مَضَى) لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَلَيْسَتْ بِعَوَضٍ عِنْدَنَا عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَلَا يُسْتَحْكَمُ الْجُورُوبُ فِيهَا إِلَّا بِالْقَضَاءِ كَالْهَبَةِ لَا تَوْجِبُ الْمِلْكَ إِلَّا بِمُؤَكَّدٍ وَهُوَ الْقَبْضُ وَالصَّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ لِأَنَّ وَلَا يَتَّعُ عَلَى نَفْسِهِ أَقْوَى مِنْ وَلَا يَتَّعُ الْقَاضِيُ ، بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِأَنَّهُ عَوَضٌ .

(وَإِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَا قَضِيَ عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضَى شُهُورٌ سَقَطَتْ النَّفَقَةُ) وَكَذَا إِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ لِأَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَالصَّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهَبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَصِيرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلَا تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ لِأَنَّهُ عَوَضٌ عِنْدَهُ فَصَارَ كَسَائِرِ الدُّيُونِ ، وَجَوَابُهُ قَدْ بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اگر کچھ مدت گزرنے تک شوہر خرچ نہیں دیتا اور بعد میں عورت گزشتہ خرچ کا مطالبہ کر دیتی ہے تو صرف دو صورتوں میں اسے بچھل سکتا ہے ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔ ایک صورت یہ ہے قاضی نے اس کے لئے مخصوص مقدار مقرر کی ہو۔ دوسری صورت یہ ہے عورت نے خرچ کی مخصوص مقدار کے بارے میں مرد کے ساتھ مصالحت کی ہو۔

ان دونوں صورتوں میں قاضی عورت کے لئے گزشتہ خرچ کی ادائیگی کا حکم دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے: خرچ بہرہ کی حیثیت رکھتا ہے یعنی عطیہ اور احسان کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ ملکیت کا عوض نہیں ہوتا اس لیے اس کا لازم ہونا صرف قاضی کے فیصلے کے نتیجے میں مستحکم ہوگا جیسا کہ بہرہ کی صورت میں ہوتا ہے یعنی جب تک اسے مضبوط کرنے والی چیز یعنی اپنے قبضے میں لینا نہ پایا جائے اس وقت تک ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ میں بیوی کا کسی مخصوص مقدار پر مصالحت کر لینا بھی قاضی کے فیصلے کے مترادف ہوگا کیونکہ شوہر اپنی ذات پر قاضی سے زیادہ تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے جبکہ مہر کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ تو ملکیت کا عوض ہوتا ہے۔

اگر شوہر کو خرچ کا حکم دیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا پھر چند ماہ گزر گئے تو خرچ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی انتقال کر جاتی ہے تو یہی حکم ہوگا کیونکہ خرچ تو ایک عطیہ ہے اور اس نوعیت کے عطیات موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کرے لیکن جس کو ہبہ کی گئی تھی اس شخص کے اس چیز کو قبضے میں لینے سے پہلے ہبہ کرنے والا شخص انتقال کر جائے تو یہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔

ام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے خراج کی ادائیگی قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی شوہر کے ذمے قرض کی صورت میں تھی اس لیے اس کی موت کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: امام شافعی کے نزدیک یہ خراج عوض کا درجہ رکھتا ہے لہذا یہ دوسرے قرضوں کی مانند ہو جائے گا (جو موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے) اس کا جواب ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان

علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تک عورت سن ایس کو نہ پہنچے اُس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معوم ہو چکا اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ اگر سن ایس تک حیض نہ آیا تو بعد ایس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اُس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کر دے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہو چکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اُس نے اپنے کو حامد بنایا تو وقت طلاق سے دو برس تک وضع حمل کا انتظار کیا جائے وضع حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سن ایس آ کر تین مہینے گزر جائیں۔ عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہو گیا۔ (فتاویٰ خانیہ، باب نفقہ)

جو عورت بے اجازت شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اُسے طلاق دیدی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی ہاں اگر بعد طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

بیوی کا خراج پیشگی دینے کا حکم

(وَأَنْ أَسْلَفَهَا نَفَقَةَ السَّنَةِ) أَيْ عَجَّلَهَا (ثُمَّ مَاتَ) (لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَيْءٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضَى وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِلزَّوْجِ) وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْكُسُوفُ لِأَنَّهَا اسْتَعَجَلَتْ عَوْضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّهُ عَلَيْهِ بِإِلَّاخْتِبَاسٍ، وَقَدْ بَطَلَ إِلَّا سِتْخَفَاقُ بِالْمَوْتِ فَيَبْطُلُ الْعَوْضُ بِقُدْرِهِ كَرِزْقِ الْقَاضِي وَعَطَاءِ الْمُقَاتِلَةِ.

وَلَهُمَا أَنَّهُ صَلََّةٌ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهِ الْقَبْضُ وَلَا رُجُوعَ فِي الصَّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِانْتِهَاءِ حُكْمِهَا كَمَا فِي الْهَبَةِ، وَلِهَذَا لَوْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ اسْتِهْلَاكِ لَا يُسْتَرَدُّ شَيْءٌ مِنْهَا

بِإِلَّا جَمَاعٍ.

وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهَا إِذَا قَبِضَتْ نَفَقَةَ الشَّهْرِ أَوْ مَا ذُوْنَهُ لَا يُسْتَرْجَعُ مِنْهَا شَيْءٌ لِأَنَّهُ يَسِيرُ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْحَالِ.

ترجمہ

اور اگر شوہر بیوی کو ایک سال کا خراج پیشگی ادا کر دے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے تو بیوی سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اس بات کے قائل ہیں۔ امام محمد نے یہ بات بیان کی ہے جتنا عرصہ گزر چکا تھا اسے شمار کر کے عورت کو خراج دیا جائے گا اور باقی رقم شوہر کی شہر ہوگی۔ امام شافعی بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ لباس کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے کیونکہ شوہر کے روکنے کی حد کی وجہ سے عورت کو شوہر پر جو حق حاصل ہو گا وہ اسے عوض کے طور پر پیشگی وصول کر چکی ہے لیکن شوہر کے انتقال کی وجہ سے وہ حق باطل ہو گیا اس لیے اسی انداز سے اس کا عوض بھی باطل ہو جائے گا جس طرح قاضی کی تنخواہ اور مجاہدین کی تنخواہ کا حکم ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے۔ خراج ایک عطیہ ہے جسے عورت اپنے قبضے میں لے چکی ہے اور اس طرح کے عطیات موت کے بعد واپس نہیں لیے جاتے کیونکہ ان کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے جیسا کہ ہمہ میں یہی حکم ہے۔ اسی بنیاد پر پیشگی دینا جانے والا خراج اگر ضائع ہو جائے اور اس کے ضائع ہونے میں عورت کا قصور نہ ہو تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے: عورت سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام محمد سے ایک روایت یہ بھی ہے: عورت نے ایک ماہ یا کم عرصے کا خراج وصول کیا تھا تو شوہر کے مرنے کے بعد اس سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ بہت تھوڑی سی مقدار ہے جو زمانہ حال کا خراج شمار ہوگی۔

تعیین نفقہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جو طریقہ آسان ہو وہ بتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائیگا کہ وہ عورت کو روزانہ شام کو اتار دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع و خریف دو فصلوں میں دیا کریں۔

اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کر دی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کر سکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے بلکہ جو مہینہ آ گیا ہے اُس کا بھی نفقہ معاف کر سکتی ہے جبکہ ماہ بمرہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہو تو اس سال اور سال گزشتہ کا معاف کر سکتی ہے۔ پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اُس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کر سکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کر سکتی ہے، نہ معاف کر سکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر ضلع ہو کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کر دے تو یہ معاف ہو جائیگا۔ عورت کو مثلاً مہینے

بھر کا نفقہ دیدیا اس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کر ڈالا یا چوری جاتار ہایا کسی اور وجہ سے ہلاک ہو گیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (درمئی، باب نفقہ، ج ۵، ص ۳۰۰، بیروت)

شوہر غلام ہو تو بیوی کا خرچ اس کے ذمے قرض ہوگا

(وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً لَفَقَّتْهَا دِينَ عَلَيْهِ يَبَاعُ فِيهَا) وَمَعْنَاهُ إِذَا تَزَوَّجَ بِإِذْنِ الْمَوْلَى لَأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِي ذِمَّتِهِ لَوْجُودِ سَبَبِهِ وَقَدْ ظَهَرَ وَجُوبُهُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهِ كَذَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ، وَلَهُ أَنْ يَقْدِرَ لَأَنَّ حَقَّهَا فِي النِّفْقَةِ لَا فِي عَيْنِ الرَّقَبَةِ، فَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ، وَكَذَا إِذَا قُتِلَ فِي الصَّبْحِ لَأَنَّهُ صَلَّةٌ. وَإِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ أَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ تَحَقَّقَ الْإِحْتِسَاسُ (وَإِنْ لَمْ يَبْوَئَهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِعَدَمِ الْإِحْتِسَاسِ، وَالتَّبَوُّنُ أَنْ يُخْلِيَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فِي مَنْزِلِهِ وَلَا يَسْتَعْدِمَهَا، وَلَوْ اسْتَعْدِمَهَا بَعْدَ التَّبَوُّنِ سَقَطَتْ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ قَاتَ الْإِحْتِسَاسِ، وَالتَّبَوُّنُ غَيْرُ لَازِمَةٍ عَلَى مَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ، وَلَوْ خَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ أَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَعْدِمَهَا لَا تَسْقُطُ النِّفْقَةُ لَأَنَّهُ لَمْ يَسْتَعْدِمَهَا لِيَكُونَ اسْتِرْدَادًا، وَالْمُدَبَّرَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ فِي هَذَا كَالْأَمَةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور اگر کوئی غلام کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا ہے تو اس عورت کا خرچ اس غلام کے ذمے قرض ہوگا اور اس قرض کے عوض میں اس غلام کو فروخت کر دیا جائیگا۔ اس کا مطلب یہ ہے یہ اس وقت ہوگا جب غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ نکاح کیا ہو کیونکہ یہ خرچ غلام کے ذمے ہے اس کا سبب یعنی عقد نکاح موجود ہے اور اس قرض کا واجب ہونا مالک کے حق میں بھی ظاہر ہو چکا ہے اس لیے یہ قرض غلام کے ذمے ہوگا جیسا کہ تجارت کا قرض غلام کے ذمے ہوتا ہے۔

ابنت مالک کو یہ اختیار ہوگا وہ غلام کا ندیدہ سے کیونکہ عورت کا حق خرچ ہے غلام کی ذات کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر وہ غلام فوت ہو جاتا ہے تو یہ ندیدہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس غلام کو قتل کر دیا جاتا ہے تو صحیح روایت کے مطابق یہ خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ خرچ کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے۔ اگر آزاد مرد کسی کنیز کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور اس کنیز کا آقا اسے شوہر کے پاس رات رہنے کی اجازت دیدیتا ہے تو اس کنیز کا خرچ شوہر کے ذمے ہوگا کیونکہ اس صورت میں احتساب ثابت ہو گیا ہے لیکن

اگر آقا اسے خاوند کے پاس رات رہنے کی اجازت نہیں دیتا تو عورت کو خرچ نہیں ملے گا کیونکہ احتساب نہیں پایا جا رہا۔ تبویت سے مراد یہ ہے مالک اس کنیز کو اس شوہر کے گھر میں قیام کرنے کی اجازت دے اور خود اس کنیز سے خدمت کرائے۔ اگر شوہر کے گھر میں بسانے کے بعد بھی وہ اس کنیز سے خدمت لیتا ہے تو خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتساب کا مہموم ختم ہو چکا ہے۔ کتاب النکاح میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ شوہر کے گھر میں بسانا کنیز کے مالک پر لازم نہیں ہے۔ اگر کنیز کا مالک اسے مکمل طور پر اپنی خدمت کے لئے پابند نہیں کرتا بلکہ وہ کنیز کبھی کبھی اس کا کام کر دیتی ہے تو مرد کے ذمے سے خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ آقا نے اسے واپس لینے کے طور پر اس سے خدمت نہیں لی ہے۔ مدبر کنیز اور ام ولد کنیز کے احکام بھی دیگر کنیزوں کی طرح ہوں گے۔

اکمال نفقہ میں بیع عبد کا بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا ہے تو اگر غلام خالص ہے یعنی مدبر و مکاتب نہ ہو تو اسے بیع کر اس کی عورت کا نفقہ ادا کریں پھر بھی باقی رہ جائے تو یکے بعد دیگرے بیچتے رہیں یہاں تک کہ نفقہ ادا ہو جائے بشرطیکہ خریدار کو معلوم ہو کہ نفقہ کی وجہ سے بیچا جا رہا ہے اور اگر خریدتے وقت اسے معلوم نہ تھا بعد کو معلوم ہوا تو خریدار کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے اور اگر بیع کو قائم رکھا تو ثابت ہوا کہ راضی ہے لہذا اب اسے کوئی عذر نہیں اور اگر مولیٰ بیچنے سے انکار کرتا ہے تو مولیٰ کے سامنے قاضی بیع کر دے گا مگر نفقہ میں بیچنے کے لیے یہ شرط ہے کہ نفقہ آقا اس کے ذمہ باقی ہو کہ ادا کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولیٰ اپنے پاس سے نفقہ دیکر اپنے غلام کو بھڑالے اور اگر وہ غلام مدبر یا مکاتب ہو جو بدلہ کتبہ ادا کرنے سے عاجز نہیں تو بیچنا نہ جائے بلکہ مالک کی نفقہ کی مقدار پوری کرے۔ اور اگر جس عورت سے نکاح کیا ہے وہ اس کے مولیٰ کی کنیز ہے تو اس پر نفقہ واجب ہی نہیں۔ (درمئی، ج ۵، ص ۳۲۰، بیروت)

عدم نفقہ پر رضامندی سے حق تسلیم کے عدم سقوط کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب نان و نفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں۔

اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تاکہ وہ اپنے نان و نفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اور اگر بیوی مالدار بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں؛ کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استنحاح کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ (المغنی (۸)۔ ۱۶۵)

فصل

یہ فصل بیوی کو رہائش فراہم کرنے کے بیان میں ہے ﴿

نقذ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:

۱) زوجیت یعنی میاں بیوی کا رشتہ (۲) نسب (۳) ملک

جس عورت سے نکاح صحیح ہوا، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگرچہ وہ بالغ ہو، مگر نابالغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشہور ہو کہ حس شوہر کو پہنچ جائے اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں اگرچہ صغیر السن (کم سن) ہو۔

نقذ زوجہ میں فقہی تصریحات

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہم بستی کے بعد اگر عورت، شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہر مجمل کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دو تو جاؤں گی۔ تو نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں ہے۔ جس مکان میں عورت راتی ہے۔ وہ اس کی ملک ہے اور شوہر کا آنا، وہاں بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی۔ ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں لے چلو یا میرے لیے کرایہ کا کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے لیا تو نفقہ کی مستحق ہے کہ قصور شوہر کا ہے۔

عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا میکہ میں تھی اور بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے میکہ چلی گئی اور اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آ سکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آ سکتی ہے مگر نہیں آتی تو نہیں ہے۔

عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے۔ اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالدار کا سا ہوگا اور دونوں محتاج ہوں تو محتاجوں کا سا۔ اور ایک مالدار ہے اور دوسرا محتاج تو متوسط درجے کا یعنی محتاج جیسا کھاتا ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء (مالدار) جیسا کھاتے ہوں اس سے کم نفقہ کا تعین روپوں سے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دینے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے۔ ارزانی اور گرانی دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہو سکتے۔

عورت جب رخصت ہو کر آئی تو اس وقت سے شوہر کے ذمہ اس کا لباس ہے۔ اگرچہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں۔

سال میں کم از کم دو جوڑے دینا واجب ہے۔ ہر ششماہی پر ایک جوڑا، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج وغریب ہوں تو غریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو متوسط ہوں جیسے کھانے میں

تین باتوں کا لحاظ ہے۔ لباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے۔ جوڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چلن ہے وہ دے۔ اور ادنیٰ موزے جو جاڑوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں۔ یہ دینے ہوں گے۔

نقذ کا تیسرا جزو سکھنے ہے یعنی رہنے کا مکان کہ شوہر جو رہنے کیلئے مکان دے وہ خالی ہو یعنی شوہر کے متعلقین وہاں نہ رہیں اور اگر اس مکان میں شوہر کے متعلقین رہتے ہوں اور عورت نے اسی کو اختیار کر لیا کہ سب کے ساتھ رہے تب بھی کوئی مفاد نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر ہمارے اطراف و بلاد میں دستور ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ شوہر کے رشتہ دار اسے ناحق ایذا نہ دیں۔ عورت اپنی سوت یا شوہر کے متعلقین کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو اگر مکان میں کوئی ایسا والا ان کو دے دے جس میں دروازہ ہو اور عورت اسے بند کر سکتی ہو کہ اس کا سامان محفوظ رہے تو اب دوسرا مکان طلب کرنے کا اسے اختیار نہیں۔ بشرطیکہ شوہر کے رشتہ دار، عورت کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوں۔

عورت تنہا مکان چاہتی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اسے ایسا مکان دے جس میں پاخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ ضروریات علیحدہ ہوں اور غریبوں میں خالی ایک کمرہ دے دینا کافی ہے۔ اگرچہ غسل خانہ وغیرہ مشترک ہو۔

یہ بات ضروری ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوسی صالحین ہوں کہ فاسقوں بد چلنوں میں خود بھی رہنا اچھا نہیں نہ کہ ایسے مقام پر عورت کا ہونا۔ اگر مکان بہت بڑا ہو کہ عورت وہاں تنہا رہنے سے گھبراتی اور ڈرتی ہے تو وہاں کوئی ایسی نیک عورت رکھے جس سے دل وابستگی ہو اور جی بہلا رہے یا عورت کو کوئی دوسرا مکان دے جو اتنا بڑا نہ ہو اور اس کے ہمسایہ نیک لوگ ہوں۔ (در مختار، باب نفقہ)

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے والدین ہر ہفتہ میں ایک بار اپنی لڑک کے یہاں آ سکتے ہیں۔ شوہر منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر رات میں وہاں رہنا چاہتے ہوں تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ یونہی عورت اپنے والدین کے یہاں ہر ہفتہ میں ایک بار جا سکتی ہے مگر رات بغیر اجازت اپنے شوہر وہاں نہیں رہ سکتی اور غیروں کے یہاں جانے یا ان کی عیادت کرنے یا شادی وغیرہ تقریبوں کی شرکت سے منع کر دے عورت بغیر اجازت جائے گی تو گناہ گار ہوگی اور اجازت سے گئی اور وہاں پردہ کا خیال نہ رکھا اور شوہر کو یہ بات معلوم ہے تو دونوں گنہگار ہوئے۔

جس کام میں شوہر کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، نہ اس میں کوئی نقصان ہو اگر عورت گھر میں وہ کام کر لیا کرے جیسے کپڑا سینا پر دنا کاڑھنا یا ایسے ہی اور دوسرے کام جن کیلئے گھر سے باہر نہ جانا پڑے تو ایسے کاموں سے منع کرنے کی حاجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ شوہر گھر نہ ہو کہ ان کاموں سے جی بہلتا رہے گا اور بے کار بیٹھے گی تو دوسرے اور خطرے پیدا ہوتے رہیں گے اور ل یعنی فضول باتوں میں مشغول ہوگی۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

بیوی کو الگ رہائش فراہم کرنے کا بیان

(وَعَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ ذَلِكَ)

لَاِنَّ السُّكْنٰى مِنْ كِفَايَتِهَا فَتَجِبُ لَهَا كَالْتَفَقَةِ، وَقَدْ اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَقْرُوْنًا بِالتَّفَقَةِ،
وَإِذَا وَجِبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يُشْرِكَ غَيْرَهَا فِيهِ لِأَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهِ، فَإِنَّهَا لَا تَأْمَنُ عَلَى
مَتَاعِهَا، وَيَمْنَعُهَا ذَلِكَ مِنَ الْمَعَاشِرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَمِنَ الْإِسْتِمْتَاعِ، إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ لِأَنَّهَا
رَضِيَتْ بِإِنْتِقَاصِ حَقِّهَا (وَأِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسْكِنَهُ مَعَهَا) لِمَا بَيَّنَّا
وَلَوْ أَسْكَنَهَا فِي بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرِدًا وَلَهُ غُلُقٌ كَفَّاهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَدْ حَصَلَ.
(وَلَهُ أَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهِ وَأَهْلِهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا) لِأَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهُ
فَلَهُ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُولِ مِلْكِهِ (وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا وَكَلَامِهَا فِي آتِي وَقْتٍ
اخْتَارُوا) لِمَا فِيهِ مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ، وَلَيْسَ لَهُ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ، وَقِيلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ
الدُّخُولِ وَالْكَلَامِ وَإِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ وَاللَّوَامِ لِأَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاسِ وَتَطْوِيلِ
الْكَلَامِ، وَقِيلَ: لَا يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوجِ إِلَى الْوَالِدَيْنِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا
فِي كُلِّ جُمُعَةٍ، وَفِي غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيرُ بِسَنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ

اور شوہر پر یہ بات لازم ہے: وہ اپنی بیوی کو ایسے مکان میں رہائش فراہم کرے جس میں شوہر کے خاندان کا کوئی بھی فرد نہ رہتا
ہو البتہ عورت خود ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ رہائش فراہم کرنا عورت کی کفایت کا حصہ
ہے لہذا خرچ کی طرح رہائش فراہم کرنا بھی لازم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خرچ کے ہمراہ لازم قرار دیا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو رہائش عورت کا شرعی حق ہوگا اور اسے اس بارے میں اختیار ہوگا دوسرا اس میں اس کے ساتھ
شریک نہ ہو کیونکہ دوسرے کی شرکت کے نتیجے میں اسے تکلیف لاحق ہو سکتی ہے اس کا سامان محفوظ نہیں رہے گا اس طرح وہ اپنے
شوہر کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہ سکے گی اور نہ ہی ازدواجی تعلقات کا فائدہ حاصل کر سکے گی۔

لیکن اگر عورت خود کسی کو اجازت دے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے حق میں کی کرنے پر خود راضی ہوئی
ہے۔ اگر شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو وہ اس بیوی کے ساتھ اسے نہیں ٹھہرا سکے گا اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اگر شوہر اپنے گھر میں بیوی کو ایسے الگ کمرے میں رہائش فراہم کرتا ہے جس کا دروازہ الگ ہو تو یہ کافی ہوگا کیونکہ اس کے
نتیجے میں مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ بیوی کے والدین اس کے سابق شوہر سے اس کی اولاد یا اس کے دیگر رشتے داروں کو شوہر اپنے
گھر آنے سے روک سکتا ہے کیونکہ یہ گھر شوہر کی ملکیت ہے اور وہ اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے کسی کو بھی روک سکتا ہے۔ شوہر کو

یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا وہ بیوی کو اس کے رشتے داروں سے ملنے سے اور بات چیت کرنے سے روک دے وہ جب چاہے اس سے
ملاقات کر سکتے ہیں کیونکہ اس روکنے کے نتیجے میں رشتہ داری کے حقوق کی پابلی لازم آتی ہے اور اس منے کے نتیجے میں شوہر کو کوئی
نقصان بھی نہیں ہے۔

بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے۔ شوہر اس ملاقات کی طرح انہیں گھر میں داخل ہونے اور گفتگو کرنے سے بھی نہیں
روک سکتا۔ البتہ قیام کرنے سے روک سکتا ہے کیونکہ زیادہ طویل گفتگو اور قیام کے نتیجے میں ناگوار صورت حال سامنے آ سکتی
ہے۔ بعض مشائخ نے یہ بات بیان کی ہے۔ شوہر ہفتے میں ایک مرتبہ بیوی کو اس کے والدین کے ہاں جانے یا والدین کے عورت
کے پاس آنے سے نہیں روک سکتا۔ البتہ دیگر محرم عزیزوں سے سوا بھر میں ایک آدھ بار ملنے کی اجازت دے سکتا ہے اور یہی حکم
درست ہے۔

بیوی کو کوفتہ، سکنہ فراہم کرنے میں فقہی تصریحات

خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے لیے ایسی رہائش مہیا کرے جو اسے لوگوں کی آنکھوں اور بارش گرمی و سردی وغیرہ سے
بچائے، اور وہ اس میں مستقل طریقے سے رہے جو اس کی ضرورت کو پورا کرتی ہو مثلاً ایک کمرہ اور باورچی خانہ اور لیٹرین ہی کیوں
نہ ہو۔

لیکن اگر عقد نکاح کے وقت اگر بیوی نے اس سے بڑی رہائش کی شرط رکھی ہو تو اور بات ہے اور اسے پورا کرنا ضروری ہوگا،
اور خاوند کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ بیوی پر لازم کرے کہ وہ اپنے کسی دیور کیساتھ مل کر کھائے۔

خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق بیوی کے لیے رہائش تیار کرے جو کہ عرف اور معاشرہ کی عادات
اور معیار کے مطابق ہو۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں کہ

خاوند پر ضروری ہے کہ بیوی کو اپنی استطاعت اور قدرت کے مطابق رہائش دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو) (الطلاق (6))

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

خاوند پر بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے، اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے: (تم انہیں اپنی طاقت کے مطابق

وہاں رہائش پزیر کرو جہاں خود رہتے ہو) (الطلاق (6))

تو جب مطلقہ یعنی طلاق والی عورت کہیں رہائش ثابت ہے تو پھر جو نکاح میں ہے اس کے لیے تو بالاولیٰ واجب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور ان کے ساتھ اچھے اور بہتر انداز میں بود و باش اختیار کرو)

اور یہ بات معروف ہے کہ اسے رہائش میں رکھا جائے گا، اور اس لیے بھی کہ وہ رہائش کے بغیر نہیں رہ سکتی تاکہ لوگوں کی

نظروں سے اسے چھپا جائے، اور پھر اس کے ساتھ تصرف کرنے اور اس سے استمتاع کرنے اور مال و متاع کی حفاظت کیلئے بھی رہائش کی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (المختی لابن قدامہ المقدسی) (9 / 237)

علامہ علاء الدین کا سنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اور اگر خاوند اپنی بیوی کو اس کی سوکن کے ساتھ رکھنا چاہے یا پھر اپنے کسی رشتہ دار مثلاً اپنی والدہ، بہن، یا دوسری بیوی کی بیٹی اور یا کسی اور رشتہ دار کے ساتھ، اور بیوی ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر دے تو خاوند پر ضروری ہے کہ وہ اسے علیحدہ گھر میں رکھے۔

اور اگر اسے وہ کسی بڑے سے گھر میں ان کے ساتھ رکھے جس میں اس کے لیے بالکل علیحدہ انتظام ہو جو اس کے لیے کافی ہو تو پھر وہ علیحدہ مکان کا مطالبہ نہیں کر سکتی، اس لیے کہ مال و متاع اور استمتاع کا عدم حصول زائل ہو چکا ہے اور یہ سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ (بدائع الصنائع) (4 / 23)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی کہنا ہے کہ خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ دونوں بیویوں کو ان کے مرضی کی بغیر ایک ہی گھر میں رہائش پزیر کرے چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس لیے کہ ان دونوں پر ضرر ہے کیونکہ دونوں کی آپس میں غیرت اور عداوت ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی گھر میں اکٹھا کرنا اس کو بھارتیہ اور بھارتیہ کرنا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ جب وہ دونوں میں سے کسی ایک کے پاس رات گزارے گا تو دوسری اس کی کھسر پھسر سنے گی یا پھر اسے دیکھے گی جس سے اس کی غیرت جوش مارے گی اور بے صحت اور بڑھگی، لیکن اگر وہ ایک ہی گھر میں رہنے پر راضی ہو جائیں تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے اور وہ اسے ترک بھی کر سکتی ہیں۔ (المختی لابن قدامہ المقدسی) (8 / 137)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد نہیں کہ ایک سے ہم بستری دوسری کے سامنے کی جائے اور یا پھر دوسری سب کچھ سنی رہے، بلکہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد تو یہ ہے کہ ایک ہی گھر میں ان کی رہائش کرنا جائز ہے، وہ اس طرح کہ ایک ہی گھر میں ہر ایک کی باری پر اس کے پاس جائے جہاں پر اسے دوسری نہ دیکھ رہی ہو۔

اور اگر گھر میں ہر بیوی کو علیحدہ علیحدہ سونے کا کمرہ اور باورچی خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ تیار کر دے تو یہ کافی ہے، اور اسی طرح اگر ایک ہی گھر میں ہر ایک کے لیے مستقل فلیٹ یا پھر ایک ایک منزل بنادے یہ بھی کافی ہے۔

احناف عہد میں سے ہسکتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: اور اسی طرح بیوی کے لیے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے جو کہ خاوند اور بیوی دونوں کے گھر والوں سے خالی ہو، اور یہ سب کچھ ان کی حالت کے مطابق ہوگا جس میں کھانا پینا، اور لباس وغیرہ کا انتظام ہو اور اس کا گھر علیحدہ ہونا چاہیے جس میں بیت الخلاء وغیرہ بھی ہونا ضروری ہے اور اس کے لیے ایک باورچی خانہ جو کہ اس کی ضروریات پوری کر سکے۔

اور ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر تعلق چڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: کیفیت اور مطبخ سے بیت الخلاء اور باورچی خانہ ہے کہ وہ بھی گھر کے اندر ہوں (یعنی اگر کمرہ ہے تو اس میں یہ بھی شامل ہونا ضروری ہے) یا پھر ایسے گھر میں ہوں جہاں پر کوئی اور شریک نہ

۱۔ (الدر المختار) (3 / 600 - 599)

میرا یہ کہنا ہے کہ: کا سنی کے قول "گھر" سے مراد کمرہ پر یہ قول دلاست کرتا ہے کہ اگر گھر میں کئی ایک کمرے ہوں تو اس کے لیے وہ ایک کمرہ کو خالی کرے اور اسے بیوی کے لیے علیحدہ گھر بنائے، ان کا کہنا ہے کہ: بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے گھر کا مطالبہ کرے۔ (بدائع الصنائع) (4 / 34)

تو اس بنا پر آپ کے خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ آپ کو گھر کے کسی کمرہ میں رہائش پزیر کرے جہاں پر فتنہ و ران بالغ مردوں سے جو آپ پر حرام ہیں کبھی تھ غصوت وغیرہ کا خدشہ نہ، اور خاوند کے لیے جائز نہیں کہ آپ کو گھر میں باقی دوسرے لوگوں کے کام کرنے پر مجبور کرے، یا پھر یہ کہے کہ آپ ان کے ساتھ کھائیں پئیں۔ اور اگر وہ استطاعت رکھتا ہو تو آپ کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرے تو یہ آپ کے لیے اچھا اور بہتر ہے، لیکن اگر آپ کی ساس اور سر بوڑھے ہیں اور اپنے بیٹے کے محتاج ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور ان کی خدمت دین رہ کر کی جاسکتی ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ وہیں رہے۔

ہم ان شاء اللہ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر کتب و سنت کی روشنی میں حقوق کا ذکر کریں جس کی شرح میں اہل علم کے ذہن کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

مرف بیوی کے خاص حقوق

بیوی کے اپنے خاوند پر کچھ تو مالی حقوق ہیں جن میں مہر، نفقہ، اور رہائش شامل ہے۔ اور کچھ حقوق غیر مالی ہیں جن میں بیویوں کے درمیان تقسیم میں عدل انصاف کرنا، اچھے اور احسن انداز میں بود باش و معاشرت کرنا، بیوی کو تکلیف نہ دینا۔

مالی حقوق کا بیان

مہر: مہر وہ مال ہے جو بیوی کا اپنے خاوند پر حق ہے جو عقد یا پھر دخول کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، اور یہ بیوی کا خاوند پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ حق ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو) (النساء) (4)

اور مہر کی مشروعیت میں اس عقد کے خطرے اور مقام کا اظہار اور عورت کی عزت و تکریم اور اس کے لیے اعزاز ہے۔ مہر عقد نامی شرط نہیں اور نہ ہی جمہور فقہاء کے ہاں یہ عقد کارکن ہے، بلکہ یہ تو اس کے آثار میں سے ایک اثر ہے جو اس پر مرتب ہوا ہے، لہذا عقد نکاح بغیر مہر ذکر کیے ہو جائے تو بائناق جمہور علماء کے وہ عقد صحیح ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تم عورتوں کو بغیر مہر لگائے اور بغیر مہر مقرر کیے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں) (البقرہ) (236)

تو ہاتھ لگانے یعنی دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق کی اباحت عقد نکاح میں مہر کے ذکر نہ کرنے پر دلالت کرتی

ہے۔

اور اگر عقد میں مہر کا نام نہیں لیا گیا تو خاوند پر مہر واجب ہوگا، اور اگر عقد نکاح میں ذکر نہیں کیا جاتا تو پھر خاوند پر مہر مشروط ہوگا، یعنی اس جیسی دوسری عورتوں جتنا مہر دینا ہوگا۔

علماء اسام کا اس پر اجماع ہے کہ بیویوں کا خاوند پر نان و نفقہ واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اگر عورت اپنا آپ خاوند کے پر کر دے تو پھر نفقہ واجب ہوگا، لیکن اگر بیوی اپنے خاوند کو نفقہ حاصل کرنے سے منع کر دیتی ہے یا پھر اس کی نافرمانی کرتی ہے تو نان و نفقہ کا حقدار نہیں سمجھا جائے گا۔

بیوی کے نفقہ کے وجوب کی حکمت

عقد نکاح کی وجہ سے عورت خاوند کے لیے محبوس ہے، اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلنا منع ہے، تو اس پر خاوند پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اس پر خرچہ کرے، اور اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس کو کفالت کرنے والا خرچہ دے، اور اس طرح یہ خرچہ عورت کا اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بدلے میں ہے۔

نان و نفقہ کا مقصد

بیوی کی ضروریات پوری کرنا مثلاً کھانا، پینا، رہائش وغیرہ، یہ سب کچھ خاوند کے ذمہ ہے اگرچہ بیوی کے پاس اپنا مال ہو اور غنی بھی ہو تو پھر بھی خاوند کے ذمہ نان و نفقہ واجب ہے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان عورتوں کا روٹی کپڑا اور رہائش دستور کے مطابق ہے) (البقرہ 233)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اس طرح فرمایا: (اور کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے خرچ کرے اور جس پر رزق کی تنگی ہو اسے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرنا چاہیے) (الطلاق 7)

سنت نبویہ میں سے دلائل

ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ ابوسفیان اس پر خرچ نہیں کرتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا: (آپ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے جو کافی ہو اچھے انداز سے لے لیا کرو)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان بہت حریص اور بخیل آدمی ہے مجھے وہ اتنا کچھ نہیں دیتا جو کہ مجھے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو الا یہ کہ میں اس کا مال اس کے علم کے بغیر حاصل کر لوں، تو کیا ایسا کرنا میرے لیے کوئی گناہ تو نہیں؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تو اس کے مال سے اتنا اچھے انداز سے لے لیا کر جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (5049) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ الوداع کے موقع پر فرمایا: (تم ہرگز کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کر جو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایب کریں تو تم انہیں مار کی راہ اور جو غمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور رہائش دو) صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

کلی یعنی رہائش کا بیان

یہ بھی بیوی کے حقوق میں سے ہے کہ خاوند اس کے لیے اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق رہائش تیار کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے (تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں انہیں بھی رہائش پذیر کرو) (الطلاق 6)

بیویوں کے درمیان عدل و انصاف:

بیوی یا اپنے خاوند پر حق ہے کہ اگر اس کی اور بھی بیویاں ہوں تو وہ ان کے درمیان رات گزارنے، نان و نفقہ اور سکون وغیرہ میں عدل و انصاف کرے۔

حسن معاشرت:

خاوند پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھے اخلاق اور نرمی کا برتاؤ کرے، اور اپنی وسعت کے مطابق اسے وہ اشیاء پیش کرے جو اس کیلئے محبت و الفت کا باعث ہوں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (اور ان کے ساتھ حسن معاشرت اور اچھے انداز میں بود باش اختیار کرو) (النساء 19)

اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں)۔ (البقرہ 228)

سنت نبویہ میں ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورتوں کے بارہ میں

(۱) حضرت راتب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں تھی تو مجھے ایام حیض شروع ہو گئے جس کی بنا پر میں اس چادر سے کھسک کر نکل گئی اور جا کر حیض والے کپڑے پہن لیے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے کیا حیض آ گیا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں داخل کر لیا۔ وہ کہتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں نہ کھا پوسہ یہ کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ہی برتن سے اکٹھے غسل جنابت بھی کیا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (316) صحیح مسلم حدیث نمبر (296)

(۲) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے دیکھا اور حبشی لوگ اپنے نیزوں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جھگڑتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے مجھے چھپایا کرتے تھے تاکہ میں ان کے کھیل کود دیکھ سکوں، پھر وہ میری وجہ سے وہاں ہی کھڑے رہتے حتیٰ کہ میں خود ہی وہاں سے چلی جاتی، تو نوجوان لڑکی جو کہ کھینے پر حریص ہوتی ہے اس کی قدر کیا کرو۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (443) صحیح مسلم حدیث نمبر (892)

(۳) حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے اور قرات کر بیٹھ کر کرتے تھے جب تمیں یا چالیس آیات کی قرات ہوتی تو کھڑے ہو کر پڑھتے پھر رکوع کرنے کے بعد سجدہ کرتے پھر دوبارہ رکعت میں بھی اسی طرح کرتے اور نماز سے فارغ ہو کر مجھے دیکھتے اگر میں سوئی ہوئی نہ ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے، اور اگر نہ سوچکی ہوتی تو آپ بھی لیٹ جاتے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر (1068)

بیوی کو تکلیف سے دوچار نہ کرنا

یہ سلائی اصول بھی ہے، اور جب کسی اجنبی اور دوسرے تیسرے شخص کو نقصان اور تکلیف دینا حرام ہے تو پھر بیوی کو تکلیف اور نقصان دینا تو بالولی حرام ہوگا۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: (نہ تو اپنے آپ کو نقصان دو اور نہ ہی کسی دوسرے کو نقصان دو) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2340) اس حدیث کو امام احمد، امام حاکم، اور ابنہ صلاح وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (حلاصة البدور المنیر (2 / 438)

اس مسئلہ میں شارع نے جس چیز پر تنبیہ کی ہے ان میں ایسی مار کی سزا دینا جو شدید اور سخت قسم کی ہو۔ چارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلکہ شہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے طمان کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ جسے تم ناپسند کرتی ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو زنی نہ

کرے اور شدید تکلیف دہ نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور ہائش دو) صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

بیوی پر خاوند کے حقوق

بیوی پر خاوند کے حقوق بہت ہی عظیم حیثیت رکھتے ہیں بلکہ خاوند کے حقوق تو بیوی کے حقوق سے بھی زیادہ عظیم ہیں اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اور ان عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ، ہاں مردوں کو ان عورتوں پر درجہ اور فضیلت حاصل ہے) (البقرہ (228)

امام ابو بکر بھلا ص رحمہ اللہ کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں کے ایک دوسرے پر حق ہیں، اور خاوند کو بیوی پر ایسے حق بھی ہیں جو بیوی کے خاوند پر نہیں۔ اور ابن العربی کا کہنا ہے: یہ اس کی نص ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے اور نکاح کے حقوق میں بھی اسے عورت پر نصیبت حاصل ہے۔ اور ان حقوق میں سے کچھ یہ ہیں

اطاعت کا وجوب

اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا ہے جو اس کا خیال رکھے گا اور اس کی راہنمائی اور اسے حکم کرے گا جس طرح کہ حکمران اپنی رعایا پر کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو کچھ جسمانی اور عقلی خصائص سے نوازا ہے، اور اس پر کچھ مالی امور بھی واجب کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں) (النساء (34)

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) یعنی وہ ان پر حاکم اور امیر ہیں، یعنی ان کی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اطاعت کی جائے گی، اور اس کی اطاعت اس کے اہل و عیال کے لیے احسان اور اس کے مال کی محافظ ہوگی۔ مقاتل، سدی، اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر (1 / 492)

خاوند کے لیے استمتاع ممکن بنانا

خاوند کا بیوی پر حق ہے کہ وہ بیوی سے نفع حاصل کرے، جب عورت شادی کر لے اور وہ جماع کی اہل بھی ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو عقد نکاح کی بنا پر خاوند کے طلب کرنے پر خاوند کے سپرد کر دے۔

وہ اس طرح کہ اسے مہر ادا کرے اور عورت اگر مطالبہ کرے تو اسے حسب عادت ایک یا دو دن کی مہلت دے کہ وہ رخصتی کیے

اپنے آپ کو تیار کرے کیونکہ یہ اس کی ضرورت ہے اور یہ بہت ہی آسان سی بات ہے جو کہ عادتاً معروف بھی ہے۔
اور جب بیوی جماع کرنے میں خاوند کی بات تسلیم نہ کرے تو یہ ممنوع ہے اور وہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی ہے، لیکن اگر کوئی شرعی
عذر ہو تو ایسا کر سکتی ہے مثلاً حیض، یا فرض روزہ، اور بیماری وغیرہ ہو۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے
اور بیوی انکار کر دے تو خاوند اس پر رات تاریکی کی حاست میں بسر کرے تو صبح ہونے تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں)
(صحیح بخاری حدیث نمبر (3065) صحیح مسلم حدیث نمبر (1436)

خاوند جسے ناپسند کرتا ہو اسے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینا۔ خاوند کا بیوی پر یہ بھی حق ہے کہ وہ اس کے گھر میں اسے
داخل نہ ہونے دے جسے اس کا خاوند ناپسند کرتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کسی بھی عورت کے لیے یہ بڑی چیز نہیں
کہ وہ خاوند کی موجودگی میں (غشی) روزہ رکھے لیکن اس کی اجازت سے رکھ سکتی ہے، اور کسی کو بھی اس کے گھر میں داخل ہونے کی
اجازت نہ لیکن اس کی اجازت ہو تو پھر داخل کرے) (صحیح بخاری حدیث نمبر (4899) صحیح مسلم حدیث نمبر (1026)

سیمان بن عمرو بن احوص بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی کہ وہ حجۃ الوداع میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثانیان کی اور وعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:
(عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور میری نصیحت قبول کرو، وہ تو تمہارے پاس قیدی اور امیر ہیں، تم ان سے کسی چیز کے
مالک نہیں لیکن اگر وہ کوئی بخش کام اور نافرمانی وغیرہ کریں تو تم انہیں بستر سے الگ کر دو، اور انہیں مار کی سزا دو لیکن شدید اور سخت
نہ کرو، اگر وہ تمہاری اعانت کر لیں تو تم ان پر کوئی راہ تلاش نہ کرو، تمہارے تہری عورتوں پر حق ہیں اور تمہاری عورتوں کے بھی تم
پر حق ہیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اور نہ ہی اسے اجازت دے جسے تم ناپسند کرتے ہو، خبردار تم پر ان
کے بھی حق ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور انہیں کھانا پینا اور رہائش بھی اچھے طریقے سے دو) سنن ترمذی حدیث نمبر (1163)
سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (1851) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

جاہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تم عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو،
بہاشبہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امان سے حاصل کیا ہے، اور ان کی شرکاء ہوں کو اللہ تعالیٰ کے نکتہ سے حلال کیا ہے، ان پر تمہارا حق یہ
ہے کہ جسے تم ناپسند کر رہو وہ تمہارے گھر میں داخل نہ ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار کی سزا دو جو خمی نہ کرے اور شدید تکلیف دہ نہ
ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھے اور احسن انداز سے نان و نفقہ اور رہائش دو) (صحیح مسلم حدیث نمبر (1218)

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا

خاوند کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

شرعیہ اور حنا بلہ کا کہنا ہے کہ: عورت کے لیے اپنے بیمار والد کی عیادت کے لیے بھی خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکتی،
ورخاوند کو اس سے منع کرنے کا بھی حق ہے۔۔۔ اس لیے کہ خاوند کی اطاعت واجب ہے تو واجب کو ترک کر کے غیر واجب کام کرنا
جائز نہیں۔

تادیب: خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کی نافرمانی کے وقت اسے اچھے اور احسن انداز میں ادب سکھائے نہ کہ کسی برائی کے ساتھ،
اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اطاعت نہ کرنے کی صورت میں علیحدگی اور ملکی سی مار کی سزا دے کر ادب سکھانے کا حکم دیا ہے عہاء
احناف نے چار مواقع پر عورت کو مار کے ساتھ تادیب جائز قرار دی ہے۔

تادیب کے جواز پر دلائل

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بدو، غی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ
بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو) (النساء (34)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے: (اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنی مائیں و عیال کو اس گ
سے بچاؤ جس کا عیدھن لوگ اور پھر ہیں) (الاحقیم (6)

حافظ ابن کثیر کا کہنا ہے: قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی اعانت کا حکم دیں، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت
و نافرمانی کرنے سے روکیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کریں، انہیں ان کا حکم دیں، اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان کا تعاون
کریں، اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی معصیت و نافرمانی کرتے ہوئے دیکھیں تو انہیں اس سے روکیں اور اس پر انہیں ڈانٹیں۔
ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

مسلمان کا حق ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، گھروالوں اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی تعمیم دے
اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کیا ہے وہ انہیں سکھائے۔ (تفسیر ابن کثیر (4 / 392)
و بیوی کا اپنے خاوند کی خدمت کرنا: اس پر بہت سے دلائل ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر تو اوپر بیان ہو چکا ہے۔
ابن تیمیہ کا قول ہے۔

بیوی پر اپنے خاوند کی اچھے اور احسن انداز میں ایک دوسرے کی مثل خدمت کرنا واجب ہے، اور یہ خدمت مختلف حالات کے
مطابق ہوتی ہے، تو ایک دینی عورت کی خدمت شہر میں بسنے والی عورت کی طرح نہیں، اور اسی طرح ایک طوقر عورت کی خدمت
گزر دار و ناتواں عورت کی طرح نہیں ہو سکتی۔ (الفتاویٰ الکبریٰ (4 / 561)

عورت کا اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا:

جب عقد نکاح مکمل اور صحیح شرط کے ساتھ پورا اور صحیح ہو تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے

اور اسے استمتاع و نفع اٹھانے دے، اس لیے کہ عقد نکاح کی وجہ سے عوض خاند کے سپرد ہونا چاہیے، جو کہ استمتاع اور نفع کی صورت میں ہے، اور اسی طرح عورت بھی عوض کی مستحق ہے جو کہ مہر کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

بیوی کی اپنے خاوند سے حسن معاشرت:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان مردوں کے ہیں اچھائی کے ساتھ) (البقرہ: 228)

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: یعنی ان عورتوں کے لیے حسن صحبت، اور اچھے اور احسن انداز میں معاشرت بھی ان کے خاوندوں پر اسی طرح ہے جس طرح ان پر اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کی اطاعت واجب کی ہے۔

اور یہ بھی کہہ گیا ہے: ان عورتوں کے لیے یہ بھی ہے کہ ان کے خاوند انہیں تکلیف اور ضرر نہ دیں جس طرح ان عورتوں پر خاوندوں کے لیے ہے۔ یہ امام طبری کا قول ہے۔

اور ابن زبیر رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

تم ان عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس سے ڈرو، جس طرح کہ ان عورتوں پر بھی ہے کہ وہ بھی تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں اور ڈریں۔ اور معنی قریب قریب سب ایک ہی ہے، اور مندرجہ بالا آیت سب حقوق زوجیت کو عام ہے۔ (تفسیر القرطبی 3 / 124-123)

موجود شوہر کے مال میں سے بیوی کے خرچ کی ادائیگی کا حکم

(وَإِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِي يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ بِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِي فِي ذَلِكَ وَلَمْ يَعْتَرِفْ بِهِ) لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ الْوَدِيعَةَ فَقَدْ أَقَرَّ أَنَّ حَقَّ الْإِخْدِ لَهَا؛ لِأَنَّ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ، وَإِفْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا سِيَّمَا هَاهُنَا فَإِنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَا تَقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ فِيهِ لِأَنَّ الْمَوْدِعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِي اثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَلَا الْمَرْأَةُ خَصْمٌ فِي اثْبَاتِ حُقُوقِ الْغَائِبِ، وَإِذَا ثَبَتَ فِي حَقِّهِ تَعَدَّى إِلَى الْغَائِبِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَالُ فِي يَدِهِ مُضَارَبَةً، وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ طَعَامًا أَوْ كِسُوفَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا، أَمَّا إِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ

لَا تُفَرِّضُ النَّفَقَةَ فِيهِ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْبَيْعِ، وَلَا يَبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِإِلَافٍ، أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلِأَنَّهُ لَا يَبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَكَذَا عَلَى الْغَائِبِ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ إِنْ كَانَ يَقْضَى عَلَى الْحَاضِرِ لِأَنَّهُ يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ لَا يَقْضَى عَلَى الْغَائِبِ لِأَنَّهُ لَا يَعْرِفُ امْتِنَاعَهُ.

قَالَ (وَيَأْخُذُ مِنْهَا كَفِيلًا بِهَا) نَظَرًا لِلْغَائِبِ لِأَنَّهُمَا رُبَّمَا اسْتَوْفَتْ النَّفَقَةَ أَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَرُقَ بَيْنَ هَذَا وَبَيْنَ الْمِيرَاثِ إِذَا قَسَمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُورًا بِالْبَيِّنَةِ وَلَمْ يَقُولُوا: لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا آخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمْ الْكَفِيلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُولُ لَهُ مَجْهُولٌ وَهَاهُنَا مَعْلُومٌ وَهُوَ الزَّوْجُ وَيُحْلِفُهَا بِاللَّهِ مَا أَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظَرًا لِلْغَائِبِ.

قَالَ (وَلَا يَقْضَى بِنَفَقَةٍ فِي مَالِ غَائِبٍ إِلَّا لِهَؤُلَاءِ) وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ أَنَّ نَفَقَةَ هَؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِي وَلِهَذَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَأْخُذُوا قَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِي إِعَانَةً لَهُمْ، أَمَّا غَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَتَفَقُّهُمْ أَمَّا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَا يَجُوزُ، وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ الْقَاضِي بِذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ مُقَرَّرًا بِهِ فَأَقَامَتُ الْبَيِّنَةُ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ أَوْ لَمْ يُخْلَفْ مَالًا فَأَقَامَتُ الْبَيِّنَةُ لِيَفْرِضَ الْقَاضِي نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَيَأْمُرَهَا بِالْإِسْتِدَانَةِ لَا يَقْضَى الْقَاضِي بِذَلِكَ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ.

وَقَالَ زُفَرٌ: يَقْضَى فِيهِ لِأَنَّهُ نَظَرًا لَهَا وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى الْغَائِبِ، فَإِنَّهُ لَوْ حَضَرَ وَصَدَّقَهَا فَقَدْ أَخَذَتْ حَقَّهَا، وَإِنْ جَحَدَ يَخْلِفُ، فَإِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَّقَ، وَإِنْ أَقَامَتُ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَا، وَإِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْكَفِيلُ أَوْ الْمَرْأَةُ، وَعَمَلُ الْقَضَاةِ الْيَوْمَ عَلَى هَذَا أَنَّهُ يَقْضَى بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، وَفِي هَذِهِ

الْمَسَالَةِ أَقَابِلُ مَرْجُوعٍ عَنْهَا فَلَمْ يَذْكُرَهَا .

ترجمہ

اور اگر کوئی شخص کہیں چلا جاتا ہے اور اس کا کچھ مال کسی دوسرے شخص کے پاس موجود ہو جس کا اس نے اعتراف بھی کیا ہو اور وہ یہ بھی اعتراف کرے کہ یہ عورت اس غیر موجود مرد کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں سے اس غیر موجود شخص کی بیوی اس کی کس اولاد اور اس غیر موجود شخص کے دامادین کا حصہ مقررہ کر دے گا۔

اسی طرح اگر قاضی کو امانت کے مال کا علم ہو جائے خواہ امانت رکھنے والا شخص اس کا اعتراف نہ بھی کرے (تو یہی حکم ہوگا) پہلے مسئلے کی وجہ یہ ہے۔ جب اس نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کر لیا تو گویا اس نے یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس بیوی کو اس مال میں سے خرچ لینے کا حق حاصل ہے کیونکہ بیوی شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ لے سکتی ہے اور مال پر قبضہ رکھنے والے شخص کا اقرار اپنی ذات کے حق میں مقبول ہوگا خصوصاً زیر بحث مسئلے میں ضرورت قبول کر جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ اگر وہ ودیعت یا زوجیت میں سے کسی ایک چیز کا انکار کر دیتا تو اس کے مقابلے میں عورت کے گواہ قبول نہیں کئے جاتے کیونکہ زوجیت کے ثبوت کیسے ودیعت رکھنے والا شخص خصم (فریق مخالف) نہیں بن سکتا۔ اسی طرح بیوی غیر موجود شخص کے حقوق ثابت کرنے کے لئے خصم نہیں بن سکتی۔

لیکن جب ودیعت رکھنے والا شخص خود دونوں باتوں کا اقرار کرے تو یہ ثبوت اور یہ اعتراف غیر موجود شخص کی طرف متعہی ہوگا۔ اگر اس غیر موجود شخص کا مال اس کے پاس مضاربت کے طور پر ہو تو مسئلے کی یہی صورت ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذمے اس غیر موجود شخص کا مال بطور قرض ہو تو بھی یہی صورت ہوگی۔

یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب وہ مال عورت کے حق جنس سے تعلق رکھتا ہو جیسے روپیہ پیسہ اناج اور لباس جس کا حق عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ مال عورت کے حق کی جنس سے مختلف ہو تو قاضی اس میں سے خرچ مقرر نہیں کرے گا کیونکہ خرچ مقرر کرنے کے لئے مال کو فروخت کرنا پڑے گا اور یہ ایک طے شدہ اصول ہے۔ غیر موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح موجود شخص کا مال فروخت نہیں کیا جاسکتا اسی طرح غیر موجود شخص کا مال بھی فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے حاضر شخص کے مال کو فروخت کرنے کا حکم قاضی اس وقت دیتا ہے جب وہ شخص حق کی ادائیگی سے انکار کرتا ہے لیکن غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے انکار کے (ہونے یا نہ ہونے) کے بارے میں پتہ نہیں چل سکتا۔ فرماتے ہیں: قاضی فیصلہ کرتے ہوئے اس عورت کی طرف سے ایک ضامن لے گا تاکہ اس غیر موجود شخص کے مال کی نگہداشت بھی ہو سکے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی مرد سے پہلے ہی اپنا خرچ وصول کر چکی ہوتی ہے اور وہ مرد اسے طلاق دے چکا ہوتا ہے اور اس کی عدت بھی گزر چکی ہوتی ہے۔

اس مسئلے اور وراثت کے درمیان فرق یہ ہے: جب ثبوت کی موجودگی میں وراثت کے درمیان کو تقسیم کر دیا جائے اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو: ہمارے علم کے مطابق (مرحوم کا) اور کوئی وارث نہیں ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہاں وہ شخص جس کے لئے کفیل لیا جا رہا ہے نامعلوم ہے اور یہاں معلوم ہے اور وہ عورت کا شوہر ہے اس لئے قاضی اس عورت سے قسم لے گا خدا کی قسم شوہر نے اسے خرچ نہیں دیا تھا تاکہ غیر موجود شخص پر شفقت ثابت ہو سکے۔

فرماتے ہیں ان کے علاوہ اور کسی کے لئے قاضی غائب شخص کے مال میں سے فیصلہ نہیں دے سکتا۔ فرق کی وجہ یہ ہے ان دو گروہوں کا حق قاضی کے فیصلے سے پہلے ہی مازم تھا اس لئے اس فیصلے سے پہلے ہی انہیں خرچ لینے کا اختیار تھا قاضی کا فیصلہ ان لوگوں کی مددگار ہوگا۔ جہاں تک دیگر رشتے داروں کے خرچ کا تعلق ہے تو ان کا خرچ قاضی کے فیصلے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ قاضی اس خوالے سے مجتہد ہوتا ہے اور غیر موجود شخص کے بارے میں فیصلہ کرنا بڑبڑ نہیں ہے۔ اگر قاضی کو اس عورت کا اس شخص کی بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور جس شخص کے پاس ودیعت رکھی گئی تھی وہ بھی اقرار نہ کرے اور پھر بیوی اپنے بیوی ہونے کا ثبوت پیش کر دے یا شوہر نے مال ہی نہ چھوڑا ہو لیکن عورت اس بات کا ثبوت پیش کر دے تاکہ قاضی غائب شخص کے خلاف اس کا خرچ مقرر کر دے اور بیوی کو قرض لینے کا حکم دے تو (ثبوت پیش کر دینے کے باوجود) قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا چونکہ اس صورت میں غیر موجود شخص کے خلاف فیصلہ کرنا لازم آتا ہے۔

امام زفر نے یہ بات بیان کی ہے ایسی صورت میں قاضی فیصلہ دے گا کیونکہ اس صورت میں عورت کے لئے شفقت پائی جاتی ہے اور غیر موجود شخص کے خلاف کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حاضر ہو اور عورت کی بات کی تصدیق کر دے تو عورت نے اپنا حق وصول کر لیا ہے اور اگر وہ انکار بھی کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی پھر اگر وہ قسم سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ عورت کوئی ثبوت پیش کر دے تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا۔ اگر وہ عورت ثبوت پیش نہ کر سکے تو وہ عورت یا اس کا کفیل اس مال کے ذمہ دار ہوں گے۔ آج کل کے قاضی حضرات اسی قول کے مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔ لوگوں کی ضرورت کی پیش نظر قاضی غیر موجود شخص کے خلاف خرچ کا فیصلہ دیتا ہے اس میں بھی اجتہاد پایا جاتا ہے اور اس بارے میں ایسے اقوال بھی ہیں جن سے رجوع کیا جا چکا ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو سفیان ایک بخیل آدمی ہے اگر میں اس کے مال میں سے اپنے بچوں کو کھلاؤں تو کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، بشرطیکہ دستور کے مطابق ہو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 330)

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ابو سلمہ کے بچوں کو خرچ دینے میں مجھے ثواب ملے گا میں انہیں اس حالت میں اور اس طرح (فقر کی حالت میں) چھوڑ نہیں سکتی وہ بھی میرے ہی بچے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں تجھے ثواب ملے گا

جو تو انکی ذات پر خرچ کرے گی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 340)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے والے نے مالدار کی قائم رہے اور اوپر والا نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے رشتہ داروں سے ابتدا کرو (اور کیا یہ اچھی بات ہے) کہ عورت کہے یہ تو مجھے کھانا دیا مجھے طلاق دے دو، غلام کہے کہ مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام سواور بیٹا کہے کہ مجھ کو کھانا کھلاؤ مجھے کس پر چھوڑتے ہو، لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ تم نے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، انہوں نے کہا نہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے کہتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 326)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یوسفیان ایک بخیل آدمی ہے اور مجھے کچھ بھی نہیں دیتا کہ جو میرے بچوں کو کافی ہو جائے، سوائے اس کے کہ جو میں اسے بتائے بغیر لے لیتی ہوں تو آپ نے فرمایا جس قدر تیرے بچوں کو کافی ہو اس میں سے بقدر ضرورت لے لیا کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 335)

شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان

علامہ قاضی خان حنفی مدظلہ رحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر نہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا نقد چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دے گا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (فتاویٰ خانہ، باب نفقہ)

علامہ علاء الدین حنفی مدظلہ رحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ تاکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے۔ چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (در مختار، باب نفقہ)

اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہامد باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

پوچھا گیا کیا کسی کو کھانا بھی نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ہمارے مالوں میں سے افضل ترین ہے اس باب میں سعد بن ابی وقاص اسامہ بنت ابوبکر ابو ہریرہ عبد اللہ بن عمرو اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابویحییٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہامد حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 652)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے خاوند کے مال سے صدقہ دے تو اس کے لئے بھی اجر ہے اور اسکے خاوند کے لئے اس کی مثل ہے اور خاتون کے لئے بھی اس کے برابر ہے اور کسی ایک کو اجر ملنے سے کسی دوسرے کا اجر کم نہیں ہوتا شوہر کے لئے کمانے اور بیوی کے لئے خرچ کرنے کا اجر ہے امام ابویحییٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 653)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ دینار جس کو تو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو تو غلام پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو تو نے مسکین پر خیرات کر دیا اور وہ دینار جو تو نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2304)

فصل

﴿یہ فصل مطلقہ کیلئے نفقہ و سکنہ فراہم کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل نفقہ و سکنہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ حالت نکاح کے احکام نفقہ و سکنہ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے حالت مفارقت کے نفقہ و سکنہ کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ (عنہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۳۰، بیروت)

کیونکہ نکاح کی حالت میں نفقہ و سکنہ کا سبب نکاح سے ہے اور نکاح چونکہ مفارقت سے مقدم ہے لہذا مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور مفارقت نکاح کے بعد طلاق وغیرہ کے سبب سے ہے اور یہ عوارض مؤخر ہیں لہذا مصنف علیہ الرحمہ عوارض مؤخرہ کے سبب ہونے کے پیش نظر اس فصل کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

”اگر مرد ہر ایک کو واجب کردہ اخراجات اور لباس وغیرہ دیتا ہے تو پھر اس پر ان دونوں میں نفقہ اور لباس میں برابری کرنا واجب نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے ایک شخص جس کی دو بیویاں تھیں کے متعلق فرمایا: اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ایک کو دوسری پر نفقہ اور شہوات اور رہائش میں فضیلت دے، جب دوسری کے پاس کفایت کرنے والے اخراجات اور رہائش وغیرہ ہو، اور وہ اس کے لیے دوسری بیوی سے زیادہ قیمتی لباس خرید سکتا ہے، اور یہ کفایت میں ہو۔ (المغنی ۱۰/۲۴۲)

اور امام احمد رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت وارد ہے کہ ”نفقہ اور لباس وغیرہ میں خاوند پر عدل کرنا واجب ہے، اور اسے کسی ایک کو فضیلت دینے کا حق نہیں۔“

طلاق یافتہ عورت کو خرچ اور رہائش فراہم کرنا

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى فِي عِدَّتِهَا رَجْعًا كَانَ أَوْ بَائِنًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا نَفَقَةَ لِلْمَبْنُوتَةِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا، أَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلِلنِّكَاحِ بَعْدَهُ قَائِمٌ لَا يَسِيمَا عِنْدَنَا فَإِنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْءُ، وَأَمَّا الْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهِ مَا رَوَى (عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا فَلَمْ يَغْرِضْ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنَى وَلَا نَفَقَةً (۱)) وَلَا نَفَقَةَ لَهُ وَهِيَ مُرْتَبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهَذَا لَا تَجِبُ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا نِعْدَامِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا لَا نَا عَرَفْنَاهُ بِالنِّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَإِنْ

كُنْ أُولَاتٍ حَمَلٍ فَأَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ) الْآيَةُ.

وَلَنَا أَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ اخْتِيَاْسٍ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَالْاِخْتِيَاْسُ قَائِمٌ فِي حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُودٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَ الْوَلَدُ إِذَا الْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَلِهَذَا كَانَ لَهَا السُّكْنَى بِالْاِخْتِمَاعِ وَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَامِلًا. وَحَدِيثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ قَالَ: لَا نَدْعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي صَدَقَتْ أَمْ كَذَبَتْ حَفِظْتُ أَمْ نَسِيتُ (۱)، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (لِلْمُطَلَّاقَةِ الثَّلَاثِ النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى مَا دَامَتْ فِي الْعِدَّةِ (۲)) وَرَدَّهُ أَيْضًا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ. (۳)

(۱) أخرجه مسلم في "صحيحه" باب المطلقه البائنة لا نفقة لها برقم (۳۷۰۰) و أبو داود في "سننه" برقم (۲۲۸۸) والترمذي في "معجمه" برقم (۱۱۹۷) والنسائي في "المعجم" برقم (۲۳۲۰) وابن ماجه برقم (۲۰۳۶) وأحمد في "المسند" ۳۷۳/۶ - (۱) قوله لا ندري أصعب أم كذب يس هو بهذا اللفظ في الأصول الخمسة فالدي عند مسلم: "لا ندري حفظت أم نسيت" و نحوه عند أبي داود والترمذي، ولم تذكر هذه الجملة عند النسائي وابن ماجه، وجاءت بلفظ مسلم في "المصنف" لابن شيبة ۱۴۷۱/۲ - وجاءت في "شرح معاني الآثار" للطحاوي ۶۷/۳ بلفظ لا ندري لعلمها كذب. وفي رواية ثانية عنده ۶۸/۳ لعلمها أو همت. ومعنى علمها كذب ولعب أو همت واحد أي لعلمها أخطأت. فمرضى الله عنه عندما اتهم فاطمة بنت قيس رضي الله عنها بالكذب والافتعال ليخبره إنما أراد أنها قد تكون أخطأت بلفظ لا ندري. والظاهر أن هذا من تصرف بعض الرواة دهابا منهم أو المعنى واحد وكذب تأتي بمعنى أخطأ. قال الخطابي كما في "معون المعبود" ۱/۶۳، والعرب تصع (الكذب) موضع (الخطأ) في كلامها، فيقولون: كذب سمعي وكذب بصري. و مراد قول النبي ﷺ رجل الذي صد له العسل "صدق الله، وكذب أخبت" نظر تعبير العلامة أبو عدة عني "قواعد في علوم الحديث" ص ۱۷۱-۱۷۲ (۲) أخرجه مسلم في "صحيحه" برقم (۴۷) (۳) أم حديث جابر فأخرجه الدررقي في "سنه" ۴۳۲ في القريب حرب بن أبي العالاية أبو معاذ البصري صدوق بهم، وحديث عائشة أخرجه مسلم في "صحيحه" ۳۶۸/۱ - وأما عن زيد بن ثابت وأسماء بن زيد فلم يحدده مع جوا "الهداية انظر" نصب الرأية" ۲۷۳/۳ و "الدرية" ۸۳/۲.

ترجمہ

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے جو رجعی ہو یا بائنه ہو تو عدت کے دوران اس عورت کے اخراجات اور رہائش انتظام شوہر کے ذمے ہوگا۔ امام شافعی نے یہ بات بیان کی ہے طلاق بائنه حاصل کرنے والی عورت کو خرچ نہیں ملے گا۔ البتہ اگر وہ حامد ہو تو اسے خرچ دیا جائے گا۔

رجعی طلاق کی صورت میں خرچ اس لئے لازم ہوتا ہے کیونکہ عدت پوری ہونے تک نکاح برقرار رہتا ہے۔ بطور خاص ہمارے نزدیک کیونکہ اس دوران صحبت کرنا جائز ہوتا ہے۔ بائنه طلاق کی صورت میں خرچ کے لازم نہ ہونے کی دلیل نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کا وہ فیصلہ ہے جو طہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے بارے میں دیا تھا جسے انہوں نے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں، میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیدیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے خرچ اور رہائش کا حق مقرر نہیں کیا تھا۔ امام شافعی کی دوسری دلیل یہ ہے ایسی عورت پر شوہر کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے جبکہ خرچ کا تعلق ملک سے متعلق ہوتا ہے اس لئے اس عورت کو خرچ کی پاداشی لازم نہ ہوگی جس کا شوہر فوت ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں بھی ملکیت زائل ہو چکی ہے۔ جہاں تک حاملہ عورت کے مسئلہ تعلق سے تو اس کے خرچ کا وجہ قرآن سے ثابت ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”(وہ طلاق یافتہ عورتیں) حمل کی حالت میں ہوں تو نہیں خرچ دو“۔ ہری دلیل وہ ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں خرچ عورت کو روکنے کی عوض میں دیا جاتا ہے اور نکاح کے مقصود یعنی داد کے لے نہ سے یہ مفہوم پایا جا رہا ہے کہ اس اودا کی وجہ سے عدت لازم ہوتی ہے لہذا خرچ بھی لازم ہوگا اس لئے رہائش کی جگہ کا انتظام کرنا بھی لازم ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے وہ عورت حاملہ ہو (تو یہی حکم ہوتا ہے) جہاں تک سیدہ فاطمہ بنت قیسؓ کی نقل کردہ روایت کا تعلق ہے تو اسے حضرت عمرؓ نے مسترد کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ فرمایا تھا: ”ہم اپنے پروردگار کی کتاب کا حکم اور اپنے نبی کی سنت کا حکم ایک عورت کے بیان کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے ہمیں نہیں پڑے کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے یا غلط بیانی کر رہی ہے اسے یہ بات صحیح طرح یاد ہے یا وہ بھول چکی ہے۔“ (حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا تھا) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”تین طلاقیں ملنے والی عورت کو رہائش اور خرچ ملے گا جب تک وہ عدت پوری کرتی ہے۔“ اسی طرح حضرت زید بن ثابتؓ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اس خاتون کے بیان کو مسترد کر دیا تھا۔

شرح

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر نہ کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: ج ۲، حدیث نمبر ۵۳۶)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس

کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ دینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مال مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرنا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی واد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحی اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضا مندی کا حکم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسبت سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معصومیت کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معصومیت کی بنیاد پر حکم دیدیا۔

طلاق رجعی میں نفقہ و سکنت کی ذمہ داری میں فقہی مذاہب

اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کی ذمہ داری قائم رہتی ہے۔ اور اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر لگ کر دینے والی شوہر حال اس کے وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کی نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہوا ہے کہ آیا غیر حاملہ مطلقہ منقذہ (یعنی جسے قطعی طور پر لگ کر دینے والی طلاق دی گئی ہو) سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے؟ یا دونوں میں سے کسی کی بھی حق دار نہیں ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے۔ یہ رائے حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علی بن حسینؓ (مام زین العابدینؓ)، قاضی شریح اور ابراہیم نخعیؓ کی ہے۔ اسی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، اور امام شافعیان، ثوری اور حسن بن صالحؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس کی تائید وادار قاضی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت جاب بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المطلقۃ ثلاثا لها السكنی و الحنفۃ۔ جس عورت کو تین طلاقیں دی جا چکی ہوں اس کے لیے زمانہ عدت میں سکونت اور نفقہ کا حق ہے۔

اس کی مزید تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ایک عورت کے قول پر اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ترک نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علم میں لازمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہوگی کہ ایسی عورت کے لیے نفقہ اور سکونت کا حق ہے۔ بلکہ ابراہیم نخعیؓ کی ایک روایت میں تو یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقول لها السكنی و الحنفۃ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایسی عورت کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی امام ابو بکرؓ، اصحاب احکام اقرآن میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ کے حق میں پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ فرمایا ہے فطْلُوْهُنَّ لَعَلَّ یٰہُنَّ اَنْ یَّعْلَمَ یٰہُنَّ، ان کو ان کی عدت کے لیے طلاق دواں فرماؤ

ہی کا اطلاق اس شخص پر بھی تو ہوتا ہے جو دو طلاق پہلے دے کر رجوع کر چکا ہو اور اب اسے صرف ایک ہی طلاق دینے کا حق باقی ہو۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا جب یہ طریقہ بتایا کہ آدمی یا تو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو یا ایسی حاست میں طلاق دے جبکہ عورت کا حاملہ ہونا ظاہر ہو چکا ہو تو اس میں آپ نے پہلی دوسری، یا آخری طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو ہر قسم کی طلاق سے مستثنیٰ، ناجائز ہے۔ تیسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا متبوتہ، اس کی سکونت اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ اور غیر حاملہ رجعیہ کے لیے بھی یہ دونوں حقوق واجب ہیں۔ اس سے معصوم ہوا کہ کونت اور نفقہ کا وجوب دراصل حمل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس بنا پر ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں شرعاً شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اب اگر یہی حکم متبوتہ غیر حاملہ کے بارے میں بھی ہو تو کوئی ہمت نہیں کہ اس کی سکونت اور اس کا نفقہ مرد کے ذمہ نہ ہو۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ متبوتہ کے لیے سکونت کا حق تو ہے مگر نفقہ کا حق نہیں ہے۔ یہ مسلک سعید بن المسیب، سلیمان بن یوسف، شعبی، اوزاعی، لیث اور ابو عبیدہ رحمہم اللہ کا ہے، اور امام شافعی اور امام مالک نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن مغنی المحتاج میں امام شافعی کا مسلک اس سے مختلف بیان ہوا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ متبوتہ کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ یہ مسلک حسن بصری، حماد بن ابی لیلیٰ، عمرو بن دینار، طاہر، اسحاق بن راہویہ، اور ابو ثور کا ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امامیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور مغنی المحتاج میں شافعی کا مسلک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سکی لمعتلہ طلاق او حاملہ ولا مانس..... ولحائل البائن لا نفقة لها ولا کسوة۔ طلاق کی بنا پر جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے سکونت کا حق واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو، مگر باند کے لیے واجب نہیں ہے..... اور غیر حاملہ باند کے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ کسوا۔ اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے کہ لَا تَذَرْنِي لَعَلَّ اللّٰهُ يُخَدِّثَ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا، تم نہیں جانتے، شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجعیہ کے حق میں درست ہو سکتی ہے نہ کہ متبوتہ کے حق میں۔ اس لیے مطلقہ کو گھر میں رکھنے کا حکم بھی رجعیہ ہی کے لیے خاص ہے۔ دوسرا، استدلال فقہ بنت قیس کی حدیث سے ہے جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

یہ فاطمہ بنت قیس القہریہ اولین مہاجرات میں سے تھیں، بڑی عاقلہ بھی جاتی تھیں، اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع انہی کے ہاں ہوا تھا۔ یہ پہلے ابو عمرو بن حفصؓ الحکیمؓ الخزومی کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا، اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کیا۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ ان کو شوہر ابو عمرو پہلے ان کو دو طلاق دے چکے تھے۔ پھر جب حضرت علیؓ کے ساتھ وہ یمن بھیجے گئے تو انہوں نے وہاں سے باقی

مذہب تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ ابو عمرو ہی نے اپنے رشتہ داروں کو پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ برداشت کریں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ انہوں نے خود نفقہ و سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو، شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں، اور حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ نہ تمہارے لیے نفقہ ہے نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **الْمَا السَّكْنَى وَالْمَرْأَةُ عَلَى زَوْجِهَا مَا كَانَتْ لَهَا عَلَيْهِ رَجْعَةٌ، فَاذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا عَلَيْهَا رَجْعَةٌ فَلَا نَفَقَةَ وَلَا سَكْنَى۔** عورت کا نفقہ اور اس کی سکونت تو شوہر پر اس صورت میں واجب ہے جب کہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ مگر جب رجوع کا حق نہ ہو تو نہ نفقہ ہے نہ سکونت (مسند احمد)

طبرانی اور نسائی نے بھی قریب قریب یہی روایت نقل کی ہے اور اس کے آخری الفاظ یہ ہیں فاذا کانت لا تحل له حتی تنكح زوجا غيره فلا نفقة ولا سکنی۔ لیکن جب وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہو جب تک اس کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے تو پھر اس کے لیے نہ نفقہ ہے نہ سکونت۔ یہ حکم بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے ان کو پہلے ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو۔

لیکن اس حدیث کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

اولاً، ان کو شوہر کے رشتہ داروں کا گھر چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ داروں کی بد مزاجی سے تنگ تھیں۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ ان خاتون نے اپنی حدیث بیان کر کے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زبان دراز تھیں، اس لیے ان کو ابن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا (ابوداؤد)۔ دوسری روایت میں سعید بن المسیب کا یہ قول منقول ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے زبان درازی کی تھی اس لیے انہیں اس گھر سے منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا (ہصام)۔ سلیمان بن یوسف کہتے ہیں ان کا گھر سے نکلنا دراصل بد مزاجی کی وجہ سے تھا (ابوداؤد)۔

ثانیاً، ان کی روایت کو حضرت عمرؓ نے اس زمانے میں رد کر دیا تھا جب بکثرت صحابہ موجود تھے اور اس معاملہ کی پوری تحقیقات ہو چکی تھی۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کجب حضرت عمرؓ کو فاطمہؓ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے فرمایا لیسنا بتاؤ کی ایت فی کتاب اللہ و لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقفل اماء لعلھا اوھمت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لھا السکنی و لنفقة۔ ہم کتاب اللہ کی ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جسے شاید کچھ دہم ہوا ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ متبوتہ کے لیے سکونت کا حق بھی ہے اور نفقہ کا بھی (ہصام)۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا تھا۔ وہاں شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت اسود نے شعبی کو نکلیا کھینچ مارا اور کہا کہ حضرت عمرؓ نے زمانے میں جب فاطمہؓ کی یہ روایت پیش کی تھی تو انہوں نے کہا تھا ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے معلوم

نہیں اس نے یہ درکھایا بھول گئی۔ اس کے لیے نفقہ و رسونت ہے، اللہ کا حکم ہے لَا تُخْجِرْ رُجُؤُھُنَّ مِنْبُوتِہُنَّ یہ روایت بخلاف الفاظ مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں منقول ہوئی ہے۔

ثالث، مردان کے زمانہ حکومت میں جن مطلقہ متبوتہ کے متعلق ایک نزاع چل پڑی تھی، حضرت عائشہؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت پر سخت اعتراضات کیے تھے۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا آپ کو فاطمہ کا قصہ معلوم نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا فاطمہ کی حدیث کا ذکر نہ کرو تو چھ ہے (بخاری) بخاری نے دوسری روایت جو نقل کی ہے اس میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، وہ خدا سے ڈرتی نہیں؟ تیسری روایت میں حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ کے لیے یہ حدیث بیان کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ حضرت عروہ ایک اور روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ پر سخت ناراضی اک اظہر فرمایا اور کہا وہ دراصل ایک خالی مکان میں تھیں جہاں کوئی مونس نہ تھا اس لیے ان کی سلامتی کی خاطر حضور ﷺ نے ان کو گھر بدل دینے کی ہدایت فرمائی تھی۔

رابعاً، ان خاتون کا نکاح بعد میں اسامہؓ بن زید سے ہوا تھا، اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں کہ جب کبھی فاطمہ اس حدیث کا ذکر کرتیں میرے والد، جو چیز بھی ان کے ہاتھ لگتی اٹھ کر ن پر دے مارتے تھے (بصاح)۔ ظاہر ہے کہ حضرت اسامہ کے علم میں حدیث کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث کی روایت پر اتنی ناراضی کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ (تفسیر تفسیر القرآن)

بیوہ عورت کیلئے نفقہ نہ ہونے کا بیان

(وَلَا نَفَقَةٌ لِّلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا) لِأَنَّ احْتِسَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَإِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا.

آلَا تَرَى أَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَيْسَ بِمُرَاعَى فِيهِ حَتَّى لَا يُشْتَرَطَ فِيهَا الْحَيْضُ فَلَا تَحِبُّ نَفَقَتَهَا عَلَيْهِ، وَلَآَنَّ النَّفَقَةَ تَحِبُّ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَلَا يُمَكِّنُ إِيحَابُهَا فِي مِلْكِ الْوَرَثَةِ (وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قَبْلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلِ الرِّدَّةِ وَتَقْبِيلِ ابْنِ الزَّوْجِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا) لِأَنَّهَُا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقِّ فَصَارَتْ كَمَا إِذَا كَانَتْ نَاشِزَةً، بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُولِ لِأَنَّهُ وَجَدَ التَّسْلِيمَ فِي حَقِّ الْمَهْرِ بِالْوُطْئِ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا جَاءَتْ الْفُرْقَةُ مِنْ قَبْلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَحِيَارِ الْعَنْقِ وَحِيَارِ الْبُلُوعِ وَالتَّفْرِيقِ لِعَدَمِ الْكِفَاءِ لِأَنَّهَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا

بِحَقِّ وَذَلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَا إِذَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيفَاءِ الْمَهْرِ.

ترجمہ

اور بیوہ عورت کو خرچ نہیں ملے گا، کیونکہ اس کا حق شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شریعت کے حق کی وجہ سے ہے کیونکہ اس کا اس عدت کو گزارنا عبادت کے طور پر ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اس عدت کا بنیادی مقصد رحم کے بری ہونے کی معرفت کا حصول نہیں ہے یہاں تک کہ اس میں حیض بھی شرط نہیں ہے اس لئے مرحوم شوہر پر اس عورت کا خرچ لازم نہیں ہوتا۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے: خرچ تھوڑا تھوڑا کر کے لازم ہوتا ہے موت کے بعد شوہر کی کوئی ملکیت باقی نہیں رہی اور وراثت کی ملکیت میں خرچ واجب کرنا عملی طور پر ممکن نہیں ہے۔

ہر وہ علیحدگی جس کی بنیادی وجہ عورت کی طرف سے معصیت ہو جیسے وہ (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے یا شوہر کے بیٹے کا (شہوت کے ساتھ) بوسہ لے تو اس عورت کو خرچ نہیں ملے گا، کیونکہ اس صورت میں اس نے خود اپنی ذات کو ناقص طور پر روکا ہے اور اس کی مثال نافران عورت کی طرح ہو جائے گی۔ جبکہ محبت کے بعد مہر کے لازم ہونے کا حکم اس سے مختلف ہے چونکہ محبت کرنے کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر چکی ہے لہذا اس کا مہر ثابت ہو جائے گا۔ اور یہ صورت اس حکم سے بھی مختلف ہے جب جدائی کی وجہ عورت ہو، لیکن اس میں معصیت نہ پائی جا رہی ہو جیسے آزاد ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار بائع ہونے پر حاصل ہونے والا اختیار یا کفو نہ ہونے کی وجہ سے ہونے والی عیحدگی وغیرہ کیونکہ ان تمام صورتوں میں عورت نے اپنے آپ کو اپنے حق کی وجہ سے روکا ہے اس لئے اس سے خرچ ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے اگر وہ مہر ملنے سے پہلے اپنے آپ کو مرد کے سپرد نہیں کرتی تو اس دوران سے خرچ ملتا رہے گا۔

بیوہ کے نان و نفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مطلقہ، خواہ رجعیہ ہو یا مہوتہ، اگر حامد ہو تو وضع حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مراد ہو، یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہو گئی ہو۔ اس معاملہ میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں۔

۱ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس کا نفقہ واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، قاضی شریع، ابوالعالیہ، شعبی اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول منقول ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے (آلوسی۔ بصاح)

۲ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اس کے پیٹ کے بچہ کے حصے میں سے خرچ کیا جائے اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو۔ اور اگر میراث نہ چھوڑی ہو تو میت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نفرمایا: وَعَلَى الْوَارِثِ مِنْ ذَلِكَ (البقرہ، آیت 233)۔

3 حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبداللہ بن ازیر، حضرت حسن نھری، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایک تیسرا قول یہ منقول ہوا ہے (بھاص)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے اس کو جو میراث کا حصہ ملا ہو اس سے وہ اپنا خرچ پورا کر سکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکہ پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

14 ابن ابی لیل کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ متوفی شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا خرچ واجب ہوتا ہے (بھاص)۔ یعنی مجموعی ترکہ میں سے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا نفقہ بھی ادا کیا جائے۔

15 امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کہتے ہیں کہ میت کے مال میں اس کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ کیونکہ موت کے بعد میت کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کیے واجب ہو سکتا ہے (ہدایہ، بھاص)۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے (الانصاف)۔

16 امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے (مغنی المحتاج)۔ ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن فریحہ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کر دیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزاریں (ابوداؤد و نسائی، ترمذی)۔

مزید برآں ان کا استدلال درقطنی کی اس روایت سے ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لِلْحَامِلِ الْمَتَوَفَّى عَهَا رُجُوعُهَا نَفَقَةً۔ بیوہ حاملہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے (حاشیہ الدسوقي)۔

اگر مطلقہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا

(وَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا، وَإِنْ مَكَثَتْ ابْنُ رُوحٍ) مِنْ نَفْسِهَا (فَلَهَا النِّفَقَةُ) مَعَهَا: مَكَثَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ، لِأَنَّ الْفُرْقَةَ تَنْبُتُ بِالطَّلَاقِ الثَّلَاثِ وَلَا عَمَلٍ فِيهَا لِلرَّذَّةِ وَالْتِمَاسِ، إِلَّا أَنْ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتَّى تَتُوبَ، وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُحْبُوسَةِ، وَالْمُمَكِّنَةُ لَا تُحْبَسُ فَلِهَذَا يَقَعُ الْفَرْقُ.

ترجمہ

اور اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے اور پھر عورت "معاذ اللہ" مرتد ہو جائے تو اس کا خرچ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ شوہر کے بیٹے کو صحبت کا موقع دے تو اس کا خرچ ساقط نہیں ہوگا۔ اس کا مفہوم یہ ہے: وہ طلاق کے بعد اس کا موقع دے کیونکہ عیحدگی تو تین طلاقیں کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں مرتد ہونے یا شوہر کے بیٹے کو موقع دینے کا کوئی داخل نہیں ہے البتہ

مرتد ہونے کے نتیجے میں اسے قید کر دیا جاتا ہے جب تک وہ توبہ نہیں کر لیتی اور قیدی کا خرچ لازم نہیں ہوگا جبکہ جو عورت شوہر کے بیٹے کو موقع دیتی ہے اسے قید نہیں کیا جاتا ہے اس لئے دونوں صورتوں کے درمیان فرق ہوگا۔

عدت و فوات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یونہی جو فرقت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتد ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عدت میں مرتد ہوگئی تو نفقہ ساقط ہو گیا پھر اگر اسلام مائی تو نفقہ عود آئیگا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہوا اس میں نفقہ عدت ساقط نہیں مثلاً خیاء عتق، خیاء بلوغ عورت کو حاصل ہوا، اس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی نہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ و سکنتہ معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنتہ سے شوہر اب بھی نرمی نہیں کہ عورت اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خاوند اور بیوی کے لیے شب زفاف میں ہم بستری کرنا اگر وہ چاہیں تو جائز ہے، لیکن شریعت میں اس کی تعداد متعین نہیں کہ کتنی بار ہم بستری کی جائے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جماعت اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے، اور پھر جب قدرت و طاقت میں بھی فرق ہے تو شریعت کی عادت نہیں کہ وہ اس طرح کے مسائل میں تعداد متعین کرے۔ لیکن جماع اور ہم بستری عورت کا حق ہے جو خاوند پر واجب ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ کہ اگر اس کا کوئی عذر نہیں تو وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ (المغنی ل ابن قدامہ) (7 / 30)

حدیث شریف میں ہے کہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے عبداللہ کیا مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات کیوقت قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ تعالیٰ کے رسول (بات تو ایسی ہی ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا نہ کر بلکہ روزہ رکھ اور افطار بھی (یعنی کبھی چھوڑ بھی دینا) اور قیام بھی کیا کرو اور سو یا بھی کرو، اس لیے کہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے) (صحیح بخاری)

حدیث کی شرح میں ہے کہ: یہ خاوند کے لائق نہیں کہ وہ عبادات میں اتنی کوشش کرے کہ وہ جماع اور کئی کرنے کے حق سے بھی کمزور ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری۔ اور خاوند پر بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کے پاس رات بسر کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جب اس کی بیوی ہو تو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی عذر نہیں تو وہ چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس بسر کرے۔ (المغنی) (7 / 28) اور کشف القناع (3 / 144)

اور بیوی کی حسب خواہش خاوند پر ہم بستری و جماع واجب ہے جب تک کہ خاوند کا بدن کمزور نہ ہو اور یا پھر اسے ایسا کرنا

معیشت سے ہی رک دے۔۔۔

اور اگر وہ آپس میں تنازع کا شکار ہو جائیں تو خاوند پر قاضی فقہ کی طرح اسے بھی مقرر کر دے گا اور وہ اس میں زیادتی کرتا ہو (الاختیارات الفقہیہ ص 246)

شرعی طور پر مطلوب اور مقصود تو یہ ہے کہ خاوند کی ہم بستری کے ذریعہ سے بیوی کو فاشی اور غلط کام سے بچایا جائے اور ہم بستری بھی بیوی کی خواہش اور اتنی ہو جس سے یہ بچو ہو سکے، تو اس طرح اس کے لیے چار مہینہ یا اس سے زیادہ اور کم کی مدت مقرر کرنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم بستری اتنی ہو جتنی کا حق خاوند ادا کر سکے اور بیوی کی جتنی خواہش ہو یہ تو عادی حالت اور خاوند کی موجودگی میں ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔ لیکن اگر وہ سفر یا کسی اور کام اور تجارت وغیرہ یا کسی مشروع عذر کی بنا پر غائب ہے تو اس حالت میں خاوند کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بیوی سے زیادہ مدت غائب نہ رہے۔

اور اگر اس کے غائب ہونے کا سبب مسلمانوں کے کسی نفع کی وجہ سے ہو مثلاً وہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلا ہوا ہے یا پھر مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اسے چار ماہ کے اندر راندراپنے گھر واپس آنے کی اجازت دینی چاہیے تاکہ وہ کچھ مدت اپنے بیوی بچوں میں گزارے اور پھر دوبارہ سرحدوں پر یا جہاد میں واپس چلا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیاست اور حکم یہی تھا کہ انہوں نے بیویوں اور سرحدی محافظوں کے لیے یہ مقرر کیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں سے چار مہینے تک دور رہیں جب یہ مدت پوری ہو جاتی تو انہیں واپس بلا لیا جاتا اور ان کی جگہ بر دوسروں کو بھیج دیا جاتا تھا: (المفصل فی احکام المرأة (7 / 239)

فصل

یہ فصل اولاد کے خرچ کے بیان میں ہے ﴿﴾

فصل اولاد خرچ کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے زوجہ کے خرچ سے متعلق احکام شرعیہ کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ فقہ کی ابتداء بلکہ اولاد کے وجود کا سبب ہی زوجہ ہے لہذا اس کو مقدم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اولاد باعتبار وجود بیوی سے مؤخر ہے۔ لہذا موقوف علیہ کو موقوف پر مقدم ذکر کرنا اصول کے مطابق ہے۔

کتاب و سنت میں بہت سارے دلائل ملتے ہیں جو اولاد پر خرچہ کرنے کی ترغیب دلاتے اور ابھارتے ہیں اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں ذیل میں ہم چند ایک دلائل کا ذکر کریں گے۔

قرآن مجید سے نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ دستور کے مطابق ان کا روٹی کپڑا ہے) (البقرة 233) اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح ارشاد ہے: (اور وسعت اور کشاد رزق والیکے لیے اپنی وسعت و کثرت دگی سے خرچ کرنا ضروری ہے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دے رکھا ہے) اپنی حیثیت کے مطابق) خرچ کرے) (الطلاق، 7)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور تم جو بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں تمہیں اور زیادہ عطا کرتا ہے اور وہ اللہ ہی سب سے بہتر رازق و روزی دینے والا ہے) (سبا، 39)

احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث وارد ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں اور بچوں اور خاص کر لڑکیوں پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک دینار اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ کا خرچ کرنا اور ایک وہ دینار ہے جو آپ نے غلامی کی آزادی کے لیے خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان میں سے سب سے زیادہ اجر و ثواب والا وہ ہے جو آپ نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا) (صحیح مسلم حدیث نمبر 995)

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب

سے فضل دینا وہ ہے جو آدمی اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اپنے جانور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے دوست و احباب پر خرچ کرتا ہے) صحیح مسلم حدیث نمبر (994)

(۳) حضرت ابو قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں بل عیال سے ابتداء کی گئی ہے، پھر ابو قتادہ کہتے ہیں کہ کہ اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرنے والے سے زیادہ اجر و ثواب کا مالک کون ہو سکتا ہے جن بچوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا یا پھر ان کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے نفع دے اور انہیں غنی کر دے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: (تو کو وہ بھی چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے تو تجھے اس پر اجر و ثواب ملے گا حتیٰ کہ وہ چیز بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے) اس کا بھی اجر و ثواب ملے گا) صحیح بخاری حدیث نمبر (1295) صحیح مسلم حدیث نمبر (1628)

(۵) حضرت ابو مسعود الہدیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے) صحیح بخاری حدیث نمبر (55) صحیح مسلم حدیث نمبر (1002)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بندے جب بھی صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اور زیادہ عطا فرما اور اس کا نعم البلد دے اور دوسرے کہتا ہے اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کو اور کم عطا کر اور باقی ماندہ کو ضائع کر دے) صحیح بخاری حدیث نمبر (1442) صحیح مسلم حدیث نمبر (1010)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت مانتے آئی اور اسے کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں تو اس نے میرے پاس سوائے کھجور کے اور کچھ بھی نہ پایا تو میں نے وہی ایک کھجور اسے دے دی تو اس نے وہ کھجور دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنی دونوں بچیوں کو دے دی اور خود کچھ بھی نہ کھا یا اور پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے انہیں یہ ماجرا سنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے گئے: (ان لڑکیوں کے بارہ میں جسے بھی آزمائش میں ڈالا جائے) یعنی جس کے ہاں بھی بیٹیاں ہوں) تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اچھی تربیت کرے تو وہ اس کیلئے آگ سے بچاؤ کا باعث ہوں گی) صحیح بخاری حدیث نمبر (1418) صحیح مسلم حدیث نمبر (2629)

(۸) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک مسکین عورت اپنی دو بیٹیوں کو اٹھائے ہوئے آئی تو میں نے اسے تین کھجوریں دیں تو اس نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دی اور جب وہ خود کھجور کھانے کے لیے اٹھانے لگی تو اس کی دونوں بیٹیوں نے وہ کھجور بھی کھانے کے لیے، لیکن اس عورت نے وہ کھجور بھی دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے انہیں دے

دی جو خود کھانے کا ارادہ رکھتی تھی مجھے اس کا یہ کام بہت ہی اچھا لگا بعد میں میں اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو انہوں نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اس کے بدلے میں جنت دے دی یا اس کی بنا پر آگ سے آزاد کر دیا)۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر (2630)

(۹) انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (جس نے بھی دوڑ کیوں کی بوغت تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اسٹھے آئیں گے، اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کا ملایا) صحیح مسلم حدیث نمبر (2631) اور اس موضوع میں بہت سی احادیث ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (غذاء الالباب (2 / 437) سے کچھ کی ویشی کے ساتھ لیا گیا ہے۔

اور ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: آدمی اپنے آپ اور اہل و عیال پر خرچ کرے اور ان پر بھی جن کا خرچہ اس کے ذمہ لازم اور واجب ہے اور اس خرچ کرنے میں کوئی کجی سے کام نہ لے ان پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا کہ واجب ہے اور اس میں اسراف بھی نہ کرے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور یہ وہ لوگ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں اسراف و فضول خرچی نہیں کرتے، ورنہ ہی اس میں کجی سے کام لیتے ہیں اور وہ ان دونوں کے دو میان کا واسطہ اختیار کرتے ہیں)۔ اور یہ خرچہ سب صدقات و خیرات اور خرچوں سے افضل ہے۔ (طرح التدریب، 2 / 74)

تابالغ اولاد کا خرچ صرف باپ پر لازم ہوگا

(وَنَفَقَةُ الْوَلَدِ الصَّغِيرِ عَلَى الْآبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا أَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِي نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ) وَالْمَوْلُودُ لَهُ هُوَ الْآبُ (فَإِنْ كَانَ الصَّغِيرُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلَى أُمِّهِ أَنْ تُرَضِعَهُ) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْكَفَايَةَ عَلَى الْآبِ وَأُجْرَةُ الرِّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ وَلَا تَهَا عَسَاهَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُذْرٍ بِهَا فَلَا مَعْنَى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ.

وَقِيلَ فِي تَأْوِيلِ قَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا) بِإِلْزَامِهَا الرِّضَاعَ مَعَ تَكْرَاهِيَّتِهَا، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا بَيَانَ الْحُكْمِ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ يُوجَدُ مَنْ تُرَضِعُهُ، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا تُوْجَدُ مَنْ تُرَضِعُهُ تُجْبَرُ الْأُمُّ عَلَى الرِّضَاعِ صَيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الصِّيَاعِ.

قَالَ (وَيَسْتَأْجِرُ الْآبُ مَنْ تُرَضِعُهُ عَنْدَهَا) أَمَّا اسْتِئْجَارُ الْآبِ فَلِأَنَّ الْآجَرَ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهُ عَنْدَهَا مَعْنَاهُ إِذَا أَرَادَتْ ذَلِكَ لِأَنَّ الْحَجَرَ لَهَا.

ترجمہ

اور نابالغ اولد کا خرچ باپ کے ذمے ہے اور اس بارے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہوگا جس طرح بیوی کے خرچ میں کوئی اس (شوہر) کا شریک نہیں ہوتا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ان عورتوں کا خرچ اس کے ذمے ہے جس کا بچہ ہے“۔ یہاں ”جس کا بچہ ہے“ سے مراد باپ ہے۔ اگر وہ کسمن بچہ دودھ پیتا ہو تو اس کی ماں پر لازم نہیں ہے کہ اسے دودھ پلانے اس کی وجہ یہ بیان کر چکے ہیں اس کی ضروریات پوری کرنا باپ کے ذمے ہے اور دودھ پلانے کا معاوضہ خرچ کی مانند ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے یہ مکان موجود ہے کہ اس کی ماں کسی عذر کی وجہ سے اسے دودھ نہ پلا سکتی ہو لہذا اس بارے میں زبردستی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم یہی ہے ”ماں کو اس کے بچے کے حوالے سے ضرورت نہ پہنچا جائے“۔ یعنی جب اسے یہ بات ناپسند ہو تو سے دودھ پلانے کا پابند نہ کیا جائے۔ ہم نے جو یہ بات ذکر کی ہے یہ حکم کا بیان ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب بچہ کو دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت مل جائے لیکن اگر اسے دودھ پلانے کے لئے کوئی عورت نہیں ملتی تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ بچہ کو ہلاکت سے بچایا جاسکے۔ باپ ایسی عورت کو ملازم رکھے گا جو بچے کو اس کی ماں کے پاس دودھ پلانے جہاں تک باپ کے ملازم رکھنے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے: معاوضہ باپ کے ذمے ہے اور مصنف کے یہ الفاظ ”اس (ماں) کے پاس“ کا مطلب یہ ہے: عجب ماں یہ چاہے (یعنی بچے کو ماں سے دور نہیں کیا جاسکتا) کیونکہ گود کا حق اسے حاصل ہے۔

اولاد کے فقہ کے احکام و مسائل

نابالغ اولاد جس کی ذاتی ملکیت میں کچھ بھی مال و اسباب نہ ہو کے اخراجات اس کے باپ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ باپ خود تنگدست و مفلس کیوں نہ ہو کوئی دوسرا آدمی اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیا جائیگا۔ اگر بچہ ابھی دودھ پیتا ہو اور اس کی ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو نیز وہ بچہ دوسری عورت کا دودھ پی رہا ہو اور اس کی ماں اسکو دودھ پلانا نہ چاہتی ہو تو اس ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ہاں اگر بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیتا ہی نہ ہو یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی نہ ملے تو اس صورت میں وہ دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔

اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کر دے اور کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی ملتی ہو تو یہ حکم ہے کہ باپ دودھ پلانے والی کو مقرر کر دے جو بچہ کو ماں کے پاس آکر دودھ پلائے اب اگر اس بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود ہو تو اس دودھ پلانے والی کی جرت اس بچہ کے مال سے دی جائے گی۔ اگر بچہ کی ذاتی ملکیت میں مال موجود نہ ہو تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی۔

گر باپ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر مقرر کرے اور وہ اس کے نکاح میں ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو یہ

بچہ نہیں ہے ہاں اگر وہ ماں طلاق یا نکاح مغلطہ کی عدت میں ہو تو اس کو بھی دودھ پلانے کیسے اجرت پر رکھن بعض حضرات کے نزدیک تو ناجائز ہے اور بعض حضرات کے نزدیک جائز ہے اسی طرح عدت گزرنے کے بعد ماں کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھ لینا جائز ہے بلکہ اس صورت میں تو وہ ماں دودھ پلانے والی کسی دوسری عورت کی بہ نسبت زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے تو س کی نجات ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اپنے اس بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھے جو دوسری بیوی کے کٹن سے ہو تو یہ اجارہ جائز ہے اگر کسی کی بالغ بیٹی بالکل مفلس و تنگدست ہو یا بالغ بیٹا پاچ و معذور ہو تو ان کے اخراجات بھی باپ ہی کے ذمہ ہوں گی چنانچہ فتویٰ اسی پر ہے جبکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کے اخراجات کا دو تہائی حصہ باپ کے ذمہ اور ایک حصہ ماں کے ذمہ ہوگا۔

بچے کو دودھ پلانا ماں کا اخلاقی فرض ہے

(وَإِنْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ رَوْحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِرَضْعِ وَلَدِهَا) لَمْ يَجْزُ لَأَنَّ الرِّضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً. قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ) إِلَّا أَنَّهُمَا عُذِرَت لَاحْتِمَالِ عَجْزِهَا، فَإِذَا أَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْأَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوزُ أَخْذُ الْآجْرِ عَلَيْهِ، وَهَذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رِوَايَةً وَاحِدَةً لَأَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ، وَكَذَا فِي الْمَبْتُوتَةِ فِي رِوَايَةٍ، وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى: جَازَ اسْتِئْجَارُهَا لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ. وَجْهُ الْأَوَّلَى أَنَّهُ بَاقٍ فِي حَقِّ بَعْضِ الْأَحْكَامِ.

(وَلَوْ اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ مُنْكَوْحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِرَضْعِ ابْنٍ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا جَازٌ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا (وَإِنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا) يَعْنِي لِرَضْعِ وَلَدِهَا (جَازٌ) لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَمَا لَا جَنْبِيَّةَ (فَإِنْ قَالَ الْآبُ لَا اسْتَأْجَرَهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتْ أُمُّ بَيْمَثِلٍ أَجْرُ الْأَجْنَبِيَّةِ أَوْ رَضِيَتْ بِغَيْرِ أَجْرِ) كَانَتْ هِيَ أَحَقَّ لِأَنَّهَا أَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ إِلَيْهَا (وَإِنْ التَّمَسَّتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرْ الزَّوْجُ عَلَيْهَا) دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ وَاللَّهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ) أَيْ بِالْإِزَامَةِ لَهَا أَكْثَرَ مِنْ أَجْرَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ.

(وَنَفَقَةُ الصَّغِيرِ وَاجِبَةٌ عَلَى أَبِيهِ وَإِنْ خَالَفَهُ فِي دِينِهِ، كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَإِنْ خَالَفَتْهُ فِي دِينِهِ) أَمَّا الْوَلَدُ فَلِإِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا، وَلَآئِنَّهُ جُزْؤُهُ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ، وَأَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيحُ فَإِنَّهُ يَرَاءِ الْأَخْتِبَاسِ الثَّابِتِ بِهِ، وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرْتَّبَ عَلَيْهِ الْأَخْتِبَاسُ فَوَجَبَتْ النَّفَقَةُ. وَفِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا أَمَّا تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَى الْآبِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ، أَمَّا إِذَا كَانَ فَلَا أَصْلَ أَنَّ نَفَقَةَ الْإِنْسَانِ فِي مَالِ نَفْسِهِ صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا.

ترجمہ

اور جب مرد ای عورت کو ملزم رکھ لیتا ہے جو (بچے کی ماں اور اس مرد) کی بیوی ہو یا اس کی عدت گزار رہی ہو تاکہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے دینی اعتبار سے ماں ہی دودھ پلانے کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں“ تاہم ماں کے عاجز ہونے کے احتمال کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا جائے گا لیکن جب وہ معذور نہ ہو دودھ پلانے پر تیار رہو گی تو اس سے یہ ثابت ہو جائے گا وہ دودھ پلا سکتی ہے لہذا یہ عمل اس پر واجب ہو جائے گا اور اس کے لئے اس کا معوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ یہاں عدت گزارنے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے جسے رجسی طلاق دی گئی ہو اور اس بارے میں یہی ایک روایت ہے کیونکہ نکاح ابھی برقرار ہے۔ جس عورت کو طلاق شدہ کی گئی ہو ایک روایت کے مطابق اس کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے لئے معوضہ لینا جائز ہے کیونکہ نکاح ختم ہو چکا ہے۔ یہی روایت کی وجہ یہ ہے بعض احکام کے حق میں نکاح باقی ہوتا ہے۔ اگر مرد ای عورت کو ملزم رکھتا ہے جو اس کی منکوحہ ہو یا اس کی عدت بسر کر رہی ہو تاکہ وہ اس مرد کے اس بنے کو دودھ پلانے جو دوسری بیوی سے ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس بچے کو دودھ پلانا اس عورت پر لازم نہیں ہے۔

اگر اس عورت کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور پھر مرد اسے ملزم رکھتا ہے یعنی اس لیے کہ وہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے تو یہ جائز ہوگا اس کی وجہ یہ ہے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور وہ عورت (اس مرد کیلئے) اجنبی عورت کی طرح ہے۔ اگر باپ یہ کہتا ہے میں اس (یعنی بچے کی ماں) کو اجرت پر مقرر نہیں کرتا اور کسی دوسری عورت کو لے آتا ہے (جس کا معوضہ کم ہو) پھر بچے کی ماں اس اجنبی عورت جتنے معاوضے پر راضی ہو جاتی ہے یا کسی معاوضے کے بغیر راضی ہو جاتی ہے تو وہی زیادہ حقدار ہوگی کیونکہ ماں زیادہ شفیق ہے۔ بچے کو بچے کے لئے بہتری یہی ہے اسے ماں کے سپرد کیا جائے۔ اگر وہ زیادہ معاوضے کی طلبگار ہو تو شوہر اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا یعنی پانے سے ضرور دور کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ ”ماں کو

اس کی اولاد کے حوالے سے ضرورت پہنچایا جائے اور باپ کو اس کی اولاد کے حوالے سے یعنی باپ کو اس بات کا پابند نہ کیا جائے کہ وہ ماں کو اجنبی عورت سے زیادہ معاذ دے۔ کس بچے کا خرچ اس کے باپ کے ذمے لازم ہوگا۔ اگرچہ اس کا دین باپ کے دین سے مختلف ہو جس طرح بیوی کا خرچ شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے اگرچہ بیوی کا دین شوہر کے دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اس آیت کا مطلق ہونا ہے جو ہم نے تلاوت کی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے وہ بچہ اس شخص کا جزء ہے لہذا وہ اس کی اپنی ذات کے حکم میں ہوگا۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو اس کا سبب صحیح عقد ہے جو اس اختباس کے مقابے میں ہو یعنی جو مرد کے لئے ثابت ہے۔ مسلمان مرد اور کافر عورت کے درمیان عقد ٹھیک ہوتا ہے اور اس عقد پر اختباس کا حکم مرتب ہوتا ہے اس لیے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ ہم نے جتنی بھی صورتیں ذکر کی ہیں ان سب میں باپ پر خرچ اس وقت لازم ہوگا جب اس بچے کا پنا کوئی ماں نہ ہو۔ لیکن اگر ماں ہو تو اصل حکم یہی ہے انسان کا خرچ اس کے اپنے مال میں سے دیا جاتا ہے خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ ہو۔

شرح

(۱) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے جڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا، پھر اگر ماں باپ دونوں باہمی رضامندی اور مشورے سے (دو برس سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، اور پھر اگر تم اپنی اولاد کو (دایہ سے) دودھ پلوانے کا ارادہ رکھتے ہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ جو تم دستور کے مطابق دیتے ہو انہیں ادا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (القرآن، البقرة 233 : 2)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بیان طلاق کے بعد یہ سوال جمعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا اس لئے یہ قرین حکمت ہے کہ بچہ کی

پرورش کے متعلق ماں باپ پر جو احکام ہیں وہ اس موقع پر بیان فرمادیئے جائیں لہذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (تفسیر احمدی و جمل)

یعنی اس مدت کا پورا کرنا لازم نہیں اگر بچہ کو ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑانے میں اس کے لئے خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی چھڑانا جائز ہے۔ (تفسیر احمدی خازن)

یعنی و مد، اس انداز بیان سے معلوم ہوا کہ نسب باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلانا باپ کے ذمہ جب ہے اس کے لئے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو مستحب ہے۔

شوہر اپنی زوجہ پر بچہ کے دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر با اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (تفسیر احمدی مدارک) المعروف سے مراد یہ ہے کہ حسب حیثیت ہو بغیر تنگی اور فضول خرچی کے۔

(تفسیر خزائن العرفان، ۲۳۳)

یعنی اس کو اس کے خلاف مرضی دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ زیادہ اجرت طلب کر کے۔ ماں کا بچہ کو ضرور دینا یہ ہے کہ اس کو وقت پر دودھ نہ دے اور اس کی نگرانی نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد چھوڑ دے اور باپ کا بچہ کو ضرور دینا یہ ہے کہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کے حق میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔

یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گزر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہوگا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو تو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہوگا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرنا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہا دو برس کامل ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، دوسری

صورت میں مدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ جدا کر کے کسی اور سے دودھ پوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔

اگر باپ مر جائے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچہ نہیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو حرم بھی ہو۔

یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا یقین کر کے باہمی مشورہ و رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً ماں کا دودھ لٹھانہ ہو۔

یعنی اے مرد اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پوانا چاہو تو اس میں بھی نہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے موافق جو ماں کو دینا ٹھہر یا تھا وہ دے دے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔

والدت کے حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کو طلاق ہو چکی ہو خواہ وہ عدت میں ہوں یا عدت بھی گزر چکی ہو، اور وہ بھی جو دستور بچہ کے باپ کے نکاح میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ تاہم اس سے حسب ضرورت کم ہو سکتی ہے (جیہا کہ آئے اس کا ذکر آ رہا ہے) اور یہ مدت قمری تقویم کے حساب سے شمار ہوگی۔

یعنی منکوحہ عورت اور مطلقہ عورت جو عدت میں ہو اس کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری تو پہلی ہی بچہ کے باپ پر ہوتی ہے۔ اگر عدت گزر چکی ہے تو اس آیت کی رو سے باپ ہی اس مطلقہ عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔

یعنی والد سے اس کی حیثیت سے زیادہ کھانے اور کپڑے کے اخراجات کا مطالبہ نہ کیا جائے یہ مطالبہ خواہ عورت خود کرے یا نہ کرے، اگر میں۔

یعنی ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کر دے اور باپ کو پریشان کرے۔ اسی طرح باپ بچہ کو ماں سے جدا کر کے کسی اور سے دودھ پوائے اور اس طرح ماں کو پریشان کرے یا اس کے کھانے اور کپڑے کے اخراجات میں تنگی کا مظاہرہ کرے۔ یہ ماں یا دودھ پلانے کے لیے جبر کیا جائے جبکہ وہ اس بات پر آمادہ نہ ہو۔

یہ بچہ جو دودھ پی رہا ہے۔ خود بھی اپنے باپ کا وارث ہے اور اس کے علاوہ بھی وارث ہوں گے۔ بہرحال یہ خرچہ مشترک شوہر و بیعت کے ترکہ سے ادا کیا جائے گا اور یہ وہ ادا کریں گے جو عصبہ (میت کے قریبی وارث مرد) ہیں۔

یعنی اگر ماں باپ دونوں باہمی مشورہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ چھ نہ ہو اور بچہ کی

صحت خراب رہتی ہو یا اگر ماں باپ کے نکاح میں ہے تو اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ ماں کو اس دوران حمل ٹھہر جائے اور بچہ دودھ چھڑانے کی ضرورت پیش آئے تو ایسی صورتوں میں ان دونوں پر کچھ گنہ نہ ہوگا اور یہ ضروری نہ رہے گا کہ بچہ کو ضرور دو سال دودھ پلایا جائے۔

اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم دایہ سے دودھ پوانا چاہو تو اس کا معاوضہ تو دینا ہی ہے۔ مگر اس وجہ سے ماں کو جو کچھ طے شدہ خرچ چل رہا تھا وہ اسے ادا کر دینا چاہیے، اس میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ ایسے بے شمار احکام ہیں جنہیں بیان کرنے کے بعد "اللہ تعالیٰ نے" اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کی دنیا میں، ایک ہی معاملہ کی بے شمار ایسی شکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جن کے مطابق انسان اللہ کے کسی حکم کے خلاف بری اغاظ کا پابند رہ کر بھی اپنا ایسا فائدہ سوچ بیٹا ہے جو نشانے الہی کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر اس سے دوسرے کا نقصان ہو جاتا ہے اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے اور ایسے پیدا ہونے والے تمام حالات کے مطابق الگ الگ حکم بیان کرنا مشکل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف بھی۔ لہذا انسان کو "اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید اس لیے کی جاتی ہے۔ انسان اپنی نیت درست رکھے اور آخرت میں اللہ کے حضور جو بڑی کا تصور رکھتے ہوئے ان احکام کو بعینہ اسی طرح بجالائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی منشا ہو۔

۱، اس آیت میں مسئلہ رضاعت کا بیان ہے۔ اس میں پہلی بات یہ ہے جو مدت رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ دو سال پورے دودھ پلے ان الفاظ سے کم مدت دودھ پلانے کی بھی گنجائش نکلتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے۔

۲، طلاق ہو جانے کی صورت میں شیر خوار بچے اور اس کی ماں کی کفالت کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے اور اس کی وجہ سے شریعت سے انحراف ہے۔ اگر حکم الہی کے مطابق خاوند اپنی طاقت کے مطابق عورت کے روٹی کپڑے کا ذمہ دار ہو جس طرح کہ اس آیت میں کہا جا رہا ہے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۳، ماں کو تکلیف پہنچانا یہ ہے کہ مثلاً ماں بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہے، مگر ہاتھ کے جذبے کو نظر انداز کر کے بچہ زبردستی اس سے چھین لیا جائے یا یہ کہ بغیر خرچ کے ذمہ داری اٹھائے اسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ باپ کو تکلیف پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس کی حیثیت سے زیادہ کا اس سے مالی مطالبہ کرے۔

۴، باپ کے فوت ہو جانے کی صورت میں یہی ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ نہ عورت کو تکلیف ہو نہ بچے کی پرورش اور نگہداشت متاثر ہو۔

۵، یہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پوانے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کا معاوضہ دستور کے مطابق ادا کر دیا جائے۔

فصل

﴿یہ فصل آباؤ اجداد اور خادم کے خرچ کے بیان میں ہے﴾

والدین کے خرچ والی فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

صاحب ہدایہ نے اس سے پہلے بیوی اور اولاد صغار کے نفقہ کو بیان کیا ہے۔ اور اب اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ والدین و اجداد وغیرہ کے نفقہ سے متعلق احکام ذکر کریں گے۔ والدین کا نفقہ اگرچہ بیوی و اولاد صغار سے مقدم ہے لیکن یہاں مؤخر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ عام طور پر والدین سے بعد اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک خاندان آباد کرتا ہے۔ اس لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ بیوی اور اولاد کے حقوق پورے کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب والدین کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ ان کا نفقہ بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کوئی شخص اپنی اولاد اور اپنی بیوی کو نفقہ فراہم کرتا ہے۔

والدین کی خدمت و نفقہ میں احادیث کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کی خدمت میں رہ تیرے لئے یہی جہاد ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2004)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا میں ہجرت اور جہاد کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے ہاتھ پر) بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے اس نے عرض کیا جی ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اللہ سے اس کا اجر چاہتے ہو اس نے عرض کیا جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والدین کی طرف جا اور ان دونوں سے اچھا سلوک کر۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2007)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جرتج اپنے عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ ان کی ماں آگئی حمید کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی اس طرح صفت بیان کی جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے صفت بیان کی تھی جس وقت ان کی ماں نے ان کو بلایا تو انہوں نے اپنی ہتھیلی اپنی پلکوں پر رکھی ہوئی تھی پھر اپنے سر ابن جرتج کی طرف اٹھا کر ابن جرتج کو آواز دی اور کہنے لگیں اے جرتج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر ابن جرتج اس وقت نماز پڑھ رہے تھے ابن جرتج نے کہا اے اللہ ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے پھر ابن جرتج نے نماز کو اختیار کیا پھر ان کی ماں نے کہا اے اللہ یہ جرتج میرا بیٹا ہے میں اس سے بات کرتی ہوں تو یہ میرے ساتھ بات کرنے سے انکار کر دیتا ہے اے اللہ ابن جرتج

۱۰ اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جرتج کی ماں اس پر
 ۱۱ کرتی کہ وہ فتنے میں پڑ جائے تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھیڑوں کا ایک چرواہا تھا جو جرتج کے
 عبادت خانہ میں ٹھہرتا تھا گاؤں سے ایک عورت نکلی تو اس چرواہے نے اس عورت کے ساتھ برا کام کیا تو وہ عورت حادہ ہو گئی اس
 عورت کے ہاں بک لڑکے کیادت ہوئی تو اس عورت سے پوچھا گیا کہ یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے اس عورت نے کہا اس عبادت
 خانہ میں جو رہتا ہے یہ اس کا نرکا ہے (یہ سننے ہی اس گاؤں کے لوگ) پھوڑے لے کر آئے اور انہیں آواز دی وہ نماز میں تھے
 انہوں نے کوئی بات نہ کی تو وہ لوگ نے اس کا عبادت خانہ شروع کر دیا جب جرتج نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ اترالوؤں نے اس سے
 کہا کہ اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے جرتج ہنس اڑ پڑے اس نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس نے کہا تیرا باپ کون ہے اس نے
 کہا میرا باپ بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے اس بچے کی آواز سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جتنا عبادت خانہ بنایا ہے
 ہم اس کے بدلے میں سونے اور چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جرتج نے کہا نہیں بلکہ تم اسے پہلی طرح مٹی ہی کا بنادو اور پھر
 ابن جرتج اوپر چلے گئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2008)

(۴) حضرت بنہر بن حکیم بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کون بھائی کا زیادہ مستحق ہے فرمایا تمہاری ماں۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد۔ فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کی
 اس کے بعد فرمایا تمہاری والدہ۔ میں نے چوتھی مرتبہ عرض کیا ان کے بعد کون زیادہ مستحق ہے؟ فرمایا تمہارے والد اور ان کے قریبی
 رشتہ داروں میں سے جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، عائشہ اور
 ابو درداء سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بنہر بن حکیم، معاویہ بن حیدر، قشیری کے بیٹے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے شعبہ نے بنہر بن حکیم
 کے بارے میں کلام کیا ہے محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں ان سے معمر، سفیان، ثوری، حماد بن سلمہ اور کئی دوسرے آثار راوی ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1979)
 (۵) حضرت سید بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسکین کو صدقہ دینا
 ایک صدقہ سے یعنی اس کو دینے میں صرف صدقہ ہی کا ثواب ملتا ہے) مگر اپنے اقرباء میں سے کسی کو صدقہ دینا دوسرے ثواب کا
 باعث ہے، ایک ثواب تو صدقہ کا اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کا ہوتا ہے۔

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 436)

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا
 اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سوائے کہاں خرچ
 کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اسے اپنے اہل (یعنی اپنی بیوی، ماں، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو، اس نے کہا کہ

میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا کہ اب تم
 اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو! (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو۔
 (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 439)

مکمل دست ماں باپ اور آباؤ اجداد کا خرچ انسان پر لازم ہے

(وَعَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَبِيهِ وَأَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ إِذَا كَانُوا فَقَرَاءَ وَإِنْ خَالَفُوهُ
 فِي دِينِهِ) أَمَّا الْآبَوَانِ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا) نَرَكْتُ الْآيَةَ فِي
 الْآبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ، وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ يَعِيشَ فِي نِعَمِ اللَّهِ تَعَالَى وَيَتْرُكَهُمَا
 يَمُوتَانِ جُوعًا، وَأَمَّا الْأَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلَا تَنَّهُمُ مِنَ الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ وَلِهَذَا يَقُومُ
 الْجَدُّ مَقَامَ الْآبِ عِنْدَ عَدَمِهِ وَلَا تَنَّهُمْ مَسَبُّوا لِأَحْيَائِهِ فَاسْتَوْجَبُوا عَلَيْهِ الْإِحْيَاءَ
 بِمَنْزِلَةِ الْآبَوَيْنِ. وَشُرِطَ الْفَقْرُ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ، فَإِيجَابُ نَفَقَتِهِ فِي مَالِهِ أَوْلَى مِنْ
 إِيجَابِهَا فِي مَالٍ غَيْرِهِ، وَلَا يُمْنَعُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّينِ لِمَا تَلَوْنَا (وَلَا تَجِبُ
 النِّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ إِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْآبَوَيْنِ وَالْأَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَالْوَلَدِ
 أَمَّا الزَّوْجَةُ فَلَمَّا ذَكَرْنَا أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعَقْدِ لَا خِيَابَ سَهَا لِحَقِّ لَهَا مَقْصُودٍ،
 وَهَذَا لَا يَتَعَلَّقُ بِاتِّحَادِ الْمِلَّةِ، وَأَمَّا غَيْرُهَا فَلِأَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَجُزْءُ الْمَرْءِ فِي
 مَعْنَى نَفْسِهِ، فَكَمَا لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ نَفْسِهِ لِكُفْرِهِ لَا يُمْتَنَعُ نَفَقَةُ جُزْئِهِ إِلَّا أَنَّهُمْ إِذَا
 كَانُوا حُرِّيَّتَيْنِ لَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَإِنْ كَانُوا مُسْتَأْمِنَيْنِ، لَا مَا بُهِينَا عَنْ
 الْبَرِّ فِي حَقِّ مَنْ يَقَاتِلُنَا فِي الدِّينِ.

ترجمہ

اور آدمی پر یہ بات لازم ہے وہ اپنے ماں باپ اجداد جدات کو خرچ دے جب وہ غریب ہوں اگر چہ ان کا دین اس شخص کے
 دین سے مختلف ہو۔ جہاں تک ماں باپ کا تعلق ہے تو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ”دنیا میں ان دونوں کے ساتھ اچھائی
 کے ساتھ رہو“۔ یہ آیت کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بات اچھائی میں شامل نہیں ہے کہ آدمی خود اللہ تعالیٰ کی
 عطا کردہ نعمتوں میں زندگی گزارے اور ماں باپ کو بھوک سے مرنے کے لئے چھوڑ دے۔ جہاں تک اجداد اور جدات کا تعلق ہے تو

اس کی وجہ یہ ہے۔ وہ بھی ماں باپ کی طرح ہیں یہی وجہ ہے۔ باپ کی عدم موجودگی میں دادا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے یہ لوگ آدمی کی زندگی کا سبب ہیں تو آدمی پر بھی یہ لازم ہوگا ان کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے ضروریات فراہم کرے جس طرح ماں باپ کے لئے کرتا ہے۔ ان کا غریب ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ صاحب حیثیت ہوں گے تو ان کے اپنے مال میں سے ان کا خرچ پورا کرنا اس سے بہتر ہے کہ کسی دوسرے کے مال میں سے اسے پورا کیا جائے۔ دین کے اختلاف کی وجہ سے یہ بات ممنوع نہیں ہوگی اس کی دلیل وہ آیت ہے جو ہم تلاوت کر چکے ہیں۔ دین کے اختلاف کے ہمراہ صرف بیوی ماں باپ اجداد و جدات و دادا اور دکی اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے تو اس کی دلیل وہ ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں یہ اس عقد کی وجہ سے بیوی کے حق میں لازم ہوگا جس کے نتیجے میں مرد کو اس عورت کو گھر میں رکھنے کا حق ہوتا ہے اور اس چیز کا تعلق دین میں اتحد کے ساتھ نہیں ہے۔ جہاں تک دیگر افراد کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے جزئیت ثابت ہے اور آدمی کا جزء اس کے اپنے وجود کی حیثیت رکھتا ہے تو جس طرح آدمی اپنے کفر کی وجہ سے اپنا خرچ نہیں روک سکتا اسی طرح اپنے جزء کا خرچ بھی نہیں روک سکتا۔ البتہ اگر وہ لوگ حربی ہوں تو ان کا خرچ مسلمان کے ذمے نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ "مستامن" ہوں کیونکہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی سے منع کیا گیا ہے جو دین کے بارے میں ہمارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

والدین کے نفقہ کے احکام و مسائل

اصول یعنی باپ دادا وادی نانا نانی (خواہ اسکے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے بشرطیکہ اولاد خوشحال و تو گھر ہو اور خوشحال و تو گھر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت و درجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ و زکوٰۃ کا مال لینا حرام ہو اگر تو گھر اولاد میں مذکور مؤنت یعنی بیٹا اور بیٹی دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلے میں قرب و جزئیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھئی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا مستحق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام و مسائل

ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپنا معذور ہو یا اندھا ہو یا ط لب علم ہو اور یا جس ویو قونی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی و تنگدستی کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ

حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و محتدمت شخص ہے اس کے قریبی اعزاء میں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخیانی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر برابر حصوں میں کر کے تین حصے تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا ایک حصہ سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک حصہ اخیانی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح یہ ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین و معلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے چنانچہ اگر زید (جو محتاج و مفلس ہے) کا ایک ماں ہے اور ایک چچا زاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماںوں پر واجب ہوگا۔

جو شخص محتاج و مفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین و مذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی والدین دادا دادی اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکر ہوں یا مؤنث یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین و مذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال یعنی اشیاء منقولہ بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین و باغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین یعنی قرض و مطالبہ ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے سی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا لک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا گونا گونا گونہ نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔

حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر کافی ہوگی اور یہ بچے کے بچہ و کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر

کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ناکاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَ أَخُوَهُنَّ ۖ ۵۵ - اطلاق ۶) اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور مد مفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کا مل طور پر والدہ و امہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوائیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

مسلمان پر غیر مسلم بھائی کا خرچ لازم نہیں ہوگا

(وَلَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةَ أَخُوهُ الْمُسْلِمِ) وَكَذَا لَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ أَخُوهُ النَّصْرَانِيِّ لِأَنَّ النَّفَقَةَ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْإِثْبَاتِ بِالنَّصِّ بِخِلَافِ الْعِنَقِ عِنْدَ الْمَلِكِ لِأَنَّهُ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيثِ، وَلِأَنَّ الْقَرَابَةَ مُوجِبَةً لِلصِّلَةِ، وَمَعَ الْإِتِّفَاقِ فِي الدِّينِ الْكَذِّ وَكَوْنِ مِلْكِ الْيَمِينِ أَعْلَى فِي الْقَطِيعَةِ مِنْ حُرْمَانِ النَّفَقَةِ، فَاعْتَبَرْنَا فِي الْأَعْلَى أَصْلَ الْعِلَّةِ وَفِي الْأَدْنَى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهَذَا افْتَرَقَا (وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدُ فِي نَفَقَةِ أَبِيهِ أَحَدٌ) (۱) لِأَنَّ لَهُمَا تَأْوِيلًا فِي مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ، وَلَا تَأْوِيلَ لَهُمَا فِي مَالِ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِمَا فَكَانَ أَوْلَى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ، وَهِيَ عَلَى الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ الْمَعْنَى يَشْمَلُهُمَا.

ترجمہ

اور کسی عیسائی شخص پر اپنے مسلمان بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے اسی طرح مسلمان پر اپنے عیسائی بھائی کا خرچ لازم نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے نص سے یہ بات ثابت ہے۔ خرچ کا تعلق وراثت سے ہوتا ہے جبکہ مالک ہونے پر آزاد ہونے کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کا تعلق قرابت اور محرم ہونے سے ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے قرابت صلہ زوجی کو لازم کرتی ہے اور دین میں اتفاق کی صورت میں یہ زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے۔ ملک یمن کو برقرار رکھنا خرچ سے محروم کرنے کے مقابلے میں قطع رحمی کے حوالے سے برتر حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم برتر حیثیت میں اصل علت کا اعتبار کریں گے اور کمتر صورت میں اس علت کا اعتبار کریں گے جو مؤکد ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان فرق ہوگا۔

والدین کو خرچ دینے میں بیٹے کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا کیونکہ نص سے یہ بات ثابت ہے وہ دونوں بیٹے کے ماں میں حق رکھتے ہیں۔ لیکن بیٹے کے ملاوہ کسی اور کے ماں میں حق نہیں رکھتے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے: بینا والدین کے سب سے قریب ہوتا ہے اس لیے مناسب یہی ہے ان کا خرچ اسی کے ذمے ہو۔ ظاہر روایت کے مطابق اس بارے میں مذکر اور مونث (یعنی بیٹا و بیٹی) کا حکم برابر ہوگا اور یہی رائے درست ہے کیونکہ مفہوم میں دونوں شامل ہیں۔

(۱) بشیر الی حدیث انت و مالک لابی، وروی ابو داؤد فی "سننہ" برقم (۳۵۲۸) والترمذی فی "جامعہ" برقم (۱۳۸۷) والنسائی فی "المجتبیٰ" برقم (۴۱۴۵) وابن ماجہ برقم (۲۱۳۷) عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً: "ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه، وان ولده من کسه"

بیٹے کے مال کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا بیان

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرا تمام مال ہڑپ کر جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 449)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ میرا مال ہڑپ کر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اس لئے تم ان کا مال کھاؤ۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 450)

(۳) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ہندہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول خیل مرد ہے مجھے اتنا نہیں دیتا کہ مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے الہ یہ کہ میں اس کی علمی میں اس کے مال میں سے کچھ لے لوں (تو اس سے گزارہ ہو جاتا ہے) آپ نے فرمایا اتنا لے سکتی ہو جو دستور کے موافق تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 451)

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صحابی آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا باپ مجھ سے پوچھتا ہے کہ میں اور میرا مال خرچ کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا بلاؤ اس کے باپ کو۔ ان کے باپ کو پتہ چل کہ میرے بیٹے نے بارگاہ نبوت میں میری شکایت کی ہے تو انہوں نے دکھ اور رنج کے کچھ اشعار دل میں پڑھے، زبان سے ادا نہیں کیے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو ادھر جبرائیل امین آ گئے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ، اللہ فرما رہا ہے کہ اس سے فرمائیں پہلے وہ اشعار سنائے جو تمہاری زبان پر نہیں آئے بلکہ تمہارے دل نے پڑھے ہیں اور اللہ نے عرش پر ہوتے ہوئے بھی ان کو سن لیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر وہ صبی کہنے لگے یہ رسول اللہ ﷺ قربان جاؤں آپ کے رب پر وہ کیسا بڑا ہے میرے اندر تو ایک خیال آیا تھا اللہ نے وہ بھی سن لیا۔ فرمایا: اچھا پہلے وہ اشعار سناؤ پھر تمہارے مقدمے کا فیصلہ کریں گے۔ یہ اشعار عربی میں ہیں۔ انکا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے۔

ترجمہ

اے میرے بچے میں نے تیرے لیے اپنا سب کچھ لگا دیا جب تو گود میں تھا تو میں اس وقت بھی تیرے لیے پریشان رہا تو سوتا تھا اور ہم تیرے لیے جاگتے تھے تو روتا تھا اور ہم تیرے لیے روتے تھے

اور سارا دن میں تیرے لیے خاک چھانتا تھا اور روزی کھاتا تھا اپنی جوانی کو گرمی اور خزاں کے ٹھنڈے سے بچاتا تھا مگر تیرے لیے گرم روٹی کا میں نے ہر حال میں انتظام کیا کہ میرے بچے کو روٹی ملے، چاہے مجھے ملے یا نہ ملے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئے چاہے میرے آنسوؤں کے سمندر اکٹھے ہو جائیں

جب کبھی تو بیمار ہو جاتا تھا تو ہم تیرے لئے تڑپ جاتے تھے تیرے پہلو بدلنے پر ہم ہزاروں دوسووں میں مبتلا ہو جاتے تھے تیرے رونے پر ہم بے قرار ہو جاتے تھے تیری بیماری ہماری کمر توڑ دیتی تھی اور ہمیں مار دیتی تھی ہمیں یوں لگتا تھا تو بیمار نہیں بلکہ میں بیمار ہوں تجھے درد نہیں اٹھا بلکہ مجھے درد اٹھا ہے تیری ہائے پر ہماری ہائے نکلتی تھی اور ہر پہل یہ خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں میرے بچے کی جان نہ چلی جائے

اس طرح میں نے تجھے پروان چڑھایا اور خود میں بڑھ پے کا شکار ہوتا رہا تجھ میں جوانی رنگ بھرتی چلی گئی اور مجھ سے بڑھاپا جوانی چھیننا چلا گیا۔

پھر جب میں اس سطح پر آیا کہ اب مجھے تیرے سہارے کی ضرورت پڑی ہے اور تو اس سطح پر آ گیا ہے کہ تو بے سہارا چل

سکتے

تو مجھے تنہا ہوئی کہ جیسے میں نے اسے پالا ہے یہ بھی میرا خیال کریگا جیسے میں نے اسکے ناز برداشت کیے ہیں، یہ بھی میرے ناز برداشت کریگا

لیکن تیرا لہجہ بدل گیا، تیری آنکھ بدل گئی، تیرے تیور بدل گئے تو مجھے یوں سمجھنے لگا کہ جیسے میں تیرے گھر کا نوکر ہوں تو مجھ سے یوں بولنے لگا کہ جیسے میں تیرا زرخیز غلام ہوں تو یہ بھی بھول گیا کہ میں نے تجھے کس طرح پالا تیرے لئے کیسے جاگا، تیرے لئے کسیر دیا، تڑپا اور مچلا آج تو میرے ساتھ وہ کر رہا ہے جو آقا اپنے نوکر کے ساتھ بھی نہیں

کرتا

اگر تو مجھے بیٹا بن کر نہیں دکھا سکا اور مجھے باپ کا مقام نہیں دے سکا تو کم از کم پڑوسی کا مقام تو دیدے، کہ پڑوسی بھی پڑوسی کا حال پوچھ لیتا ہے

اور تو بچل کی باتیں کرتا ہے۔

یہ اشعار سننے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا اٹھ جا میری مجلس سے، تو بھی اور تیرا ماں بھی تیرے باپ کا ہے۔ (امام بیہقی، دلائل نبوة،)

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے یہ حکم ظاہر روایت کے مطابق ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس غلطی کے ذریعے مصنف نے امام نسری رحمہ اللہ کے اس قول سے احتراز کیا ہے ان کے نزدیک خرچ کی ادائیگی میں وراثت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی ایک مذکر کا حصہ دو مؤنث کے برابر ہوگا۔

تملک دست محرم رشتے دار کے خرچ کا حکم

(وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيرًا فَقِيرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بِإِلْعَاقٍ فَقِيرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا بِإِلْعَاقٍ فَقِيرًا زَمَنًا أَوْ أَعْمَى) لِأَنَّ الصَّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَاجِبَةٌ دُونَ الْبُعِيدَةِ، وَالْفَاصِلُ أَنْ يَكُونَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ) وَفِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ "وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذَلِكَ" ثُمَّ لَا بُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ وَالصَّغِيرِ وَالْأَتَوْتَةِ وَالزَّوْمَانَةِ وَالْعَمَى أَمَارَةً الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ، فَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهِ بِخِلَافِ الْآبَوَيْنِ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ وَالْوَلَدُ قَامُورٌ يَدْفِعُ الضَّرَرَ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ.

قَالَ (وَيَجِبُ ذَلِكَ عَلَى مِقْدَارِ الْمِيرَاثِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ) لِأَنَّ التَّنْصِصَ عَلَى الْوَارِثِ تَنْبِيْهُ عَلَى اغْتِيَابِ الْمِقْدَارِ، وَلِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغَنَمِ وَالْجَبْرَ لَا يَفَاءُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ

ترجمہ

اور ہر ذی رحم محرم کے لئے خرچ کی ادائیگی واجب ہے جبکہ وہ کس اور محتاج ہو یا اگر وہ بالغ ہو اور محتاج ہو اور عورت ہو۔ یا بالغ ہو محتاج ہو اور مرد ہو جو لنگڑا یا اندھا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے قریبی قرابت میں صلہ رحمی واجب ہوتی ہے اور دور کی قرابت میں یہ واجب نہیں ہوتی ہے دونوں کے درمیان فرق یہی ہوگا وہ رشتہ دار ذی رحم محرم ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "اور وارث پر اس کی مانند" حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں۔ "اور ذی رحم محرم وارث پر اس کی مانند (لازم ہے)"۔ پھر حاجت

مند ہونا، نابالغ ہونا اور مونث ہونا، تنکڑا ہونا یا اندھا ہونا محتاج ہونے کی علامت ہے کیونکہ اس صورت میں عاجز ہونا متحقق ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص کمانے پر قادر ہو وہ اپنی کمائی کے ذریعے بے نیاز ہو جاتا ہے جبکہ والدین کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ کمانے میں نہیں تکلیف کا سامان کرنا پڑے گا جبکہ بیٹے کے لئے یہ حکم ہے وہ ان سے ضرر کو دور کرے لہذا ان دونوں کے کمانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان دونوں کا خرچ (بیٹے کے ذمے) لازم ہوگا۔ میراث کی مقدار کے اعتبار سے یہ خرچ لازم ہوتا ہے اور اس بارے میں اسے مجبور کیا جائے گا کیونکہ نص میں ورثہ کا ذکر ہونا اس بات کی دلیل ہے وہ خرچ وراثت کے حساب سے ہوگا اور ادنیٰ تنہا ہی ادائیگی برداشت کرتا ہے جتنا حصہ اسے حاصل ہو سکے اور زبردستی کرنا اس لیے ہے تاکہ مقدار کو اس کا حق پورا مل سکے۔

تنگ دست رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف کا قول ”وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَّحْرَمٍ“ اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جس ذی رحم محرم سے ہمیشہ کسینے کا حلال نہیں ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ ج ۶ ص ۷۰، بیروت) عبداللہ بن یزید انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ جب مسلمان اپنی بیوی بچوں کی ذات پر کارواں سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 322)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! خرچ کر میں تیری ذات پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 323)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکین کے لئے محنت اور مزدوری کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 324

حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے کیا میں اپنے سارے مال میں وصیت کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے پوچھا نصف مال میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے کہا ثلث میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثلث میں کر سکتے ہو، اگرچہ یہ بھی زیادہ ہے اور فرمایا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم ان کی ذات پر جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمہارے لئے صدقہ ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دیتے ہو اور شاید اللہ تمہاری عمر دراز کرے کہ تم سے ایک قوم کو فائدہ ہو اور دوسری کو نقصان صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 325۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر صدقہ وہ ہے جس سے صدقہ دینے والے کی مالداری قائم رہے اور اپنے رشتہ داروں سے شروع کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 327) معمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ثوری نے پوچھا کہ کیا تو نے اس شخص کے بارے میں کچھ سنا ہے جو اپنے اہل و عیال کے ایک سال سے کچھ کم کیسے خرچ جمع کرے، معمر نے کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آیا، پھر میں نے وہ حدیث بیان کی جو ہم سے ابن شہاب زہری نے بواسطہ مالک بن اوس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے درختوں کو بیج دیتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لئے ایک سال کی خوراک رکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 328)

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

نصحا کہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد پاری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے۔ بلکہ بچے کو دودھ پلائی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گزارن کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بینیا ز ہو جائے تو بچک بچہ کو دے دے۔ لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وراثت کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یہ در ہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر نا کافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیبر فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرْضَعْنَكُمْ فَلْيُؤْنِسُنَّ لَكُم مِّمَّنْ أُجُوزُهُنَّ) 65۔ (الطلاق: 6)

اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلاؤ، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والد والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یہ دیکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

حاملہ مطلقہ کے نفقہ و رہائش کا بیان

حاملہ مطلقہ عورت کو نفقہ اور رہائش دونوں اشیاء میں سے چاہے طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن۔ رجعی طلاق میں اس لیے کہ وہ بیوی کے حکم میں ہے حتیٰ کہ عدت ختم ہو جائے، اور یہ عدت وضع جس سے ختم ہوگی۔ رہی باندہ طلاق والی عورت تو اس کے نفقہ کی دلیل سنت نبویہ اور اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہائجہ یہ کہ جب آدمی بیوی کو طلاق بائن دے یعنی یا تو تین طلاق ہو یا پھر خلع یا پھر رجوع نکاح، اور بیوی حاملہ ہو تو اسے نفقہ اور رہائش ملے گی، اس پر اہل علم کا اجماع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
(تم نہیں دینے رکھو جہاں رہتے ہو اپنی استطاعت کے مطابق اور انہیں نقصان نہ دینا کہ تم ان پر تنگی کرو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وہ حمل وضع کر دیں)۔

اور بعض احادیث میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں نفقہ نہیں ملے گا، الا یہ کہ تم حاملہ ہو۔ "در اس لیے بھی کہ حمل خاندان کا بچہ ہے، اس لیے اس پر خرچ کرنا باپ پر واجب ہے، اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب عورت پر خرچ کیا جائے، اور اسی طرح رضاعت کی اجرت بھی واجب ہوگی۔ (المغنی) 8 (ر) 185

حاملہ عورت کے عداوہ طلاق بائن و ان عورت کو نفقہ اور رہائش نہ ملنے کی دلیل صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث ہے: شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور ان سے ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگیں: ان کے خاوند نے انہیں طلاق بتدے دی تھی، تو میں یہ معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئی کہ مجھے رہائش اور نفقہ ملنا چاہیے۔

وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے نہ تو نفقہ کا فیصلہ کیا اور نہ ہی رہائش کا، اور مجھے حکم دیا کہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں عدت گزاروں۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر: 1480)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ کہتی ہیں: میں نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: نہ تو تیرے لیے نفقہ ہے اور نہ ہی رہائش اور ابن داؤد کی روایت میں ہے کہ: آپ کو نفقہ نہیں ملے گا، لیکن یہ کہ آپ حاملہ ہوں۔

دوم: مرد پر جس کی حالت میں بچے کا نفقہ واجب ہے، اور اسی طرح رضاعت میں بھی، اور رضاعت کے بعد کا خرچ بھی والد پر ہے، اس میں سے ماں پر کچھ بھی لازم نہیں چاہے ماں مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

نفقہ میں وراثت کے اخراجات، اور رہائش اور کھانا پینا اور لباس اور رضاعت کی اجرت، اور بچے کو جو علاج معالجہ کی ضرورت ہو اس کے اخراجات بھی شامل ہونگے۔

جب مطلقہ عورت حمل وضع کر لے تو نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ ہی رہائش، لیکن اس کے بچے کا خرچ اور اسے رہائش دی جائیگی، اور عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کے باپ سے رضاعت کی اجرت کا مطالبہ کرے۔

اور جب مطلقہ عورت بچے کی پرورش کرنے والی ہو تو فقہاء کرام کا اس کے نفقہ اور رہائش میں اختلاف ہے کہ آیا باپ پر، زم بھگیا نہیں، یعنی جس بچے کی پرورش ہو رہی ہے اس کے باپ پر، یا کہ ماں پر یا جو شخص ماں پر خرچ کر رہا ہے اس پر لازم ہوگا، یا کہ وہ اس میں شریک ہوگا، کہ خاوند اور مطلقہ دونوں ہی خرچ ادا کریں، یہ حاکم کی جھڑا کے مطابق ہوگا، یہ کہ اگر اس کی رہائش ہو تو وہ اس پر مستحق کرگی اور اگر اس کے پاس رہائش نہیں تو پھر بچے کے باپ پر لازم ہے کہ وہ اسے رہائش فراہم کرے؟ اس میں کئی مشہور اقوال ہیں۔ (حاشیہ ابن عابدین) (3 / 562) اور شرح الخرشی (4 / 218)

جب کہ بیان ہو چکا ہے کہ اگر باپ پر دودھ پیتے بچے کی رہائش لازم کی گئی ہو تو مطلقہ عورت کے لیے شرط لگائی جائیگی کہ جب تک وہ بچے کی پرورش کرے گی یا پھر دودھ پلائیگی وہ بھی اس کے ساتھ ہی رہائش میں رہیگی، اور اسے اپنے میکے میں رہنا لازم نہیں، یا جہاں سے مکان کرایہ پر لے کر دیا جائیگا، اور بچے کے باپ اور ماں دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے میکے میں رہنے پر صبر کر لیں یا پھر عورت کے لیے خاص مکان ہو۔

سوم: بالاتفاق بچے کی رضاعت کی اجرت والد پر ہے، اور طلاق دینے والا باپ یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کرے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بچے کی رضاعت اکیلے باپ کے ذمہ ہے، اور اسے بچے کی ماں کو رضاعت پر مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں، چاہے عورت غلط ہو یا شریف، اور چاہے وہ عقد زوجیت میں ہو یا پھر طلاق یافتہ، ہمارے علم کے مطابق اگر بیوی عقدہ ہو چکی ہے تو اسے بالاتفاق رضاعت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہے تو ہمارے ہاں اسی طرح ہے، اور امام ثوری اور شافعی اور اصحاب الرائے بھی یہی کہتے ہیں۔ (المغنی) 11 (ر) 430

اور ان کا کہنا ہے: جب ماں رضاعت کی اجرت مثل طلب کرے تو وہ اس کی زیادہ حقدار ہے، چاہے وہ حال زوجیت میں ہو یا پھر اس کے بعد، اور چاہے باپ کو فری دودھ پلانے والی مل گئی ہو، یا نہ ملے۔ (المغنی) 11 (ر) 431

"ربارضا عت کی اجرت کا مسئلہ تو علماء کرام کا اتفاق ہے کہ عورت کو اس کا حق حاصل ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے) اور اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو)۔ اور خوشحال شخص پر نفقہ واجب ہوگا، لیکن تنگ دست پر نفقہ نہیں ہے۔ (الفتاویٰ الکبریٰ) 3 (ر) 347

چہرہ: رہی پرورش کی اجرت یعنی بچے کی تربیت اور اس کی دیکھ بھال کی اجرت تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے، حاملہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو پرورش کی اجرت طلب کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے کوئی ایسی عورت بھی موجود ہو جو بغیر اجرت کے پرورش کرے۔ منقہی الارادات میں درج ہے: اور رضاعت کی طرح ماں زیادہ حقدار ہے چاہے اجرت مثل سے ہی ہو (شرح منقہی الارادات) 3 (ر) 249

اور مالکی حضرات کا مسلک یہ ہے کہ: پرورش کرنے کی کوئی اجرت نہیں، اور احناف اور شافعی حضرات کے ہاں اس مسئلہ میں

تفصیل ہے۔ (الموسوعة الفقهية) 17 / (311)

بالغ بی اور اپنا بیع بیٹے کے خرچ کا حکم

قَالَ (وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْإِبْنِ الزَّامِنِ عَلَى أَبِيهِ أَثَلَاثًا عَلَى الْآبِ الثَّلَاثِ وَعَلَى الْأُمِّ الثَّلَاثُ) لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَهُمَا عَلَى هَذَا الْمَقْدَارِ .

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ : هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَافِ وَالْحَسَنِ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلِّ النَّفَقَةِ عَلَى الْآبِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ) وَصَارَ كَالْمَوْلَدِ الضَّعِيفِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْأُولَى أَنَّهُ اجْتَمَعَتْ لِلْآبِ فِي الضَّعِيفِ وَلَايَةٌ وَمَنُونَةٌ حَتَّى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهِ فَاحْتَصَّ بِنَفَقَتِهِ، وَلَا كَذَلِكَ الْكَبِيرُ لِانْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيهِ فَتَشَارِكُهُ الْأُمُّ، وَفِي غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيرَاثِ حَتَّى تَكُونَ نَفَقَةُ الضَّعِيفِ عَلَى الْأُمِّ وَالْجِدِّ أَثَلَاثًا، وَنَفَقَةُ الْآخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْأَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوَسِّرَاتِ أَحْمَاسًا عَلَى قَدْرِ الْمِيرَاثِ، غَيْرَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَهْلِيَّةُ الْإِرْثِ فِي الْجُمْلَةِ لَا إِحْرَازُهُ، فَإِنَّ الْمُعْسِرَ إِذَا كَانَ لَهُ خَالٌ وَابْنٌ عَمٌّ تَكُونُ نَفَقَتُهُ عَلَى خَالِهِ وَمِيرَاثُهُ يُحْرَزُهُ ابْنُ عَمِّهِ (وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ لِطُلَانِ أَهْلِيَّةِ الْإِرْثِ وَلَا بَدَلٌ مِنْ اغْتِبَارِهِ وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ) لِأَنَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَهُوَ يَسْتَحِقُّهَا عَلَى غَيْرِهِ فَكَيْفَ تَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَوَلَدِهِ الضَّعِيفِ لِأَنَّهُ التَّرَمُّهُ بِالْإِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ، إِذَا الْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُونَهَا، وَلَا يَعْمَلُ فِي مِثْلِهَا الْإِعْسَارُ .

ثُمَّ الْإِسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيمَا رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى نَفَقَةِ نَفْسِهِ وَعِيَالِهِ شَهْرًا أَوْ بِمَا يَفْضُلُ عَلَى ذَلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلِّ يَوْمٍ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ وَأَنَّمَا هُوَ الْقُدْرَةُ دُونَ النِّصَابِ فَإِنَّهُ لِلتَّيْسِيرِ وَالْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ، لَكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ

الصَّدَقَةُ .

ترجمہ

اور بالغ بیٹی بچے بالغ بیٹے کا خرچ والدین پر اس نسبت سے لازم ہوگا اس کے تین حصے ہوں گے ان میں سے دو حصے باپ کے ہوں گے اور ایک حصہ ماں کے ذمے ہوگا کیونکہ ان دونوں کو وراثت اسی حساب سے ملے گی۔ بند و ضعیف یہ کہتا ہے: یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر خصاف اور حسن کی روایت میں ہے۔

ظاہر الروایت میں یہ ہے ہر خرچ باپ کے ذمے ہوگا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "ان عورتوں کا رزق (خرچ) اور ان کا لباس اس شخص کے ذمے ہوگا جس کا بچہ ہے" تو یہ کس بچے کی، مند ہو جائے گا۔ پہلی روایت کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی طرف سے دو چیزیں باپ کے ذمے ہوتی ہیں، وراثت و مَنُونَت یہاں تک کہ بالغ بچے کی طرف سے صدقہ فطر بھی باپ ہی کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لیے بالغ بچے کا خرچ بطور خاص باپ پر لازم ہوگا۔ لیکن بالغ بیٹے کی یہ حیثیت نہیں ہوتی کیونکہ اس پر باپ کی وراثت برقرار نہیں رہتی اس لیے اس کے خرچ میں ماں بھی شریک ہوگی اسی طرح باپ کے علاوہ دیگر رشتے داروں پر ان کی وراثت کے حصے کے حساب سے خرچ کی ادائیگی لازم کی جائے گی۔

یہاں تک کہ بالغ بچے کا خرچ اس کے دادا اور اس کی ماں پر وراثت کی نسبت سے لازم ہوگا محتاج بھائی کا خرچ وراثت کے غلط سے متفرق قسم کی خوشحال بہنوں پر پانچ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا جو وراثت میں ان کی مقدار کے حساب سے ہوگا اب یہ ضروری ہے وراثت کا استحقاق کافی ہوگا۔ اگرچہ عملی طور پر انہیں وراثت میں حصہ نہ ملے۔ اگر کسی محتاج شخص کا ماموں اور بچا زاد بھائی خوشحال ہوں تو اس محتاج شخص کا خرچ اس کے ماموں کے ذمے ہوگا حالانکہ وراثت میں حصہ بچہ زاد بھائی کو ملتا ہے۔

اگر ان ذی محرم رشتے داروں کے ساتھ دین میں اختلاف ہو تو خرچ واجب نہیں ہوگا کیونکہ دین میں اختلاف کی وجہ سے وراثت کی اہلیت بھی باقی نہیں رہتی ہے حالانکہ اس اہلیت کے لئے وراثت پر قیاس کرنا ضروری ہے محتاج شخص پر کسی کا خرچ ادا کرنا، زمینیں ہوتا کیونکہ اس کا لازم ہونا عطیے کے طور پر ہوتا ہے اور محتاج شخص خود اس کا مستحق ہے تو اس پر کسی دوسرے کو خرچ فرما کر ادا کیے لازم ہو سکتا ہے۔

البتہ بیوی یا بالغ بچے کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ بیوی اور بچے کا خرچ میوں یا باپ پر لازم ہوتا ہے خواہ وہ غریب ہی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے آدمی جب نکاح کر لیتا ہے تو وہ اپنے اوپر خرچ کو لازم کر لیتا ہے کیونکہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر نکاح کی مصلحت پوری نہیں ہوتی اور عہدہ سی ایسے امور میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ امام ابو یوسف سے جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے مطابق خوشحالی کا معیار زکوٰۃ کا نصاب ہوگا۔ امام محمد سے یہ روایت منقول ہے: ایک ماہ کے ذاتی اخراجات اور بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ اگر اس کے پاس کچھ بچ جائے (تو وہ شخص خوشحال شمار ہوگا) یا روزانہ کی آمدن میں اتنی بچت ہوتی ہو وہ خوشحال

تصور ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے بندوں کے حقوق میں استطاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس میں نصاب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ شرعی نصاب تو دولت مند ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ تاہم فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا گیا ہے اور نصاب سے مراد وہ نصاب ہے جس کی موجودگی میں صدقہ وغیرات لینا حرام ہوتا ہے۔

نابالغ اولاد پر وجوب نفقہ کا بیان

عند مہدی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جبکہ اولاد فقیر ہو یعنی خود اس کی ملک میں مال نہ ہو اور آزاد ہو۔ اور نابالغ جیٹا اگر اپنا بیٹا یا بیٹیا ہو کمانے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر ہے اور بڑی جبکہ مال نہ رکھتی ہو تو اس کا نفقہ بہر حال باپ پر ہے اگرچہ اس کے اعضا سلامت ہوں۔ اور اگر نابالغ کی ملک میں مال ہے مگر یہاں مال موجود نہیں تو باپ کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پاس سے خرچ کرے جب مال آئے تو جتنا خرچ کیا ہے اس میں سے لے لے اور گریہ خود خرچ کیا ہے اور چاہتا ہے کہ مال آنے کے بعد اس میں سے لے لے تو لوگوں کو گواہ بنائے کہ جب مال آئے گا میں لے لوں گا اور گواہ نہ کیے تو دیانہ لے سکتا ہے فقہاء نہیں ہے۔ نابالغ کا باپ تنگ دست ہے اور مال مالدار جب بھی نفقہ باپ ہی پر ہے مگر مال کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پاس سے خرچ کرے اور جب شوہر کے پاس ہو تو وصول کر لے۔

(جوہرہ نیرہ باب نفقہ)

علامہ عداۃ الامدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر باپ مفلس ہے تو کمائے اور بچوں کو کھلائے اور کمانے سے بھی عاجز ہے مثلاً اپنا بیٹا ہے تو دادا کے ذمہ نفقہ ہے کہ خود باپ کا نفقہ بھی اس صورت میں اسی کے ذمہ ہے۔ طالب علم کہ علم دین پڑھتا ہو اور نیک چلن ہو اس کا نفقہ بھی اس کے والد کے ذمہ ہے وہ طلبہ مرا نہیں جو فضولیات و لغویات فلاسفہ میں مشغول ہوں اگر یہ باتیں ہوں تو نفقہ باپ پر نہیں۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

اصول و فروع کے نفقہ کا فقہی بیان

بہن، بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی یا ان کی اولاد، اگر غریب ہیں اور حاجت مند ہیں۔ تو ان کو زکوٰۃ دینا دوسرا ثواب ہے۔ ایک صلہ رحمی کا دوسرے اور ان کی فرض کا ہاں اپنے اصول یعنی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر والے اور اپنے فروع یعنی اولاد مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور ان کی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بیٹی میاں بیوی ایک دوسرے کو غیر زکوٰۃ فطرانہ فقہیہ مال کفارہ نہیں دے سکتے۔

اگر یہ اولاد نابالغ ہے اور نادار ہے اور اس کے والدین مالدار صاحب نصاب ہیں تو اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ نابالغ اولاد کا نان نفقہ والدین کے ذمہ ہے اور وہ مالدار ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ جو شخص خود تنگ دست اور ضرورت مند ہو اس پر کسی دوسرے شخص کا خرچ لازم نہیں ہوتا

اس کی وجہ یہ ہے بیوی بچوں کے علاوہ کسی اور کا خرچ 'صلہ رحمی کے طور پر ادا کیا جاتا ہے' جبکہ محتاج شخص تو خود دوسروں کی طرف سے حسان اور صلہ رحمی کا مستحق ہوتا ہے تو وہ کسی دوسرے پر احسان کیسے کر سکتا ہے البتہ اس محتاج شخص پر بیوی اور اپنی نابالغ اولاد کا خرچ لازم ہوتا ہے کیونکہ اس نے خود نکاح کر کے اس خرچ کی ادائیگی اپنے اوپر لازم کی ہے کیونکہ خرچ کے بغیر زندگی مشکل صورت حال کا شکار ہو جاتی ہے اس لیے شوہر کے ذمے بیوی کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو اسی طرح کیونکہ نابالغ اولاد باپ کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اس لیے اس کا خرچ ادا کرنا بھی باپ کے ذمے لازم ہوگا۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے خوشحال ہونے کی مقدار کیا ہے؟ وہ یہ فرماتے ہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں: جو شخص نصاب کی مقدار جتنے مال کا مالک ہو اور وہ نصاب اس کی ذاتی ضروریات کے علاوہ ہو تو ایسا شخص خوشحال شمار ہوگا اور اس پر دوسرے لوگوں کے خرچ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اس بارے میں امام محمد رحمہ اللہ سے دو روایات منقول ہیں۔

پہلی روایت کے مطابق: جس شخص کے پاس اس کی اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کے علاوہ ایک ماہ کا خرچ موجود ہو وہ خوشحال شمار ہوگا۔

دوسری روایت کے مطابق: جس شخص کی آمدن اتنی ہو کہ اسے روزانہ اتنا مال بیچ جا تا ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل خانہ کی ضروریات کے لیے کافی ہو تو وہ خوشحال شمار ہوگا۔

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے خوشحالی کے بارے میں پہلا قول معتبر ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے بندوں کے حقوق میں صرف کسی چیز پر قدرت کا اعتبار کیا جاتا ہے نصاب پر قدرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے ناب خوشحالی کی آسانی کے لیے ہوتا ہے یہاں نصاب سے مراد وہ مقدار ہے جس کی موجودگی میں انسان کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے۔

غیر موجود بیٹے کے مال میں سے والدین کو خرچ فراہم کرنا

(وَإِذَا كَانَ لِلزَّانِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيهِ بِنَفَقَةِ أَبِيهِ) وَقَدْ بَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيهِ (وَإِذَا بَاعَ أَبُوهُ مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِ (بِحَاجَةٍ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ، وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ (وَأَنَّ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَحْزَنْ) وَفِي قَوْلِهِمَا لَا يَحْزَنْ ذَلِكَ كُلُّهُ وَهُوَ الْقِيَاسُ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ لَا نَقِطَاعَهَا بِالْبُلُوغِ، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ فِي حَالِ حَضَرَتِهِ وَلَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِي دَيْنٍ لَهُ سِوَى النَّفَقَةِ، وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْأُمُّ فِي النَّفَقَةِ

وَلَا يَسِي حَيْفَةَ رَحْمَةِ اللَّهِ أَنْ لِلْأَبِ وَلَايَةَ الْحِفْظِ فِي مَالِ الْعَائِلِ : أَلَا تَرَى أَنَّ
لِلْوَصِيِّ ذَلِكَ قَالَابٌ أَوْ لِي لَوْ قُورِ شَفَقَتِهِ، وَبَعِ الْمَقُولِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا
كَدَلِكِ الْعَقَارُ لَأَنَّهُ مُحَصَّنَةٌ بِنَفْسِهَا، وَبِخِلَافِ غَيْرِ الْأَبِ مِنَ الْأَقَارِبِ لِأَنَّهُ لَا
وَلَايَةَ لَهُمْ أَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَلَا فِي الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ .

إِذَا حَارَزَ بَيْعُ الْأَبِ فَالْتَمَنَ مِنْ جَنْسِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْاسْتِيفَاءُ مِنْهُ، كَمَا لَوْ
بَاعَ الْعَقَارَ وَالْمَقُولَ عَلَى الصِّغَرِ جَارَ لِكَمَالِ الْوَلَايَةِ، ثُمَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهِ
لِأَنَّهُ مِنْ جَنْسِ حَقِّهِ (وَإِنْ كَانَ لِلْأَبْنِ الْعَائِلِ مَالٌ فِي يَدِ أَبِيهِ وَانْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَّ)
لِأَنَّهُمَا اسْتَوْفَيَا حَقَّهُمَا لِأَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاحِدَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلَى مَا مَرَّ وَقَدْ أَخَذَا
جَنْسَ الْحَقِّ (وَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي يَدِ ابْنِهِ فَانْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْقَاضِي
(ضَمِنَ) لِأَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وَلَايَةٍ لِأَنَّهُ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَا غَيْرُ،
بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَهُ الْقَاضِي لِأَنَّ أَمْرَهُ مُلْزِمٌ لِعُمُومِ وَلَايَتِهِ .

وَإِذَا صَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ فَطَهَرَ أَنَّهُ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهِ .

ترجمہ

اور اگر غیر موجود بیٹے کا مال موجود ہو تو اس میں سے والدین کے خرچ کے لئے حکم دیا جائے گا اس کی دلیل ہم ذکر کر چکے
ہیں۔ اگر غیر موجود بیٹے کا باپ اس بیٹے کے مال کو خرچ حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ
کے نزدیک یہ حکم استحسان کے پیش نظر ہے۔ اگر باپ اس غیر موجود بیٹے کی زمین یا مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں
ہوگا۔ صاحبین نے یہ بات بیان کی ہے: چنانچہ ادخواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر باپ کا ولایت کا حق ختم ہو چکا ہے یہی
وجہ ہے بیٹے کی موجودگی میں باپ اس کے مال کو فروخت نہیں کر سکتا یا اسی طرح خرچ کے علاوہ کسی دوسرے قرض کے سلسلے میں بھی
وہ اس مال کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس غیر موجود بیٹے کی باپ بھی اپنے خرچ کے لئے اس مال کو فروخت نہیں کر سکتی۔ امام
ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے: باپ کو اپنے غیر موجود بیٹے کے مال کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ جب وہی کو
حفاظت کا حق حاصل ہوتا ہے تو باپ کو بدرجہ اولیٰ یہ حاصل ہونا چاہئے کیونکہ باپ میں شفقت کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ جو مال منقول

یہاں سکتا ہو۔ سے فروخت کرنا حفاظت کی ایک کڑی ہے جبکہ غیر منقولہ مال میں یہ پہلو نہیں پایا جاتا اس کی وجہ یہ ہے وہ بذات خود
نقل ہوتا ہے۔

باپ کے علاوہ دوسرے کسی رشتے دار کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے اس غیر موجود بیٹے کے بچپن میں بھی
یہ رشتے داروں کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں تھا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی یہ رشتے داروں کو وہ ولایت
مائل نہیں ہوگی جو حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔

جب باپ اس کے مال کو فروخت کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اس مال کی قیمت ایک ایسی جنس ہے جو اس باپ کا حق ہے یعنی
نہ کا خرچ ہے تو وہ خریدار سے اس کی قیمت وصول کرنے کا بھی حق رکھتا ہوگا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے مکمل ولایت کی وجہ سے
باپ بالغ بیٹے کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو فروخت کر سکتا ہے اور قیمت میں سے اپنا خرچ وصول کر سکتا ہے کیونکہ معاملہ ایسی
جنس ہے جس پر اسے حق حاصل ہے۔ اگر غیر موجود بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں ہو وہ والدین حاجت مند ہوں اور اس میں سے
اپنا خرچ وصول کر لیں تو بعد میں وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنے حق کو وصول کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے یہ بات
ذکر کر چکے ہیں قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اپنا خرچ وصول کرنے کے حقدار ہیں اور انہوں نے یہ حق کی جنس میں سے وصول
کیا ہے۔

اگر اس غیر موجود بیٹے کا مال کسی بھی شخص کے قبضے میں ہو اور وہ قاضی کی اجازت کے بغیر مال کو ان مال باپ پر خرچ کر دے تو
بعد میں وہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس نے ولایت کے بغیر دوسرے شخص کے مال میں تصرف کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے وہ اجنبی شخص
صرف حفاظت کے سلسلے میں غیر موجود شخص کا نائب تھا اور کسی معاملے میں نہیں تھا اس کے برخلاف جب قاضی اسے اس کا حکم
دے تو حکم مختلف ہوگا کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہونے کی وجہ سے اس کے حکم کی پابندی کی جائے گی۔ اگر وہ تاوان ادا کر دیتا
ہے تو وہ ان والدین سے واپس نہیں لے گا جنہوں نے اس مال کو قبضے میں لیا (یعنی غیر موجود شخص کے والدین) کیونکہ تاوان ادا
کرنے کے نتیجے میں وہ اس کا مالک ہو گیا اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی: اس نے ہمہ کے طور پر وہ مال دیا تھا۔

شرح

عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ لیں تو اگر کچھ روپے یا غلہ
بھوز گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اس کی عورت ہے تو قاضی حکم دے گا کہ اس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم
لے لے کہ اس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی
لے۔ (فتاویٰ حانیہ، کتاب نفقہ)

شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت ان
چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔ (عالمگیری، کتاب طلاق، باب نفقہ)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ تاکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائیگا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقررہ جی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معصوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے چند مہینے کا نفقہ ہاتی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جائے ہے مگر جبکہ کسی سے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (در مختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص، یعنی جنسی شخص قاضی کے فیصلے کے بغیر غیر موجود شخص کا مال اس کے والدین پر خرچ کر دیتا ہے اور پھر اس پر تاوان کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے اور وہ تاوان ادا کر دیتا ہے تو اب وہ اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی وصول نہیں کر سکتا اگرچہ اس نے پہلے رقم ان والدین پر ہی خرچ کی تھی کیونکہ اس اجنبی شخص کا غیر موجود شخص کے والدین پر یہ خرچ کرنا بطور احسان ہوگا عطیے کے طور پر ہوگا اور کیونکہ غیر موجود شخص کے والدین نے اس عطیے کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے تو اب قبضہ میں لیے جانے کے بعد عطیہ واپس نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اجنبی شخص اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی بھی رقم واپس نہیں لے سکے گا۔

قاضی کے فیصلے کے باوجود خرچ نہ ملنے کا حکم

(وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلْوَلَدَيْنِ وَذَوِي الْأَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةُ سَقَطَتْ) لِأَنَّ نَفَقَةَ هُؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتَّى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَقَدْ حَصَلَتْ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ إِذَا قَضَى بِهَا الْقَاضِي لِأَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَا تَسْقُطُ بِحُصُولِ الْإِسْتِغْنَاءِ فِيمَا مَضَى.

قَالَ (أَلَا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِي بِالْإِسْتِغْنَاءِ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْقَاضِي لَهُ وَلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ إِذْنُهُ كَمَا فِي الْغَائِبِ فَيَصِيرُ ذَيْنَا فِي ذِمَّتِهِ فَلَا تَسْقُطُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب قاضی کسی شخص پر اس کے بیٹے والدین یا محرم رشتے داروں کا خرچ لازم کر دے لیکن وہ شخص ایک مدت تک اس خرچ کو ادا نہ کرے تو اس مدت کا خرچ ساقط ہو جائے گا کیونکہ لوگوں کا خرچ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ لوگ خوشحال ہوں تو وہ خرچ لازم نہیں ہوتا اس لیے جو مدت گزر گئی ہو اس کی کفایت بھی ہوگئی۔ اس کے برخلاف اگر قاضی

بیوی کے لئے خرچ مقرر کر دے تو وہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ بیوی کا خرچ تو بیوی کے خوشحال ہونے کے باوجود بھی لازم ہوتا ہے۔ اس لیے گزری ہوئی مدت میں عورت کے بے نیاز ہونے کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ اگر قاضی اس غیر موجود شخص کی ذمہ داری پر قرض لینے کی اجازت دیدے تو گزشتہ مدت کا خرچ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہوتی ہے تو اس کا حکم دینا اسی طرح ہوگا جیسا کہ اس غیر موجود شخص نے خود اس کی اجازت دی ہو لہذا یہ اس غیر موجود شخص کے ذمے قرض ہوگا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوگا باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

شرح

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر قاضی کسی شخص کے لیے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ اپنی اولاد اپنے والدین اور اپنے رشتے داروں کا خرچ فراہم کرے گا اور پھر اس کے بعد کچھ عرصہ گزر جاتا ہے اس میں اس نے خرچ فراہم نہیں کیا تو اس گزرے ہوئے عرصے کا خرچ ساقط ہو جائے گا اس کی وجہ یہ ہے ان لوگوں کا خرچ صرف ضرورت پوری کرنے کے لیے ہوتا ہے تو کیونکہ سابقہ عرصہ ان کا لیے ہی گزر گیا ہے لہذا سابقہ عرصے کے اعتبار نہیں ہوگا یہی وجہ ہے اگر یہ لوگ خوشحال ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے خرچ کی ادائیگی لازم نہیں رہتی تو جب کچھ عرصہ خرچ کے بغیر گزر گیا تو یہ اس بات کی دلیل سمجھا جائے گا اس عرصے کے دوران انہیں خرچ کی ضرورت نہیں تھی لہذا اب گزرے ہوئے زمانے کا خرچ اس شخص کے ذمے لازم نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر قاضی کسی شخص کی بیوی کا خرچ مقرر کرتا ہے اور پھر کچھ عرصہ خرچ کی ادائیگی کے بغیر گزر جاتا ہے تو سابقہ زمانے کا خرچ اس شوہر کے ذمے لازم رہے گا اور وہ ساقط نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے اگر بیوی خوشحال ہو تو بھی اس کا خرچ ادا کرنا شوہر کے ذمے لازم ہوتا ہے اس لیے سابقہ زمانے کا خرچ ساقط نہیں ہوگا اور شوہر اس خرچ کو ادا کرنے کا پابند ہوگا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی قاضی کسی غیر موجود شخص کے والدین یا اس کے بیوی بچوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اس غیر موجود شخص کے نام پر قرض حاصل کر کے اپنی ضروریات پوری کریں اور پھر کچھ مدت گزرنے تک وہ قرض نہیں دیتے تو ان کا خرچ ساقط نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے: قاضی کو تمام ولایت حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کا تصرف اسی طرح ہوگا جیسے اس غیر موجود شخص نے خود قرض لینے کی ہدایت کی ہو کہ تم میرے نام پر قرض لے کر اپنا خرچ پورا کر سکتے ہو تو حکم یہی ہے: اگر غیر موجود شخص نے خود قرض لینے کی ہدایت کی ہوئی اور کچھ مدت گزرنے تک والدین یا بیوی بچوں نے قرض نہ لیا ہوتا تو بھی ان لوگوں کا خرچ ساقط نہیں ہوتا۔

فصل

﴿یہ فصل غلام و باندی کے نفقہ کے بیان میں ہے﴾

فصل نفقہ غلام و باندی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ معنف علیہ الرحمہ نے اس فصل میں غلام وغیرہ اور دیگر حیوانات کے نفقہ کو بیان کیا ہے اور اس فصل کو مؤخر کیا ہے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ انسان کو اس ملکیت والے مال میں انفاق پر مجبور نہیں کیا جائے البتہ آزادی میں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ جانوروں کا معاملہ اس کے درمیان اور امتد کے درمیان ہے۔ نفقہ زوجہ اور غلام میں فرق کیا جائے گا کیونکہ آقا جب غلام کا نفقہ روک دے تو اس کو غلام کی بیچ پر مجبور کیا جائے گا۔ جبکہ شوہر جب نفقہ زوجہ روکے تو اس کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جب کسی غلام کو بیچ جائے گا اس غلام کو گویا خلیفہ کی طرف پھیرنا ہے یعنی غلام کا خلیفہ اس کی شمن ہے۔ جبکہ طلاق میں کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو یہ ایسی تفریق ہے جس میں خلیفہ نہیں ہے۔ لہذا خلیفہ کے فوات کے وقت خلیفہ کو طرف پھیرنا منع ہو جائے گا اور جہاں خلیفہ ہوگا وہاں حکم ریت کو خلف کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۲، بیروت)

غلام و باندی کے نفقہ کے ثبوت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر ۵۳۸)

اس حدیث میں غلام کے بارے میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت و طاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم میں کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارے میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت و ہمت سے زیادہ کی عمل و فعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر و عمل کے مطابق ہیں اسی طرح بندوں کو بھی جو مالک مجازی ہیں یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر

کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں ان کی طاقت و ہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) جب غلام نہ رہ پڑھ رہا ہو تو اس کو چند بڑی کا حکم نہ دے (۲) جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کے لئے نہ اٹھائے (۳) اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

آقا پر اپنی کنیز اور غلام کا خرچ لازم ہے

وَعَلَى الْمَوْلَى أَنْ يُنْفِقَ عَلَى عَبْدِهِ وَامْتِهِ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَمَالِكِ (إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، أَطْعَمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَأَلْبَسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ، وَلَا تُعَذِّبُوا عِبَادَ اللَّهِ (۱)) (فَإِنْ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَنْسٌ اكْتَسَبَا وَانْفَقَا) لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْجَانِبَيْنِ حَتَّى يَبْقَى الْمَمْلُوكُ حَيًّا وَيَبْقَى فِيهِ مِنْكَ الْمَالِكُ (وَأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَنْسٌ) بَأَنْ كَانَ عَبْدًا زَمَنًا أَوْ جَارِيَةً لَا يُؤَاجِرُ مِثْلَهَا (أُجِبَرَ الْمَوْلَى عَلَى بَيْعِهِمَا) لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ وَفِي الْبَيْعِ إِيفَاءُ حَقِّهِمَا وَإِيفَاءُ حَقِّ الْمَوْلَى بِالْخُلْفِ، بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِأَنَّهَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ تَأْخِيرًا عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَنَفَقَةُ الْمَمْلُوكِ لَا تَصِيرُ دَيْنًا فَكَانَ إِنْطِلَالًا، وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيَوَانَاتِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ أَهْلِ الْإِسْتِحْقَاقِ فَلَا يُجْبَرُ عَلَى نَفَقَتِهَا، إِلَّا أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نَهَى عَنْ تَعَذِّيبِ الْحَيَوَانِ (۲)) وَفِيهِ ذَلِكَ، وَنَهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْقَمَالِ (۱) وَفِيهِ إِضَاعَتُهُ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُجْبَرُ، وَالْأَصَحُّ مَا قُلْنَا، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ.

(۱) أخرجه البخاری فی "صحیحہ" ۴۶۵/۱۰ برقم (۶۰۵۰) و مسند فی "صحیحہ" ۲۸۲/۳ - ۲۸۳ برقم (۱۶۶۱) من روایہ ابی ذر رضی اللہ عنہ مرفوعاً و أبو داؤد فی "سننہ" برقم (۵۱۵۷)۔

(۲) أخرجه أحمد فی "مسندہ" ۱۶۸/۵ و أبو داؤد فی "سننہ" ۳۵۹/۵ - ۳۶۰ برقم (۵۱۵۷) عن ابی ذر رضی اللہ عنہ مرفوعاً: "من لاء مکم من مملوک کبکم فاطعموه مما تأکلون و اکسوه مما تلبسون و من لم یلاکمکم منهم فبیعوه ولا تعذبوه خلق اللہ" وأخرج أحمد فی "مسندہ" ۱۸۰/۴ - ۱۸۱ و أبو داؤد فی "سننہ" ۳ - ۴ برقم (۲۵۴۸) و صحیحہ ابن حبان فی صحیحہ فی البر والصلة باب: فصل من یسیر والا حسان برقم (۵۴۵) سہل بن الحنظلیہ قال: "مر رسول اللہ ﷺ یسیر قد سبق صہرہ صہہ فقال "انقروا فی ہذہ السہام المعجمہ فارکبوا صالحة و کلوها صالحة"

ترجمہ

اور مالک پر اپنے غلام اور کنیز کا خرچ لزم ہوتا ہے اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا غلاموں کے بارے میں یہ فرمان ہے ”وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کر دیا ہے تم انہیں وہی چیز کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہی چیز پہنؤ جو تم پہنتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو عذاب نہ دو“ اگر آقا انکار کر دیتا ہے اور وہ دونوں (غلام اور کنیز) ہنرمند ہوں تو وہ خود کام کر کے کمائیں گے اور کھائیں گے کیونکہ اس میں دونوں فریقوں کے لئے بہتری ہے یہاں تک کہ غلام بھی زندہ رہے گا اور مالک کی ملکیت بھی باقی رہے گی۔ لیکن اگر وہ دونوں ہنرمند نہ ہوں یعنی وہ غلام لہجہ ہو یا کنیز ایسی ہو کہ اسے کوئی ملازم نہ رکھتے ہو تو آقا کو ان کی فروخت پر مجبور کر دیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں استحقاق رکھتے ہیں اور فروخت کرنے کی صورت میں ان کا حق پورا کیا جا رہا ہے اور آقا کا حق بھی پورا کیا جا رہا ہے کہ اسے قیمت مل جائے گی۔ اہل بیوی کے خرچ کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ قرض ہو جاتا ہے لہذا اس میں تاخیر کی جاسکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن غلام کا خرچ قرض نہیں بنتا اس لیے ابطال ضروری ہوگا۔ جبکہ حیوانات کا حکم اس کے برخلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے وہ استحقاق کے حقدار نہیں ہیں اس لیے ان کے خرچ کے بارے میں آقا کو مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ اسے یہ پابند کیا جائے گا کہ وہ ان کا خرچ ادا کرے اور یہ معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا ہے اور یہ بات اس میں شامل ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے بھی منع کیا ہے اور اس میں مال کو ضائع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

امام ابو یوسف نے یہ بات بیان کی ہے اس بارے میں مالک کو مجبور کیا جائے گا تاہم درست قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

دین و خلقت میں غلاموں کی مماثلت کا بیان

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور دین و خلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو بھی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی (۱) فہی المصححین البخاری فی ”صحیحہ“ فی الاستقراض باب: ما یطہی عن اعضاء العمال (۲۳۰۸) و مسلم فی ”صحیحہ“ فی الامنیۃ باب: السہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ (۱۳۴۱/۳) (۵۹۳) (۱۲) عن المعبرۃ بن شعثۃ مرفوعاً ان اللہ حرم علیکم ثلاثاً عقوق الامہات، ورواد البنات، و منع وھات وکفرہ لکم ثلاثاً: قبل و قال، و کثرۃ السوال، و ابطاعۃ العمال

پہنائے جو خود پہنتا ہے وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے چنانچہ مالک اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدر کا نفقہ واجب ہے جو عرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو یہاں تک کہ اگر مالک خواہ اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر یا از ارہ نخل اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کے لئے مشکل نظر آئے اور وہ اسکو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اسکی مدد کرنے پر متعین کرو چنانچہ بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ چنگی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے یاں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چنگی پیستے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوپ میں تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا اس خادم کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے اور اس کے ساتھ کھانا کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 541)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

باندی اور غلام کے نفقہ کے احکام و مسائل

آقا پر اپنے غلام اور باندی کے اخراجات کی کفالت ضروری ہے خواہ ان میں ملکیت پوری ہو جسے خالص غلام یا ادھوری ہو جیسے مدبرہ اور ام ولد اور خواہ کمسن ہوں یا بڑی عمروالے اور خواہ اپاہج و معذور ہوں۔ یا بالکل تندرست و توانا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنے غلاموں کی کفالت سے انکار کرے تو وہ غلام اس بات کے مختار ہوں گے کہ محنت و مزدوری کریں اور جو کچھ کمائیں اس سے اپنے اخراجات پورے کریں اور اگر ان کے لئے کوئی مزدوری کا کام نہ ہو اور وہ کم کر اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتے ہوں تو پھر قاضی و حاکم کی طرف سے آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان غلاموں کو فروخت کر دے۔

اگر کسی شخص نے کوئی جانور خریدا تو اس پر جانور کے چارہ پانی کا انتظام کرنا واجب ہے لیکن اگر ان کو چارہ پانی دینے سے انکار کر دیا تو اس کو قانونی طور پر اس جانور کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن دینائے اور اخلاقی طور پر اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس جانور کو فروخت کر دے یا اسکے چارہ پانی کا انتظام کرے۔

غلام و باندی کا نفقہ روکنے والے کیلئے وعید کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور بوند یوں کو ان کا کھانا دیدیا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو یونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گنہ گار کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے منموک کو کھانا دے، اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے گنہ گار کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے یعنی اپنے اہل و عیال اور غلام لونڈی وہ اس کی روزی ضائع کرے۔

(مسلم مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 540)

مذہب حنفی پر غیر مقلدین کا اعتراض و جواب

نام نہاد غیر مقلد مولوی وحید الزماں حیدر بادی لکھتا ہے کہ اگر خاوند کہیں چل گیا ہو اور اس کا پتہ معلوم ہو تو عورت اپنے شہر کے قاضی کے پاس جائے وہ اس شہر کے قاضی کو لکھ کر جہاں اس کا خاوند ہو عورت کا خرچہ منگوائے۔ اگر یہ امر ممکن نہ ہو جیسا کہ ہمارے زمانے کا حال ہے کہ قاضیوں کو مطلق اختیار نہیں ہے تو عورت اپنے شہر کے قاضی کو اطلاع دے اور وہ نکاح فسخ کرادے۔ روایاتی نے کہا کہ اس پر فتویٰ ہے اگر خاوند کا بالکل پتہ نہ ہو جب بھی نکاح فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر خاوند مفلس ہو اور نان نفقہ نہ دے سکا سو شفیعہ اور ابجدیث کا یہی قول ہے اور حنفیہ نے جو مذہب اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند مفلس ہو یا غائب ہو حال میں عورت صبر سے بٹھی رہے۔ البتہ اس کے نام پر قرض لے کر کھا سکتی ہے۔ بتلایے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ اس زمانہ میں تو مالداروں کو بھی بغیر گروی کے کوئی قرض نہیں دیتا۔

مولوی وحید الزماں کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نام نہاد فرقہ غیر مقصدین کا اتنا وقار بھی نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کو قرض دے۔ بوگوں کو غور و فکر اور نام نہاد اہل حدیث فرقہ کے اس رویے سے عبرت چکڑنی چاہیے کہ جو فرقہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی ضمانت نہیں دیتے وہ لوگوں کے ایمانوں کے محض فکس طرح ہو سکتے ہیں۔

دوسرا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ جو فرقہ مسلمانوں کے بارے میں اتنی بدگنی رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے ایمانوں کے بارے میں کس قدر بدگمان اور ناسور ہوگا۔

تیسرے معنی یہ معلوم ہوا ہے کہ غیر مقصدین دنیوی مفلسی سے فقہی احکام کا استدلال کرتے ہیں کیا خوب غیر مقلدین کی نادانی ہے کہ ایک طرف دعویٰ قرآن و سنت کرتے ہوئے جھٹکتے نہیں ہے جبکہ دوسری طرف گمراہ کن استدلال کی مشینیں لگا رکھی ہیں

جو حق مفہوم یہ اخذ ہوتا ہے کہ غیر مقصدین کا یہ کہنا کہ بتلایے مفلس یا غائب کو کون قرض دے گا۔ جناب آپ تو علم غیب کو غیر خدا کیسے شرک سمجھتے ہیں اور اب آنے والے وقت سے متعلق ہونے والے واقعہ کا سوال کر رہے ہیں۔ کہیں اپنے مسلک کی کمزور دیکھ کر پھسل تو نہیں گئے۔

کتاب العتاق

یہ کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں ہے

کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق اور عتاق میں مشترکہ مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں اسقاط مشترک ہے۔ یونکہ عتاق میں ملک رقبہ کا اسقاط ہے جبکہ طلاق میں ملک بضع کے منفع کا اسقاط ہے۔ جس چیز سے ذمے سے ملکیت ساقط ہو جائے اس کو ایراء کہتے ہیں اور جس چیز سے ملکیت قصاص سے ساقط ہو جائے اس کو عفو کہتے ہیں۔ لہذا اسقاط کی مختلف اقسام و انواع کا بھی امتیازی رعایت کرنے کیسے فرق کرنا ضروری ہے۔ اور یہاں بعض کی اضافت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(فتح قدیر، ج ۱۰، ص ۳۵، بیروت)

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے کتاب طلاق کے بعد کتاب عتاق کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان میں رایت و لزوم کے طور پر اسقاط برابر ہے۔ جس طرح طلاق میں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تعلیق صحیح ہے۔ پس بعض عتاق کل عتاق کی طرح ہو گیا ہے۔ بہر حال اف و خواہ بطور حقیقت ملکیت میں ہو وہ عتاق میں ثبوت کے بعد طلاق کی طرح فسخ کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ (عتا یا شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۵، بیروت)

طلاق کی ترتیب جس کو حدیث میں بھی ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وہ بھی ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: لا طلاق ولا عتاق فی علاق (مسند احمد: ۲۶/۲۷)

زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔ اور اگر ازاد زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور و مکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

عتاق کا لغوی و شرعی مفہوم

عتاق کا لغوی معنی ہے۔ آزاد کرنا، جبکہ اصطلاح شرعی میں مالک کا کسی غلام کو اپنی ملکیت سے آزاد کر دینے کا نام عتاق ہے۔ حق اور عتاق کا معنی آزادی ہے جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک عتیق ہے۔ اور اس لقب مبارک کا سبب یہ ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت نہ شریف لے گئیں اور دعا کی: "اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرما دے" دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب مبارک عتیق ہو گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13، ص 35، شرح مواہب زرقانی، ج 1، ص 445)

عتاق کے اسباب کا بیان

عتاق کے اسباب کثیر ہیں۔

مِنْهَا الْإِخْتِاقُ ، وَمِنْهَا دَعْوَى النَّسَبِ ، وَمِنْهَا الْإِسْتِيلَادُ ، وَمِنْهَا مِلْكُ الْقَرِيبِ ، وَمِنْهَا زَوَالُ بَيْدِ الْكَافِرِ عَنْهُ كَمَا إِذَا اشْتَرَى الْحَرَبِيُّ فِي دَارِنَا عَبْدًا مُسْلِمًا فَدَخَلَ بِهِ فِي دَارِ الْحَرْبِ لِأَنَّهُ يَغْتَنِقُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَمِنْهَا الْإِقْرَارُ بِحُرِّيَةِ الْعَبْدِ إِذَا اشْتَرَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ .

قرآن کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسْلَمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا . (النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک سوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے۔ اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک سوک مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو سپرد کی جائے اور ایک سوک مسلمان کو آزاد کرنا۔ تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے۔ وہ لگا تا رو دینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

(۲) وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكَ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ . (مجادلہ، ۳)

اور وہ جو اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں۔ پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بڑی بات کہہ چکے۔ تو ان پر لازم ہے۔ ایک برہ آزاد کرنا۔ قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یہ ہے جو نصیحت تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ (۳) فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا . (النور) اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبہ کرو۔

احادیث کے مطابق غلاموں کو آزاد کرنے کا بیان

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض آزاد کرنے والے کے عضو کو (جہنم کی) آگ سے نجات دے گا سعید

بن مرجانہ کا بیان ہے کہ میں علی بن حسین کے پاس گیا اور ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اپنے ایک غلام کا قصد کیا جس کی قیمت عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار درہم دے کر خرید لیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2369)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی قول کی اجازت کے بغیر ان کے آزاد کردہ غلام کا مولیٰ بن جائے اس پر اللہ فرشتوں، ورتما لوگوں کی لعنت ہو اس کا قیامت کے دن نہ کوئی نفل قبول ہوگا نہ فرض۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1299)

(۳) حضرت مرد بن شعبہ، اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 535 حدیث مرفوع)

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے آقاؤں نے ولاء کی شرط رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا دلی ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بل مسلم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2226، حدیث متواتر حدیث مرفوع)

(۵) حضرت ابن عباس بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی دوا ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673، حدیث مرفوع)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کرے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے۔ تنہی حصہ آزاد رہے گا۔ (موطائنام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1150 حدیث مرفوع)

(۷) حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارا ہے بھائی ہیں اور دین و خلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے ماتحت بنایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسکو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لئے جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 539، حدیث مرفوع)

غلامی کی ابتداء و تاریخی تجزیہ

غلامی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک بد قسمت شخص میدان جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے گرفتاری کے بعد مال غنیمت کے ساتھ اس کی تقسیم ہوتی ہے اور وہ ایک خاص شخص کی ملک بن جاتا ہے اس کی بعد اپنے آقا کی شخصی حکومت کے ساتھ اس کو سلطنت کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرنا ہوتی ہے اس لئے اگر کسی قوم کی نسبت یہ سوال ہو کہ غلاموں کے متعلق اس کا کیا طرز عمل تھا؟ تو یہ ترتیب حسب ذیل عنوانات میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۱)۔ حالت قید میں ان کے ساتھ کیا برتاو کیا گیا؟

(۲)۔ آقا نے غلام کو غلام بنا کر رکھا یا آزاد کر دیا؟

(۳)۔ غلاموں کو کیا کیا ملکی حقوق دیئے اور بادشاہ کا غلاموں کے ساتھ کیا طرز عمل رہا؟

صحابہ کرام کے زمانے میں جو لوگ غلام بنائے گئے ہم ان کے متعلق اسی ترتیب سے بحث کرتے ہیں۔

اسیران جنگ کا قتل نہ کرنے کا بیان

اسلام سے پہلے مہذب سے مہذب ملکوں میں غلاموں کو قید کر کے بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا، چنانچہ تاریخ قدیم میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن قرآن مجید میں اسیران جنگ کے متعلق یہ حکم ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا أَتَّخَذْتُمُوهُمْ فَتَذُوا الْوَثَاقَ فَمَا مَنَّا بَعْدُ وَإِنَّا فِدَاءٌ۔ (سورۃ محمد)

یہاں تک کہ جب تم ان کی طاقت کچل چکے ہو تو مضبوطی سے گرفت کر لو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر اور صحابہ کرام نے شدت کے ساتھ اس کی پابندی کی، چنانچہ ایک بار حجاج کے پاس ایک اسیر جنگ آیا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اس کے قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے کہا ہم اس پر مامور نہیں ہیں، اس کے بعد قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت پڑھی۔ (کتاب انخراج مفاض ابی یوسف)

اسیران جنگ کو کھانا کھانا اور ان کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا

صحابہ کرام، اسیران جنگ کو اپنے آپ سے بہتر کھانا کھلاتے تھے اور ان کے آرام و آسائش کے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے خود قرآن مجید نے صحابہ کرام کی اس فضیلت کو نمایاں کیا ہے۔

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مَشْكِيْنَا وَنَیْمًا وَآسِرًا۔ (الدھر)

باوجودیکہ ان لوگوں کو خود کھانے کی خواہش ہو پھر بھی وہ مسکین کو اتنی قیدی کو کھانا کھلا نہیں۔

بہتم بطرانی میں ہے کہ صحابہ کرام اسیران جنگ کے ساتھ اس قدر لطف و مراعات کرتے تھے کہ خود کھجور کھا لیتے تھے مگر ان کو جو کی روٹی کھلاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب مالک بن نویرہ اپنے رفقا کے ساتھ گرفتار ہوا تو رات کو ان کو سخت سردی محسوس ہوئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو خبر ہوئی تو عام منادی کرا دی۔ اذینوا اسراکم (طبری)

اپنے قیدیوں کو گرم کپڑے اور حاد

شادی خاندان کے اسیران جنگ کے ساتھ برتاو

اگرچہ صحابہ کرام تمام قیدیوں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاو کرتے تھے، لیکن شادی خاندان کے قیدی اور بھی لطف و مراعات کے مستحق ہوتے تھے، حضرت عمرو بن اعاصؓ نے جب جنگ مصر میں ہمیں پر حملہ کیا اور مقوقس شہ مصر کی بیٹی اور نو سہ گرفتار ہو کر آئی تو انہیں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کو مقوقس کے پاس بھیج دیا اور مزید احتیاط کے لئے اس کے ساتھ ایک سردار کو کر دیا کہ بحفاظت تمام اس کو پہنچا آئے۔ (مقریزی)

اسیران جنگ کو اعزہ و اقارب سے جدا نہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم یہ تھا کہ قیدی اپنے اعزہ و اقارب سے جدا نہ کئے جائیں، صحابہ کرام اس حکم پر نہایت شدت کے ساتھ عمل فرماتے تھے، ایک بار حضرت ابویوب انصاریؓ کسی فوج میں تھے اسیران جنگ کی تقسیم ہوئی تو بچوں کو ماں سے علیحدہ کر دیا گیا، بچے رونے لگے تو انہوں نے ان کو ماں کی آغوش میں ڈال دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ماں سے بچوں کو جدا کرے گا خدا قیامت کے دن اس کو اس کے اعزہ و اقارب سے جدا کر دے گا۔

(مسند دارمی کتاب الجہاد باب النهی عن التفريق بين الوالدة وولدها)

دوٹیوں کے ساتھ استبراء کے بغیر جماع کرنا

حرب میں یہ وحشیانہ طریقہ جاری تھا کہ جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آتی تھیں، ان سے استبراء رحم کے بغیر مباشرت کرنا جائز سمجھتے تھے اور اس میں حاملہ وغیرہ حامد کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس طریقہ کو بالکل ناجائز قرار دیا اور ان لونڈیوں کو مطلقہ عورتوں کے حکم میں شامل کر لیا، یعنی جب تک غیر حاملہ لونڈیوں پر عدت حیض نہ گزر جائے اور حاملہ لونڈیوں کا وضع حمل نہ ہو جائے ان سے اس قسم کا فائدہ اٹھانا ناجائز نہیں ہو سکتا، صحابہ کرام غزوات میں اس حکم کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے، ایک بار حضرت رومض بن ثابت انصاریؓ نے مغرب کے ایک گاؤں پر حملہ کیا مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو فوج کو یہ ہدایت فرمائی۔

من اصاب من هذا السبي فلا يطوءها حتى تحيض

یہ لونڈیاں جن لوگوں کے حصے میں آئیں جب تک ان کو حیض نہ آجائے وہ ان سے جماع نہ کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ایہا الناس إسمی لا أقول فیکم إلا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فینا یوم حسین

فقال لا يحل لامرء يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماءه زرع غيره يعني آتياں الحيالى من السبايا وان يصيب امرأة لبيا من السبي حتى يستبرئها (مسند ابن حنبل)

لوگو! میں تم سے وہی بات کہتے ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ نے جنین کے دن فرمایا جو غنم اند اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کی کھیتی میں آب پاشی کرے یعنی حامد اور شیبہ لونڈیوں سے بغیر استبراء و رحم نہ کرے۔

غلاموں کی آزادی

یہ وہ احسانات تھے جو صحابہ کرام حالت قید میں غلاموں کے ساتھ کرتے تھے، لیکن ان کا اصلی احسان یہ ہے کہ جو لوگ تیر کر کے غلام بنائے جاتے تھے، اکثر ان کو بھی مختلف طریقوں سے آزاد کر دیتے تھے۔

حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جنہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے، (مدبران غلاموں کو کہتے ہیں جن کی آزادی آہ کی موت کے ساتھ مشروط ہوتی ہے) جنہوں نے ان کو شہید کر دیا تھا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب المذنبۃ النساء)

حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو آزاد کرنا چاہا مگر چونکہ دونوں کا نکاح ہو گیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے شوہر کو آزاد کر دو تا کہ بی بی کو طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہے۔

(ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی المملوکین یعتقان معاہل نخیر امراتہ)

ایک بار حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے بات بند کرنے کی قسم کھائی، پھر معاف کرنے کے بعد قسم کے کفارہ میں ۱۰۰ غلام آزاد کئے۔ (بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ دفعہ حالت خواب میں مر گئے، حضرت عائشہؓ نے ان کی جانب سے بکثرت غلام آزاد کئے، (موطاء، مک کتاب الحق والولاء باب عتق الحبی عن المیت) ان کے پاس اسیران قبیلہ بنو تمیم میں سے ایک لونڈی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عفار واسلم وغیرہم)

حضرت میمونہؓ کی ایک لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کر دیا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا تم کو اس کا اجر دے گا، لیکن اگر اپنے ناموں کو دے دیتیں تو اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم و بخاری کتاب البیہ)

سفینہ حضرت ام سلمہؓ کی ایک لونڈی تھی انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لئے آزاد کر دیا۔ (ابوداؤد کتاب العتق باب فی العتق علی شرط)

ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں بیان کیا کہ میری ایک لونڈی دامن کوہ میں بکریاں چرائی تھی، بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو

خائے گیا، اس پر میں نے اس کو طمانچہ مارے، یہ واقعہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اس کو بوا کر پوچھا کہ خدا تم سے اس نے کہا آسمان پر پھر پوچھا میں کون ہوں؟ بولی رسول اللہ ﷺ ارشاد ہوا کہ اس کو آزاد کر دو یہ تو مسلمان ہے۔

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ)

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، حضرت ام سلمہؓ اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں، لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کر دیتی تھیں۔ (موطاء امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعۃ فی الکتابۃ)

ایک صحابی نے انتقال کیا تو وارث کی جستجو ہوئی، معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے، ان کا صرف ایک آزاد کردہ غلام ہے، آپ نے اسی کو ان کی وراثت دلوادی۔ (ابوداؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام)

ایک غلام دو صحابیوں کے درمیان مشترک تھا، ایک صحابی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس غلام کو آزاد کر دیا۔

(ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن اعتق نصیباً له من مملوک)

حضرت حکیم بن حزام نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے تھے، اسلام لائے تو زمانہ اسلام میں بھی سو غلام آزاد کئے، (مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ) ان غلاموں کی آزادی نہایت شرف و شوکت کے ساتھ عمل میں آئی، چنانچہ وہ حج کو آئے تو عرفہ کے دن ان غلاموں کے گلے میں چاندی کے طوق ڈال کر لائے جن پر "عتقاء اللہ بن حکیم بن حزام" لکھا ہوا تھا، یعنی یہ حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد ہیں۔

(نزہۃ الابراہ تدکرہ حکیم ابن حرام)

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا وقت آیا تو ۱۰۰ غلام آزاد کئے۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۰۹، مسند عثمان)

حضرت عمرؓ نے انتقال کے وقت جو وصیتیں کیں ان میں ایک یہ تھی: غلامان عرب میں سے جو لوگ میری وفات کا زمانہ پائیں وہ خدا کے مال سے آزاد ہیں۔ (مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک غلام کو آزاد کیا تو غلام کے پاس جو مال تھا اگرچہ وہ اس کے مالک ہو سکتے تھے، لیکن مال بھی اسی کو دے دیا۔ (سنن ابن ماجہ ابواب العتق باب من اعتق عبد اولہ مال)

حضرت ابوہریرہؓ کو ایک انصاری صحابی تھے، ان کی جائداد کی کل کائنات ایک غلام سے زیادہ نہ تھی، لیکن انہوں نے اس کو بھی مدبر کر دیا، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور فروخت کر کے ان کو اس کی قیمت دلا دی۔

(ابوداؤد کتاب العتق باب فی بیع المذنب)

ایک اور صحابی کی ملک میں صرف غلام تھے جن کو انہوں نے مرتے وقت آزاد کر دیا، لیکن وصیت کے قاعدے کے موافق

آپ ﷺ نے صرف دو غلاموں کی آزادی کو جائز رکھا۔ (ابوداؤد کتاب العتق باب فیمن عتق عبید الہ یصلعہم اللہ) اسیران ہوازن میں سے حضرت عمرؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ یہ لونڈی بھی انہی آزاد شدہ لوگوں کے ساتھ کر دی جائے۔ (ابوداؤد کتاب الصیام باب العتق یعود المرء فی کتاب الجہاد میں ہے کہ وہ لونڈیاں تھیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آقا کو بھائی بھائی بنادیا تھا اس لئے اگر صحابہ غلاموں کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آجاتے تھے تو اس جرم کے کفر سے میں ان کو آزاد کر دیتے تھے، حضرت ابوسعود انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی طرح ایک ایک غلام آزاد کئے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک)

ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں، جو نہایت خائن، کذاب اور نافرمان ہیں، میں جرائم پر ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور سزا دیتا ہوں اس معاملہ میں میرا کیا انجام ہوگا؟ ارشاد ہوا ان کی خیریت، کذب، نافرمانی اور تمہاری سزا کا حساب ہوگا۔

اگر تمہاری سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوگی تو اس زیادتی کا تم سے بدلہ لیا جائے گا، یہ سن کر وہ رونے پینے لگے اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے بیچ کر دوں، آپ گواہ رہے کہ وہ آزاد ہیں۔ (ترمذی ابواب تغیر، فقرآن تفسیر سورہ انبیاء) ایک بار آپ ﷺ نے ابوالہشیم بن الییمان انصاریؓ کو ایک غلام عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، ان کی بی بی نے کہا تم سے یہ نہ ہو سکے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دو، انہوں نے اس کو آزاد کر دیا۔ (ترمذی ابواب الزہد)

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک غلام دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ نیکی کرو، انہوں نے یہی نیکی کی کہ اس کو آزاد کر دیا۔ (ابوالمفرد باب العتق من انعام)

حضرت ابو ہریرہؓ اسلام لانے کے لئے چلے تو ساتھ میں غلام بھی تھا، وہ موقع پا کر راستے ہی میں بھاگ گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تو اسی حالت میں غلام بھی آیا، آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ! لے لو یہ تمہارا غلام ہے، بولے کہ آپ گواہ رہے یہ خدا کی راہ میں آزاد ہے۔

(بخاری ابواب الشرک باب اذا قال لعبدہ ھو للہ ولوی لعنق والا شہاد فی العتق) ایک بار کسی شخص نے اپنے غلام سے کسی کام کو کہا وہ سو گیا، وہ آیا تو اس کو چہرے پر آگ ڈال دی، غلام گھبرا کر اٹھا تو کنویں میں گر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس کے چہرے کی حالت دیکھی تو اس کو آزاد کر دیا۔ (ابوالمفرد باب حسن المملکۃ)

صرف یہی نہیں تھا کہ صحابہ کرام اپنے مملوک لونڈی غلام کو آزاد کرتے تھے؛ بلکہ یہ اس قدر افضل کام خیال کیا جاتا تھا کہ دوسروں کے غلاموں کو صرف آزاد کرنے کے لئے خریدتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی کو اس لئے خریدا تھا کہ اس کو آزاد کر دیں، (ابوداؤد کتاب انقض باب فی الولاء) ابتدائے اسلام میں حضرت ابوبکرؓ نے بھی سات غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔

حضرت زبیر بن عوامؓ نے ایک غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا، (موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب حلال عبد اوراء) ان کے علاوہ بکثرت غلاموں کو صحابہ کرام نے آزاد کیا۔

میر اسماعیل نے بلوغ المرام کی شرح میں نجم الوہاج سے ایک فہرست نقل کی ہے جس کی رو سے صحابہ کرام کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تالیس ہزار دوسو ستیس (۷۳۰۲) تک پہنچی ہے، چنانچہ ان صحابہ کے نام حسب ذیل ہے

حضرت عائشہؓ حضرت حکیم بن حزامؓ ذوالکلاع حمیری حضرت عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس کتاب میں حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی ہے؛ لیکن لکھ ہے کہ انہوں نے بکثرت غلام آزاد کئے۔ (سبل السلم، کتاب العتق)

سیاسی حیثیت سے صحابہ کرام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عرب کا غلام نہ بنانا

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس قبیلہ بنو تمیم کی ایک لونڈی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد میں سے ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آپ ﷺ اہل عرب کا غلام بنانا پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے عام قانون بنادیا کہ عرب کا کوئی شخص غلام نہیں بنایا جاسکتا؛ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں قبائل مرہہ کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے، ان کو انہوں نے اسی بنا پر آزاد کر دیا۔ (یعقوبی)

اسلام کے پہلے عرب کے جو لوگ لونڈی یا غلام بنائے گئے تھے ان کی نسبت یہ حکم دیا کہ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی قبیلہ میں غلام بنالیا گیا ہو تو وہ اس کے بدلے میں دو غلام بطور فدیہ کے دے کر آزاد کر سکتا ہے، اسی طرح ایک لونڈی کے عوض میں دو لونڈی دے کر آزاد کرائی جاسکتی ہے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ ریاح بن حارث)

غیر قومیں اگرچہ غلام بنائی جاسکتی تھیں تاہم حضرت عمرؓ نے ان کو بھی بہت کم غلام بنایا مصر فتح ہوا تو چھ ماہ مرد اور عورت مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، فوج کے اکثر حصہ کا اصرار تھا کہ ان کو لونڈی غلام بنا کر تمام فوج پر تقسیم کر دیا جائے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے جزیہ مقرر کر کے ان کو بالکل آزاد کر دیا، چند گاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تھی، وہ گرفتار ہوئے تو لونڈی غلام بنا کر مدینہ میں بھیج دیئے گئے؛ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔ (حسن المحاضرہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام عام حکم بھیج دیا کہ کوئی کاشکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔ (کنز العمال) حضرت عمرؓ کے عہد میں زراعت کو جو ترقی ہوئی اور اس کی وجہ سے حاصل و خراج میں جو اضافہ ہوا اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اکثر مفتوح قوموں کو آزاد کر رکھا اور وہ آزادی کے ساتھ زراعت کے کاروبار میں مصروف رہے۔

غلاموں کو مکاتب بنانے کا بیان

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکیں ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (النور)

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتب کر لو

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا؛ لیکن قاقا کو معاہدہ مکاتبیت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا، چنانچہ جب سیرین نے اپنے قاقا حضرت انسؓ سے مکاتبیت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو ہوا کر درے سے مارا اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المکاتب)

حضرت عمرؓ ہمیشہ اس قسم کے غلاموں کی آزادی میں تسنیں پیدا کرتے رہتے تھے، ایک بار ایک مکاتب غلام نے مال جمع کر کے کے بدل کتابت ادا کرنا چاہا، لیکن قاقا نیکمشت رقم لینے سے انکار کر دیا اور باقساط لینا چاہا، وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے کل رقم لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور کہا، تم شام کو آنا میں تمہیں آزادی کا فرمان لکھ دوں گا، اس کے بعد لینے یا نہ لینے کا تمہارے آقا کا اختیار ہوگا، آقا کو خبر ہوئی تو اس نے آکر یہ رقم وصول کر لی۔

(طبقات ابن سعد، ذکرہ ابو سعید الخدری)

اسیران جنگ سے اعزہ و اقارب کو جدا نہ کرنا

اگرچہ صحابہ کرام مذہباً اور اخلاقاً خود ہی قیدیوں کو ان کے اعزہ و اقارب سے جدا کرنا ناجائز سمجھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے قوننا و حکما اس کی ممانعت فرمادی، چنانچہ تمام امراء فوج کے نام فرمان بھیجے کہ بھائی کو بھائی سے اور لڑکی کو ماں سے جدا نہ کیا جائے، ایک بار بازار میں شور سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے دربان ریعاء کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک لونڈی کی ماں فروخت کی جا رہی ہے، انہوں نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور یہ آیت پڑھی:

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ" (محمد)

پھر اگر تم نے منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ اور اپنے خونی رشتہ کاٹ ڈالو اور کہہ کر اس سے بڑھ کر کیا قطع رحم ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو ماں سے جدا کیا جائے، چنانچہ اس کے بعد تمام امراء کے نام فرمان بھیج دیا کہ اس قسم کا قطع رحم جائز نہیں۔ (کنز العمال، جلد ۴، صفحہ ۱۱۲)

غلاموں کے وظیفہ

بیت المال سے مسلمانوں کو جو وظیفہ ملتا تھا، اس میں غلام برابر کے شریک تھے، اول اول حضرت ابو بکرؓ نے غلاموں کو بیت

المال میں تمام مسلمانوں کا شریک بنایا، ابوداؤد کتاب الخراج میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

کان امی یقسم للحر والعبد میرے باپ غلام اور آزاد کو مال تقسیم فرمادیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب باضبطہ طور پر تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر فرمائے تو آق کے برابر غلاموں کے وظائف بھی مقرر کرائے، (فتوح البلدان، صفحہ ۱) ان کو اس بات میں اس قدر فکر تھی کہ جب ایک مال نے غلاموں کو وظیفہ نہیں دیا، تو اس کو لکھ بھیجا کہ کسی مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کو حقیر سمجھنا نہایت بری بات ہے، (فتوح البلدان، صفحہ ۱) حضرت عمرؓ نے اور مختلف طریقوں سے غلاموں کو مالی اعانتیں دیں اہل عوالی کے مزدوری پیشہ غلاموں کی مردم شہاری کرائی اور ان کے روزینے جاری کئے، حضرت عثمانؓ نے اس وادرتی دی اور خوراک کے ساتھ کپڑے بھی مقرر فرمائے، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز عوالی کو جاتے اور جو غلام ضعیف نظر آتے ان کے ٹکس معاف کر دیتے۔

حضرت عثمانؓ نے عام طور پر یہ ہدایت کی کہ جو لونڈی کوئی پیشہ نہیں جانتی اور جو غلام صغیر السن ہیں ان کو کسی پیشہ کی تکلیف نہ دی جائے ورنہ ناجائز طریقہ سے وہ روزینہ پیدا کریں گے، لیکن اس کے ساتھ ان کو عمدہ کھانا دیا جائے۔

(موطا امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک)

غلاموں کو تعلیم دینے کا بیان

سب سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ کرام نے غلاموں کو تعلیم بھی دلائی، ایک بار چند عیسائی غلام پکڑ کر آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو کتب میں داخل کر دیا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عثمانؓ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا سکھایا اور اپنا میرنشی بنایا، (فتوح البلدان) بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچوں کے ساتھ بہت سے غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے اون صاف کرنے کے لئے کتب سے لڑکے طلب کئے تو کہلا بھیجا کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔ (بخاری کتاب الدیات باب من استعاض عبد او صبی)

غلاموں کو امان دینے کا حق دینا

امان دینے کا حق صرف فاتح قوم کو حاصل ہوتا ہے؛ لیکن خلفاء نے یہ حق خود غلاموں کو بھی دیا، چنانچہ ایک بار مسلمانوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا تو ایک غلام نے محصور فوج کو امان دیدی، تمام مسلمانوں نے کہا اس کا اعتبار نہیں ہے؛ لیکن ان لوگوں نے کہا ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے، اب اس باب میں حضرت عمرؓ سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے غلاموں کا معاہدہ خود مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ (فتوح البلدان)

غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت

خفاء راشدین لونڈیوں اور غلاموں کی عزت و آبرو کا اسی قدر پاس کرتے تھے جس قدر ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کا کیا جاسکتا ہے، ایک بار ایک غلام نے کسی بوٹڈی کی ناموس پر ناچ کر حمد کیا اور حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو غلام کو جلا وطن کر دیا۔

(موطا امام محمد باب الاشرار فی الزنا)

حقوق میں مساوات

ان حقوق کے علاوہ ذاتی طور پر خلفائے راشدینؓ غلاموں کو عام مسلمانوں کے برابر سمجھتے تھے، چنانچہ اس کی بعض مثالیں حسن معاشرت کے عنوان میں گزر چکی ہیں۔

ان تمام مراتب کے پیش نظر ہو جانے کے بعد صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانے میں شخص اور ملکی دونوں حیثیتوں سے غلام غلام نہیں رہے تھے؛ بلکہ مسلمانوں کے ایک فرد بن گئے تھے۔

اعتاق کے مندوب تصرف کا بیان

الْبَاعِثُ يَقْتَضِي تَصَرُّفَ مَنْدُوبٍ إِلَيْهِ، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَيُّمَا مُسْلِمٍ أَعْتَقَ مُؤْمِنًا أَعْتَقَ اللَّهُ تَعَالَى بِكُلِّ عَصْوٍ مِنْهُ عَصْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ) وَلِهَذَا اسْتَحَبُّوا أَنْ يُعْتَقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْأَةُ الْأَمَةُ لِيَتَحَقَّقَ مُقَابَلَةُ الْأَعْضَاءِ بِالْأَعْضَاءِ.

قَالَ (الْعِتْقُ يَصِحُّ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِي مِلْكِهِ) شَرْطُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ لِلْمَمْلُوكِ وَالْبُلُوغُ لِأَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ لِيَكُونَ حُرًّا ظَاهِرًا، وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُكَ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ، وَالْعَقْلُ لِأَنَّ الْمَجْنُونِ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ وَلِهَذَا لَوْ قَالَ الْبَالِغُ: أَعْتَقْتُ وَأَنَا صَبِيٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ، وَكَذَا إِذَا قَالَ الْمُعْتَقُ أَعْتَقْتُ وَأَنَا مَجْنُونٌ وَجُنُونُهُ كَانَ ظَاهِرًا لَوْ جُودَ الْإِسْنَادُ إِلَى حَالِهِ مُنَافِيَةً، وَكَذَا لَوْ قَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُكَ فَهُوَ حُرٌّ إِذَا اخْتَلَمْتَ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَبْدُ فِي مِلْكِهِ حَتَّى لَوْ أَعْتَقَ عَبْدٌ غَيْرَهُ لَا يَنْفَعُ عِتْقُهُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُهُ ابْنُ آدَمَ).

ترجمہ

اعتاق کا تصرف مندوب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی مؤمن کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو جہنم

سے آزاد کرے گا۔ لہذا مستحب ہے کہ مرد غلام کو اور عورت باندی کو آزاد کرے تاکہ اعضاء کا اعضاء کیساتھ تقابل ہو جائے۔

فرمایا: آزادی ہر اس بالغ عاقل سے صحیح ہوتی ہے جس کی ملکیت ہو۔ اور آزادی کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف ملکیت سے صحیح ہوتی ہے۔ جبکہ مملوک کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اور بچہ اس لئے اہل نہیں ہے کیونکہ اس کا نقصان ظاہر ہے۔ کیونکہ ولی بچے پر اعتاق کی ملکیت نہیں رکھتا۔ اور عاقل ہونے کی شرط اس لئے بیان کی ہے کہ مجنون تصرف کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لہذا جب کسی بالغ شخص نے کہا کہ میں نے آزاد کیا جبکہ میں بچہ ہوں تو اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر معتق نے کہا کہ میں نے آزاد کیا لیکن میں مجنون ہوں اور اس کا مجنون بھی ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ اعتاق کا اسناد انتفاءی حالت حق کی طرف کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح جب کسی بچے نے کہا کہ جس میں مالک ہوں وہ آزاد ہے جب میں بالغ ہو جاؤں تو اس صورت میں بھی اعتاق درست نہ ہوگا کیونکہ بالغ کسی ایسے قول کی اہلیت نہیں رکھتا جو حکم مازم کرنے والا ہو۔ اور غلام کا معتق کی ملکیت ہونا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی نے شخص نے دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا نافذ نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں حق نہیں ہے۔

غلام کی آزادی اعضاء کو جہنم سے بچانے والی ہے

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا۔ سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے یہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کی عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۵۱۷)

حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن مرجانہ سے یہ حدیث سن کر اس پر فوراً عمل کر دکھایا اور اپنا ایک ایسا قیمتی غلام آزاد کر دیا جس کی قیمت دس ہزار درہم مل رہے تھے۔ جس کا نام مطرف تھا۔ مگر حضرت زین العابدین نے روپے کی طرف نہ دیکھا اور ایک عظیم نیکی کی طرف دیکھا۔ اللہ والوں کی یہی شن ہوتی ہے کہ وہ انسان پر دردی اور ہمدردی کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کو اولیاء اللہ یا عباد الرحمن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عروہ ابو مرواح البوزرعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا میں نے پوچھا کس قسم کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بہت زیادہ بیش قیمت ہو اور اس کے مالکوں کو بہت پسند ہو میں نے پوچھا اگر میں یہ نہ کر سکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کارگیر کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کے لیے کام کرو انہوں نے پوچھا اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھو (یعنی ان کے ساتھ برائی کرنے سے باز آؤ) اس لیے کہ وہ بھی ایک صدقہ

ہے جو تو اپنے آپ پر کرتا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2370)

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث و آثار

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں عقبہ بن عامر کے ایک بھیلے پہاڑ کا نام ہے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس کے جہنم میں ستر درجے ہیں قد فرماتے ہیں کہ یہ داخلے کی سخت گھاٹی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے داخل ہو جاؤ پھر اس کا داخلہ بتایا یہ کہہ کر کہ تمہیں کس نے بتایا کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ تو فرمایا غلام آزاد کرنا اور اللہ کے نام کھانا دینا ابن زید فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ نجات و رزق کی راہوں میں کیوں نہ چلا؟ پھر ہمیں تنبیہ کی اور فرمایا تم کیا جو عقبہ کیا ہے؟ آزادی گردن یا صدقہ طعام فک رقبہ جو اضافت کے ساتھ ہے اسے فک رقبہ بھی پڑھا گیا یعنی فلع فعل دونوں قرأتوں کا مطلب قریب ایک ہی ہے مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی گردن چھڑوائے اللہ تعالیٰ اس کا ہر ایک عضو اس کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں کے بدلے ہاتھ پاؤں اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ حضرت علی بن حسین یعنی امام زید ابن عیینہ نے جب یہ حدیث سنی تو سعید بن مرجانہ راوی حدیث سے پوچھا کہ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ کی زبانی یہ حدیث سنی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ مطرف کو بلاؤ جب وہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا جو تم اللہ کے نام پر آزاد ہو بخاری مسلم ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے۔

صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ یہ غلام دس ہزار درہم کا خرید ہوا تھا اور حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس کی ایک ایک ہڈی کے بدلے اس کی ایک ایک ہڈی جہنم سے آزاد ہو جاتی ہے (ابن جریر) مسند میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اور جو مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنادیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے جو شخص اسلام میں بوڑھا ہو اسے قیامت کے دن نور ملے گا۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے خواہ وہ لگے یا نہ لگے اسے اولاد اسمعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور حدیث میں ہے جس مسلمان کے تین بچے بوخت سے پہلے مرجئیں اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کریگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑے دے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا جس سے چاہے چلا جائے ان تمام احادیث کی سندیں نہایت عمدہ ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت واصلہ بن اسقع سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جس میں کوئی کی زیادتی نہ ہو تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے تم میں سے کوئی پڑھے اور اس کا قرآن شریف اس کے گھر میں ہو تو کیا وہ کی زیادتی کرتا ہے؟ ہم نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث ہمیں سناؤ، آپ نے فرمایا ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے میں حاضر ہوئے جس نے قتل کی وجہ سے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی تھی تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو

کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم کی آگ سے آزاد کر دے گا، یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے، اور حدیث میں ہے جو شخص کسی کی گردن آزاد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کا فدیہ بنادیتا ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں،

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا کام بتا دیجئے جس سے میں جنت میں جا سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھوڑے سے الفاظ میں بہت ساری باتیں تو پوچھ بیٹھا۔ سہ آزاد کر، رقبہ چھڑا، اس نے کہا حضرت کیا یہ دونوں ایک چیز نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں نسہ کی آزادی کے معنی تو ہیں اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور فک رقبہ کے معنی ہیں کہ تھوڑی بہت مدد کرے دودھ دانا جانور دودھ پینے کے لیے کسی مسکین کو دینا، ظالم رشتہ دار سے نیک سلوک کرنا، یہ جنت کے کام ہیں، اگر اس کی تجھے طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھلا، پیاسے کو پلا، نیکیوں کا حکم کر، برائیوں سے روک، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو سوائے بھلائی کے اور نیک بات کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال۔ ذی مسغبہ کے معنی ہیں بھوکا، جبکہ کھانے کی اشتہا ہو، غرض بھوک کے وقت کا کھانا اور وہ بھی اسے جو ناولان بچہ ہے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے اور اس کا رشتہ دار بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مسکین کو صدقہ دینا اکہرا ثواب رکھتا ہے، اور رشتے اور کو دینا دوبرا اجر دلاتا ہے، (مسند احمد بن حنبل)

غلاموں کے حقوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات

خلفائے راشدین کا یہ بھی یہی دستور تھا کہ اگر کسی غلام کا مالک اس کی کفالت کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو اس کی مدد کی کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرِو، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَخْلَدِ بْنِ الْفَقَارِ أَنَّ ثَلَاثَةَ مَمْلُوكِينَ شَهِدُوا بَذْرًا، فَكَانَ عَمْرُو يُعْطِي كُلَّ رَحْلٍ مِنْهُمْ كُلَّ سَبْعَةِ فَلَاةٍ آلَافٍ ثَلَاثَةَ آلَافٍ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (33553) تین غلاموں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو سالانہ تین تین ہزار درہم دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ الْقَوَامِ، عَنْ هَارُونَ بْنِ عَثْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَهِدْتُ عُفْسَانَ وَعَلِيًّا يَرْزُقَانِ أَرْقَاءَ النَّاسِ. (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (33554) الناس

سیدنا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما (اپنے ادوار میں) لوگوں کے غلاموں کو ان کی ضروریات کا سامان پہنچا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت سوں نے تو غلاموں کو معمولی سے خراج کے عوض خود کمانے اور کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ خراج صرف ایک درہم روزانہ ہوا کرتا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب غلاموں کی قیمتیں 40,000 درہم تک پہنچ چکی تھیں۔ اس طریقے سے یہ غلام عملاً آزاد ہو چکے تھے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى بْنِ الْفَضْلِ الصَّيْرَفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ: مُحَمَّدُ بْنُ

يَعْقُوبَ أَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَرْثِدٍ أَخْبَرَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي رَحْلٌ مَنَا يَقَالُ لَهُ نَهَيْكَ بْنُ يَرِيمَ حَدَّثَنِي مُعَيْشُ بْنُ سُمَيٍّ قَالَ : كَانَ لِلرَّبِيعِ بْنِ الْعَوَّامِ رَجُلٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَلْفَ مَمْلُوكٍ يُؤَدِّي إِلَيْهِ الْخَرَاجَ فَلَا يُدْجِلُ بَيْتَهُ مِنْ خَرَاجِهِمْ شَيْئًا. (بيهقي، سنن الكبرى، حديث (15787))

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔ اس خراج میں سے کوئی رقم ان کے گھر میں داخل نہ ہوا کرتی تھی۔ یعنی وہ سب کی سب رقم نبی غلاموں اور دیگر غریبوں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ بْنُ أَبِي الْمَعْرُوفِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَمْرٍو بْنُ نُجَيْدٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ابْنِ أَبِي دَنْبٍ عَنْ ذِرْهَمٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ : صَرَّتْ عَلَيَّ مَوْلَايَ كُلَّ يَوْمٍ ذِرْهَمًا فَأَتَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ اتَّقِ اللَّهَ وَأَدِّ حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَاكَ. (بيهقي، سنن الكبرى، حديث (15788))

سیدنا عبدالرحمن (بن عوف) رضی اللہ عنہ کے سابقہ غلام ذرہم کہتے ہیں، "میرے آقا نے مجھ پر روزانہ ایک درہم کا خراج مقرر کیا تھا۔ (ایک دن) میں نے یہ درہم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا، "اللہ سے ڈرو اور اللہ کا اور اپنے آقا کا حق (انہی کو) ادا کرو۔"

صاحب کرام رضی اللہ عنہم جس کی کو اپنے غلام پر زیادتی کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اسے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ وروی ان اباسریرہ رای رجلا را کبا و غلامه یسعی خلفه، فقال : یا عبد اللہ احمله، فانه اخوک، وروحک مثل روحه. (بغوی، شرح السنہ، کتاب النکاح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا غلام اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا، "اے عبد اللہ! اسے بھی سوار کرو۔ یہ تمہارا بھائی ہی ہے۔ تمہارے اندر جو روح ہے وہ بھی اسی کی روح کی طرح ہی ہے۔"

آزادی غلام کی شرعی حیثیت کا بیان

آزاد کرنے کی چار قسمیں ہیں : واجب، مندوب، مباح، کفر،

غلام کی آزادی کے وجوب کا بیان

قتل و ظہار و قسم اور روزہ توڑنے کے کفارے میں آزاد کرنا واجب ہے، مگر قسم میں اختیار ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکین کو کھانا کھائے یا کپڑے پہنائے، یہ نہ کر سکے تو تین روزے رکھے۔ باقی تین میں اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو یہی متعین ہے۔

غلام کی آزادی میں استحباب کا بیان

مندوب وہ ہے کہ اللہ (عزوجل) کے لیے آزاد کرے اور اس وقت کہ جانب شرع (2) سے اس پر یہ ضروری نہ ہو۔

غلام کی آزادی میں اباحت کا بیان

جب کسی شخص نے بغیر کسی قسم کی نیت کرتے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ مباح ہے۔ اور اس کی شرعی حیثیت کو مباح کہتے ہیں یا اس کو غلام کی آزادی کو اباحت سے تعبیر کرتے ہیں۔

غلام کی آزادی کے کفر ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے بتوں یا شیطان کے نام پر آزاد کیا کہ غلام اب بھی آزاد ہو جائے گا، مگر اس کا یہ فعل کفر ہوا۔ کہ ان کے نام پر آزاد کرنا دلیل تعظیم ہے اور ان کی تعظیم کفر ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب العقاق)

غلام باندی کے اعتاق میں الفاظ کی صراحت کا بیان

(وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَوْ أَمَتِهِ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ مُعْتَقٌّ أَوْ عَتِيقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْ قَدْ حَرَّرْتُكَ أَوْ قَدْ أَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى بِهِ الْعِتْقَ أَوْ لَمْ يَنْوَ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحَةً فِيهِ.

لِأَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيهِ شَرْعًا وَعَرَفًا فَأَعْنَى ذَلِكَ عَنِ النَّيَّةِ وَالْوَضْعِ، وَإِنْ كَانَ فِي الْإِخْبَارِ فَقَدْ جُعِلَ إِنْشَاءً فِي التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْبَيْعِ وَغَيْرِهِمَا (وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْإِخْبَارَ الْبَاطِلَ أَوْ أَنَّهُ حُرٌّ مِنْ الْعَمَلِ صَدَقَ دِيَانَةً) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ (وَلَا يَدِينُ قَضَاءً) لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ (وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا حُرُّ يَا عَتِيقُ يُعْتَقُ) لِأَنَّهُ نِدَاءٌ بِمَا هُوَ صَرِيحٌ فِي الْعِتْقِ وَهُوَ لَا سِتْخَضَارِ الْمُنَادَى بِالْوَصْفِ الْمَذْكُورِ هَذَا هُوَ حَقِيقَتُهُ فَيَقْتَضِي تَحَقُّقَ الْوَصْفِ فِيهِ وَأَنَّهُ يُبَيَّنُّ مِنْ جِهَتِهِ فَيَقْتَضِي بِشُبُوهِ تَصَدِيقًا لَهُ فِيمَا أَخْبَرَ، وَسَقَرُّهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا إِذَا سَمَاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَا حُرُّ لِأَنَّ مُرَادَهُ الْإِعْلَامَ بِاسْمِ عِلْمِهِ وَهُوَ مَا لَقَّبَهُ بِهِ. وَلَوْ نَادَاهُ بِالْعَارِيسَةِ يَا أَرَادَ وَقَدْ لَقَّبَهُ بِالْحُرِّ قَالُوا يُعْتَقُ، وَكَذَا عَكْسُهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنِدَاءٍ بِاسْمِ عِلْمِهِ فَيُعْتَبَرُ إِنْجَارًا عَنْ الْوَصْفِ.

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا متق ہے یا عتق ہے یا مہر ہے یا میں نے تجھے محرر کر دیا یا میں نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اگرچہ آقا نے ان کے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس لئے کہ یہ الفاظ اعتاق کیلئے مرتب ہیں۔ کیونکہ باعتبار عرف و شرع دونوں میں ان الفاظ استعمال اعتاق کیلئے ہے۔ لہذا یہ نیت سے مستغنی ہو گئے۔ اور ان الفاظ کی وضع اگرچہ اخبار کیلئے ہے مگر ضرورت کی وجہ سے ان کو تصرفات شرعیہ کیلئے نہیں انشاء کیلئے اختیار کر لیا گیا ہے جس طرح طلاق اور

نتیجہ میں ہے۔

اور جب آقا نے اپنے مملوک سے کہا اسے آزاد، اسے عقیق، تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ پکارنا غلط صریح کے ساتھ ہے اور نہ اس کا پکارنا منادی کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور حقیقی طور پر منادی کا مقصد یہی ہے۔ لہذا یہ مذکورہ وصف کے ثابت ہونے کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور یہ وصف مندی کی طرف سے ثابت ہو گیا۔ اسی وجہ سے آقا کی دی ہوئی خبر کی تصدیق ثبوت وصف کیلئے تقاضہ کرتی ہے۔ اور ہم ان شاء اللہ بعد میں اس کو ذکر کریں گے۔ البتہ جب آقا نے غلام کا نام حر رکھ دیا اور اس کے اس نے اس پکارا، اے حر، اور یہاں آقا کا مقصد غلام کو اس کے نام سے اطلاع کرنا ہے۔ یعنی اس نام سے جو اس نے رکھا ہو ہے۔ اور جب کسی آقا نے داری میں اے آزاد کہہ کر پکارا جبکہ اس نے اس غلام کا نام حر رکھ ہوا ہو تو اس بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب اس کا کس ہو کیونکہ یہاں اس نام سے پکارنا نہیں ہے۔ جس کی خبر کا اعتبار کیا جائے گا جو وصف سے ہو۔

شرح

محدث دین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے مالک نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس کے مثل و روئی غلط جس سے آزادی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ذی رحم محرم اس کا مالک ہو جائے تو ملک میں آنے ہی آزاد ہو جائے گا۔ سوم یہ کہ حربی کافر مسلمان غلام کو دارالاسلام سے خرید کر دارالحرب میں لے گیا تو وہاں پہنچتے ہی آزاد ہو گیا۔ طلاق کی طرح اس میں بھی بعض افاظ صریح ہیں بعض سنائیہ۔ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائیگا۔ صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو آزاد ہے۔ خر ہے۔ اے آزاد۔ اے خر۔ میں نے تجھے کو آزاد کیا، ہاں اگر اس کا نام ہی آزاد ہے اور اے آزاد کہا یا نام خر ہے اور اے خر کہہ کر پکارا تو آزاد نہ ہوا اور اگر نام آزاد ہے اور اے خر کہہ کر پکارا یا نام خر ہے اور اے آزاد کہہ کر پکارا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہ افاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں۔ نیت کی ضرورت نہیں، میں نے تجھے تجھے پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو بہہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچے ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔ (در مختار، کتاب العتاق)

صریح محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن سے یہ قاعدہ فقہیہ اخذ ہوتا ہے کہ جہاں کلام میں صراحت مذکور ہو تو اس وقت کسی قسم کی نیت یا دلالت کی محتاجی نہیں ہوتی کیونکہ صراحت میں خود اس قدر قوت ہے کہ وہ دلالت و نیت سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ

لا عبرة لدلالة في مقابلة التصريح . (الاشباه)

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں صراحت پائی جا رہی ہو اور مخاطب من کل الوجوہ ادا رک کر رہا ہو تو ایسی صورت میں کسی بھی دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مشرکین کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تعمیر کریں حالانکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ ۱۷)

اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے، مسجد کو بنانے، اس کے مصالح کا انتظام کرنے اور ان کا نگران بننے سے روک دیا جائے کیونکہ غلط تعمیران دونوں کو شامل ہے۔ (احکام اقرآن ج ۳ ص ۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی، ہور)

اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ مسجد کی تعمیر و ترقی کیلئے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں اگرچہ دلالت کا تقاضہ مفاد ہے جیسا کہ مفتی شفیع دیوبندی اور بدعتیہ لوگوں نے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز قرار دیا ہے۔

اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی:

اگر کسی شخص نے گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا اور وہ وکیل بنانے والے مسافر ہے اور راستے پر ٹھہرا ہوا ہے تو وکیل کیلئے یہ حکم ہو گا کہ وہ کچا ہوا گوشت لیکر آئے کیونکہ اس کے حال کی دلالت یہی ہے کہ وہ سفر میں ہے اور اگر وہ شخص مقیم ہے تو پھر گوشت خریدنے کیلئے اس نے جو وکیل بنایا ہے وہ کچا گوشت خرید کر لائے اور ان دونوں صورتوں میں عدم صراحت کی وجہ سے حکم دامت کے مطابق ہوگا۔ (اصول شاشی)

غلام کے اعضاء کو پکار کر آزاد کرنے کا بیان

(وَكَذَا لَوْ قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبُكَ أَوْ بَدَنُكَ أَوْ قَالَ لَا مَتِّهِ فَرَجُكَ حُرٌّ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ وَقَدْ مَرَّ فِي الطَّلَاقِ، وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ شَائِعٍ يَقَعُ فِي ذَلِكَ الْجُزْءِ، وَسَيَأْتِيكَ الْاِخْتِلَافُ فِيهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرُّجْلِ لَا يَقَعُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالْكَلَامُ فِيهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ

اور اسی طرح جب کسی آقا نے کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیرا چہرہ آزاد ہے یا تیری گردن آزاد ہے یا تیرا بدن آزاد ہے یا اپنی ہڈی سے کہا کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ ان الفاظ سے مکمل بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا بیان کتاب طلاق میں بیان

ہو چکا ہے۔ اور جب کسی آقا نے کسی جزو شائع کی طرف آزادی کی نسبت کی تو جزو شائع میں آزادی واقع ہو جائے گی۔ اور اس بارے میں بیان شدہ اختلاف ان شاء اللہ عنقریب آپ کیلئے بیان کر دیا جائے گا۔

اور جب آقا نے اعتاق کو نسبت کسی ایسے معین جسے کی طرف جس سے پورے جسم کو تعبیر نہیں کیا جاتا جس طرح ہاتھ اور پاؤں ہیں تو ہمارے نزدیک آزادی واقع نہ ہوگی۔ جبکہ اس میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے اور اس کی بحث وہی ہے جو کتاب طلاق میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور طلاق کی بحث کو ہم بین کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے تجھے تیرے ہاتھ اتنے و بیچا تو اب قبول کی ضرورت ہوگی اگر قبول کریگا تو آزاد ہوگا اور اتنے دینے پڑیں گے۔ آزادی کو کسی ایسے جزو کی طرف منسوب کیا جو پورے سے تعبیر ہے مثلاً تیرا سر۔ تیری گردن۔ تیری زبان آزاد ہے تو آزاد ہو گیا اور اگر ہاتھ یا پاؤں کو آزاد کہا تو آزاد نہ ہوا اور اگر تہائی، چوتھائی، نصف وغیرہ کو آزاد کیا تو آزاد ہو گیا اگر غلام کو کہا یہ میرا بیٹا ہے یا لونڈی کو کہا یہ میری بیٹی ہے اگر چہ عمر میں زیادہ ہوں یا غلام کو کہا یہ میرا باپ یا دادا ہے یا لونڈی کو کہا کہ یہ میری ماں ہے اگر چہ ان کی عمر اتنی نہ ہو کہ باپ یا دادا یا ماں ہونے کے قابل ہوں تو ان سب صورتوں میں آزاد ہیں اگر چہ اس نیت سے نہ کہا ہو۔ اور اگر کہا اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی، اے میری بہن، اے میرے باپ تو بغیر نیت آزاد نہیں۔ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو میری ملک نہیں۔ تجھ پر مجھے راہ نہیں۔ تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔ اگر کہا تو آزادی کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ (در مختار، کتاب عتاق)

آقا کے عدم ملکیت اظہار کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَرَادَ لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ لِأَنِّي بَعْتُكَ، وَيَحْتَمِلُ لِأَنِّي أَغْتَفْتُكَ فَلَا يَتَعَيَّنُ أَحَدُهُمَا مُرَادًا إِلَّا بِالْبَيِّنَةِ قَالَ (وَكَذَا كِنَايَاتُ الْعَتَقِ) وَذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ خَرَجْتَ مِنْ مِلْكِي وَلَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ وَلَا رِقَ لِي عَلَيْكَ وَقَدْ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيلِ وَالْخُرُوجَ عَنِ الْمِلْكِ وَتَخْلِيَةَ السَّبِيلِ بِالْبَيْعِ أَوْ الْكِتَابَةِ كَمَا يَحْتَمِلُ بِالْعَتَقِ فَلَا بُدَّ مِنَ السَّيِّئَةِ، وَكَذَا قَوْلُهُ لَا مَتِّهِ قَدْ أَطْلَقْتَكَ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ خَلَيْتُ سَبِيلَكَ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ طَلَّقْتَكَ عَلَى مَا بَيَّنُّ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (وَلَوْ قَالَ لَا سُلْطَانُ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى الْعَتَقَ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْبَيْدِ، وَسَمَّى السُّلْطَانَ بِهِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ يَتَّقَى الْمَلِكُ دُونَ الْبَيْدِ كَمَا فِي الْمَكَاتِبِ، بِخِلَافِ

قَوْلُهُ: لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ لِأَنَّهُ نَفْيٌ مُطْلَقًا بِاتِّفَاعِ الْمَلِكِ لِأَنَّ لِلْمَوْلَى عَلَى الْمَكَاتِبِ سَبِيلًا فَلِهَذَا يَحْتَمِلُ الْعَتَقُ.

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں ہے اور اس سے آقا نے آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر آقا نے آزادی کی نیت نہ کی تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے اور وہ احتمال یہ ہے کہ آقا کا مطلب یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں ہے کیونکہ میں نے تجھے بیچ ڈال اور یہ بھی احتمال ہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے۔ پس یہاں نیت کے بغیر کسی حکم کا معین نہیں کیا جاسکتا۔

فرمایا اور عتق کے کنایات کا بھی یہی حکم ہے جس طرح کسی آقا نے کہا "خَرَجْتَ مِنْ مِلْكِي" تو میری ملکیت سے نکل گئی۔ تجھ پر میری طرف کوئی راہ نہیں ہے، میرے لئے تجھ پر کوئی رقت نہیں ہے، میرے لئے تیرا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یہ بیچ اور کتابت کے واسطے سے بھی ملکیت کی راہ نفی کرنے اور نکلنے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ جس طرح یہ عتق کے ذریعے احتمال رکھتے ہیں۔ پس نیت میں لازم ہوگئی اور اسی طرح کسی آقا نے اپنی باندی سے کہا "قَدْ أَطْلَقْتُكَ" کیونکہ اس کا یہ قول "خَلَيْتُ سَبِيلَكَ" کے قائم مقام ہے اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ البتہ جب اس نے "کھا ہے جس کو ہم ان شاء اللہ بعد میں بیان کریں گے۔

اور جب آقا نے کہا کہ تجھ پر میری کوئی بادشاہت نہیں ہے اور اس نے آزادی کی نیت بھی کی تب بھی غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ بادشاہت سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کا نام اسی وجہ سے بادشاہ رکھا گیا ہے کہ سلطنت پر اس کا قبضہ ہوتا ہے۔ جبکہ کبھی کبھی ملکیت بتائی رہتی ہے مگر قبضہ نہیں ہوتا جس طرح مکاتبت میں ہے۔ بخلاف اس آقا کے جس نے کہا "لَا سَبِيلَ لِي عَلَيْكَ" کیونکہ مطلق طور پر سبیل کی نفی کرنا ملکیت کی نفی کرتا ہے۔ جبکہ مکاتبت پر آقا کو سبیل رہتی ہے اسی سبب کے پیش نظر وہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

غلام کی آزادی میں صریح الفاظ کا فقہی بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائیگا۔ میں نے تجھے تجھ پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو بہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔

جبکہ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو میری ملک نہیں۔ تجھ پر مجھے راہ نہیں۔ تو میری ملک سے نکل گیا ان میں بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔ اگر کہا تو آزادی کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ (در مختار، کتاب العتق، ج ۵، ۵۹۲، بیروت)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے قاعدہ فقہیہ

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (الاشباہ)

جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر اس پر چار گواہ کیوں نہیں لاتے، ان کو ۸۰ کوڑے

مارو۔ (النور)

اس آیت میں حد زنا کا نصاب بیان کیا گیا ہے لہذا استدلال کا تقاضہ یہ ہے کہ چار مرد جو شرعاً گواہی کے قابل ہوں، ان کا گواہی دینا ضروری ہے لیکن اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی گواہی زمان و مکان یا کیفیت میں مختلف ہوگئی تو یہ اس استدلال میں احتمال ہوگا اور اس طرح حد نافذ نہ ہوگی، بلکہ کسی ایک کے احتمال کی وجہ سے گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔

حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر دوسرے نے آکر شہادت دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، پھر تیسرے نے آکر شہادت دی، یہ گواہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت گراں گزری، پھر چوتھا شخص ہاتھ آگے پیچھے کرتا ہوا آیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے چیخ مار کر کہا اے جھسانے والی آگ! تیرے پاس کیا ہے۔ حضرت ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ وہ اتنے زور کی چیخ تھی کہ میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! میں نے ایک برکام دیکھا ہے (یعنی چوتھے گواہ نے زنا کی شہادت کو صراحت کے ساتھ بیان نہ کیا) تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ محمد ﷺ کے اصحاب کو شیطان برے راستہ پر چلانے میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر آپ نے ان تینوں کو حد قذف لگائی۔ (المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۱۷۶، دار الفکر بیروت)

۱۔ حد سرقہ کا نصاب:

چوری کی حد کا نصاب برطابق مسلک احناف دس درہم ہے اگر نصاب سے کم قیمت کی چوری ہوئی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی، کیونکہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت قاسم بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا اس کی قیمت لگاؤ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسکی آٹھ درہم قیمت لگائی تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (المصنف از عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۲۳، مکتب اسلامی بیروت)

۲۔ حد قذف:

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اپنی باندی بہہ کر دی وہ اس کے ساتھ ایک سفر میں گیا اس سے

جماع کیا اور وہ حاملہ ہوگئی اور اسکی بیوی کو بھی اس کے حمل کی اطلاع پہنچ گئی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور کہا میں نے اپنے خاوند کے ساتھ ایک باندی خدمت اور کام کاج کیلئے بھیجی تھی اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ جب وہ شخص آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بوایا اور فرمایا۔ تم نے فلاں لونڈی کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس کو حاملہ کر دیا۔ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تم نے اس کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا۔ کیا تمہاری بیوی نے اس کو بہہ کر دیا تھا اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا تم اس بہہ پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو اس پر جرم کر دوں گا پھر اس عورت کو بتایا گیا کہ اس کا خاوند جرم کر دیا جائے گا تو اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اقرار کر لیا کہ اس نے وہ باندی خاوند کو بہہ کر دی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر حد قذف لگا دی۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ)

غلام کو اپنا بیٹا قرار دینے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا ابْنِي وَثَبْتُ عَلَى ذَلِكَ عَتَقَ) وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا كَانَ يُؤَلِّدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ ، فَإِنْ كَانَ لَا يُؤَلِّدُ مِثْلَهُ لِمِثْلِهِ ذَكَرَهُ بَعْدَ هَذَا ؛ ثُمَّ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّ وَلَايَةَ الدَّعْوَةِ بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ إِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ، وَإِذَا ثَبَتَ عَتَقَ لِأَنَّهُ يَسْتَبْدُ النَّسَبَ إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ ، وَإِنْ كَانَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِتَعَذُّرِ وَيَعْتَقُ إِعْمَالًا لِلْفِطْرِ فِي مَجَازِهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ إِعْمَالِهِ بِحَقِيقَتِهِ ، وَوَجْهُ الْمَجَازِ نَذْرُهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

اور جب آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور اسی پر پکا ہو گیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور مسئلہ کا یہ حکم اس وقت ہے جب کسی اس جیسے شخص سے اس قسم کو بچہ پیدا ہو سکتا ہو۔ اور اگر اس کہنے والے سے اس قسم کا بچہ پیدا ہی نہ ہو سکتا تو پھر یہ بعد کی بات ہے۔ اور پھر غلام کو نسب معروف نہ ہو تو اس کا نسب اسی شخص سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ دعویٰ نسب کی ولایت ملکیت کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے جبکہ غلام کو نسب کی ضرورت بھی ہے پس آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب نسب ثابت ہو گیا تو غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب نطفہ قرار پانے والے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جب غلام کا نسب معروف ہو تو آقا کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اب وہ محذور ہے جبکہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کسی لفظ کے حقیقی معنی پر عمل مشکل ہو جائے تو اس کے مجازی معنی پر عمل کیا جاتا ہے اور اس مجازی دلیل ہم ان شاء اللہ بعد میں ذکر کر دیں گے۔

قاعدہ، حقیقت و مجاز کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جائے گا

اگر کسی لفظ کے حقیقی معنی کا اعتبار کیا جائے گا تو مجازی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اور اگر کسی لفظ کے مجازی معنی کا اعتبار کیا جائے گا تو حقیقی معنی کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں کا اجتماع محال عقلی و شرعی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ ایک صاع کو دو صاع کے عوض فروخت کرنے کی ممانعت ہے اس مقام پر صاع کا حقیقی معنی مراد نہیں ہوگا کیونکہ صاع کئی قسم کے ہوتے ہیں اگر کسی نے لکڑی کے صاع کی خرید و فروخت کی تو یہ جائز ہے یہاں پر اس حدیث کا مطلب یہ ہے "جمع ما یحل فیہ" یعنی جو کچھ صاع میں ہے اس کی خرید و فروخت منع ہے کیونکہ اگر ایک صاع کچھ روپوں کی بیع دو صاع کچھ روپوں سے کی جائے تو زیادتی ہوگی جو کہ سود ہے۔ اور سود حرام ہے۔ اور اگر یہاں صاع کا حقیقی معنی مراد لیا جائے کہ نفس صاع کی خرید و فروخت بھی منع ہے تو اس طرح حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ اس قاعدے کے مطابق محال ہے۔ (نور الانوار)

انتباہ:

عبادت کسی قدر بلند مرتبہ اعمال ہیں کہ بندے کو ابدی بھلائیوں کی طرف منتقل کر دیتی ہیں۔ یہی فرق ہے کہ اخروی بھلائیاں ہمیشہ رہنے والی ہیں جبکہ دنیوی تمام اعمال کا تعلق محض عارضہ کے ساتھ ہے جس کے انقضاء میں کچھ بھی تاخیر نہیں۔

قاعدہ: کلام میں اصل میں حقیقت ہے۔ (الاشباہ)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا واللہ لا یشاکل من ہذہ الشاة کہ بخدا وہ یہ بکری نہیں کھائے گا۔ تو اس کا اطلاق اس بکری کے گوشت پر ہوگا اگر اس نے بکری کا گوشت کھایا تو وہ حادث ہو جائے گا اور اگر اس نے بکری کا دودھ استعمال کیا تو وہ حادث نہ ہوگا کیونکہ یہاں بکری کا گوشت ہی حقیقت میں بکری کھانے سے مراد لیا جائے گا۔

معنی مجازی کے سقوط کے بیان میں قاعدہ فقہیہ

جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز پر عمل کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ (نور الانوار)

یہ قاعدہ کلیہ ہے اس سے کثیر مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ رشاد فرماتا ہے۔

لَا یُواخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ و لٰکِنْ یُّوَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْاَیْمَانَ .

(المائدہ ۸۹)

ترجمہ اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔ (المائدہ ۸۹)

اس آیت سے فقہاء احناف استدلال فرماتے ہیں کہ قسم کو کفارہ صرف یحیٰ بن منقذہ کے ٹوٹنے پر ہے کیونکہ اس آیت میں لفظ عقد استعمال ہوا ہے۔ جس سے منعقد اور منعقدہ بنا ہے اور یہی اس کا حقیقی معنی ہے کہ انقاض منعقدہ پر گرفت ہوگی یعنی کفارہ ہوگا اور دوسری قسمیں اس سے مجاز ہیں اور قانون یہ ہے کہ جب تک حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن ہو مجازی معنی ساقط ہو جاتا ہے لہذا دوسری قسموں پر کفارہ نہ ہوگا جیسا کہ اس کی تائید خود دوسری نص سے ہو رہی ہے۔

لَا یُواخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ . (المائدہ ۸۹)

یحیٰ بن منقذہ اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ مجاز تو حقیقت سے مستعار ہوتا ہے معنی ادھر لیا گیا ہوتا ہے اور کوئی بھی مستعار اپنی اصل کے مقابلے میں نہیں آسکتا اور نہ ہی مستعار کو اصل کے ہوتے ہوئے قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یحیٰ بن منقذہ پر کفارہ حقیقی معنی کی وجہ سے ہوگا اور دوسری دونوں قسموں یحیٰ بن منقذہ پر کفارہ نہ ہوگا کہ یہاں مجاز قابل اعتبار نہیں آتا کا غلام کو آقا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ هَذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ) . أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ اسْمَ الْمَوْلَى وَإِنْ كَانَ يَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ النِّعَمِ وَالْمَوْلَاةُ فِي الدِّينِ وَالْأَعْلَى وَالْأَسْفَلِ فِي الْعَتَاقَةِ إِلَّا أَنَّهُ تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ فَصَارَ كَمَا سَمَّيْنَا خَاصًّا لَهُ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَسْتَنْصِرُ بِمَمْلُوكِهِ عَادَةً وَلِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوفٌ فَانْتَفَى الْأَوَّلُ . وَالثَّانِي وَالثَّالِثُ نَوْعٌ مَّجَازٍ ، وَالْكَلَامُ لِلْحَقِيقَةِ وَالْإِضَافَةِ إِلَى الْعَبْدِ نَسَبًا فِي كَوْنِهِ مُعْتَقًا فَتَعَيَّنَ الْمَوْلَى الْأَسْفَلُ فَالتَّحَقَّقَ بِالصَّرِيحِ ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ : هَذِهِ مَوْلَايَ لِمَا بَيَّنَّا ، وَلَوْ قَالَ : عَتَيْتُ بِهِ الْمَوْلَى فِي الدِّينِ أَوْ الْكُذْبَ يُصَدِّقُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا يُصَدِّقُ فِي الْقَضَاءِ لِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرِ ، وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّهُ لَمَّا تَعَيَّنَ الْأَسْفَلُ مُرَادًا التَّحَقُّقَ بِالصَّرِيحِ وَبِالنَّدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِيحِ يُعْتَقُ بِأَنِّ قَالَ : يَا حُرَّ يَا عَتَيْتُ فَكَذَا النَّدَاءُ بِهَذَا اللَّفْظِ . وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُعْتَقُ فِي الثَّانِي لِأَنَّهُ يَفْصِدُ بِهِ الْإِكْرَامَ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَا سَيِّدِي يَا مَالِكِي . قُلْنَا : الْكَلَامُ لِلْحَقِيقَةِ وَقَدْ أُمِّكِنَ الْعَمَلُ بِهِ ، بِخِلَافِ مَا ذَكَرَهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ مَا يَخْتَصُّ بِالْعَتَقِ فَكَانَ إِكْرَامًا مَحْضًا .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا آقا ہے یا کہا یہ اے میرے آقا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ آقا کا لفظ مددگار، پیچازاد بھائی، دینی معاملات، اعلیٰ اعتاق، اور اسل وغیرہ سب کو شامل ہے مگر یہاں اسل کا تعین

ہے پس وہ س کیسے اسم خاص ہو گیا ہے۔ اور س کی دلیل یہ ہے کہ آقا عام طور پر اپنے غلام سے مد نہیں مانگتا اور پھر غلام کو نسب بھی معروف ہے لہذا یہاں پسند اور دوسرا معنی ختم ہو گیا اور تیسرے معنی میں ایک طرح کی زبہ ہے۔ جبکہ کلام میں اصل معنی حقیقی ہے اور جب غلام کی اضافت اس کے معنی ہونے منافی ہے۔ لہذا یہاں آقا اسل کیلئے متعین ہو گیا اور یہ صریح کے ساتھ منہ وارا ہو گیا۔ اور اسی طرح جب آقا نے اپنی باندی سے کہا کہ یہ میری آقا ہے اس کی دلیل بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جب آقا نے کہا کہ میں نے اسی دینی مولا ت مراد لئے تھے یا جھوٹ مراد لی تھا تو اس کے درمیان در اللہ تعالیٰ کے درمیان اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ البتہ فیصلے کے طور پر س کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے اور البتہ دوسری صورت جس میں اسل متعین ہو گیا تو یہ بھی صریح کے ساتھ منہ والا ہے۔ اور غلام آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ جب آقا کہے آزاد اے عقیق، پس اس لفظ کے پکارنے سے بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ س کے قول یا سیدی، یا مکی کہنے سے احترام مراد ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ کلام حقیقی معنی کیلئے ہوتا ہے۔ اور حقیقی معنی پر عمل کرنا بھی ممکن ہے۔ جبکہ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی ایسا کلام ہی نہیں ہے جو آزادی کے ساتھ خاص ہو پس وہ عزت کے پیش نظر ہوگا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لَا يَقُولُ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمُ رَبَّنَا وَصَدْرَ رَبَّنَا وَلَيَقُولَنَّ: سَيِّدِي مَوْلَايَ، وَلَا يَقُولُ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي أَمْتِي، وَلَيَقُولَنَّ: فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلَامِي) البخاری، المفتح، باب كراهية التطاول على الرقيق، ج 2552: صحيح مسلم، الا لفاظ من الادب و غيرها، باب حكم اطلاق لفظ العبد والامة والمولى والسيد، ج (2249):

کوئی شخص یوں نہ کہے، اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا آقا اور میرا مولا۔ اور کوئی یوں نہ کہے، میرا بندہ اور میری بندہ، بلکہ یوں کہنا چاہیے میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا رب اور ان پر تصرف کرنے والا ہے۔ لوگ اسے تسلیم کریں یا نہ کریں، درحقیقت سب اسی کے بندے ہیں۔ اس لیے غلام اور لونڈی کو اپنا بندہ یا اپنی بندہ کہنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح بندگی کی نسبت اپنی طرف ہو جاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ادب اور تعظیم ربوبیت کے منافی ہے، اس لیے اکثر اہل علم کا قول ہے کہ میرا بندہ اور میری بندہ وغیرہ الفاظ جائز نہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے ایسے الفاظ کو محض مکروہ لکھا ہے۔

اس حدیث میں جو ممانعت بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا یہ مذکورہ کلمات کہنا حرام ہیں یا مکروہ؟ کیونکہ دراصل ان کا تعلق، ادب سے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی کو عبدی (میرا بندہ) امتی (میری بندہ) یا اطعمہ (اپنے رب کو کھانا کھلا) کہنا جائز نہیں۔ البتہ لفظ رب کی نسبت و اضافت، بے جان چیز کی طرف کی جاسکتی ہے جیسے رَبَّنَا

اللہ (گھر کا مالک) ہے کیونکہ اس استعمال میں عبودیت کا تصور ہی نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ آقا کو سید اور مولیٰ کہنا چاہیے کیونکہ اضافت اور نسبت کے ساتھ لفظ سید کسی انسان کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ لفظ السید اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور مخلوق کے لیے بھی بولا جاتا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم وہی ہوگا جو اس کے شایان شان ہے اور مخلوق کے لیے وہ جو اس کی قدرت و طاقت کے مطابق ہے۔ اسی طرح لفظ مولیٰ کے بھی کئی معانی ہیں۔ اور لفظ السید کی طرح لفظ مولیٰ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہ لفظ کسی انسان کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے بولے جانے میں اور مخلوق کے لیے بولائے جانے میں بہت فرق ہے۔ مخلوق کے لیے اس کا استعمال، محدود اور اس کی قدرت اور مقام کے لحاظ سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا مفہوم اس کی عظیم بادشاہت اور سلطنت کے مطابق ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ کراہت تنزیہی مراد ہے۔ کیوں کہ غلام سے اپنے کو اعلیٰ سمجھنا ایک طرح کا تکبر ہے۔ غلام بھی ہماری طرح خدا کا بندہ ہے۔ آدمی اپنے تئیں جانور سے بھی بدتر سمجھے غلام تو آدمی ہے اور ہماری طرح آدم کی اولاد ہے اور غلام لونڈی اس وجہ سے کہن مکروہ ہے کہ کوئی اس سے حقیقی معنی نہ سمجھے۔ کیوں کہ حقیقی بندگی تو سوائے خدا کے اور کسی کے لیے نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے آیات قرآنی نقل کی ہیں جن سے لفظ غلام، لونڈی اور سید کے الفاظ استعمال کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ یہ سب مجازی معانی میں ہیں۔ لفظ عبد، مملوک اور سید آیات قرآنی واحدیث نبوی میں ملتے ہیں جیسا کہ یہاں منقول ہیں۔ ان سے ان الفاظ کا مجازی معانی میں استعمال ثابت ہوا۔ قال ابن بطلال جاز ان يقول الرجل عبدی او امتی بقوله تعالیٰ و الصالحین من عبادکم و امتکم انما نہی عنہ علی سبیل الغلظة لا علی سبیل التحريم و کرہ ذلك لاشتراك اللفظ اذ يقال عبد الله و امة الله فعلى هذا لا ينبغي التسمية بنحو عبد الرسول و عبد النبي و نحو ذلك مما يضاف العبد فيه الى غير الله تعالیٰ (حاشیہ بخاری شریف)

وقوله عبدی، او امتی. وقال الله تعالیٰ (و الصالحین من عبادکم و امانکم) وقال (عبدًا مملوکًا) (والنبا سیدھا لدی الباب) وقال (من فیتاتکم المؤمنات) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "قوموا الی سیدکم." و (اذ کونی عند ربک) سیدک "و من سیدکم."

اور سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور تمہارے غلاموں اور تمہاری باندیوں میں جو نیک بخت ہیں اور (سورہ نحل میں فرمایا) مملوک غلام نیز (سورہ یوسف میں فرمایا) اور دونوں (حضرت یوسف اور زلیخا) نے اپنے آقا (عزیز مصر) کو دروازے پر پایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سوہنساء میں (فرمایا تمہاری مسلمان باندیوں میں سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے سردار کے لینے کے لیے انھو (سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے) اور اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں فرمایا (یوسف نے اپنے

جیل خانہ کے ساتھی سے کہا تھا کہ) اپنے سردار (حاکم) کے یہاں میرا ذکر کر دینا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بوسل سے دریافت فرمایا تھا کہ) تمہارا سردار کون ہے؟

آقا کا غلام کو بھائی یا بیٹا کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ يَا ابْنِي أَوْ يَا أَخِي لَمْ يَغْنَقْ) لِأَنَّ السَّدَاءَ لِلْبَغْلَامِ الْمُنَادَى إِلَّا أَنَّهُ إِذَا كَانَ بِوَصْفٍ يُمَكِّنُ إِبْنَانَهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِتَحْقِيقِ ذَلِكَ الْوَصْفِ فِي الْمُنَادَى اسْتِحْضَارًا لَهُ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوصِ كَمَا فِي قَوْلِهِ يَا خُرُّ عَلَى مَا بَيَّأَهُ، وَإِذَا كَانَ النَّدَاءُ بِوَصْفٍ لَا يُمَكِّنُ إِبْنَانَهُ مِنْ جِهَتِهِ كَانَ لِلْبَغْلَامِ الْمُحَرَّدِ دُونَ تَحْقِيقِ الْوَصْفِ فِيهِ لِنَعْدَرِهِ وَالْبُؤُوءَ لَا يُمَكِّنُ إِبْنَانَهَا حَالَةَ السَّدَاءِ مِنْ جِهَتِهِ لِأَنَّهُ لَوْ انْخَلَقَ مِنْ مَاءٍ غَيْرِهِ لَا يَكُونُ ابْنًا لَهُ بِهَذَا النَّدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْإِبْلَامِ.

وَيُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ شَاذًا أَنَّهُ يُغْنَقُ فِيهِمَا وَالْإِعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ. وَلَوْ قَالَ يَا ابْنُ لَا يُغْنَقُ لِأَنَّ الْأَمْرَ كَمَا أَخْبَرَ فَإِنَّهُ ابْنُ أَبِيهِ، وَكَذَا إِذَا قَالَ يَا بَنِي أَوْ يَا بَنِيَّةَ لِأَنَّهُ تَصْغِيرُ الْإِنْسِ وَالْإِنْسِ مِنْ غَيْرِ إِضَافَةٍ وَالْأَمْرُ كَمَا أَخْبَرَ.

ترجمہ

اور جب کسی قاتل نے کہا کہ اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی تو غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ منادی کو مطلع کرنے کیسے ہوتی ہے۔ مگر جس وقت وہ کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کو پکارنے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن ہو تو تب منادی میں وہ وصف ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ منادی کو اسی وصف کے ساتھ ضرور کیا جا رہا ہے جس طرح کسی قاتل نے کہا اے آزاد کہا جس کو ہم بین کر چکے ہیں اور جب منادی کسی ایسے وصف کے ساتھ ہو جس میں منادی دینے والے کی طرف ثابت کرنا ممکن نہ ہو تو یہاں پر منادی صرف اطلاع کیسے ہوگی منادی میں ثبوت وصف کیسے نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں اثبات ممکن نہیں ہے۔ جبکہ بیٹا ہونا ایک ایسا وصف ہے جس کو پکارنے وقت ثبوت منادی ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کسی دوسرے کے نطفہ پیدا ہوا ہے تو اس منادی سے وہ اس کا بیٹا نہ ہوگا۔ پس یہ منادی صرف اطلاع کیسے ہوگی۔

حضرت امام عظیم رضی اللہ عنہ سے شاذ ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دونوں صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا۔ البتہ اعتقاد ہر روایت پر ہے۔ اور جب کسی قاتل نے اپنے غلام کو بیٹا کہا تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ وہی حکم ہے جس کی اس نے خبر دی ہے۔ کیونکہ وہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے اور جب قاتل نے ”يَا بَنِي أَوْ يَا بَنِيَّةَ“ کہا کیونکہ یہاں اضافت بغیر ابن و بنت کے تصغیر

ہے اور یہ حکم خبر کے مطابق ہے۔

نداء کا فقہی مفہوم

کسی کی توجہ اپنی طرف کرنے کیسے نداء کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کیسے مخصوص حروف استعمال کیے جاتے ہیں۔ جنہیں حروف نداء کہتے ہیں اور جسکی توجہ مطلوب ہوا سے منادی کہتے ہیں۔

حروف نداء: یہ پانچ ہیں۔ یا، ایا، ہیا، ای، اور ہمزہ مفتوحہ۔

ن کا استعمال: یا، قریب و بعد اور متوسط سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ایا و ہیا: یہ صرف بعد کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ ای، ہمزہ مفتوحہ: یہ قریب کیلئے ہیں۔

منادی:

منادی ایسا اسم ہے جو حروف نداء کے بعد آتا ہے۔ اور اس سے منادی کی توجہ مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

منادی کی اقسام و اعراب منادی کی پانچ اقسام ہیں

۱۔ مفرد معرف یعنی جب منادی معرفہ ہو، مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو

تو اس صورت میں مرفوع ہوگا۔ جیسے يَا زَيْدُ۔

۲۔ نکرہ معینہ یعنی جب نکرہ معین ہو۔ تو اس صورت میں بھی مرفوع ہوگا

جیسے يَا رَجُلُ۔

۳۔ نکرہ غیر معینہ یعنی جب منادی نکرہ غیر معین ہو گا تو اس صورت میں منصوب

ہوگا۔ جیسے کسی اندھے کا کہنا يَا رَجُلًا خَذَّ بِيَدِي (اے کوئی آدمی میرا ہاتھ

پکڑ)۔

۴۔ مضاف: یعنی جب منادی مضاف ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا۔ جیسے يَا سَيِّدَ الْبَشَرِ۔

۵۔ مشابہ مضاف: یعنی وہ اسم جو مضاف تو نہ ہو لیکن مضاف کی طرح دوسرے اسم سے بے بغیر مکمل نہ ہو اور اپنے بعد میں عامل

ہو تو اس صورت میں بھی منصوب ہوگا جیسے يَا طَالِقًا جَبَلًا (اے پہاڑ پر چڑھنے والے)

حروف نداء اَدْعُوْ (فعل کے قائم مقام ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ منادی

اَدْعُوْ فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً ہمیشہ منصوب ہوتا ہے

اگرچہ بعض اوقات لفظاً مرفوع ہوتا ہے۔ جیسے **يَا زَيْدُ** یعنی **اَدْعُوْ زَيْدًا**۔

حروفِ نداء کے چند ضروری قواعد:

۱۔ اسمِ جلالیت پر حرفِ یاء داخل ہوتا ہے جیسے **يَا اَللّٰهُ**۔

۲۔ اگر منادی معرف باللام ہو تو حرفِ نداء اور منادی کے درمیان مذکر کی صورت میں آیتھا اور مؤنث کی صورت میں آیتھیا کا اضافہ کرتے ہیں۔ جیسے **يَا اَيْتْهَا الْاِنْسَانُ** اور **يَا اَيْتْهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ**۔

۳۔ مقامِ دعا میں حرفِ نداء **يَا** کو گرا کر اسمِ جلالیت کے آخر میں میم مشدد کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا**۔

۴۔ کبھی منادی کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قرینہ پایا جائے۔ جیسے **اَلَا يَا اسْحُدُوْا** یہاں لفظ **قَوْمُ** منادی محذوف ہے اور قرینہ حرفِ نداء کا فعل پر داخل ہونا ہے۔

۵۔ کبھی کبھی حرفِ نداء کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** اصل میں **يَا يُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** اور **اَلْسَلَامُ عَلَيْكَ اَيْتْهَا النَّبِيُّ** اصل میں **اَلْسَلَامُ عَلَيْكَ يَا اَيْتْهَا النَّبِيُّ** تھا۔

۶۔ اگر منادی **غُلَامٌ**، **رَبٌّ**، **اُمٌّ** وغیرہ الفاظ ہوں اور یہ بانی متکلم کی طرف مضاف بھی ہوں تو انکو چار طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں۔ **يَا غُلَامِيْ**، **يَا غُلَامِيْ**، **يَا غُلَامَ**، **يَا غُلَامًا** اور اسی طرح **يَا رَبِّيْ**، **يَا رَبِّيْ**، **يَا رَبِّ**، **يَا رَبَّا**، اسی طرح مذکورہ دیگر الفاظ بھی۔

۷۔ اگر منادی مفرد معرفہ ہو اور اس کے بعد **ابْنٌ** یا **بِنْتُ** کا لفظ آجائے تو منادی **ابْنٌ** اور **بِنْتُ** سمیت منصوب جبکہ بعد والا علم مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا۔ جیسے **يَا عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ** اور **يَا فاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ترکیب: **يَا غُلَامُ زَيْدُ**

۱۔ **يَا** حرفِ نداء قائم مقام **اَدْعُوْ** فعل کے **اَدْعُوْ** فعل اس میں **اَنَا** ضمیر فاعل، **غُلَامٌ** مضاف اور **زَيْدُ** مضاف، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر منادی قائم مقام مفعول بہ ہوا، **اَدْعُوْ** فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ندائیہ ہوا۔

ترکیب: **يَا اَيْتْهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ**

۲۔ **يَا** حرفِ ندا قائم مقام **اَدْعُوْ** فعل کے، **اَدْعُوْ** فعل اس میں **اَنَا** ضمیر اس کا فاعل، **اَيْتْهَا** مضاف **ہَا** ضمیر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر موصوف **اَلنَّبِيُّ** صفت موصوف اپنے صفت سے ملکر منادی قائم مقام مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور قائم مقام مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ **جَاهِدِ** فعل امر اس میں **اَنْتَ** ضمیر فاعل، **اَلْکُفَّارَ** اس کا مفعول، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر مقصود بالنداء ہوا۔

جب کسی نے اپنی کنیز سے کہا، اے زانیہ، اے پاگل یا کہا اس دہیات نے ایسا کیا پھر اس کنیز کو بچا خریدار نے ان عیوب میں سے کوئی عیب پایا اور اسے پتہ چل گیا کہ بائع نے کسی موقع پر ایسا کہا تھا تو وہ قول عیب کا اقرار قرار دے کر بوڈی کو واپس نہیں کر سکتا کہ وہ الفاظ ندائیں یا گالی اون سے مقصود یہ نہیں کہ وہ ایسی ہی ہے اور اگر مالک نے یہ کہا ہے کہ یہ چوٹی ہے یا زانیہ ہے یا پاگل ہے تو مشتری واپس کر سکتا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ (درر الاحکام، ج ۲، ص ۳۷۰، بیروت)

اکثر گاؤں والے یا تانگے والے جانوروں کو ایسے عیوب کے ساتھ پکارتے ہیں جن کی وجہ سے اون کو واپس کیا جا سکتا ہے وہاں بھی وہی صورت ہے کہ اگر اون الفاظ سے گالی دینا مقصود ہوتا ہے یا پکارنا مقصود ہوتا ہے تو عیب کا اقرار نہیں اور اگر خبر دینا مقصود ہوتا ہے تو اقرار ہے اور مشتری واپس کر سکتا ہے۔

کلام کے حقیقی معنی کے محال ہونے کا بیان

(وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هٰذَا اِنِّیْ عَتَقْتُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ) وَقَالَ : لَا يُعْتَقُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهُمْ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ الْحَقِیْقَةُ فَيَرُدُّ فَيُلْغُو كَقَوْلِهِ اَعْتَقْتُكَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ اَوْ قَبْلَ اَنْ تُخْلَقَ .

وَلَا اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِیْقَتِهِ لِكُنْهٖ صَحِيْحٌ بِمَحَاِزِهِ لِاَنَّهُ اِخْبَارٌ عَنْ حُرَّتِيْهِ مِنْ حِيْنَ مَلَكَهٗ ، وَهٰذَا لِاَنَّ الْبُتُوَّةَ فِي الْمَمْلُوْكِ سَبَبٌ لِحُرَّتِيْهِ ، اِمَّا اِجْمَاعًا اَوْ

صَلَّةٌ لِلْقَرَابَةِ، وَإِطْلَاقُ السَّبِّ وَإِرَادَةُ الْمُسَبِّبِ مُسْتَجَازٌ فِي اللَّغَةِ تَجَوُّزًا، وَلَآئِنْ
الْحُرِّيَّةُ مُلَازِمَةٌ لِلْبُؤُوءَةِ فِي الْمَمْلُوكِ وَالْمُشَابَهَةُ فِي وَصْفِ مَلَايِمٍ مِنْ طُرُقِ الْمَجَازِ
عَلَى مَا عُرِفَ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ تَحَرُّرًا عَنِ الْإِلْغَاءِ، بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ لَهُ
فِي الْمَسْحَارِ فَتَعَيَّرَ الْإِلْغَاءُ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ قَطَعْتُ يَدَكَ فَأَحْرَجَهُمَا
صَحِيحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُحْمَلْ مَجَازًا عَنِ الْإِقْرَارِ بِالْمَالِ وَالنِّزَامِ وَإِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبًّا
لِوُجُوبِ الْمَالِ لِأَنَّ الْقَطْعَ حَقًّا سَبَّبَ لَوْجُوبِ مَالٍ مَخْصُوصٍ وَهُوَ الْأَرْشُ، وَأَنَّهُ
يُخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوُصْفِ حَتَّى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي سَتَتَيْنِ وَلَا يُمَكِّنُ إِبْتِائَهُ
بِدُونَ الْقَطْعِ، وَمَا أُمَكِّنَ إِبْتِائَهُ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهُ، أَمَّا الْحُرِّيَّةُ فَلَا تَخْتَلِفُ ذَاتًا
وَحُكْمًا فَأُمَكِّنَ جَعْلُهُ مَجَازًا عَنْهُ.

ترجمہ

اور جب آق نے کسی ایسے غلام کو کہا اس جیسا غلام اس سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ لَا يُولَدُ مِنْهُ لِمِثْلِهِ هَذَا اِنِّي ”کہا تو حضرت
امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ آزاد ہو جائے گا جبکہ صاحبین اور ایک قول کے مطابق اس میں شفعی کے نزدیک وہ آزاد نہ ہوگا۔ ان
فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا کلام ہے جس کو حقیقی معنی پر محسوس کرنا ناممکن ہے۔ بہذا وہ غلام اور فضول ہو جائے گا جس طرح آقا کا
یہ قول ہے کہ میں نے تجھے اپنی پیدائش سے پہلے یا تیری پیدائش سے پہلے آزاد کر دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگرچہ اپنے حقیقی معنی میں ناممکن ہے لیکن اس کا استعمال مجاز میں صحیح ہے
کیونکہ اس میں آقائے مالک ہونے میں غلام کی آزادی کی خبر ہے۔ اور اس حکم و دلیل یہ ہے کہ اس کی آزادی کا سبب غلام کا بیٹا ہونا
ہے۔ یہ پھر جماع کے سبب یا قرابت کے صلہ کے سبب ہے اور یہاں سبب بول کو سبب مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ لغت عرب کے مطابق
ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ غلامی میں بیٹا ہونے کیسے آزادی ضروری ہے جبکہ لازم میں تشبیہ بنا طریق مجاز میں سے ایک اصول ہے
جس طرح معلوم ہو چکا ہے پس اس کلام کو لغت سے بچانے کیلئے مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

جبکہ اس مسئلہ کے خلاف ہے جس سے استشہاد پیش کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مجاز کا کوئی اصول نہیں ہے تو اس کا لغو ہونا وہاں
متعین ہے۔ اور جبکہ یہ اس صورت کے خلاف ہے۔ کہ جب کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ کاٹ دیا لیکن اس نے
اپنے دونوں ہاتھوں کو سلامتی کے ساتھ نکال تو اسے اقرار بہ مال اور لزوم مال سے مجاز نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ ہاتھ کا کاٹنا اگرچہ مال
مخصوص یعنی تاوان کے سبب واجب ہے۔ اور یہ ایک وصف میں مطلق مال کے خلاف ہے۔ اسی لئے عاقلہ پر مال دو سال کے
جرمانے سے واجب ہوتا ہے۔ جبکہ ہاتھ کاٹنے کے ساتھ اس کا اثبات ممکن نہیں ہے اور یہاں جس کا اثبات ممکن ہے اور کاٹنا اس کا

جب نہیں ہے۔ البتہ آزادی تو وہ ذات اور حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی۔ پس ابن سے مجازی طور پر حریت مراد لینا ممکن ہے۔
غلام کو غلام کہہ کر پکارنے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے غلام
دو ٹکڑی کرے (یوں نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی اور نہ ہی مملوک یہ کہیں کہ میرا رب یا میری ربیہ۔) لک اپنے غلام کو کہے میرے
جوان و میری لڑکی اور غلام کو چاہیے کہ کہے اے میرے سردار اور اسے میری سردارنی۔ کیونکہ تم سب مملوک ہو اور رب تو اللہ تعالیٰ
ہیں۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1567)

اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کو غلام کہہ کر پکارنے سے بھی منع کیا ہے، اس میں حقارت کا جو پہلو مضمر ہے، وہ واضح ہے۔
آپ ﷺ نے غلاموں کے لئے بڑے ہی خوب صورت القاب وضع کئے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی کہ تم میں سے
کوئی میرا غلام یا میری بندی نہ کہے اور نہ غلام میرا رب کہے۔ مالک کو میرے بیٹے، میری بیٹی کہنا چاہئے اور غلام کو چاہئے کہ میرا
سردار یا سردارنی کہے۔ کیوں کہ تم سب مملوک ہو اور رب تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔

غلامی انسان کی فطرت میں داخل نہیں، یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اسلام نے اس کی وجہ سے غلاموں کو دل برداشتہ ہونے سے
روکا ہے اور ان کے لئے حوصلہ افزا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آج کی نام نہاد و مہذب قوم غلامی کی لعنت ختم کرنے کے باوجود اپنے
تحت لوگوں کے ساتھ بڑا ہی اذیت ناک رویہ اختیار کرتی ہے اور انہیں کسی خاطر میں نہیں لاتی اور ان کے ساتھ جس زیادتی کا
مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس کے ذکر سے بھی روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب کہ اسلام اپنے غلاموں کو بھی گھر کا ایک فرد شمار کرتا
ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں غلام اپنے لئے آزادی کی بجائے غلامی کو ہی پسند کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ
آزادی کے بعد انہیں وہ حمایت نہیں مل سکے گی اور اس امتحان کی نظر سے محروم ہو جائیں گے جو انہیں غلامی کی حالت میں حاصل
ہے۔ آزادی کے بعد وہ خود مددگار ہوں گے، جب کہ غلامی کی صورت میں معاشرہ ان کا محافظ ہے۔

آقا کا اپنے غلام باندی کو ماں باپ قرار دینے کا بیان

وَلَوْ قَالَ: هَذَا أَبِي أَوْ أُمِّي وَمِثْلُهُ لَا يُولَدُ لِمِثْلِهِمَا فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ قَالَ
لَصَبِي صَغِيرٍ: هَذَا جَدِّي قِيلَ: هُوَ عَلَى الْخِلَافِ.

وَقِيلَ: لَا يُعْتَقُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ هَذَا الْكَلَامَ لَا مُوجِبَ لَهُ فِي الْمِلْكِ إِلَّا بِوَاسِطَةٍ وَهُوَ
الْأَبُ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ فِي كَلَامِهِ فَتَعَدَّرَ أَنْ يُحْمَلَ مَجَازًا عَنِ الْمَوْجِبِ. بِخِلَافِ الْبُؤُوءَةِ
وَالْبُؤُوءَةِ لِأَنَّ لَهُمَا مُوجِبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ، وَلَوْ قَالَ: هَذَا أَخِي لَا يُعْتَقُ فِي
ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُعْتَقُ. وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَا بَيَّنَّا.

وَلَوْ قَالَ لَعَبْدِهِ هَذَا ابْنِي فَقَدْ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ ، وَقِيلَ هُوَ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ الْمُشَارَ إِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْمُسَمَّى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمَّى وَهُوَ مَعْلُومٌ فَلَا يُعْتَبَرُ وَقَدْ حَقَّقَاهُ فِي النِّكَاحِ .

ترجمہ

اور جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میرا باپ ہے یا باندی سے کہا کہ یہ میری ماں ہے اور اس طرح کا غلام اس کا باپ یا اس طرح کی باندی اس کی ماں نہیں ہو سکتی تو اس مسئلے کا اختلاف بھی مذکورہ اختلاف کی طرح ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کرتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں پر بغیر کسی ذریعے کے بھی غلام میں یہ دونوں اسباب آزادی کو واجب کرنے والے ہیں اور جب آقا نے ہذا الحی کہا تو ظاہر الروایت کے مطابق غلام آزاد نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ ایک روایت کے مطابق وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور ان دونوں روایات کی دلیل ہم بیان کر چکے ہیں اور جب آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ اجماعی مسئلہ ہے کیونکہ یہاں مثلاً راہ مذکورہ کی جنس ہی نہیں ہے جبکہ حکم کا تعلق مذکور (مسی) کے ساتھ ہے اور مسی معدوم ہے لہٰذا یہ کلام غیر معتبر ہے اور کتاب نکاح میں ہم اس مسئلہ کی تحقیق بیان کرتے ہیں۔

قرائن سے استدلال مسائل کا فقہی بیان

صاحب بدایہ کی مذکورہ عبارت ”اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے سے کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو ایک قول کے مطابق یہ اختلاف شدہ قول ہے اور دوسرے قول کے مطابق وہ بہ اتفاق فقہاء آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام کی ملکیت میں اس حکم کے بغیر کسی ذریعے کے کچھ واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ اس کلام میں کوئی ذریعہ ثابت ہی نہیں ہے۔ پس اس کو مجازی طور آزادی کا موجب قرار دینا ناممکن ہے۔ جبکہ باپ ہونے یا بیٹا ہونے میں ایسا نہیں ہے۔“ سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ میں قرائن کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور خلاف قرینہ کسی دلیل کو بھی ساقط کیا جاسکتا ہے۔

باندی کو مطلقہ یا باندہ کہنے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ لَا مَتِيهَ : أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ بَائِنٌ أَوْ تَحْمَرِي وَنَوَى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ تَعْتَقِي) وَقَالَ

الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعْتَقُ إِذَا نَوَى ، وَكَذَا عَلَى هَذَا الْخِلَافِ سَائِرُ الْقَاطِ الصَّرِيحِ وَالْكِسَايَةِ عَلَى مَا قَالَ مَشَايِحُهُمْ رَحِمَهُمُ اللَّهُ لَهُ أَنَّهُ نَوَى مَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ بَيْنَ الْمَلِكَيْنِ مُوَافَقَةً إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ ، أَمَا مِلْكُ الْيَمِينِ فَظَاهِرٌ ، وَكَذَلِكَ مِلْكُ النِّكَاحِ فِي حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتَّى كَانَ التَّأْيِيدُ مِنْ شَرْطِهِ وَالتَّأْيِيدُ مُطْلَقًا لَهُ وَعَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِي إِسْقَاطِ مَا هُوَ حَقُّهُ وَهُوَ الْمِلْكُ وَلِهَذَا يَصِحُّ التَّغْلِيْقُ فِيهِ بِالشَّرْطِ ، أَمَا الْأَحْكَامُ فَضُبَّتْ سَبَبٌ سَابِقٌ وَهُوَ كَوْنُهُ مُكَلَّفًا ، وَلِهَذَا يَصْلَحُ لَفْظُهُ الْعِتْقُ وَالتَّخْرِيرُ كِنَايَةً عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذَا عَكْسُهُ .

وَلَنَا أَنَّهُ نَوَى مَا لَا يَحْتَمِلُهُ لَفْظُهُ لِأَنَّ الْإِعْتِقَاقَ لَعْنَةً إِبْثَاتُ الْقُوَّةِ وَالطَّلَاقُ رَفْعُ الْقَيْدِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْعَبْدَ الْحَقَّ بِالْجَمَادَاتِ وَبِالْإِعْتِقَاقِ يَحْيَا فَيَقْدِرُ ، وَلَا كَذَلِكَ الْمَنْكُوحَةُ فَإِنَّهَا قَادِرَةٌ إِلَّا أَنَّ قَيْدَ النِّكَاحِ مَانِعٌ وَبِالطَّلَاقِ يَرْتَفِعُ الْمَانِعُ فَتُظْهِرُ الْقُوَّةُ وَلَا خَفَاءَ أَنَّ الْأَوَّلَ أَقْوَى ، وَلَئِنْ مِلْكُ الْيَمِينِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ إِسْقَاطُهُ أَقْوَى وَاللَّفْظُ يَصْلَحُ مَجَازًا عَمَّا هُوَ دُونَ حَقِيقَتِهِ لَا عَمَّا هُوَ فَوْقَهُ ، فَلِهَذَا امْتَنَعَ فِي الْمُتَسَارِعِ فِيهِ وَانْسَاعَ فِي عَكْسِهِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی باندی سے کہا تو مطلقہ ہے یا باندہ ہے یا تو اوڑھ لے اور اس سے عتق کی نیت کی تو وہ آزاد نہیں ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں اگر آقا نے آزادی کی نیت کر لی تو وہ آزاد ہو جائے گی اور تمام الفاظ صریحہ اور کنیہ میں بھی یہی اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کی نیت کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں ملکوں کے درمیان موافقت ہے جبکہ دونوں میں سے ہر ایک کی ملک ذاتی ملک ہے۔ جبکہ ملک یمن تو وہ ظاہر ہے اور ملک نکاح بھی ملک یمن کے حکم میں ہے اسی لئے جو نکاح کی شرط ہے اور وقت متعین نکاح کے لئے مبطل ہے اور دونوں لفظوں کا عمل اس کے حق کو ساقط کرنے کے لئے ہے اور وہ ملکیت ہی اسی لئے آزادی کو شرط پر معلق کرنا درست ہے باقی احکام تو وہ سب سب سب کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور سابق کا سبب آقا کا مکلف ہونا ہے۔ اس لئے لفظ عتق اور لفظ تحریر کنا یہ عن الطلاق ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ ایسے ہی اس کا الٹ بھی درست ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آقا نے ایسا معنی مراد لیا ہے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا اس لئے کہ قوت کے ثابت ہونے کو ہی آزادی

کہتے ہیں جبکہ طلاق رفع قید کا نام ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ غلام کو جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور آزادی کی وجہ سے وہ زندہ رہ کر تصرفات پر قادر ہو جاتا ہے اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے اس لئے کہ وہ تصرف پر قادر ہوتی ہے۔ لیکن قید نکاح اس سے مانع ہے۔ اور صدق سے مانع نہیں ہو جاتا ہے اس لئے قوت نہ برہوگی اور اس امر میں کوئی خفا نہیں ہے کہ پہلے زیادہ قوی ہے اور اس لئے کہ ملک یمن ملک نکاح سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اس کا سقوط بھی زیادہ قوی ہوگا اور غلط اپنے سے کم کے لئے تو مجاز بن سکتا ہے لیکن اپنے سے بند کے لئے مجاز نہیں بن سکتا اسی وجہ سے جس میں تنازع ہو اس کے لئے مجزئ متمتع ہوگا اور اس کے برخلاف میں جائز ہوگا۔

ملک یمن ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ

صاحب ہد یہ کی مذکورہ میں عبارت فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف بیان کیا گیا ہے جس میں احناف کی دلیل اس قاعدہ فقہیہ سے ہے۔ اور اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ ملک یمن ملک نکاح سے قوت میں زیادہ ہوا کرتی ہے۔ یعنی اگر کسی نے ملک نکاح کے سقوط کا ارادہ کیا تو اس سے ملک یمن کا سقوط نہ ہوگا کیونکہ اعلیٰ دینی کے تحت داخل نہیں ہوا کرتا جبکہ ادنیٰ کے اعلیٰ کے تحت ہو سکتا ہے اسی قاعدہ سے مسئلہ مستحب ہوا ہے کہ اگر کسی نے اپنی باندی کو مطلق یا بائنہ کے الفاظ سے پکارا تو وہ آزاد نہ ہوگی کیونکہ غلط مطلقہ یا بائنہ یہ قید نکاح کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن قید ملک اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان دونوں کی قوت میں فرق ہے یہی احناف کی دلیل ہے جس کو مصنف علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے۔ (رضوی غفرلہ)

غلام کو آزادی کی مثل قرار دینے کا بیان

(وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ مِنْ الْخُرُوجِ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِي نَقْصِ الْمَعْنَى عُرْفًا فَوَقَعَ الشُّكُّ فِي الْحُرِّيَةِ (وَلَوْ قَالَ: مَا أَنْتَ إِلَّا خُرُوجٌ عَتَقَ) لِأَنَّ الْإِسْتِثْنَاءَ مِنَ السَّفِي إِبْتِاثٌ عَلَى وَجْهِ التَّكْيِيدِ كَمَا فِي كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ (وَلَوْ قَالَ: رَأْسُكَ رَأْسُ خُرُوجٍ لَا يُعْتَقُ) لِأَنَّهُ تَنْشِيبٌ بِحَذْفِ حَرْفِهِ (وَلَوْ قَالَ: رَأْسُكَ رَأْسُ خُرُوجٍ عَتَقَ) لِأَنَّهُ إِبْتِاثٌ الْحُرِّيَةِ فِيهِ إِذِ الرَّأْسُ يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ جَمِيعِ الْبَدَنِ.

ترجمہ

اور جب آق نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزادی کی مثل ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا اس لئے کہ غلط مثل عام طور پر کئی معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہذا احریت میں شک پیدا ہوگی اور جب اس نے کہا تو نہیں ہے مگر آزادی تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ نفی سے استثناء کرنا اثبات میں تاکید پیدا کرنے والا ہے جس طرح کلمہ شہادت میں ہے۔ اور اگر آقا نے کہا کہ تیرا سر آزاد کا سر ہے تو اس صورت میں غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ حرف حذف تشبیہ کے ساتھ ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ تیرا سر آزاد سر ہے تو غلام آزاد ہو

جائے گا کیونکہ اس طرح غلام میں آزادی ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ سر کے ذریعے تمام بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

شرح

مدرسہ بن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف اس قول میں آزادی کی طرف اشارہ ہے خواہ اس نے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اس طرح آزاد نہ ہوگا۔

امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ اگر اس نے آزادی کی نیت کی تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف عام میں اشارہ کنی معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کے سبب شک پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس نے آزادی کی نیت کی تو اس سے وہ شک بھی ختم ہو جائے گا لہذا وہ آزاد ہو جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۸۷، بیروت)

استثناء اثبات میں تاکید پیدا کرنے کا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ نے یہاں مذکورہ عبارت میں یہ قاعدہ فقہیہ بھی بیان کیا ہے کہ استثناء کلام میں یعنی اثبات میں تاکید پیدا کرتا ہے اور اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ جس طرح کلمہ شہادت میں سے استثناء اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات کرنے کے ساتھ اس میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی استثناء کلام میں تاکید پیدا کرنے والا ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت اس حدیث مبارکہ سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمرؓ روق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے پناہ و مال بچالے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتل کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوٰۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک دوسرے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔ صحیح مسلم: جداول: حدیث نمبر 127

یہ مثال سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلفاء راشدین کے دور میں بیت المال سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جاتا تھا۔
ترکی کا کوئی وارث نہ ہوتا تو اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بیچ کر اس سے بھی غلام آزاد کئے جاتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِسْطَامُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَاحٍ: أَنَّ طَارِقَ بْنَ الْمَرْقَعِ أَغْتَقَ غُلَامًا لَهُ لِلَّهِ، فَمَاتَ وَتَرَكَ مَالًا، فَعَرَضَ عَلَى مَوْلَاهُ طَارِقٍ، فَقَالَ: شَيْءٌ جَعَلْتَهُ لِلَّهِ، فَلَسْتُ بِعَانِدٍ فِيهِ، فَكُتِبَ فِي ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ، فَكُتِبَ عُمَرُ: أَنْ اغْرِضُوا الْمَالَ عَلَى طَارِقٍ، فَإِنْ قَبِلَهُ وَإِلَّا فَاسْتَرَوْا بِهِ رَقِيقًا فَأَغْنَقُوهُمْ، قَالَ: فَبَلَغَ خُمْسَةَ عَشَرَ رَأْسًا. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الميراث، حدیث (32086))

حضرت طارق بن مرثع نے ایک غلام کو اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا۔ وہ فوت ہو گیا اور اس نے کچھ مال ترکے میں چھوڑا۔ یہ مال اس کے سابقہ مالک طارق کے پاس پیش کیا گیا۔ وہ کہنے لگے، "میں نے تو اسے محض اللہ کی رضا کے لئے آزاد کیا تھا، میں اس سے کچھ نہ لوں گا۔" یہ بات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجی گئی کہ طارق مال لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا، "رودہ قبول کر لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے غلام خرید کر آزاد کرو۔" راوی کہتے ہیں کہ اس مال سے چندہ غلام آزاد کئے گئے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو عرب میں موجود تمام غلاموں کو حکومت کے مال سے خرید کر آزاد کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ زکوٰۃ ایک حکومتی ٹیکس تھا جو مسلمانوں پر مذہبی طور پر واجب کیا گیا تھا۔ اس معطلے میں تو یہاں تک اجازت دے دی گئی کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم سے خود ہی غلام خرید کر آزاد کر دے تو وہ حکومت کو ادائیگی کرتے ہوئے اس رقم کو قابل ادائیگی زکوٰۃ (Zk Libility) سے منہا کر سکتا ہے۔ ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں سیدنا ابن عباس اور حسن بصری کا یہ موقف بیان کیا ہے۔

مذہبی بنیادوں پر غلام آزاد کرنے کے احکامات

اللہ تعالیٰ کو چونکہ غلاموں کی آزادی سے خاص دلچسپی تھی، اس وجہ سے کچھ دینی احکام کی خفافہ و ریزی کی صورت میں بطور کفارہ انہیں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان میں قسم توڑنے، ناجائز طریقے سے طلاق دینے اور غلطی سے کسی کی جان لے لینے کی صورتیں شامل تھیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْفُحْشِ إِنَّمَا يَأْخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ. (المائدة 5:89)

فصل

﴿یہ فصل شرعی اختیار والے اعتناق کے بیان میں ہے﴾

فصل اختیار شرعی والی آزادی کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مصنف علیہ الرحمہ جب اختیار اضطراری والی فصل میں آزادی کے مسائل بیان کر دیئے ہیں کیونکہ وہ اصل ہیں اور اب مصنف علیہ الرحمہ نے ایسے اعتناق کے مسائل کو بیان کیا ہے جو اختیار کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ (عناہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۹۰، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے بھی کہا ہے کہ اختیاری کے اضطراری کو لائے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۷۹، بیروت)
اس سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی آزادی کے مستحب ہونے یا کسی کو بطور احسان آزاد کرنے سے متعلق احکام ذکر کیے ہیں۔ کیونکہ غلام کسی انسان کی ملکیت میں آجائے نام ہے اور اس میں اصل اختیار ہے یعنی غلام آجانے کے بعد کسی کو اختیار نہ ہو وہ اس سے غلام کو آزاد کرنے کا تقاضہ کرے یا مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہو۔ جبکہ ذی رحم محرم کے آزاد ہونے میں رحم ایک قوی سبب ہے جو غلامی کے سبب سے قوی ہوتے ہوئے ذی رحم محرم کو آزاد کر دیتا ہے۔

غلامی سے آزاد ہونے کے مذہبی ذرائع و اسباب کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو محض آزاد کرنے اور آزاد ہونے ہی کی ترغیب نہ دلائی بلکہ آپ نے مدینہ میں حکومت قائم کرنے کے بعد حکومتی سطح پر اس کا اہتمام بھی فرمایا۔ مدینہ کی اس ریاست کی اقتصادی پالیسی (Fiscal Policy) میں غلاموں کی آزادی کو ایک سرکاری خرچ کی حیثیت دی گئی۔ ریاست کی آمدنی کا ذریعہ زکوٰۃ تھی جسے قرآن مجید میں صدقہ کا نام بھی دیا گیا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.

(التوبة 9:60)

یہ صدقات تو دراصل فقراء، مسکین اور سرکاری ملازموں (کی تنخواہوں) کے لئے ہیں، اور ان کے لئے جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔ یہ غلام آزاد کرنے، قرض داروں کی مدد کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کی مدد کے لئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

حکومتی سطح پر بھی بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا گیا۔ بعض مکاتیب کو اپنی رقم کی ادائیگی کے لئے ان کی مدد کی گئی۔ اس کی

تم لوگ جو بغیر سوچے سمجھے قسمیں کھالیتے ہو، ان پر تو اللہ تمہاری گرفت نہ کرے گا مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو، ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔ (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ تم دس مسکین کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں لباس فراہم کرو یا پھر غلام آزاد کرو۔ جسے یہ میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسم کا کفارہ ہے۔

ایصال ثواب کے طور پر غلام آزاد کرنا

عاص بن وائل نے وصیت کی کہ میری طرف سے میرے فوت ہونے کے بعد) سو غلام آزاد کیا جائے۔ حسب وصیت اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کئے اور اس کے بیٹے نے ارادہ کیا کہ میں بھی اپنے باپ کی طرف سے بقیہ پچاس غلام آزاد کروں اور کہا اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ پھر وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا اور پوچھا اے عقی عہ کیا میں اپنے باپ کی طرف سے باقی پچاس غلام آزاد کروں

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقَمَ عَهْ أَوْ تَصَدَّقَمَ عَهْ أَوْ حَجَّجَمَ عَهْ بَلَغَهُ ذَلِكَ (ابوداؤد شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ و خیرات کرتے اس کی طرف سے حج کرتے تو اسے یہ (یعنی ان چیزوں کا ثواب پہنچتا) (مشکوٰۃ شریف باب الوصایا ج 1 ص 226) ناجائز طریقے سے طلاق دینے کا کفارہ

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكُمْ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (المجادلہ 3: 58)

جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں قرار دے بیٹھیں اور پھر اپنی کبی ہوئی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔ اس سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔

غلطی سے کسی کو قتل کر دینے کا کفارہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

فَمَنْ لَمْ يَحْدِ فَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

(النساء 4: 92)

کسی مومن کو یہ بات روانہ نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ تو جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر بیٹھے وہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور مقنن کے وارثوں کو قانون کے مطابق دیت ادا کرے، سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اگر وہ مقتول تمہاری دشمن قوم کا فرد ہے مگر مسلمان ہے تو اس کا کفارہ بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جس کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہے تو پھر بھی قانون کے مطابق اس کے وارثوں کو دیت کی دائیگی و مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ جس کے پاس غلام نہ ہوں، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرتے ہوئے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا بیان

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ توڑنے پر بھی یہی کفارہ عائد کیا۔

حدثنا موسى: حدثنا إبراهيم: حدثنا ابن شهاب، عن حميد بن عبد الرحمن: أن أبا هريرة رضى الله عنه قال: أتى رجل النبي صلى الله عليه وسلم فقال: هلك، وقعت على أهلي في رمضان، قال: (أعتق رقبة). (قال: ليس لي، قال: (فصم شهرين متتابعين). (قال: لا أستطيع، قال: (فأطعم ستين مسكيناً). (قال: لا أجد، فأتى بعرق فيه تمر - قال إبراهيم: العرق المكتل - فقال: (أين السائل، تصدق بها). (قال: على أفقر مني، والله ما بين لابتيها أهل بيت أفقر مننا، فضحك النبي صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه، قال: فأنتم إذا (بخاری، کتاب الادب، حدیث (6087)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: "میں ہلاک ہو گیا۔ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کر لئے ہیں۔" آپ نے فرمایا، "غلام آزاد کرو۔" وہ کہنے لگا، "میرے پاس کوئی غلام نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "دو مہینے کے لگاتار روزے رکھو۔" وہ کہنے لگا، "مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا، "پھر سترھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔" وہ بولا، "میرے پاس یہ بھی تو نہیں ہے۔"

اسی اثنا میں آپ کے پاس بھجوروں کو ایک ٹوکرا لیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "وہ سائل کہاں ہے؟" اسے ٹوکرا دے کر ارشاد فرمایا، "اسی کو صدقہ کر دو۔" وہ بولا، "مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہوگا۔ اللہ کی قسم اس شہر کے دونوں کناروں کے درمیان میرے

خاندان سے زیادہ غریب تو کوئی ہے نہیں۔ "یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہنس پڑے اور آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا، "چوتھ ہی اسے لے جاؤ۔"

سورج گرہن پر غلاموں کی آزادی

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے موقع پر بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

حدثنا موسى بن مسعود: حدثنا زائدة بن قدامة، عن هشام بن عروة، عن فاطمة بنت

المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما قالت: أمر النبي صلى الله عليه

وسلم بالعقاقة في كسوف الشمس. (بخاری، کتاب العتق، حدیث (2519))

حضرت سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

اس بات کا اندازہ کرنا تو مشکل ہو گا کہ ان مذہبی احکام کے نتیجے میں کتنے غلام آزاد ہوئے البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام غلاموں کو آزاد کرنے سے کتنی دلچسپی رکھتا ہے۔ عربوں کی معاشرت کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں قسم کھانے اور غصے میں بیوی کو ماں قرار دے لینے کے معاملات ہوتے ہی رہتے تھے۔ ایک حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ قسم توڑنے پر چالیس غلام آزاد فرمائے۔

قریبی رشتے دار غلام کی آزادی کا قانون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا کہ اگر کوئی اپنے قریبی رشتہ دار جیسے ماں، باپ، بیٹے، بیٹی، بہن، بھائی وغیرہ کو غلام بنا دیکھے تو اسے خرید کر آزاد کر دے۔ اگر کسی طریقے سے کوئی غلام اپنے ہی قریبی رشتے دار کی ملکیت میں آ جائے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

أخبرنا إسحاق بن إبراهيم، قال: حدثنا جرير عن سهيل، عن أبيه، عن أبي هريرة

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجرى ولد والد إلا أن يجده مملوكا

فیشتریه فیعتقه. (سنن الکبریٰ نسائی، کتاب العتق، حدیث (4873))

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "کسی بیٹے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو غلام دیکھے تو انہیں خرید کر آزاد نہ کرے۔"

حدثنا مسلم بن إبراهيم وموسى بن إسماعيل قالا: ثنا حماد بن سلمة، عن قتادة، عن

الحسن، عن سمرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وقال موسى في موضع آخر:

عن سمرة بن جندب فيما يحسب حماد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"من ملك ذا رحم محرم فهو حر". (ابو داؤد، کتاب العتق، حدیث 3949، ابن

ماجة، کتاب العتق، حدیث (2326))

حضرت سیدنا سمیرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جو کوئی اپنے ذی رحم کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔"

اس بات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے کہ اس قانون کے تحت کتنے غلام آزاد ہوئے لیکن ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مختلف صورتوں میں غلام آزاد کرنے کی کس حد تک ترغیب دی ہے۔

وصیت کے ذریعے غلاموں کی آزادی کا قانون

بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جایا کرتے تھے کہ ان کے غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔ ایسے غلام "مدر" کہلایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے زیادہ پسند نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ غلام کو اپنی زندگی ہی میں جلد سے جلد آزاد کر دیا جائے۔

قال أخبرنا قتيبة بن سعيد، قال: حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن أبي

حبيبة، عن أبي الدرداء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الذي يعتق عبد

الموت كالذي يهدى بعد ما شبع. (سنن نسائی الکبریٰ، کتاب العتق، حدیث

4873)

حضرت سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی مرتے وقت غلام

آزاد کرتا ہے، وہ تو اس شخص کی طرح ہے جو (گناہوں سے) اچھی طرح سیر ہونے کے بعد (نیکی کی طرف) ہدایت پاتا ہے۔

یہاں پر بعض لوگوں کو شاید یہ خیال گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود بھی تو مرض وفات میں چالیس غلاموں کو

خرید کر آزاد کیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان چالیس غلاموں سے ساری عمر خدمت لیتے رہے تھے اور عین وفات

کے وقت انہیں آزاد فرما دیا تھا۔ آپ نے آخر وقت میں ان غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا۔

اسلام کے قانون وراثت میں وصیت صرف ایک تہائی مال میں کرنے کی اجازت ہے اور دو تہائی مال کے بارے میں قرآن

نے واضح طور پر مختلف وارثوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں۔ بعض اوقات ایسی صورت پیش آ جاتی کہ ایک شخص نے غلاموں کی آزادی

کے علاوہ اور بھی وصیتیں کر رکھی ہیں۔ ایسی صورت میں غلاموں کی آزادی کو فوقیت دی گئی۔ انہیں آزاد کرنے کے بعد اگر مالک کی

جائیداد کے ایک تہائی حصے میں سے کچھ باقی بچتا تو اس سے وہ وصیتیں پوری کی جاتی تھیں ورنہ نہیں۔ اس ضمن میں اگرچہ کوئی مرفوع

حدیث میں نہیں مل سکی لیکن مسلمانوں کے بڑے اہل علم کا یہی نقطہ نظر رہا ہے۔

حدثنا الحسين بن بشر ثنا المعافى عن عثمان بن الأسود عن عطاء قال من أوصى أو أعتق فکان فی وصيته عول دخل العول علی أهل العتاقة وأهل الوصية قال عطاء ان أهل المدينة غلبونا یبدؤون بالعتاقة. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3229)

حضرت عطاء کہتے ہیں، "جس نے غلام کی آزادی کے ساتھ ساتھ کوئی اور وصیت بھی کر دی اور وصیت کی مجموعی رقم میں عول داخل ہو گیا (یعنی مجموعی رقم ترکے کے تہائی حصے سے زیادہ ہو گئی) تو اہل مدینہ کی غائب کثرت کا عمل یہ ہے کہ وہ غلاموں کی آزادی سے ابتدا کرتے ہیں۔

حدثنا المعلى بن أسد ثنا وهيب عن يونس عن الحسن فی الرجل یوصی بأشیاء ومنها العتق فیجاوز الثلث قال یبدأ بالعتق. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3227)

حضرت حسن (بصری) نے ایسے شخص کے بارے میں، جس نے مختلف کاموں اور غلاموں کی آزادی کی وصیت کی تھی اور مجموعی رقم ایک تہائی سے زائد ہو گئی تھی، ارشاد فرمایا، "ابتدا غلاموں کی آزادی سے کی جائے گی۔"

حدثنا عبید اللہ عن اسرائیل عن منصور عن إبراهيم قال یبدأ بالعتاقة قبل الوصية. (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3232)

حضرت ابراہیم (قحطی) کہتے ہیں کہ غلاموں کو آزادی وصیت (کے باقی معاملات) سے پہلے دی جائے گی۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے جلیل القدر ائمہ انسانی آزادی کو کس قدر اہمیت دیا کرتے تھے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے یعنی بے گناہ مارے یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے (مسلم)

یوں تو ہر کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا تاوان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

حضرت ابوسعود انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ابو مسعود! یاد کھوا اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب میں اس غلام کو اللہ کی راہ میں

آزاد کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں روزِ آخر کی آگ جلتی یا فرما دیتے کہ تمہیں روزِ آخر کی آگ لگتی۔ (مسلم)

- حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو، اگر ایک بڑا گناہ کیا تھا۔ یہ اچھا ہو، کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بارے میں ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا تو اس کو آزاد نہ کرنے کی صورت میں تمہیں روزِ آخر میں ڈالا جاتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ رحم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارے میں مسند یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا ناحق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

اسلام قبول کرنے والے غلاموں کی آزادی کے اقدامات

دین اسلام میں مسلم اور غیر مسلم ہر مذہب سے تعین رکھنے والے غلام کو آزاد کرنے کو ثواب کا کام بتایا گیا ہے۔ سیدنا حکیم بن خزیمہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں میں یہ صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم غلام کو آزاد کرنا بھی ثواب کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی رہا ہے کہ وہ غیر مسلم غلاموں کو بھی آزاد کیا کرتے تھے۔

دنیا بھر کی اقوام کا یہ اصول ہے کہ کسی بھی نیکی یا بھلائی کے کام کا آغاز ہمیشہ اپنے گھر سے ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم میں غلاموں کو آزاد کرنا پائے جاتے ہوں اور اس قوم کے امیر لوگ اپنی قوم کے غلاموں کو چھوڑ کر دین کے دوسرے خطوں میں جا کر فابی کام کرنا شروع کر دیں تو یہ رویہ سب کے نزدیک قابل اعتراض ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں غلام آزاد کرنے کے معاملے میں ترجیح انہی غلاموں کو دی گئی جو کہ اسلام قبول کر چکے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل نہ تھا۔ اس دور میں یہ طریق کار اختیار کیا گیا کہ غلام بھی اسلام قبول کرے، اسے صاحب ثروت مسلمان خرید کر آزاد کر دیں۔ یہ بات ہم تک تو اتر سے منتقل ہوئی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دولت کا بڑا حصہ غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حدثنا أبو نعیم: حدثنا عبد العزيز بن أبي سلمة، عن محمد بن المنکدر: أخبرنا

جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما قال: کان عمر یقول: أبو بکر سیدنا، وأعتق

سیدنا. یعنی بلالا. (بخاری، کتاب الفضائل، حدیث (3754)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "ابو بکر ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا تھا۔" مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کی ایک حکومت قائم ہو گئی تھی جس کے سربراہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس دور میں

مسلمان ہونے والے غلاموں کو نہ صرف خرید کر آزاد کرنے کے لئے زکوٰۃ فتنہ کو استعمال کیا گیا بلکہ پورے عرب سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے غلاموں کے لئے یہ قانون بنادیا گیا۔

حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء، عن ابن عباس: كان المشركون على منزلتين من النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنين: كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلون، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلون، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تحطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وإن هاجر بعد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد: وإن هاجر عبد أو أمة للمشركين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم. (بخاری، کتاب النکاح، حدیث (5286))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہو کر) ہجرت کر تیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

حربی غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا نوٹھی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا نوٹھی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹا یا نہ جاتا بلکہ ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال: حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد

بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربيع بن جراح، عن علي بن أبي طالب قال: خرج عبدان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليهم مواليتهم فقالوا: يا محمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس: صدقوا يا رسول الله ردّهم إليهم، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: "ما أراكم تنتهون يا معشر قريش حتى يبعث الله (عز وجل) عليكم من يضرب رقابكم على هذا" وأبى أن يردّهم، وقال: "هم عتقاء الله عز وجل". (ابو داؤد، کتاب الجہاد، حدیث (2700))

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صبح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھ اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھیجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عز وجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر اس کی پاداش میں ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عز وجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔" اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت امدان فرمادیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال: لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف اعتق من رقيقهم. (مسند احمد، باب عبد الله بن عباس، مصنف ابن أبي شيبة، حدیث (34283))

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرمادیا۔

مشہور مستشرق ولیم میور اس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں: آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیج دیا جس سے وہ لوگ

بہت ناراض ہوئے۔ اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے بچے اور بہادر بیرو عادت ہوئے۔ (ولیم میور، he (life of ohe)

مشہور مورخ ہذا ذری نے "نوں سہدان میں اس میں سے جس ناموں نے تیں۔ ان میں سے ایک ابو بکر بن مسروح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بکر عربی میں چرخی (Pulley)) کو کہتے ہیں۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ قلعے کی دیوار پر چرخی کے رے سے لٹک کر نیچے اترے تھے۔ ان میں ایک رومی لوہارا بونائع بن الذرق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ تمام غلاموں کو درجہ بلند کرنے کے لئے ان کی دلاء کا تعلق بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قائم کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کے سب غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اپنے خاندان میں شامل کر لئے گئے۔ اس کی تفصیل ہم "دواء" کی بحث میں بیان کریں گے۔ بعد کے ادوار میں مسلمانوں کے ہاں یہ رسم رائج ہو گئی کہ جو غلام اسلام قبول کر لیتے، وہ اسے اس کے مالکان سے خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ اس طریقے سے بے شمار غلاموں نے آزادی حاصل کی۔

ثم ذكر البيهقي لقصة منام شاهدا من طريق الاعمش ، عن أبي وائل ، عن عبد الله ، وأنه كان من جملة ما جاء به عبيد فأتى بهم أبا بكر ، فلما رد الجميع عليه رجع بهم ثم قام يصلي فقاموا كلهم يصلون معه . فلما انصرف قال : لمن صليتم ؟ قالوا : لله . قال : فأنتم له عتقاء . فاعتقهم . (ابن كثير ، سيرة النبوة)

حضرت عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو غلام تھے ان میں سے میں بھی تھا۔ جب سب غلام سے سامنے پیش کئے گئے تو وہ ان سے بہت کرم ناز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہ سب غلام بھی ان کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ نماز کے بعد ابو بکر ان کی طرف مڑے اور پوچھا، "تم نے کس کے لئے نماز پڑھی ہے؟" وہ بولے، "اللہ کے لئے۔" آپ نے فرمایا، "پھر تم اسی کے لئے آزاد ہو۔" یہ کہہ کر آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذَنْبٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ : مَضَتْ السَّنَةُ أَنْ لَا يَسْتَرْقَ كَافِرٌ مُسْلِمًا (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (23290)

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ (مسلمانوں میں) یہ معمول کی بات ہے کہ مسلمان کو غیر مسلم کا غلام نہیں بننے دیا جاتا۔ انیسویں صدی کے مشرق جارج بش لکھتے ہیں: (محمد کے) پیروکاروں میں یہ مستقل دستور بن گیا کہ ان کے غلاموں میں سے جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا، اسے آزاد کر دیا جائے۔

جے ایم وڈنی لکھتے ہیں: (اسلام میں) تمام انسانوں کو مستقل برابر قرار دیا گیا ہے۔ کم سے کم نظریاتی طور پر، بلند و پست، امیر و

غریب سب ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔ مشترکہ بھائی چارے کا رشتہ بہت ہی مضبوط ہے۔ ذات و نسل سرے سے ہی مفقود ہے۔ ابتدائی دور کی سیاست میں بھی اگر اسی درجے میں نہی، لیکن کسی حد تک یہی چیز موجود ہے۔ لا ارا، اللہ "کہا، ورنہ اسے آزاد ہو گیا۔

ذی رحم ملکیت کے ملکیت رقیق سے اعلیٰ ہونے کا بیان

(وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ) وَهَذَا اللَّفْظُ مَرُوتٌ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ وَاللَّفْظُ بِعُمُومِهِ يَنْتَظِمُ كُلَّ قَرَانَةٍ مُؤَيَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وَلَا ذَا أَوْ غَيْرُهُ ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَالِفُ فِي غَيْرِهِ .

لَهُ أَنْ تُبَوِّتَ الْعِتْقَ مِنْ غَيْرِ مَرْصَاةِ الْمَالِكِ بِنَفِيهِ الْقِيَاسُ أَوْ لَا يُقْتَصِدُ ، وَالْأُخُوَّةُ وَمَا يُصَاهِيهَا نَازِلَةٌ عَنْ قَرَانَةِ الْوِلَادَةِ فَامْتَنَعَ الْإِلْحَاقُ أَوْ الْإِسْتِدْلَالُ بِهِ ، وَلِهَذَا امْتَنَعَ التَّكَاتُبُ عَلَى الْمَكَاتِبِ فِي غَيْرِ الْوِلَادِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فِيهِ .

وَلَنَا مَا رَوَيْنَا ، وَلَآئِنَّهُ مَلَكَ قَرِيبَهُ قَرَانَةً مُؤَيَّدَةً فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتَقُ عَلَيْهِ ، وَهَذَا هُوَ الْمُؤَيَّدُ فِي الْأَصْلِ ، وَالْوِلَادَةُ مُلَغِيَّةٌ لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِي يُفْتَرَضُ وَصْلُهَا وَيَحْرُمُ قَطْعُهَا حَتَّى وَجَبَتْ النِّقَاقَةُ وَحَرَمَ النِّكَاحُ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسْلِمًا أَوْ كَافِرًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ لِعُمُومِ الْعِلَّةِ .

ترجمہ

اور جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو بندہ اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ لفظ عموم کے پیش نظر ایسی کرامت کو شامل ہے جس کو ابدی حرمت حاصل ہو اور یہ حرمت ولادت کے ذریعے ہو یا کسی اور ذریعے سے ہو۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے غیروہ رت میں ہم سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک کی رضا کے بغیر ثبوت عتق کو قیاس منع کرتا ہے یا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آزاد نہ ہو۔ جبکہ اخوہ اور غیرہ اخوہ کی قرابت ولادت سے بھی کم ہے لہذا ان کا احاق اور ان کا استدلال دونوں منع ہو جائے گا۔

اور اسی طرح غیر ولاد میں مکاتب پر مکاتب کرنا ممتنع ہے جب کہ ولاد میں ممتنع نہیں ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم

نے بیان کی ہے اور اس سے بھی کہ وہ ایسے قریبی کا مالک ہوا ہے جو جس کی قرابت محرمیت مؤثر ہے اس لئے کہ وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور اصل میں یہی مؤثر ہے جبکہ ولادت تو غیر مؤثر ہے کیونکہ قرابت کو ملنا ہی فرض ہے اور اس کو تو زنا حرام ہے حتیٰ کہ نفقہ واجب ہوتا ہے جبکہ نکاح حرام ہوتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ مالک مسلمان ہو یا دارالسلام میں کافر ہو کیونکہ علت عام ہے۔

ذی رحم محرم کی آزادی فقہ شافعی و حنفی کے اختلاف کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔"

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 577 سم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ اصحاب ظواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت مظہر فرماتے ہیں کہ (فیعتقہ) میں حرف فاسبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزاء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے "لہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 579)

حضرت حسن بصری حضرت سرہ سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ پیداوار سے (ذریعہ) اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔"

(ترمذی، ابن ماجہ)

مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خرید لیا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یہ بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خرید لیا بھائی نے غلام خرید لیا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

ذی رحم "اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا، باپ، بھائی، چچا، بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں "اور محرم" اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گزری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ دادا، پڑا دادا وغیرہ) و فرودع کے درجہ کے قرابت دار، (جیسے بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں، البتہ اصول اور فرودع کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارے میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول و فرودع کے قرابت داروں ہی کے حاصل ہے وہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالک نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے، ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذی رحم محرم یعنی ایسا قریب کا رشتہ والا کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو اور ایک عورت ہو تو نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو جیسے باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خال، بھانجی، ان میں کسی کا مالک ہو تو فوراً ہی آزاد ہو جائیگا اور اگر ان کے کسی حصہ کا مالک ہو تو اتنا آزاد ہو گیا۔ اس میں مالک کے عاقب بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں بلکہ بچہ یا مجنون بھی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو آزاد ہو جائے گا۔ (در مختار، کتاب عتاق)

مکاتب کا اپنے بھائی کو خریدنے کا بیان

وَالْمَكَاتِبُ إِذَا اشْتَرَى أَخَاهُ وَمَنْ يَجْرِي مَجْرَاهُ لَا يَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مِلْكٌ تَامٌ يُقَدِّرُهُ عَلَى الْإِعْتِقَاقِ وَالْإِفْتِرَاضِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ، بِخِلَافِ الْوِلَادَةِ لِأَنَّ الْعِتْقَ فِيهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَاِمْتِنَاعُ الْبَيْعِ فَيَعْتَقُ تَحْقِيقًا لِمَقْصُودِ الْعَقْدِ.

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْأَخِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا قُلْنَا أَنْ نَمْنَعَ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَلَكَ ابْنَةُ عَمِّهِ وَهِيَ أُخْتُهُ مِنَ الرِّضَاعِ لِأَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَا ثَبَتَتْ بِالْقَرَابَةِ وَالصَّبِيَّ جُعِلَ أَهْلًا لِهَذَا الْعِتْقِ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ حَتَّى عَتَقَ الْقَرِيبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَهُ النَّفَقَةُ.

ترجمہ

اور جب مکاتب نے اپنے بھائی یا کسی بھائی کے قائم مقام کو خرید لیا تو وہ اس مکاتب کے اوپر مکاتب نہ ہوگا کیونکہ مکاتب کو اس قدر کامل ملکیت حاصل نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ جس نے اس کو آزادی پر قدرت دے دی تو مسئلہ وقت قدرت ہی سپرد ہو جائے گا۔ جبکہ ولادت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ کتابت کے مقاصد میں آزادی ہے۔ کیونکہ اسی وجہ سے اس کی (مکاتب) بیع منع ہوئی ہے۔

کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرتے ہوئے وہ آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکاتب کا بھائی پر مکتب ہوگا اور صاحبین کا قول بھی اسی طرح ہے۔ پس منع کا اختیار ہے۔ اور البتہ یہ صورت اس کے خلاف ہے جب کوئی شخص اپنے چچا کی بیٹی کا مالک بن جائے اور اس کی رضائی بہن بھی ہو، کیونکہ محرم ہونے معتبر ہے جو اس کی قرابت سے ثابت ہے اور بچے اور اسی بخون کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ قرعہ آدمی مالک ہونے کے وقت ہی آزاد ہو جائے گا۔ لہذا ہند کے کا حق آزادی اس سے متعلق ہو گیا اور یہ فقہ کے مشابہ ہو گیا ہے۔

شرح

حضرت عروہ ع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ بریرہ ان کے پاس اپنی کتابت (کی رقم کی ادائیگی) کے لیے مدد مانگنے آئیں اور اپنی کتابت کی رقم سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اپنے مالکوں کے پاس جا اگر وہ اس بات کو پسند کریں کہ میں تمہاری طرف سے کتابت کی رقم ادا کروں اور تیری دوا میرے لیے ہوتی میں ایسا کروں چنانچہ بریرہ نے یہ بات اپنے مالکوں سے کہی تو وہ وگ نہ مانے اور کہہ کر اگر وہ ثواب کی نیت سے ایسا کرتا چاہتی ہیں تو کریں لیکن تیری دوا کے مالک ہم ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید لو اور آزاد کرو اس لیے کہ حق و باعقواسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرید لو اور آزاد کرو اس لیے کہ حق و باعقواسی کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس کو کوئی حق نہیں اگرچہ سینکڑوں بار شرط لگائے اور اللہ کی شرط زیادہ مستحق اور مضبوط ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2410)

اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان

(وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا لَوْجِهَ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلنَّسَمِ عَتَقَ) لَوْحُودٍ رُكْنِ الْإِعْتِقِ
مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ وَوَصَفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْأَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَا يَحْتَلُ الْعِتْقُ بَعْدَهُ فِي
الْلَفْظَيْنِ الْآخَرَيْنِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے غلام کو اللہ کیلئے آزاد کیا یا اس نے شیطان یا بت کیلئے آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنی ہیت کے ساتھ محل میں واقع ہو گیا ہے جبکہ قربت کا وصف غلط اول میں زیادہ ہے۔ جبکہ آخری دو الفاظ میں قربت معدوم ہونے کی وجہ سے وہ خلل انداز نہ ہوگا۔

غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے راستہ میں یہ شعر کہے درازی شب اور اس کی نغیوں سے شکایت ہے۔ مگر یہ کہ دار الفرس نے نجات دہنی پھر انہوں نے بیان کیا کہ میرا غلام راستے ہی سے بھاگ گیا جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس وقت میرا غلام آٹکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ یہ تیرا غلام ہے تو میں نے کہا وہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے اور میں نے اس کو آزاد کر دیا ابو کریم نے ابواسامہ سے جو روایت کی اس میں یہ نہیں بیان کیا کہ وہ آزاد ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2383)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اسامہ قبول کرنے کے ارادہ سے ابو ہریرہ نکلے اور ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا کچھ دنوں کے بعد وہ غلام آیا اس حال میں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرا غلام ہے جو تیرے پاس آیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ آزاد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہہ رہے تھے۔ درازی شب اور اس کی نغیوں سے شکایت ہے مگر یہ کہ دار الفکر سے اس نے نجات لی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2382)

لہذا آزاد کرنے کے لیے گواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اس لیے بیان کیا کہ باب کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے اپنے غلام کو آزاد کیا تھا۔ بعضوں نے کہا امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ غلام کو یوں کہنا وہ اللہ کا ہے اس وقت آزاد ہوگا جب کہنے والے کی نیت آزاد کرنے کی ہو اگر کچھ اور مطلب مراد رکھے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ آزاد کرنے کے لیے بعض الفاظ تو صریح ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ بعضے کہنا یہ ہیں جیسے وہ اللہ کا ہے یعنی اب میری ملک اس پر نہیں رہی، وہ اللہ کی ملک ہو گیا۔

مجبور و سکران والے سے آزادی کا بیان

(وَعِتْقُ الْمُكْرَهَةِ السَّكَرَانِ وَاقِعٌ) لِصُدُورِ الرُّكْنِ مِنَ الْأَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي
الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ.

(وَإِنْ أَصَابَ الْعِتْقَ إِلَى مِلْكٍ أَوْ شَرِطَ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ) أَمَّا الْإِضَافَةُ إِلَى
الْمِلْكِ فَفِيهِ خِلَافٌ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ بَيَّنَّا فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ، وَأَمَّا التَّعْلِيقُ
بِالشَّرْطِ فَلِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَيَجْرَى فِيهِ التَّعْلِيقُ بِخِلَافِ التَّمْلِيكَاتِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي

مَوْضِعِهِ .

ترجمہ

مجبور ورنہ دالے کا آزاد کرنا واقع ہو جائے گا کیونکہ آزادی کا رکن اپنے اہل سے محل میں واقع ہوا ہے جس طرح طلاق میں ہے اور اس سے پہلے ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔

اور جب آقا نے آزادی کو ملکیت یا کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو اس کیلئے ایسا کرنا صحیح ہے جس طرح طلاق میں اضافت کی ہے جبکہ ملک کی طرف اضافت میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور وہ کتاب طلاق میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ البتہ شرط کے ساتھ معنی کرنا وہ جائز ہے کیونکہ آزادی اسقاط حق ہے لہذا اس میں تعلیق جاری رہے گی۔ جبکہ تملیک میں ایسا نہیں ہے جس کا حکم اپنے مقام پر بیان کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مجبور کی طرف سے وقوع آزادی میں ائمہ ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ مجبور کو صرف رضامندی ختم کرنے والی ہے۔ جبکہ حق اس پر موقوف نہیں ہے۔ لہذا ہازل کا حق جائز ہوگا اور نشر دالے کا حق کا اعتبار پر تمام ائمہ کے اتفاق سے اختیار کی گئی ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۸۶، بیروت)

حربی کے غلام کا مسلمان ہو کر آنے کا بیان

(وَإِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ إِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ) (لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عِبْدِ
الطَّائِفِ حِينَ خَرَجُوا إِلَيْهِ مُسْلِمِينَ هُمْ عَتَقَاءُ اللَّهِ تَعَالَى) وَلَا نَهْ أَخْرَزَ نَفْسَهُ وَهُوَ
مُسْلِمٌ وَلَا اسْتَرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ انْتِدَاءً.

ترجمہ

اور اگر کسی حربی شخص کا غلام مسلمان ہو کر ہماری طرف آجائے تو وہ آزاد ہوگا کیونکہ طائف کے غلام جب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزاد ہیں۔ اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ انہوں نے مسلمان ہونے کی حالت میں اپنے جان کو محفوظ کیا ہے اور ابتدائی طور پر کسی بھی مسلمان پر غلامی نہیں کی جاسکتی۔

طوائف کے غلاموں کی آزادی کا بیان

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجائے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر

ہوتا۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آجائے تو انہیں واپس لوٹایا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال: حدثني محمد بن سلمة عن محمد بن إسحاق، عن
سنان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربيع بن خراش، عن علي بن أبي طالب قال: خرج عبدان إلى
رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليهم مواليتهم فقالوا: يا محمد، والله
ما حرحوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس: صدقوا يا رسول الله رُدَّهم
إليهم، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: "ما أراكم تنتهون يا معشر قريش حتى يبعث الله
مغزواً (مغزواً) عليكم من يضرب رقابكم على هذا" "وإني أن يردَّهم، وقال: "هم عتقاء الله عروجل". (ابو
لؤد، كتاب الجهاد، حديث (2700)

حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرمادیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آجائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا يحيى بن زكريا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس
قال: لما حاصر رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل الطائف أعتق من رقيقهم. (مسند احمد، باب عبد الله
بن عباس، مصنف ابن أبي شيبة، حديث (34283)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرمادیا۔

باندی کے تابع حمل کے آزاد ہونے کا بیان

(وَإِنْ أَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلَهَا تَبَعًا لَهَا) اِذْ هُوَ مُتَّصِلٌ بِهَا (وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ ذُوْنَهَا) لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى إِبْتَغَائِهَا مَقْصُودًا لِعَدَمِ الْإِضَافَةِ إِلَيْهَا وَلَا إِلَيْهِ تَبَعًا لِمَا فِيهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوعِ ، ثُمَّ إِبْتَغَاءُ الْحَمْلِ صَحِيحٌ وَلَا يَصْحُحُ بَيْعُهُ وَهَبُهُ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ نَفْسُهُ شَرْطٌ فِي الْهَبَةِ وَالْقُدْرَةُ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْجَنِينِ وَشَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي الْإِبْتَغَاءِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو اس باندی کے تابع ہوتے ہوئے اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے کہ حمل باندی سے ملا ہوا ہے اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا تو باندی آزاد نہیں ہوگی صرف حمل آزاد ہوگا اس لئے کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی چیز نہیں پائی جارہی نہ تو قصد کیونکہ باندی کی طرف اضافت نہیں ہے اور نہ ہی بیع کیونکہ اس میں قبضہ موضوع ہے۔ پھر حمل کا اعتاق درست ہے لیکن اس کا بہ اور بیع درست نہیں ہے کیونکہ یہ بیع ذات کی سپردگی شرط ہے اور بیع میں سپردگی پر قدرت شرط ہے جبکہ جنین کی طرف اضافت کرنے سے یہ چیز نہیں پائی جارہی اور اعتاق میں ان میں سے کوئی شرط نہیں ہے لہذا دونوں جدا ہو گئے۔

حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی باندی آزاد ہوئی تو اس کا حمل بھی اس کے تابع ہونے کے سبب بھی آزاد ہوگا۔ اسی پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں استثناء اگر کیا جائے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح یہ مذکور ہے۔ خلافاً لِأَخْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَالشَّعْبِيَّ وَالشَّعْبِيَّ وَعَطَاءٍ وَابْنِ سِيرِينَ ، وَقَوْلُهُمْ مَرْوِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ .

(فتح القدیر، ۱۰، ص ۹۲، بیروت)

حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے روایت ہے کہ زبیر بن عوان نے ایک غلام خریدا کر آزاد کیا اس غلام کی اولاد ایک آزاد عورت سے تھی جب زبیر نے غلام کو آزاد کر دیا تو زبیر نے کہا اس کی اولاد میری مولیٰ ہیں اور ان کی ماں کے لوگوں نے کہا ہمارے مولیٰ ہیں دونوں نے جھگڑا کیا حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے حکم کیا کہ ان کی ولادہ زبیر کو ملے گی۔

حضرت سعید بن مسیب سے سوال ہوا اگر ایک غلام کا لڑکا آزاد عورت سے ہو تو اس لڑکے کی ولادہ کس کو ملے گی سعید نے کہا اگر اس لڑکے کا باپ غلامی کی حالت میں مر جائے تو ولادہ اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مثال اس کی یہ ہے ملائعہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے مولیٰ کی طرف منسوب ہوگا اگر

میرا۔ گاؤں اس کے وارث ہوں گے اگر جنایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خدند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولادہ باپ کے مولیٰ کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد تلافی پڑے گی مالک نے اس طرح کہا اگر عورت ملائعہ عربی ہو اور خدند اس کے لڑکے کا اقرار کر لے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے مل جائے گا۔ جب تک خدند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اخیانی بھئی کو حصہ دے کر جو بیچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہوگا اور ملائعہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے مولیٰ کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خدند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خدند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہو گیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اور آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ اپنے پوتے یا ولادہ کا مالک ہوگا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے مولیٰ کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مر جائے گا تو میراث اور ولادہ دادا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر جائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولادہ اور میراث اس کے دادا کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حاملہ لونڈی اگر آزاد ہو جائے اور خدند اس کا غلام ہو پھر خدند بھی آزاد ہو جائے وضع حمل سے پہلے یا بعد تو ولادہ اس بچہ کی اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی کیونکہ یہ بچہ قبل آزادی کے اس کا غلام ہو گیا اب اس جو حمل اس عورت کو بعد آزادی کے ٹھہرے گا اس کی ولادہ اس کے باپ کو ملے گی جب وہ آزاد کر دیا جائے گا کہا مالک نے جو غلام اپنے مولیٰ کے اذن سے اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کی ولادہ مولیٰ کو ملے گی غلام کو نہ ملے گی اگر چہ آزاد ہو جائے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1166)

باندی کے حمل کو مال کے بدلے آزاد کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ عَلَى مَالٍ صَحَّ) وَلَا يَجِبُ الْمَالُ إِذَا لَا وَجْهَ إِلَى الزَّامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِينِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ ، وَلَا إِلَى الزَّامِ لِأَنَّهُ فِي حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلَى حِدَّةٍ ، وَاشْتِرَاطُ بَدَلِ الْعِتْقِ عَلَى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَا يَجُوزُ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْخَنْعِ ، وَإِنَّمَا يُعْرِفُ قِيَامُ الْحَبْلِ وَقْتُ الْعِتْقِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْهُ ، لِأَنَّهُ أَذْنَى مُدَّةِ الْحَمْلِ .

ترجمہ

اور جب آقا نے حمل کو مال کے عوض آزاد کیا تو آزادی درست ہوگی لیکن مال واجب نہیں ہوگا اس لئے کہ جنین پر مال واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے کہ اس پر کسی کو ولایت کا حق نہیں ہے اور اس کی ماں پر مال واجب کرنے کی صورت نہیں ہے کیونکہ آزادی کے حق میں جنین ایک انگ جان ہے اور آزادی کا بدلہ جس کو آزاد کرنا ہے اس کے علاوہ کسی اور پر شرط لگانا جائز

نہیں ہے جس طرح کہ وضع میں گزر چکا ہے۔ اور بوقت حق حمل کا قیام اسی صورت میں معلوم ہوگا جب اس وقت سے چھ ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنا ہو اس لئے کہ یہ حمل کی ادنی مدت ہے۔

جنین سے متعلق مذاہب فقہاء

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چاند کی تاریخ کے لحاظ سے چھ ماہ ہے۔ طبی لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت سے مراد ہے کہ عام معمول سے پہلے جو بچہ پیدا ہو اور عموماً پیدائش کے بعد ایسے بچے زندہ رہ جاتے ہوں۔ جدید طبی تحقیقات نے بھی یہ بات ثابت کر دی ہے کہ چھ ماہ میں جنین کے تمام اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں اور اگر اس مدت میں وضع حمل ہو جائے تو طبی سہولیت کی فراہمی سے مولود کی جان محفوظ بنائی جاسکتی ہے۔ فقہاء اسلام نے کم از کم مدت کے تعیین کے لیے ان نصوص شریعت کو بنیاد بنایا ہے: **وَالْوَالِدَاتُ بِرُضْعَنِ أَوْلَادِهِمْ حَوْلِينَ كَامِلِينَ** اور چاہے کہ (باہمی مشورے سے) انہیں اپنے جننے ہوئے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلاتی رہیں دوسری آیت سورہ احقاف کی ہے جسے پہلی آیت کے ساتھ رکھ کر اہل علم نے مدت کا تعیین کیا ہے: **وَحَمْلُهُ وَفُصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا** (بچے) کی مدت حمل اور مدت رضاعت (دونوں کا کل دورانیہ) تیس ماہ ہے۔

ان دونوں آیات مبارکہ کو جمع کرنے سے کم از کم مدت چھ ماہ اس طرح بنتی ہے کہ اگر وضع حمل نو ماہ کے بعد ہو تو تیس ماہ میں سے نو ماہ نکال کر رضاعت کی مدت اکیس ماہ بنے گی اور اگر پیدائش کے بعد پورے دو سال تک دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ سے منہا کی جائے تو یہ چوبیس ماہ کل تیس ماہ سے منفی کرنے کے بعد چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ پوری مدت رضاعت کو سامنے رکھ کر تیس ماہ کی نص کو اصل اور طبی مدت مان کر کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہی بنے گی۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سب اکابر صحابہ نے انہیں آیات سے یہ حکم اخذ کیا تھا اور اسی مدت پر امت کا اجماع ہو گیا۔ یہ تو تھا حمل کی کم از کم مدت کا مسئلہ۔ جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو اس کے تعیین میں اہل علم کا صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے اتفاق نہیں ہو سکا۔

ظاہری مذہب: امام ابن حزم نے مذکورہ بالا آیات کو بنیاد بنا کر کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو ماہ کی مدت کو فیصلہ کن مدت کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نو ماہ سے زیادہ مدت تک ٹھہرے جانے والے حمل کا شرعی اعتبار رکھتا ہے تو وہ اللہ کے واضح کلام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ جب اللہ نے خود ہی زیادہ سے زیادہ مدت تیس مہینے متعین کر دی ہے تو کم از زیادہ کا سوال ہی نہ رہا۔

شافعیہ اور حنابلہ کی مشہور رائے چار برس ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک رائے یہی ملتی ہے۔ احناف اور شافعیہ میں سے امام مرنی رحمۃ اللہ علیہ نے دو برس کی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بتلایا ہے۔ امام حزم اور ظاہری مذہب میں نو ماہ کی مدت کو حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جن ائمہ نے زیادہ سے زیادہ چار برس کی رائے اختیار کی ہے تو انہوں نے اپنی رائے کے درست ہونے کے لیے دلائل دیے ہیں: انسانوں کو جو روزمرہ مسائل پیش آتے ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے شریعت میں نصوص پائی جاتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ وہ عرف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ جس طرح حیض اور نفاس کا حکم عورت

کے معمول پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ خون کا سیلان بند ہوتے ہی عورت پاک ہو جاتی ہے اسی طرح عورتوں کے وضع حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعیین چار برس کیا گیا ہے کیونکہ اگر کسی عورت کے ہاں وقت پر ولادت نہ ہو تو عورتوں میں زیادہ سے زیادہ وضع حمل کا یہی معمول دیکھا گیا ہے۔ مبارک بن مجاہد کہتے ہیں کہ ہرے علقے میں محمد بن عثمان کے گھر ہر بار چار برس کے حمل کے بعد ولادت ہوتی تھی۔ ان کی گھر والی کا یہ ایسا بندھا معمول تھا کہ ان کی بابت کہا جاتا کہ فلا نہ کا معمول حمل فیل کی طرح پورے چار برس ہے۔

جن ائمہ کرام نے زیادہ سے زیادہ مدت دو برس اختیار کی ہے ان کی دلیل یہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمادیں کرتی تھیں لا یبقی الولد فی رحم امہا کثر من مستین، و لو بمرکۃ مغزل جنین اپنی ماں کے پیٹ میں کبھی بھی دو برس سے زیادہ نہیں نکلتے بس سمجھوں اتنی مدت اونٹن پر تو ٹھہر جائے گا جتنی دیر میں نکلے گا ایک چکر پورا ہوتا ہے (دھوپ میں نکلے گا سیہ یا اس کا ایک چکر کم مدت کے لیے کنایت ہے) یہ اصحاب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان کی بابت فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مدت کا تعیین یقیناً اپنے طور پر نہ فرماتی ہوں گی کیونکہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا بیان کوئی شخص بھی اپنے مشاہد سے یا عقل سے حتمی طور پر نہیں کر سکتا۔ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ایسا کن رکھا ہوگا۔

باندی کی اولاد کے آزاد ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَدَ الْأُمِّيَّةُ مِنْ مَوْلَاهَا حُرًّا) لِأَنَّهُ مَخْلُوقٌ مِنْ مَائِهِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ، وَلَا مُعَارِضَ لَهُ فِيهِ لِأَنَّ وَلَدَ الْأُمِّيَّةِ لِمَوْلَاهَا.

ترجمہ

فرمایا کہ باندی کی اولاد جو اس آقا سے ہوگی وہ آزاد ہوگی کیونکہ آقا کے نطفے سے پیدا ہوئی ہے اس لئے اس پر آزادی ہوگی یہی اصل ہے اور بچہ کے متعلق کوئی معارض نہیں ہے۔ کیونکہ باندی کا بچہ اس کے آقا کا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے نبی کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم سے آزاد ہونے سے استدلال کیا ہے۔ اس حدیث کو ہم مکمل ترجمے کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابن نمیر محمد بن بشر اسماعیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اونی سے پوچھا کیا تم نے ابراہیم بن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے انہوں نے کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے اگر خدا کی مرضی ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر، ۱۰، ص ۹۶، بیروت)

بندی کے بچے کے مموک ہونے کا بیان

(وَوَلَدَهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوكٌ لِسَيِّدِهَا) لَسَرَجِحِ جَانِبِ الْأُمِّ بِإِغْيَارِ الْخَصَانَةِ أَوْ لَا سَتَهْلَاكَ مَالِهِ بِمَائِهَا وَالْمُسَاقَاةُ مُتَحَقِّقَةٌ وَالرَّوْجُ قَدْ رَضِيَ بِهِ، بِخِلَافِ وَلَدِ الْمَعْرُورِ لِأَنَّ الْوَالِدَ مَا رَضِيَ بِهِ.

ترجمہ

اور باندی کا وہ بچہ جو اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو وہ اس باندی کے مالک کا مملوک ہوگا اس لئے کہ کہ پرورش کے اعتبار سے شوہر کے نطفے کے باندی کے ساتھ ملکر ہلک ہونے کی جہت راجع ہے اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس پر راضی ہے اس شخص کے بچے کے خلاف کہ جس کو دھوکا دیا گیا ہو کیونکہ کہ والد اس پر راضی نہیں ہے۔

غلام باپ اور کنیز ماں کے بچوں کی آزادی کا فقہی بیان

دور جاہلیت میں ان میں سے ہر قسم کے بچوں کو بالعموم غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے ان بچوں کی حالت نسبتاً بہتر تھی جو آقا اور لونڈی کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں لیکن یہ بھی اپنے ان سوتیلے بہن بھائیوں کی نسبت متدرجہ کے حامل ہوا کرتے تھے جو ان کے باپ اور ایک آزاد عورت کے ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوں۔ ان بچوں کے حقوق وراثت وغیرہ کے معاملات میں اپنے آزاد بہن بھائیوں کی نسبت نہ سونے کے برابر تھے۔

اسلام نے ان بچوں سے متعلق جو اصلاحات کیں، ان کے مطابق آقا اور لونڈی کے تعلق سے پیدا ہونے والے بچوں کو مکمل طور پر آزاد اور اپنے سوتیلے بہن بھائیوں کے ہم پند قرار دیا۔ انہیں وراثت میں بھی وہی حقوق دیے گئے جو ان کے بہن بھائیوں کو حاصل تھے۔ نہ صرف اوداد بلکہ اس اور دیگر کنیز ماں کے خود بخود آزاد ہونے کا قانون بنا دیا گیا جس کی تفصیل ہم "ام ولد" کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزادی ہوں گے۔

قال أحمد: إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه. ومعنى هذا، أن أولاده يكونون أحراراً

وهم فرعه، فالأصل عبد وفرعه حر والفرع جزء من الأصل. (ابن قسيم، السياسة

الشرعية في إصلاح الراعي والرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں، "جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

ان کی والدہ آزاد ہوگئی کیونکہ وہ اسی کی ایک شاخ ہے۔ تا تو غلام ہے لیکن شاخیں آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔" ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی کہ یہ کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہوگا۔ اولیٰ تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں سے ایک غلام اور ایک آزاد ہو۔ دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی، انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہوگا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔

حضرت سیدنا عمر بن عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت ظاہر کر کے شادی کر لی۔ اس مقدمے میں خیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروالے۔ (موطا امام مالک، کتاب القضیہ، حدیث 2160)۔ ایک اور مقدمہ سیدنا عبد بن مسعود یا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُسْعَرٍ وَسُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ بِنْتِ كَهْطَلٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَخْنَفِ،

قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ: إِنَّ عَمِّي زَوْجِي وَلَيْدَتُهُ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَسْتَرْقَ

وَلَيْدِي، قَالَ: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث 21277)

ایک شخص عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرے چچا نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔ اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "ایسا نہیں ہو سکتا۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔ (تفسیر سورۃ نساء، 4:25)

رہے وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں، ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ تفسیر وفد کی کتب میں یہ بیان آیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے، یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبہ کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔ اگر والدین میں سے ایک آزاد اور ایک غلام ہو تو اعتباراً ان کا کیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، عَنِ الْعُمَرِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ

بِمَنْزِلَتِهَا. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث 21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے (یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی)"

حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّحْلِ يَرْجُحُ أُمُّ وَلَدِهِ عَبْدَهُ فَيَبْدُو لَهُ أَوْلَادًا، قَالَ: هُمْ بِمَنْزِلَةِ أُمِّهِمْ، يَغْتَفُونَ بِعَقِبَتِهَا وَيَرْقُونَ بِرِقَّتِهَا، فَإِذَا مَاتَ سَيِّدُهُمْ عَقَّبُوا. (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (20996))

حضرت امام ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہو گا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا موندی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل ہو جائے گا کہ یہ مکاتبہ کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔ غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقاؤں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقاؤں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور بالغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

آزاد عورت کے بچے کی آزادی کا بیان

(وَوَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلَى كُلِّ حَالٍ) لِأَنَّ جَانِبَهَا رَاجِحٌ فَيَجْعَلُهَا فِي وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتَّبِعُهَا فِي الْمَمْلُوكِيَّةِ وَالْمَرْقُوقِيَّةِ وَالْتِدْبِيرِ وَأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

ترجمہ

اور آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوگا اس لئے کہ عورت کی جانب رائج ہے پس وصف حریت میں بچہ ماں کے تابع ہوگا جیسا کہ مملوک، مرقوق، مدبرہ ام ولد اور مکاتبہ ہونے میں بچہ ماں کے ہی تابع ہوتا ہے۔

شرح

امام ابن محمود برقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آزاد عورت کے بچے کا ہر طرح سے آزاد ہونا اس دلیل کے پیش نظر ہے کہ

آزادی اور غلامی میں ترجیح آزادی کو ہے اور ماں جو اصل ہے جب وہ آزاد ہے تو اولاد اس کے تابع ہوتے ہوئے بھی اسی کی طرح آزاد ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ص ۶، م ۳۰۴، بیروت)

تابع و متبوع کی فنی بحث کا بیان

معطوف کی تعریف:

معطوف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد واقع ہو اور تابع و متبوع دونوں مقصود بالنسبہ ہوں۔ تابع کو معطوف، و متبوع کو معطوف میہ کہتے ہیں، جیسے خاء یٰ زَیْدُ وَعَمْرُو۔ میں زَیْدُ معطوف علیہ اور عَمْرُو معطوف ہے۔

نوٹ:

تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبہ تو ہونگے لیکن ضروری نہیں کہ دونوں کی طرف نسبت کی نوعیت بھی ایک ہو جیسے خاء یٰ زَیْدُ لَا عَمْرُو، یہاں زید کی طرف آنے کی اور عمرو کی طرف نہ آنے کی نسبت کی گئی ہے۔ اور یہاں یہ مقصود بھی تھا کہ زید کی طرف آنے کی نسبت کی جائے اور عمرو سے اسکی نفی کی جائے لہذا یہ دونوں مقصود بالنسبہ ہوئے اگرچہ نسبت کی نوعیت مختلف ہے۔

معطوف کے چند ضروری قواعد:

اسم کا عطف اسم پر، فعل کا فعل، حرف کا حرف، مفرد کا مفرد، جملے کا جملہ، تیز و مل کا عامل، اور معمول کا معمول پر ہوتا ہے۔ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر اور فعلیہ کا فعلیہ پر مناسب ہوتا ہے لیکن برعکس بھی جائز ہے۔ جیسے خاء زَیْدُ وَعَلِیٌّ دَعَا۔

اسم ظاہر کا عطف اسم ظاہر یا اسم ضمیر پر اور اسم ضمیر کا عطف اسم ضمیر یا اسم ظاہر پر جائز ہے۔

جیسے خاء زَیْدُ وَعَمْرُو، جَاءَ زَیْدٌ وَأَنْتَ، مَا جَاءَ یٰی إِلَّا أَنْتَ وَعَلِیٌّ اور أَنَا وَأَنْتَ صَدِیقَانِ۔

بسا اوقات جملے کے شروع میں واقع ہونے والی واؤ عطف کی غرض سے نہیں آتی بلکہ احتیاف کیسے آتی ہے۔

جیسے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا اس وقت اسے واؤ مستانفہ اور جملے کو جملہ مستانفہ کہتے ہیں۔

ضمیر مرفوع متصل یا رز یا مستتر پر عطف کرنا ہو تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لازم ضروری ہے۔

جیسے نَجَوْتُمْ أَنْتُمْ وَمَنْ مَعَكُمْ (تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے نجات پائی)

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ .

ضمیر مجرور پر عطف کرنا ہو تو عموماً حرف جر کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

جیسے مَرَزْتُ بِهِ وَبَزَيْدٍ اور بعض اوقات اعادہ نہیں کیا جاتا، جیسے قرآن پاک میں وَكُفِّرْ بِهِ وَالتَّمْسِجِدِ الْحَرَامِ آیا ہے۔

فائدہ :

بعض عبارتوں میں عطف کی یہ نشانیاں ہوتی ہیں ۔ عطف عطف عطف عطف ۔

عطف بیان کی تعریف :

وہ تابع سے جو صفت تو نہ ہو لیکن صفت کی طرح اپنے متبوع کو واضح کرے یا اپنے متبوع سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔

جیسے اَفْسَمَ بِاللّٰهِ اَنْتُوْا خَفِصٌ عُمْرُ . اس مثال میں عمر تابع ہے جس سے متبوع ابو حصص کو واضح کیا ۔ اور قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ اَبُوْهُ رِيْزَةٌ، تابع کو عطف بیان اور

متبوع کو مبین کہتے ہیں ۔

عطف بیان کے چند ضروری قواعد :

۱۔ اگر کینت اور علم ایک ساتھ آجائیں تو ن میں سے مشہور و عطف بیان بنائیں جیسے مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی میں غسر اور دوسری میں اَبُوْهُ رِيْزَةٌ عطف بیان ہیں۔

۲۔ اگر متبوع معروف ہو تو عطف بیان اسکی وضاحت کرتا ہے جیسے مذکورہ مثالیں اور اگر وہ ہو تو اسکی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

جیسے وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صٰدِيْدٍ ۔ اس مثال میں صدید عطف بیان ہے ماء متبوع کی تخصیص کی ۔

عطف بیان تخصیص اور ازالہ وہم کیلئے بھی آتا ہے۔

جیسے اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِيْنٍ اور اَمَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۔

بَابُ الْعَبْدِ يَتَّقِي بَعْضَهُ

باب عتق بعض کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باہر ترقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے غلام کی بعض آزادی کو کل آزادی سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ غلام مکمل آزادی متفق علیہ ہے جبکہ غلام کی بعض آزادی مختلف فیہ ہے بہذا متفق علیہ کو مقدم ذکر کرنا اولیٰ تھا جس سے حسب ہدایہ نے اپنایا ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۳۰۷، بیروت)

غلام کی بعض آزادی سے متعلق فقہی آثار

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے اور اس شخص کے پاس اتنا مال کہ غلام کی قیمت دے سکے تو اس غلام کی قیمت لگا کر ہر ایک شریک کو موافق حصہ ادا کرے گا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جس قدر اس غلام میں سے آزاد ہوا ہے اتنی ہی حصہ آزاد کرے گا۔

(۱) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ مولیٰ اگر اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کا ایک حصہ جیسے ثلث یا ربع یا نصف آزاد کر جائے تو بعد مولیٰ کے مرنے کے اسی قدر حصہ جتنی مولیٰ نے آزاد کیا تھا آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس حصے کی آزادی بعد مولیٰ کے مرنے کے لازم ہوئی اور جب تک مولیٰ زندہ تھا اس کو اختیار تھا جب مر گیا تو موافق اس کی وصیت کے اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی غلام آزاد نہ ہوگا اس واسطے کہ وہ غیر کی ملک ہوگا تو باقی غلام غیر کی طرف سے کیونکر آزاد ہوگا نہ اس نے آزادی شروع کی اور نہ ثابت کی اور نہ اس کے واسطے واء ہے بلکہ یہ میت کا فعل ہے اسی نے آزاد کیا اور اسی نے اپنے لیے ولاء ثابت کی تو غیر کے مالک میں کیونکر درست ہوگا ابتداً اگر یہ وصیت کر جائے کہ باقی غلام بھی اس کے مال میں سے آزاد کر دیا جائے گا اور ثلث مال میں سے وہ غلام آزاد ہو سکتا ہو تو آزاد ہو جائے گا پھر اس کے شریکوں یا وارثوں کو تعرض نہیں پہنچے کیونکہ ان کا کچھ ضرر نہیں۔

(۲) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیماری میں تہائی غلام آزاد کر دیا تو وہ ثلث مال میں سے پورا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ مثل اس شخص کے نہیں ہے جو اپنی تہائی غلام کی آزادی اپنی موت پر مطلق کر دے اس واسطے کہ اس کی آزادی قطعی نہیں جب تک زندہ ہے رجوع کر سکتا ہے اور جس نے اپنے مرض میں تہائی غلام قطعاً آزاد کر دیا اگر وہ زندہ رہ گیا تو کل غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ میت کا تہائی مال میں وصیت درست ہے جیسے صحیح سالم کا تصرف کل مالک میں درست ہے۔

(۳) حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے اپنا غلام قطعی طور پر آزاد کر دیا یہاں تک کہ اس کی شہادت ہوگئی اور اس کی حرمت پوری ہوگئی اور اس کی میراث ثابت ہوگئی اب اس کے مولیٰ کو نہیں پہنچتا کہ اس پر کسی مال یا خدمت کی شرط لگا دے یا

اس پر کچھ غلامی کا بوجھ ڈالے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام میں سے آزاد کر دے تو اس کی قیمت کا کرہر، ایک شریک کو موافق حصہ کر آزاد کرے اور غلام اس کے وپر آزاد ہو جائے گا پس جس صورت میں وہ غلام خاص اسی کی ملک ہے تو زیادہ تر اس کی آزادی پوری کرنے کا حقدار ہوگا اور غلامی کا بوجھ اس پر نہ رکھے سکے گا۔

(موطائے امام مالک: جداول، حدیث نمبر 1150)

اعتاق کے اجزاء و عدم اجزاء کا بیان

(وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى بَعْضَ عَبْدِهِ عَتَقَ ذَلِكَ الْقَدْرَ وَيَسْعَى فِي بَقِيَّةِ قِيَمَتِهِ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ: (يَعْتِقُ كُلُّهُ) وَأَصْلُهُ أَنَّ الْإِعْتَاقَ يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَا أَعْتَقَ وَعِنْدَهُمَا لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، فَإِصَافَتُهُ إِلَى النُّعْضِ كِإِصَافَتِهِ إِلَى الْكُلِّ فَلِهَذَا يَعْتِقُ كُلُّهُ.

لَهُمْ أَنَّ الْإِعْتَاقَ اثْبَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ، وَإِثْبَاتُهَا بِإِزَالَةِ صِدْهَا وَهُوَ الرِّقُّ الِذِي هُوَ صَعْفٌ حُكْمِيٌّ وَهَمَّا لَا يَتَجَزَّأُ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ وَالْإِسْتِيلَادِ. وَلَا يَسِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْإِعْتَاقَ اثْبَاتُ الْعِتْقِ بِإِزَالَةِ الْمِلْكِ، أَوْ هُوَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ لِأَنَّ الْمِلْكَ حَقُّهُ وَالرِّقُّ حَقُّ الشَّرْعِ أَوْ حَقُّ الْعَامَّةِ.

وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وَلَا يَتَصَرَّفُ وَهُوَ إِزَالَةُ حَقِّهِ لَا حَقِّ غَيْرِهِ. وَالْأَصْلُ أَنَّ التَّصَرُّفَ يَقْتَصِرُ عَلَى مَوْضِعِ الْإِضَافَةِ وَالْتَعْدَى إِلَى مَا وَرَاءَهُ ضَرُورَةٌ عَدَمُ التَّجْزِئَةِ، وَالْمِلْكُ مُتَجَزَّءٌ كَمَا فِي الْبَيْعِ وَالْهَبَةِ فَيَقْبَى عَلَى الْأَصْلِ، وَتَجِبُ السَّعْيَةُ لِاخْتِبَاسِ مَالِيَةِ النُّعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْتَسْقَى بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إِلَى النُّعْضِ تَوْجِبُ ثُبُوتِ الْمَالِكِيَّةِ فِي كُلِّهِ، وَبَقَاءُ الْمِلْكِ فِي بَعْضِهِ يَنْتَعُهُ، فَعَمِلْنَا بِالذَّلِيلَيْنِ بِإِزَالَةِ مُكَاتَبٍ إِذْ هُوَ مَالِكٌ يَدٌ إِلَّا رَقَبَةً، وَالسَّعْيَةُ كَبَدَلِ الْكِتَابَةِ، فَلَهُ أَنْ يَسْتَسْعِيَهُ.

وَلَهُ خِيَارٌ أَنْ يُعْتَقَهُ لِأَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْإِعْتَاقِ، غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا عَحَزَ لَا يُرَدُّ إِلَى الرِّقِّ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لَا إِلَى أَحَدٍ فَلَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَقْصُودَةِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يُقَالُ

وَيُفْسَخُ، وَلَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ، فَاتَّبَعَهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيحًا لِلْمُحَرَّمِ، وَالْإِسْتِيلَادُ مُتَجَزَّءٌ عِنْدَهُ، حَتَّى لَوْ اسْتَوْلَدَ نَصِيبَهُ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ. وَفِي الْقِيَةِ لَمَّا ضَمِنَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِفْسَادِ مَلَكَهُ بِالصَّمَانِ فَكَمَّلَ الْإِسْتِيلَادُ.

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو تو اسی مقدار سے وہ غلام آزاد ہوگا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غلام باقی قیمت میں آقا کے لئے سعی کرے گا جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اعتاق تجزی ہو سکتا ہے اسی وجہ سے آزادی اتنی مقدار پر آزادی منحصر ہوگی جتنا آقا نے آزاد کیا ہو جبکہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اعتاق تجزی نہیں ہو سکتا اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول اسی لئے بعض غلام کی طرف آزادی کی اضافت کرنا کل غلام کی طرف اضافت کرنے کی طرح ہے اسی وجہ سے پورا غلام آزاد ہو جائے گا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق اثبات قوت کا نام ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس کا اثبات اس کی ضد کو ختم کرنے سے ہوگا اور قوت کی ضد وہ رقیبت ہے جو حکمی کمزوری ہے اور یہ دونوں تجزی نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے یہ حلاق دینہ قیام معاف کرنے اور ارام و لذت پانے کی طرح ہو گیا۔

جبکہ امام صاحب کی یہ دلیل ہے کہ ملک کو زائل کر کے حق ثابت کرنے کا نام اعتاق ہے یا خود اعتاق ہی ملک زائل کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک معقن کا حق ہے یا عوام کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر ہوتا ہے جتنا کہ تصرف کی ولایت کے تحت داخل ہوتا ہے اور یہ اپنے حق کو ختم کرنا ہے نہ کہ دوسروں کے حق کو۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ تصرف موضع اضافت تک محدود رہتا ہے۔

اور اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونا تجزی کے نہ پائے جانے کی ضرورت کے تحت ہوتا ہے اور ملک تجزی ہے جیسا کہ بیچ اور بیع میں ہے اسی وجہ سے تصرف اعتاق اپنی اصل پر باقی رہے گا اور غلام پر سعی کرنا واجب ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس کچھ مالیت محبوب ہے اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مستسقی مکاتب کے درجے میں ہے۔ اس لئے کہ بعض غلام کی طرف اعتاق کو منسوب کرنا پورے غلام میں ثبوت ملکیت کے موجب ہے لیکن بعض غلام میں ملکیت کی بقاء اس کے لئے مانع ہے لہذا ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کر کے اس کو مکاتب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ تصرف کا مالک ہے نہ کہ رقبہ کا اور کئی کرنا بدل نسبت کی طرف ہے۔ اس لئے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ غلام سے کمائی کر والے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کر دے اس لئے کہ مکاتب اعتاق کے لائق رہتا ہے لیکن اگر وہ کمائی کرنے سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیبت کی طرف نہیں ہونا یا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسقاط لالی احد ہے اس لئے فتح کو قبول نہیں کرے گا کتابت مقصودہ کے خلاف اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جس کا

ا قالہ بھی ہو سکتا ہے اور جو فتح بھی ہو سکتا ہے۔

اور صدق اور قصص کا معاف کرنا ان میں کوئی درمیانی حالت نہیں اس لئے ہم نے محرم کو ترجیح دیتے ہوئے ان کے کل میں ثابت کر دیا، اور حضرت امام عظیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ استیلا در جہنم ام ولد بنانا مجزی ہوتا ہے یہاں تک کہ آقا نے مدبرہ باندی سے اپنے حصے کو مود بنالیا تو وہ اس کے حصے تک محدود رہے گا اور کامل مموکہ باندی میں جب کسی نے اس کی وجہ سے اپنے ساتھی کے حصے کا تاوان دے دیا تو عثمان کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا اس لئے استیلا دپورا ہو گیا۔

بعض آزادی کے اعتبار کا بیان

حضرت ابو یوسف (تابعی) اپنے والد محترم (حضرت اسامہ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے چھ حصہ آزادی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم حدیث نمبر 582)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ ہذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی مجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام عظیم ابو حنیفہ چونکہ مجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا یا اس طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشتک) میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تو اسے چھڑانا اس کے مال میں ہے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور دوسرے حصہ کے شرکاء کے حصوں کی قیمت کے برابر غلام سے مزدوری کرائی جائے گی بغیر اس پر مشقت ڈالے ہوئے امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ پھر غلام سے محنت مزدوری کروائی گئی بغیر مشقت ڈالے ہوئے اس پر۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 547)

احادیث سے واضح ہے کہ کسی غلام سے اتنا ہی کام اور وہی کام لیا جاسکتا ہے جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو۔ گروہ کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ خود اس کی مدد کرے۔ ایسے مالک کو اللہ تعالیٰ بہت

بڑے نوازے گا۔

اخیرنا ابو یعلیٰ قال حدثنا ابو خثیمہ قال حدثنا عبد اللہ بن یزید قال حدثنی سعید بن ابی ایوب قال حدثنی ابو ہانئ قال حدثنی عمرو بن حرث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما جمعت عن خادمک من عملہ کان لك اجر افي موازینک (صحیح ابن حبان، حدیث (4314))

ترمذی بن حرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو اپنے خادم کے کام میں کمی کرتا ہے، اسے اس کا اجر اپنے اعمال کے وزن کے وقت ملے گا۔"

امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی غلام پر بوجھ لادنے سے متعلق ہوئے فرماتے ہیں:

قال شافعی: و معنى قوله "لا يكلف من العمل الا ما يطيق" یعنی... واللہ اعلم: لا ما يطيق الدوام علیہ، لا ما يطيق يوما اور یومین، او ثلاثہ، و نحو ذلك ثم يعجز. و جملة ذلك ما لا يضر بدنه الضرر الین، فان عسی او زمن، انفق علیہ مولاہ، و لیس له ان یسترضع الامة غیر ولدھا الا ان یکون فیہا فصل عن ریدہ، او یکون ولدھا یفتدی بالطعام، فیکف بدنه، فلا یاس بہ۔ (بغوی، شرح السنہ، کتاب النکاح)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، اس ارشاد کہ "غلام پر کام کا اتنا ہی بوجھ لاد جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔" کا معنی یہ ہے۔ (اللہ ہی بہتر جانتے والا ہے) کہ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کا ہمیشہ کرتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک، دو یا تین دن کسی کام کو تو کر لے اور اس کے بعد (بیمار پڑ کر) اس سے عاجز آجائے۔ اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جن کے نتیجے میں اس کی صحت کو واضح نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے وہ کسی کام کے نتیجے میں ناچینا ہو جائے یا بیمار پڑ جائے۔

(یہ دینی کی صورت میں) مالک پر لازم ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی لونڈی کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے کسی بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس پر اپنے رب کا فضل ہو (یعنی ایک بچے کی خدمت سے زیادہ دودھ اترتا ہو)، یا پھر اس کا اپنا بچہ کچھ اور کھا کر نشوونما پا رہا ہو (اور اس کا دودھ فالتو ہو گیا ہو) تو پھر کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے میں حرج نہیں ہے۔

سعایہ میں غلاموں سے حسن سلوک کرنے کا بیان

کسی ویہ خیال نہ رہے کہ ان حقوق کی تلقین محض اخلاقی نوعیت کی تھی۔ اگر ایسا بھی ہوتا تب بھی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہی کافی تھا، لیکن ان حقوق کو قانونی طور پر بھی نافذ کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل ان روایات میں بیان کی گئی ہے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَدْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْتٍ، فَإِذَا وَجَدَ غَدَاً لَمْ يَمَسَّهُ لَمْ يَطْعَمَهُ، وَضَعَهُ عَنْهُ مِنْهُ. (موطاء مالک، کتاب الجامع، حدیث (2807))

حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہر ہفتے کے دن مدینہ کے گرد و نواح میں (واقع کھیتوں وغیرہ) میں جایا کرتے اور اگر نہیں کوئی یہ غلام مل جاتا جو اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کر رہا ہوتا تو آپ اس کا بوجھ کم کر دیتے۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عُمَرَ ابْنِ سُهِيلٍ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ يَخْطُبُ وَيَقُولُ: لَا تُكَلِّمُوا الْأَمَةَ غَيْرَ ذَاتِ الصَّنْعَةِ الْكُنُسُ، فَإِنَّكُمْ مَتَى تَكَلَّمْتُمْوهَا ذَلِكَ كَسَبَتْ بِعَرَجِهَا، وَلَا تُكَلِّمُوا الصَّغِيرَ الْكُنُسَ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَحْدِ سَرَقٌ، وَعِقْفُوا إِذْ أَغْفَكُمُ اللَّهُ، وَعَلَيْكُمْ مِنَ الْمَطَاعِمِ بِمَا طَابَ مِنْهَا. (موطاء، مالک، کتاب الجامع، حدیث (2808)

حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اگر تمہاری لونڈیاں کوئی بھرنہ جانتی ہوں تو انہیں کمنے کے لئے مت کہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے نتیجے میں وہ عصمت فروشی کرنا شروع کر دیں گی۔ بچوں کو بھی کمنے کے لئے مت کہو کیونکہ اگر انہیں روزگار نہ ملے گا تو وہ چوری شروع کر دیں گے۔ ان سے مہربانی کا سلوک کرو کیونکہ اللہ نے تم سے مہربانی کی ہے۔ تم پر یہ لازم ہے کہ انہیں خوراک اور علاج کی سہولیات مہیا کرو۔

غلاموں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے مالکوں کے مال میں سے رواج کے مطابق بنیادی ضروریات کا سامان لے سکتے تھے۔

عبد الرزاق عن ابن جريج قال سمعت نافعاً يحدث أن عبد الله بن عمر يقول إن المملوك لا يجوز له أن يعطى من ماله أحداً شيئاً ولا يعتق ولا يتصدق منه بشيء، إلا بإذن سيده ولكنه يأكل بالمعروف ويكتسى هو وولده وإمرأته. (مسند مالك حاكم، حدیث (2856)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہہ کرتے تھے، "غلام کو اس کی اجازت تو نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کوئی چیز دے یا مالک کا غلام آزاد کرے یا اس میں سے صدقہ کرے۔ لیکن اسے دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے خوراک اور کپڑا لینے کا حق حاصل ہے۔"

غلاموں کے ان حقوق کا تقدس اس درجے کا تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حقوق فراہم نہ کرنے والے مالک پر غلام کے جرم کی سزا نافذ کی۔

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ رَجُلًا لِحَاطِبٍ سَرَقُوا نَاقَةً لِرَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ، فَانْتَحَرَوْهَا فَرَفَعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَمَرَ عُمَرُ كَثِيرَ بْنِ الصَّلْتِ أَنْ يَقْطَعَ أَيْدِيَهُمْ، ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: أَرَأَيْكَ تُجِيعُهُمْ؟ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَا عَزَمَتِكَ عُرْمًا يَشُقُّ عَلَيْكَ ثُمَّ قَالَ: زِلْ سُرْبِي كَمْ تَمُنْ نَاقَتِكَ؟ فَقَالَ الْمُزَنِيُّ: فَقَدْ كُنْتُ وَاللَّهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِثْثَةِ دِرْهَمٍ. فَقَالَ عُمَرُ: أَعْطِيهِ ثَمَانِ مِثْثَةِ دِرْهَمٍ. (موطاء، مالک، کتاب الاقضية، حدیث (2178)

حضرت عبدالرحمن بن حاطب بیان کرتے ہیں کہ (ان کے والد) حاطب کے ایک غلام نے بنو مزینہ کے کسی شخص کی اونٹنی

چرا کر اسے ذبح کر (کھا گیا)۔ یہ معاملہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (کی عدالت میں) لایا گیا۔ (پہلے) سیدنا عمر نے شیر جھلک کو اس غلام کا ہاتھ کانٹے کا حکم دیا لیکن پھر (آقا سے) ارشاد فرمایا، "مجھے لگتا ہے تم انہیں بھوکا رکھتے ہو۔" پھر فرمایا، "اللہ کی قسم! میں تم پر ایسا جرم مانہ عائد کروں گا جو تمہیں ناگوار گزرے گا۔" اس کے بعد بنو مزینہ کے اس مدعی سے پوچھا، "تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہے؟" اس نے کہا، "واللہ میں نے تو اس کے چار سو درہم قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آقا سے فرمایا، "اسے آٹھ سو درہم ادا کر دو۔"

مشترک غلام کو کسی ایک کے آزاد کرنے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ عَتَقَ)، فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا فَشَرِيكُهُ بِالْحِجَارِ، إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ، وَإِنْ شَاءَ صَحَّتْ شَرِيكُهُ قِيمَةُ نَصِيبِهِ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى الْعَبْدُ،

ترجمہ

اور جب ایک غلام دو شریکوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہو تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا پھر اگر وہ شریک مالدار ہو تو اس کے ساتھی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصے کی ضمان لے لے اور اگر چاہے تو غلام سے کمائی کرا لے۔

مشترک غلام سے استعساء میں شوائع و احناف کا اختلاف

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کسی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے۔) (بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 574 مسلم)

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دست کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی مجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس غلام سے استعفاء (معت) کرائی جائے اچنانچہ حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا وجود یکہ آزادی اور غلامی کے مجزی ہونے کا قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدر ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استعفاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدر نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ بھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استعفاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا پنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق و دونوں کو حاصل ہوگا اس بارے صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف سف اور امام محمد کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدر ہو تو دوسرے شریک کا حصہ بھیر دے اور اگر صاحب مقدر نہ ہو دوسرا شریک اس غلام سے استعفاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے، اور چونکہ آزادی مجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق و صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 573)

اس باب میں جن مسائل و احکام سے متعلق احادیث نقل کی جائیں گی ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید و بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنا حصہ آزاد کر دے تو دوسرا یا بکر؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف قوال ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس خلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے! ابتداً اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

مشترک غلام کے بارے میں صاحبین کی استدلال کردہ حدیث

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہو جائے گا" اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے منظور ہوگی)

اور اگر اس شخص کے پاس (اتہ) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو اس کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر ہو غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)۔ (بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 575 مسلم)

متعدد مالکوں کے مشترک غلام کی مکاتبت

بہ اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص متعدد مالکوں کا غلام ہوتا تھا۔ اس کی صورت ایسی ہی تھی جیسا کہ اگر کوئی کسی پانز شپ کھیتی کا مالک ہو۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اگر کوئی ایک پانز غلام میں اپنے حصے کو آزاد کرے تو باقی پانز بھی اپنے اپنے حصوں کو آزاد کر دیں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوں تو غلام خود بخود مکاتبت کا درجہ اختیار کر جائے گا۔ وہ مکاتبت اپنے باقی مالکان کو ادائیگی کرے گا اور اس معاملے میں اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

قال الامام البخاری حدثنا بشر بن محمد: أخبرنا عبد الله: أخبرنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن النضر بن أنس، عن بشير بن نهيك، عن أبي هريرة رضى الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (من أعتق شقيقاً من مملوكه فعليه خلاصه في ماله، فإن لم يكن له مال، قوم المملوك قيمة عدل، ثم استسعى غير مشقوق عليه). (بخاری، کتاب الشریکة، حدیث (2492)

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اگر کسی نے غلام میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اس غلام کو پورا آزاد کروائے۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس غلام کی مناسب قیمت لگوائی جائے اور اسے اسے کمانے کو کہا جائے گا اور اس پر سختی نہ کی جائے گی۔

ضمان کی صورت میں معق کا غلام سے رجوع کرنے کا بیان

فَبِإِنْ ضَمِنَ رَجَعَ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَبْدِ (وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ، وَإِنْ أَعْتَقَ أَوْ اسْتَسْعَى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا، وَإِنْ كَانَ الْمُعْتَقُ مُعْسِراً فَالشَّرِيكَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى. الْعَبْدُ) وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوُجْهَيْنِ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَجَمَهُ اللَّهُ

ترجمہ

پھر اگر اس نے ضمان لے لیا تو معق غلام سے رجوع کرے گا اور اس کا ولاء معق کو ملے گا اور اگر شریک غلامی اپنے حصے کو آزاد کر دیا یا اس سے کمائی کرائی تو ولاء ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اور اگر معق تنگ دست ہے۔ تو شریک کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو آزاد کر دے اور اگر وہ چاہے اس سے محنت کرائے اور ولاء دونوں صورتوں میں ان کے درمیان ہوگی اور یہ حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

ولاء کی لغوی تشریح کا بیان

ولاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "و ل ی" ہے ولی کا مطلب ہے دوست، مددگار، حلیف، قریبی، حامی اسی سے ولایہ کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہے دوستی، قربت، محبت، نصرت، حمایت۔ جب یہ غلطی کے اضافے کے ساتھ اولیاء کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو یہ ایک شرعی اصطلاح بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ واضح کرتا ہے کہ مومن کسی کو کسی سے دوستی اور محبت کرنی چاہیے۔ اولیاء کا غلط شرعی اصطلاح میں بعض قدر جمع ہے کہ اردو کے کسی ایک لفظ کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی مشکل ہے۔ اس نے اس کی ترجمانی کے لیے "دوستی" کا لفظ منتخب کیا ہے لیکن اس دوستی سے مراد وہ سرسری تعلقات نہیں جو عارضی مفادات یا بعض دیگر وقتی اسباب کے تابع ہوتے ہیں بلکہ اس دوستی سے مراد وہ قہری تعلق ہے جو ہمیشہ قائم رہے اور جس میں دلی محبت اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہو سر سے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں لیکن اس دوستی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایہ کی بیخ اور اس کے ہر سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2387)

شہاب کہتے تھے کہ سنت جاری ہے اس بات پر جب غلام آزاد ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔ امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اور مکاتب جب مفلس ہو جائیں تو ان کے مالک اور ام ولد لے لیں گے مگر اولاد کو نہ لیں گے کیونکہ اولاد غلام کا مالک نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ غلام جب بیچا جائے اور خریدار اس کے مالک بننے کی طرف کرے تو اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے غلام اگر کسی کو زخمی کرے تو اس دیت میں وہ خود اور مال اس کا گرفت کیا جائے گا مگر اس کی اولاد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

یعنی ولاء کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مر جائے تو اس کا آزاد کرنا والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آزاد کے اس تعلق کو بیچ کرنے یا ہبہ کرنے کا رواج تھا۔ شروع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ مذہب کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہو سکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراقی اور حجاز کا اتفاق ہے۔ (حاشیہ بخاری، کتاب الخاق)

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ ولاء سے متعلق لکھتے ہیں۔

فرع فی الأصل علی ما إذا مات المعتق عن ابنین، فقال: لو مات الابن ولأحدہما

ابن ولأخر انسان ثم مات المعتق فمیراث المعتق بینہم، لأن الولاء لم یصر میراثاً

بین ابن المعتق بل هو باق فی المعتق علی حالہ، ثم یحلفہ فیہ أقرب عصۃ علی ما ذکرنا، وهؤلاء فی القرب إلیہ علی السواء (محیط برہانی، ج ۳، ص ۷۶، بیروت)

شریک ثانی کیلئے ضمان کا بیان

(وَقَالَا: لَيْسَ لَهُ إِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسَّعْيَةِ مَعَ الْإِعْسَارِ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُعْتَقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ) وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ تَبْتَنِي عَلَى حَرْفَيْنِ: أَحَدُهُمَا: تَحْرِيرُ الْإِعْسَاقِ وَعَدَمُهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَالثَّانِي: أَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ سَعْيَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَمْنَعُ. لَهُمَا فِي الثَّانِي قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُعْتَقُ نَصِيْبُهُ، إِنْ كَانَ غَيْبًا ضَمِنَ، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا سَعَى فِي حِصَّةِ الْآخِرِ، فَسَمَّ وَالْقِسْمَةَ تُفَاهِي الشَّرِيكَ وَلَهُ أَنَّهُ اخْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيْبِهِ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهُ أَنْ يُضْمَنَهُ كَمَا إِذَا هَبَّتِ الرِّيحُ فِي ثَوْبِ إِنْسَانٍ وَالْقَتَّةُ فِي صَبْغٍ غَيْرِهِ حَتَّى انْصَبَّغَ بِهِ فَعَلَى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيَمَةُ صَبْغِ الْآخِرِ مُوسِرًا كَانَ أَوْ مُعْسِرًا لِمَا قُلْنَا فَكَدَا هَاهُنَا، إِلَّا أَنَّ الْعَبْدَ فَقِيرٌ فَيَسْتَسْعِيهِ.

ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ يَسَارُ التَّيْسِيرِ، وَهُوَ أَنْ يَمْلِكَ مِنَ الْمَالِ قَدْرَ قِيَمَةِ نَصِيْبِ الْآخِرِ لَا يَسَارُ الْعِنَى، لِأَنَّ بِهِ يَتَعَدَّلُ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيقِ مَا قَصَدَهُ الْمُعْتَقُ مِنَ الْقُرْبَةِ وَابْتِصَالِ بَدَلِ حَقِّ السَّائِكِ إِلَيْهِ،

ترجمہ

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ شریک اول کے مالدار ہونے کی صورت میں شریک ثانی کو صرف ضمان کا حق ہوگا جبکہ اس کے تنگ دست ہونے کی صورت میں اسے صرف کمائی کرانے کا حق ہوگا۔ اور معتق غلام سے رجوع نہیں کرے گا اور ولایہ صرف معتق کے لئے ہوگا اور یہ مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے ان میں سے ایک غلام کا تنجری ہونا نہ ہونا جو ہم بیان کر چکے ہیں اور دوسری اصل یہ ہے کہ معتق کا خوش حال ہونا حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے ہاں اس کے کسب سے مانع نہیں ہے جبکہ حضرات صاحبین کے ہاں مانع ہے۔ اصل ثانی میں حضرات صاحبین کی دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنا حصہ آزاد کر دیا گریہ مالدار ہو تو ضامن ہوگا اور اگر وہ فقیر ہو تو غلام دوسرے کے حصے کے لئے کمائی کرے گا آپ ﷺ نے تقسیم فرمادی اور تقسیم شریک کے منافی ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ شریک ثانی کے حصے کی دیت غلام کے پاس محبوس ہے اس لئے اس کو تاوان بننے کا اختیار ہوگا جس طرح کہ اگر ہوانے کسی شخص کے کپڑے کو اڑا کر کسی دوسرے کی رنگ میں ڈال دیا اور وہ کپڑا رنگین ہو گیا تو کپڑے

کے مالک پر دوسرے کی قیمت واجب ہے چاہے وہ مالدار ہو یا تنگ دست اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے یہ حکم صورت سند میں بھی ہے لیکن اگر غلام فقیر ہو تو شریک ثانی اس سے کمائی کرائے۔ اس کے بعد یہاں تیسرا مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ اتنی مالیت کا مالک ہو کہ دوسرے کے حصے کی قیمت ادا کر سکے اور یہاں غلام مراد نہیں یہاں لئے کہ یہاں تیسرا مراد ہے دونوں کی طرف شفقت برابر رہتی ہے کیونکہ معتق کے لئے اس کا چاہا ہوا یعنی قربت کا ثبوت ہو جائے گا اور سکت کو اس کے حق کا بدلہ مل جائے گا۔

شرح

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشرک) میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے غلام کی منسوب قیمت لگائی جائے گی اور اس کے بقیہ شرکاء کو ادائیگی کی جائے گی، ان کے حصول کے بعد اور غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو جتنا حصہ اس نے آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد رہے گا۔

(سنن بوداؤد: جلد سوم، حدیث نمبر 549)

خود خواہ اس پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس سے محنت نہ ہو سکے تو جتنا آزاد ہوا اتنا آزاد باقی حصہ غلام رہے گا۔ یہ باب لا کر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دونوں الفاظ میں تطبیق دی، یعنی بعض روایتوں میں یوں آیا ہے۔ والا فقد عتق مسک ماعتق اور بعضوں میں یوں آیا ہے استعسی غیر مشقوق علیہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت جب ہے کہ غلام محنت مشقت کے قابل نہ ہو اور آزاد کرنے والا نادار ہو اور دوسری صورت جب ہے کہ وہ محنت مشقت اور کمائی کے قابل ہو۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ کسی ایک غلام کوئی آدمی مل کر خرید لیا کرتے تھے۔ اب اگر ان ساتھیوں میں سے کوئی شخص اس غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرنا چاہتا تو اس کے لیے اسلام نے یہ حکم صادر کیا کہ پہلے اس غلام کی صحیح قیمت تجویز کی جائے۔ پھر اپنا حصہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو باقی حصہ داروں کو تخمینہ کے مطابق ان کے حصوں کی قیمتیں ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام مکمل آزاد ہو گیا۔ اگر وہ شخص مالدار نہیں تو پھر صرف اسی کا حصہ آزاد ہوا ہے۔ باقی حصہ غلام خود محنت مزدوری کر کے ادا کرے۔ اسی صورت میں وہ پوری آزادی حاصل کر سکے گا۔

اس حدیث کو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف طرق سے کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ اس روشن حقیقت کے ہوتے ہوئے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ علیہ آیات و احادیث سے مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مالداری کی حالت میں عدم وجوب سعایہ کا بیان

ثُمَّ التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ، فَقَدْ رُجِعَ الْمُعْتَقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ

السَّعَايَةِ عَلَيْهِ فِي حَالَةِ الْبَسَارِ وَالْوَلَاءِ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّخْرِيجِ وَأَمَّا التَّخْرِيجُ عَلَى قَوْلِهِ فَيَحْيَا الْإِعْتَاقَ لِقِيَامِ مَلِكِهِ فِي الْبَاقِي إِذَا الْإِعْتَاقُ يَتَحَرَّزُ عِنْدَهُ وَالضَّمْنُ لِأَنَّ الْمُعْتَقَ جَانٍ عَلَيْهِ بِإِفْسَادِهِ نَبِيَّهُ حَيْثُ افْتَنَعَ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهَبُ وَخَوُ ذَلِكَ مِمَّا سَوَى الْإِعْتَاقِ وَتَوَاتُرِهِ، وَالْإِسْتِغَاءُ لِمَا بَيْنَا وَيَرْجِعُ الْمُعْتَقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِأَنَّهُ قَامَ مَقَامَ السَّائِكِ بِإِذَاءِ الصَّمَانِ وَقَدْ كَانَ لَهُ ذَلِكَ بِالْإِسْتِغَاءِ فَكَذَلِكَ لِلْمُعْتَقِ وَلِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِإِذَاءِ الصَّمَانِ ضَمْنًا فَيَصِيرُ كَأَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَقَدْ عَتَقَ نَعُضَهُ فَلَهُ أَنْ يُعْتَقَ الْبَاقِي أَوْ يَسْتَسْعِيَ إِنْ شَاءَ، وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتَقِ فِي هَذَا الْوَجْهِ لِأَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مَلَكَهُ بِإِذَاءِ الصَّمَانِ.

ترجمہ

حضرات صحابین کے قول پر تخریج ظاہر ہے اس لئے معتق کا غلام سے مال ضمان واپس نہ لینا مالہ کی حالت میں سعایہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ہے۔ کیونکہ ولاء معتق کے لئے ہے اور پورا حق بھی اسی کی طرف سے واقع ہوا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ حق کے اجزاء نہیں ہوتے۔ ابستہ امام صاحب کے قول پر تخریج کرنے کا حکم شریک کے لئے اعتاق کا اختیار دینا ہے۔ کیونکہ بقیہ غلام میں اس کی ملکیت باقی ہے۔ کیونکہ یہاں ان کے نزدیک اعتاق کے اجزاء ہو سکتے ہیں اور ضمانت لینے کا حق اس وجہ سے ہے معتق اس کے حصے کو خراب کرتے ہوئے زیادتی کرنے والا ہے۔ ابستہ دوسرے شریک کے لئے اعتاق اور اس کے توابع اور استعساء کے سوانح اور ہبہ وغیرہ کے احکام ختم کر دئے ہیں اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور معتق مال ضمان کو غلام سے واپس لے گا۔ اس لئے کہ ضمانت ادا کرنے کی وجہ سے وہ سکت کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور جب سکت کیلئے استعساء کے ذریعے یہ اختیار تھا۔ تو معتق کو بھی یہ حق حاصل ہو گا۔ اور اس لئے بھی کہ معتق ولاء ضمان کی وجہ سے اس غلام کو ضمنی طور پر مالک ہو چکا ہے لہذا یہ اس طرح ہو چکا ہے کہ جس طرح پورا اسی کا ہے۔ حالانکہ اس نے بعض ہی غلام آزاد کیا ہے تو اسے یہ اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کر دے یا جب چاہے تو اس سے محنت کرائے۔ اور اس صورت میں ولاء معتق کو ملے گا۔ کیونکہ مکمل حق ہی اسی کی جانب واقع ہوا ہے کیونکہ ضمانت ادا کر کے وہ اس کا مالک ہو چکا ہے۔

شرح

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ولاء معتق کیسے ہے۔ جس طرح حدیث متواترہ میں ہے اور اس کو امام بخاری کے سمیت کثیر ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے اور اس کی بحث گزر بھی چکی ہے ایک سند وہ حدیث اس طرح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے بریرہ کو خریدنا تو اس کے مالک نے

شرط لگائی کہ ولاء ہم لیس گے میں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر۔ ولاء اس کے لیے ہے جو رو پیو سے چنانچہ میں نے بریرہ کو آزاد کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور اس کو اس کے خاوند کے متعلق اختیار دیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ مجھ کو اتنا مال دے تو بھی میں اس سے تھ نہ ہوں چنانچہ وہ اپنے شوہر سے جدا ہو گئی۔

(صحیح بخاری، جلد اول، حدیث نمبر 2388 حدیث متواتر)

آزاد کرنے والے کی تلکدستی کا بیان

وَفِي حَالِ إِعْسَارِ الْمُعْتِقِ إِنْ شَاءَ أَغْتَقَ لِقَاءَ مُلْكِهِ ، وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى لِمَا بَيَّأَ ، وَالْوَلَاءُ لَهُ فِي الْوَجْهِينِ لِأَنَّ الْعَتَقَ مِنْ حَيْثِهِ ، وَلَا يَرْجِعُ الْمُسْتَسْقَى عَلَى الْمُعْتِقِ بِمَا أَذَى بِإِجْمَاعٍ بَيْنَنَا لِأَنَّهُ يَسْعَى لِفِكَارِكَ رَقَّتِهِ أَوْ لَا يَقْضِي ذَيْنَا عَلَى الْمُعْتِقِ إِذْ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِعُسْرِهِ ، بِحِلَافِ الْمَرْهُونِ إِذَا أَغْتَقَهُ الرَّاهِنُ الْمُعْسِرُ لِأَنَّهُ يَسْعَى فِي رَقَّةٍ قَدْ فُكَّتْ أَوْ يَقْضِي ذَيْنَا عَلَى الرَّاهِنِ فَلِهَذَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ . وَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمُوسِرِ كَقَوْلِهِمَا .

وَقَالَ فِي الْمُعْسِرِ : يَنْقَى نَصِيبُ السَّائِكِ عَلَى مُلْكِهِ بَيَّاعٌ وَيُوهَبُ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى تَضْمِينِ الشَّرِيكِ لِإِعْسَارِهِ وَلَا إِلَى السَّعَايَةِ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَيْسَ بِجَانٍ وَلَا رَاضٍ بِهِ ، وَلَا إِلَى إِبْغَاتِ الْكُلِّ لِلْبَاضِرِ بِالسَّائِكِ فَتَعَيَّنَ مَا عَيَّنَاهُ .

قُلْنَا : إِلَى الْإِسْتِسْعَاءِ سَبِيلٌ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى الْجِنَايَةِ بَلْ تُبْتَسَى السَّعَايَةُ عَلَى اخْتِيَابِ الْمَالِيَةِ فَلَا يُصَارُ إِلَى الْحَمْعِ بَيْنَ الْقُوَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْمَالِكِيَّةِ وَالضَّعْفِ السَّالِبِ لَهَا فِي شَخْصٍ وَاحِدٍ .

ترجمہ

اور معتق کے تلکدست ہونے کی حالت میں اگر شریک ثانی چاہے تو اپنا حصہ بھی آزاد کر دے کیوں کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور اگر چاہے تو اس سے کئی کرائے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور دونوں صورتوں میں اس کو بھی ولاء ملے گا کیوں کہ اس کی طرف سے بھی عتق واقع ہوا ہے اور غلام مستسقی معتق سے اپنا اداء کر دے مال واپس نہیں لے سکتا اتفاق فقہائے احناف کیوں کہ وہ تو اپنی گردن چھڑانے کیلئے کئی کرتا ہے اور معتق پر کوئی قرضہ نہیں اداء کرتا ہے اس لیے کہ معتق کے عسر کی وجہ سے اس پر کچھ بھی نہیں لازم ہے برخلاف عبد مرہون کے جب اسے عسر راہن آزاد کر دے، اس لیے کہ عبد مرہون اپنی گردن کیلئے کئی کرتا ہے جو چھوٹ جی

ہے یا وہ ایسا قرضہ اداء کرتا ہے جو راہن پر تھا لہذا وہ راہن سے واپس لے لے گا۔

اور موسر کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول حضرات صاحبین کے قول کی طرح جب کہ معسر کے متعلق ان کا قول یہ کہ سائک کا حصہ اس کی ملکیت پر قرار ہے گانے بیچ بھی جائے گا اور ہب بھی کیا جائے گا کیوں کہ شریک اول کے معسر ہونے کی وجہ سے اس سے ضمان لینے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ ہی غلام سے کئی کرانے کا اختیار ہے کیوں کہ نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ ہی آزادی پر راضی ہے اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے اس لیے کہ اس میں سائک کا ضرر ہے لہذا ہم نے جو کچھ متعین کیا ہے وہی متعین ہے ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ شریک ثانی کے لیے غلام سے کئی کرانے کی راہ ہے کیوں کہ استسقاء کے لیے جتنا عتق کی ضرورت نہیں ہے بلکہ استسقاء اس کی مالیت کے اعتبار پر مبنی ہے لہذا ایک ہی غلام میں قوت جو موجب ملکیت ہے وہ اور ضعیف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے وہ دونوں باتیں جن میں نہیں ہوں گی۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام میں آزاد کر دیا تو اس پر اس کا آزاد کرانا اپنے مال سے واجب ہے اگر اس کے پاس مال ہو ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اس غلام سے عتق کرائی جائے گی لیکن اس کو مشقت میں نہ ڈار جائے حجاج بن جرج ابان اور موسیٰ بن خنف نے قہار سے روایت کی ہے اور اس کو شعبہ نے مختصر طور پر بیان کیا۔ (صحیح بخاری، جلد اول، حدیث نمبر 2379)

جب غلام کی آزادی کی شہادت ایک آدمی بیان کرے

قَالَ (وَلَوْ شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى صَاحِبِهِ بِالْعَتَقِ سَقَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيْبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَكَذَا إِذَا كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا ، لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّ صَاحِبَهُ أَغْتَقَ نَصِيْبَهُ فَصَارَ مُكَاتِبًا فِي رِغْمِهِ عِنْدَهُ وَحَرَمَ عَلَيْهِ إِلَّا سِتْرَقَاتِي فَيُضَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَيَمْنَعُ مِنْ اسْتِرْقَاقِهِ وَيَسْتَسْعِيهِ لِأَنَّا تَيَقَّنَا بِحَقِّ الْإِسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ أَوْ صَادِقًا لِأَنَّهُ مُكَاتِبٌ أَوْ مَمْلُوكٌ فَلِهَذَا يَسْتَسْعِيْهِ ، وَلَا يَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الْحَالَيْنِ فِي أَحَدِ شَيْئَيْنِ ، لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ ، وَقَدْ تَعَدَّرَ التَّضْمِينُ لِإِنْكَارِ الشَّرِيكِ فَتَعَيَّنَ الْآخَرُ وَهُوَ السَّعَايَةُ ، وَالْوَلَاءُ لَهُمَا لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا يَقُولُ عَتَقَ

نَصِيبُ صَاحِبِي عَلَيْهِ بِإِغْتَاقِهِ وَلَاؤُهُ لَهُ، وَعَقَقَ نَصِيبِي بِالسَّعَايَةِ وَلَاؤُهُ لِي.

(وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: إِنْ كَانَا مُوسِرَيْنِ فَلَا سَعَايَةَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُ عَنِ سَعَايَتِهِ بِدَعْوَى الْعَتَاقِ عَلَى صَاحِبِهِ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتَقِ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُمَا، إِلَّا أَنَّ الدَّعْوَى لَمْ تَثْبُتْ لِإِنْكَارِ الْآخِرِ وَالْبَرَاءَةُ عَنِ السَّعَايَةِ قَدْ ثَبَتَتْ لِإِفْرَادِهِ عَلَى نَفْسِهِ (وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لِهَمَا) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدْعِي السَّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًا كَانَ أَوْ كَاذِبًا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ إِذِ الْمُعْتَقُ مُعْسِرٌ (وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا وَالْآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ لَا يَدْعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لِإِعْسَارِهِ، وَإِنَّمَا يَدْعِي عَلَيْهِ السَّعَايَةَ فَلَا يَتَبَرَّأُ عَنْهُ (وَلَا يَسْعَى لِلْمُعْسِرِ مِنْهُمَا) لِأَنَّهُ يَدْعِي الضَّمَانَ عَلَى صَاحِبِهِ لَيْسَارِهِ فَيَكُونُ مُبَرَّرًا لِلْعَقْدِ عَنِ السَّعَايَةِ، وَالْوَلَاءُ مُوقُوفٌ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُحِيلُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَهُوَ يَتَبَرَّأُ عَنْهُ فَيَبْقَى مُوقُوفًا إِلَى أَنْ يَتَّفَقَا عَلَى إِعْتَاقِ أَحَدِهِمَا.

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غلام ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حصے کی مزدوری کرے گا۔ اگرچہ وہ دونوں مالدار ہوں یا وہ دونوں غربت میں ہوں اور اسی طرح جب ان میں سے ایک مال والا ہو اور دوسرا غریب ہو اور ان میں سے ہر ایک سمجھ رہا ہو کہ اس کے ساتھی نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے۔ پس غلام اس کے خیال کے مطابق مکاتب ہو جائے گا اور پھر اسی پر اس غلام کو دوبارہ غلام بنانا حرام ہے کیونکہ اسی شریک کے حق میں اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ اور اس شریک کو استرقاق کے طور پر غلامی سے منع کر دیا جائے گا۔ ہاں اس سے محنت کروائی جائے گی۔ کیونکہ استعساء کا یقین ہے خود وہ شریک سچا ہوا جھوٹا ہو۔ کیونکہ وہ اس کا مکاتب ہے یا وہ اس کا مملوک ہے۔ پس وہ دونوں غلاموں سے کمائی کر لیں گے۔ اور عسرویسر کی حالت میں یہ حکم مختلف نہ ہوگا کیونکہ دونوں احوال میں سے کسی ایک حاست میں آقا کا حق ہے۔ اس لئے کہ معتق کا مالدار ہونا امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک غلام کی محنت کے نفع نہ ہوگا جبکہ شریک کے انکار کے سبب تاوان لینا بھی ناممکن ہے۔ لہذا اس میں دوسری دلیل متعین ہو جائے گی۔ اور وہ صرف کمائی کروانا ہے جبکہ ولاء دونوں کو ملے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس حکم کا قائل ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے کے سبب آزاد ہوا ہے

لہذا اس کا ولاء میرے لئے ہے۔

صاحبین عیہما الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دونوں مالی طور پر مستحکم ہیں تو غلام پر کمائی کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر ضمان کا دعویٰ کرنے والا اور اس کو کمائی سے بری کرنے والا ہے۔ لہذا صاحبین کے نزدیک کمائی کرنا مالدار معتق سے منع ہے۔ ہاں البتہ دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت کرنے والا نہ ہوگا۔ جبکہ غلام کا کمائی سے بری اندمہ ہونا کبھی تو اس کی ذات پر اس کے ذاتی اقرار کے ثبوت سے ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں شریک غریب ہوں تو غلام دونوں کیلئے کمائی کرے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک شریک غلام پر محنت کرنے کے دعویٰ کا حق رکھتا ہے۔ خود وہ سچا ہوا یا جھوٹا ہو۔ جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ معتق تندرست ہے۔ اور جب دونوں شرکاء میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگ دست ہو تو اس صورت میں غلام صرف تنگ دست کیلئے کمائی کرے گا۔ کیونکہ عسر کے سبب وہ اپنے شریک پر دعویٰ نہیں کرنے والا اور وہ صرف کمائی کا دعویٰ کرنے والا ہے پس غلام اس طرح کمائی سے بری اندمہ نہ ہوگا اور غلام عسروالے کیلئے کمائی نہ کرے گا کیونکہ دوسرے شریک کے مالدار ہونے کی وجہ سے عسر و الاضمان کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ پس وہ غلام کو کمائی سے بری کرنے والا ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں وہ موقوف ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ولاء دوسرے کے سپرد کرنے والا ہے حالانکہ دوسرا اس سے برأت کرنے والا ہے لہذا ولاء موقوف رہے گا۔ حتیٰ کہ دونوں شرکاء کسی ایک غلام کو آزاد کرنے پر متفق ہو جائیں۔

شرح

اگر کسی حصہ کو آزاد کیا تو اتنا ہی آزاد ہوگا یہ اس صورت میں ہے۔ کہ جب وہ حصہ معین ہو مثلاً آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی۔ اور اگر غیر معین ہو مثلاً تیرا ایک حصہ آزاد ہے تو اس صورت میں بھی آزاد ہوگا مگر چونکہ حصہ غیر معین ہے، لہذا مالک سے تعیین کرائی جائے گی کہ تری مراد کیا ہے جو وہ بتائے اوتا آزاد قرار پائے گا اور دونوں صورتوں میں یعنی بعض معین یا غیر معین میں جتنا باقی ہے اس میں سعایت کرائیں گے یعنی اس غلام کی اوس روز جو قیمت بازار کے نرخ سے ہو اس قیمت کا جتنا حصہ غیر آزاد شدہ کے مقابل ہوتا تھا مزدوری وغیرہ کر اگر وصول کریں جب قیمت کا وہ حصہ وصول ہو جائے اس وقت پورا آزاد ہو جائیگا۔

حضرت علی بن عبد اللہ سفیان عمرو سالم اپنے والد سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسا غلام آزاد کیا جو دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو۔ اگر وہ مالدار ہے تو اس غلام کی قیمت لگائی جائے گی پھر وہ غلام آزاد کر دیا جائے گا (باقی حصوں کی قیمت آزاد کرنے والے کو دینی ہوگی)۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2373)

حضرت عبد اللہ بن یوسف، مالک، نافع عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کر دیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ پورے غلام کی قیمت کے برابر ہو تو اس غلام کی ٹھیک ٹھیک قیمت لگائی جائے گی اور ان کے شریکوں کو ان کے حصے کی قیمت دے دے پھر وہ آزاد ہو جائے گا ورنہ بصورت تنگ دستی اس غلام کا اتنا ہی حصہ

آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2374)

غلام و باندی کی شہادت میں مذہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سو اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کیونکہ اس میں مالک کی طرف داری کا قتال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سب لونڈی غلام ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل و راقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل و راقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔

غلام کی آزادی کو معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ أَحَدُ الشَّرِיקَيْنِ إِنَّ لَمْ يَدْخُلْ فَلَانَ هَذِهِ الدَّارَ عَدَا فَهُوَ حُرٌّ، وَقَالَ الْآخَرُ:

إِنْ دَخَلَ فَهُوَ حُرٌّ فَمَضَى الْعَدُوَّ وَلَا يَدْخُلُ أَذْخَلَ أَمْ لَا عَتَقَ النِّصْفَ وَسَعَى لَهُمَا فِي

النِّصْفِ الْآخِرِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَسْعَى فِي حَمِيصِ قِيَمَتِهِ) لِأَنَّ الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِسُقُوطِ السَّعَايَةِ مَجْهُولٌ،

وَلَا يُمَكِّنُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُولِ قَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ لَكَ عَلَى أَحَدِنَا أَلْفٌ

دِرْهَمٍ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي بِشَيْءٍ لِلْجَهَالَةِ، كَذَا هَذَا.

وَلَهُمَا أَنَا تَبَقًا بِسُقُوطِ نِصْفِ السَّعَايَةِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا حَانَتْ بِبَقِيَّةٍ، وَمَعَ التَّبَقِّينِ بِسُقُوطِ

النِّصْفِ كَيْفَ يُقْضَى بِوُجُوبِ الْكُلِّ، وَالْجَهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوعِ وَالتَّوْزِيعِ، كَمَا إِذَا

أَعْتَقَ أَحَدُ عَبْدَيْهِ لَا بَعِيْنَهُ أَوْ بَعِيْنَهُ وَنَسِيَهُ وَمَاتَ قَبْلَ التَّذْكَرِ أَوْ الْبَيَانِ، وَيَتَأْتِي التَّفْرِيعُ

فِيهِ عَلَى أَنَّ الْيَسَارَ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ أَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الْإِخْتِلَافِ الَّذِي سَبَقَ.

ترجمہ

اور جب کسی ایک شریک نے کہا کہ اگر فلاں شخص آنے والی کل میں اس گھر داخل نہ ہوا تو وہ غلام آزاد ہے۔ جبکہ دوسرے نے کہا کہ اگر وہ داخل ہوا تو وہ آزاد ہے اور آنے والا کل گزر گیا لیکن یہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ داخل ہوا ہے یا نہیں۔ تو نصف غلام آزاد

ہو جائے گا اور بقیہ آدھے کیلئے وہ سعایہ کرے گا۔ یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ پوری قیمت اد کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ جس شریک کے سبب سقوط کا حکم دیا جاتا ہے وہ مجہول ہے اور کسی مجہول پر کوئی فیصلہ ممکن نہیں پس یہ اس طرح ہو گیا ہے جس کسی نے دوسرے سے کہا ہم میں سے کسی ایک پر تیرے لئے ایک ہزار درہم ہیں۔ تو جہالت کے سبب کوئی فیصلہ نہ ہوگا اور اسی طرح شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں آدھے سعایہ کے سقوط کا یقین ہے۔ کیونکہ دونوں شرکاء میں سے ایک یقیناً حانت ہے۔ لہذا نصف سعایہ کے سقوط کے یقین ہوتے ہوئے مکمل سعایہ کے وجوب کا فیصلہ کس طرح کیا جائے گا۔ کیونکہ پھینے اور پھیلانے سے جہالت دور ہو جاتی ہے جس طرح کسی غیر معین دو غلاموں میں سے کسی ایک کو آزاد کیا یا معین کرتے ہوئے آزاد کیا لیکن اس شخص نے جس کو معین کیا تھا اس کو مجہول کیا۔ اور پھر اس کو یاد کرنے یا بیان کرنے سے پہلے فوت ہو گیا۔ اور اس مسئلہ کی تفریع کا حاصل اس طرح ہے کہ آسانی (مالداری) سعایہ کے مانع ہے یا نہیں ہے اور یہ اسی اختلاف پر ہے جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

ایک کی طرف سے جب شرط پائی گئی تو مشروط کے پائے جانے کے سبب وہ غلام اتنے حصے میں آزاد ہو کر بقیہ اس مسئلہ کی دوسری صورت ہوگی جو مشترک غلام کی آزادی جب کسی ایک کی جانب سے ہو جیسا احادیث میں بھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادی کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2375)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتویٰ دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ عادل کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اور اس کی لیٹ و ابن ابی ذریب ابن اسحاق و جویریہ و یحییٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2378)

دو شرکاء کی دو غلاموں پر قسم کھانے کا بیان

(وَلَوْ خَلَقَا عَلَى عَبْدَيْنِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَحَدِهِمَا بَعِيْنَهُ لَمْ يَتَّقِ وَاحِدٌ مِنْهُمَا) لِأَنَّ

الْمُقْضَى عَلَيْهِ بِالْعَتَقِ مَجْهُولٌ، وَكَذَلِكَ الْمُقْضَى لَهُ فَتَفَا حَشَتْ الْجَهَالَةُ فَاُمْتَنَعَ

الْقَضَاءُ، وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ الْمَقْصِيُّ لَهُ وَالْمَقْصِيُّ بِهِ مَعْلُومٌ فَغَلَبَ الْمَعْلُومُ الْمَجْهُولُ

ترجمہ

اور جب دو آدمیوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کیلئے قسم کھائی تو ان میں ایک غلام بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ جس پر آزادی کا حکم لگانا تھا وہ مجہول ہے اور جس کا تقاضہ کیا جانا تھا وہ بھی مجہول ہے اور یہ جہالت فاحشہ ہوگی بذا فیصلہ ممتنع ہو گیا ہے جبکہ ایک غلام کے بارے میں تقاضہ کردہ حکم معلوم ہے اور معلوم مجہول پر غائب ہو گیا۔

شرح

حضرت عبید بن اسماعیل، ابواسامہ، عبید اللہ، نافع، ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کیا تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ کسی عادل کی تجویز کے مطابق اس کی پوری قیمت ہو تو اس کا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔ (صحیح بخاری، جلد اول: حدیث نمبر 2375)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اپنا حصہ کسی غلام کا آزاد کیا اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ اس کی قیمت کے برابر ہو تو وہ آزاد کر دیا جائے گا نافع نے کہا کہ ورنہ (بصورت تنگ دستی) جتنا آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد ہوگا ایوب نے بیان کیا میں نہیں جانتا کہ یہ نافع کا قول ہے یا حدیث میں شامل ہے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2377)

جب دو مالکوں میں کسی ایک نے بیٹا خرید لیا

(وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيبُ الْآبِ) لِأَنَّهُ مَلَكَ شِقْصَ قَرِيبِهِ وَشِرَاؤُهُ إِعْتَاقٌ عَلَى مَا مَرَّ (وَلَا ضَمَانٌ عَلَيْهِ) عَلِيمُ الْآخِرُ أَنَّهُ ابْنُ شَرِيكِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ وَكَذَا إِذَا وَرِثَاهُ، وَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى الْعَبْدَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ.

وَقَالَا: فِي الشَّرَاءِ يَضْمَنُ الْآبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا، وَإِنْ كَانَ مُعْسِرًا اسْتَسْقَى الْإِبْنُ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ لِشَرِيكِ أَبِيهِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافُ إِذَا مَلَكَ، بِهَبَةِ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ وَصِيَّةٍ، وَعَلَى هَذَا إِذَا اشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَأَحَدُهُمَا قَدْ خَلَفَ بَعْتِهِ إِنْ اشْتَرَى نِصْفَهُ.

لَهُمَا أَنَّهُ أَبْطَلَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ بِالْإِعْتَاقِ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ، وَصَارَ هَذَا كَمَا إِذَا

كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ أَجْنَبِيَّيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ، وَلَهُ أَنَّهُ رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ فَلَا يُضْمَنُهُ، كَمَا إِذَا أُذِنَ لَهُ بِإِعْتَاقِ نَصِيبِهِ صَرِيحًا، وَدَلَالَةُ ذَلِكَ أَنَّهُ شَارَكَهُ فِيمَا هُوَ عِلَّةُ الْإِعْتَقِ وَهُوَ الشَّرَاءُ لِأَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ عَنْ عَهْدَةِ الْكُفَّارَةِ عِنْدَنَا، وَهَذَا ضَمَانُ إِفْسَادِ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطَ بِالرِّضَا، وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَعَدَمِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ عَنْهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يَذَارُ عَلَى السَّبَبِ، كَمَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ: كُلْ هَذَا الطَّعَامَ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْأَمِيرِ وَلَا يَعْلَمُ الْأَمِيرُ بِمِلْكِهِ.

ترجمہ

اور جب دو اشخاص نے آپس میں سے کسی ایک کے بیٹے کو خریدنا تو باپ والا حصہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے قریبی حصہ کا مالک ہوا ہے اور اسی خریدنا ہی آزادی ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اگرچہ دوسرے کو اس کی بات کا علم ہو کہ وہ غلام اس کے حصہ دار کا بیٹا ہے یا اس کا علم نہ ہو اور اسی طرح جب وہ دونوں وارث ہوئے ہیں تو دوسرے شریک کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ اپنے حصے کو آزاد کر دے اور اگر وہ چاہے تو اس سے محنت کرائے اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک خریداری کی صورت میں اگر باپ مالدار ہے تو غلام کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر وہ تنگ دست ہے تو نہ مال دینا اپنے باپ کے شریک کیلئے آدھی قیمت کیلئے کئی کرے گا اور یہ مسئلہ اسی اختلاف پر ہے اور جب وہ دونوں ہبہ، صدقہ یا وصیت کے ذریعے اس کے مالک ہو جائیں۔ اور یہ اختلاف اس طرح بھی ہے کہ جب دو آدمیوں نے کسی غلام کو خریدنا اور ان میں سے ایک نے یہ قسم اٹھا رکھی تھی کہ اگر اس نے غلام کا نصف خریدا تو وہ آزاد ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے شریک نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کے حصے کو باطل کر دیا ہے کیونکہ قریبی شخص کو خریدنا آزادی ہے پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح غلام دو اجنبی مالکوں کے درمیان مشترک ہو اور ان میں سے ایک نے اپنا آزاد کر دیا ہو۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں شریک اپنا حصہ خراب کرنے پر خود راضی ہوا ہے لہذا معتق اس کا ضامن نہ ہوگا جس طرح جب اس نے دوسرے کو صراحت کے طور پر اپنا حصہ آزاد کرنے کی اجازت دی اور اس کی رضا مندی کی دلیل یہ ہے کہ اس نے باپ کے ساتھ اس طرح چیز میں شرکت کی ہے جو آزادی کی علت ہے اور وہ چیز خریدنا ہے کیونکہ قربت کی خریداری آزادی ہے حتیٰ کہ ہمارے نزدیک شرعاً قریب کے سبب مشتری کفارے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

صاحبین کے ظاہری فرمان کے مطابق یہ ضمان افساد ہے۔ کیونکہ عرویس کے سبب حکم مختلف ہوتا رہتا ہے۔ پس رضا کے سبب

ضمان ساقط ہو جائے گا۔ جبکہ عدم علم کے سبب حکم مختلف نہ ہوگا اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح روایت ہے کیونکہ حکم کا رد امت پر ہوتا ہے (قاعدہ فقہیہ رضوی عفی عنہ) جس طرح کسی شخص نے کہا کہ ہانا کھاؤ جبکہ حکم دینے والا غلام ہے اور اگر کوئی ملکیت کا علم ہی نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بیٹا اپنے باپ کا بد نہ بنے اس لئے کہ اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔" (مسلم)

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد ہو جاتا بلکہ جب اسے اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ خواہر کا یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد ہو جاتا ہے، اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ چنانچہ حضرت منظر فرماتے ہیں کہ فقہ فقہ میں حرف ذ سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے" لہذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے سے آزاد ہو جائے گا۔

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل بہتر ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا "ابو ذر کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا "کونسا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو" میں نے عرض کیا کہ "اگر یہ نہ کر سکوں؟" (یعنی اگر وہ اسل نہیں بلکہ ازراہ عجز و عدم استطاعت اس غلام آزاد نہ کر سکوں؟) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کام کرنے والے کی مدد کر دیا جو شخص کسی چیز کو بیانا نہ جانتا ہو اس کی وہ چیز بنا دو" میں نے عرض کیا "اگر میں یہ (بھی) نہ کر سکوں تو کیا کروں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کر دیا دیکھو یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔" (بخاری و مسلم)

ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے، اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل متبوں نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم ہو اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں تک نماز، روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسری وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر جہاد "سے مراد مطلق" مشقت برداشت کرنا "ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی، چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو "جہاد اکبر" فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل، ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جبکہ فرمایا گیا ہے قل امت باللہ ثم استقم کام کرنے والے کی مدد کرو میں "کام سے" مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ وہ صنعت و کارگیری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اسکی اور اسکے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرنا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ کو پوری طرح انہی منہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو! اسی طرح "جو شخص کسی چیز کو بیانا نہ جانتا ہو" کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو تم اس کا کام کر دنا کہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے۔ "لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذا و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہوئے مگر خیر تو امید نیست شرمسار اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ "یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو" لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے بایں طور کہ اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔"

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ

قال العلامة ابن محمود الباری الحنفی علیہ الرحمہ فی شرح ہدایہ العبدۃ، وقولہ (وَلَا صَمَانٌ عَلَیْہِ) اُیْ عَلَیْ الْاَبِّ وَقَوْلُہِ (وَكُنَّا اَوْ رِثَاہُ) یَعْنِیْ بِالِاتِّفَاقِ وَصُورَتُہُ اَمْرًا اِشْتَرَتْ اَبْنُ زَوْجِہَا فَمَاتَتْ عَنْ اَخٍ وَرَوْحٍ كَانَ النِّصْفُ لِلرَّوْحِ وَیَعْتَقُ عَبْدُہُ، اَوْ اَمْرًا لَهَا رَوْحٌ وَاَبٌ وَلَهَا غُلَامٌ وَهُوَ اُمُّ زَوْجِہَا فَمَاتَتْ الْمَرْأَةُ صَارَ عَلَامُہَا مِیرَاثُ بَنِ زَوْجِہَا وَاَبِہَا وَقَوْلُہِ (وَقَالَا فِی الشَّرَاءِ) اِیْ شَارَہُ اِلٰی مَا دَسَّہُ مِنَ الْاِتِّفَاقِ فِی صُورَةِ الْبَرِثِ وَقَوْلُہِ (فَدَخَلَ بَعْتِہِ اِنْ اِشْتَرٰ بِصَفَہُ) اِنَّمَا قَبِلَ بِالنِّصْفِ، لِأَنَّهُ اِذَا خَلَفَ بَعْتِہِ ثُمَّ اِشْتَرٰہُ بِشَرْكَہُ الْاٰخَرِ لَا یَعْتَقُ عَلَیْہِ لِأَنَّ الشَّرْطَ شَرَاءُ كُنَّ الْعَبْدُ وَلَمْ یُوجَدْ. وَوَجْہُ قَوْلِہُمَا عَلَی مَا دَسَّہُ فِی الْكِتَابِ طَاهِرٌ. وَوَجْہُ قَوْلِہِ مَا دَسَّہُ فِیہِ. وَتَقْرِیرُہُ: اِشْتَرٰ بِثَ الْاٰخَرِ رَضٰی بِاِفْسَادِ نَصِیْبِہِ وَمَنْ رَضٰی بِذَلِكْ لَا یُضْمَرُ الْمُسَدُّ كَمَا اِذَا اِدْرَلُّہُ بِاِعْتِاقِ نَصِیْبِہِ صَرِیْحًا وَدَلَاةٌ ذَلِكْ) اِیْ الدَّلِيلُ عَلٰی رِصَاہُ بِاِفْسَادِ نَصِیْبِہِ (اِنَّہُ شَرَكُہُ فِیْمَا هُوَ عَلَّةُ الْعِتْقِ، وَهُوَ الشَّرَاءُ لِأَنَّ شَرَاءَ الْقَرِیْبِ اِعْتِاقٌ حَتّٰی یُخْرَجَ بِہِ عَنْ عَهْدَةِ الْكِفَارَةِ عِدْنَا) وَالْمُشَارَكَةُ فِی عِبَةِ الْعِتْقِ رِصَا بِالْعِتْقِ لَا مَحَالَةَ. وَالْمَرَادُ بِالْعِلَّةِ عَلَّةُ الْعِلَّةِ لِأَنَّ لَشَرَاءِ عِبَةِ التَّمْلُکِ وَالتَّمْلُکُ فِی الْقَرِیْبِ عَلَّةُ الْعِتْقِ، وَالْحُكْمُ بِصَفَاتٍ اِلٰی عَلَّةِ الْعِلَّةِ اِذَا لَمْ تَصْلُحْ الْعِبَةُ لِلْاِضَافَةِ اِلَیْہَا، وَهَہَا كَذَلِكْ لِأَنَّ

الْمَلِكُ حُكْمُ شَرْعِيٍّ يَثْبُتُ نَعْدَ مُنْشَأَةِ عَيْنِهِ بِغَيْرِ احْتِيَارٍ، بِجَلَالِ الْإِبْرَاطِ فَإِنَّهُ لَا إِعْتِاقَ هُنَا وَلِهَذَا لَا يُجْرَحُ بِهِ عَنْ الْكُفَّارَةِ. وَقَوْلُهُ (وَهَذَا ضَمَانُ إِفْسَادٍ) بِخَوَرِ أَنْ يَكُونَ خَوَانًا عَمَّا يُقَالُ إِنَّمَا كَانَ الرِّضَا مُسْقِطًا لِلضَّمَانِ أَنْ لَوْ كَانَ ضَمَانُ إِفْسَادٍ، وَأَمَّا إِذَا كَانَ ضَمَانُ تَمَلُّقٍ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ كَمَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْحَارِيَّةَ بِإِذْنِهِ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّقٍ إِذَا اسْتَوْلَدَ مَوْضُوعٌ يَطْلُبُ الْوَلَدَ لَا يَلْعَنِي، فَلَا يُمَكِّرُ أَنْ يُجْعَلَ أَسَاجِبُ بِهِ ضَمَانُ عَتَقٍ وَهُوَ غَيْرُ مَوْضُوعٍ لَهُ فَكَانَ ضَمَانُ تَمَلُّقٍ. وَوَجْهُ الْجَوَابِ أَنَّهُ ضَمَانُ إِفْسَادٍ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتَّى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَيَسْقُطُ بِالرِّضَا، وَإِنَّمَا قَيَّدَ بِقُوِّهِ فِي ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا لِأَنَّهُ رَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ هَذَا ضَمَانُ تَمَلُّقٍ فَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ الضَّمَانُ. وَقَوْلُهُ (وَلَا يَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ) أَيُّ بِالْقَرَانَةِ وَغَدَمِهِ فِي ظَاهِرِ الرُّوْيَةِ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَنْ السَّبَبِ (أَيُّ الْعِلَّةِ) كَمَا إِذَا قَالُوا لِعَبْدِهِ كُلِّ هَذَا الطَّعَامُ وَهُوَ مَمْلُوكٌ لِلْأَمِيرِ وَلَا يَعْلَمُ الْأَمِيرُ بِمِلْكِهِ (وَالسَّبَبُ قَدْ وَجَدَ بِنَا مَرَّةً).

وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ أَنَّهُ فَصَلَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ عَالِمًا بِالْقَرَانَةِ وَبَيْنَ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِهَا فِي حُكْمِ الضَّمَانِ لِأَنَّ الرِّضَا لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا إِذَا كَانَ عَالِمًا بِهَا. (عَبَّاسِہ شرح

الهدایہ، ج ۶، ص ۳۳۰، بیروت)

غلام کو باپ اور اجنبی کے خریدنے کا بیان

(وَإِنْ بَدَأَ الْأَجْنَبِيُّ فَاشْتَرَى نِصْفَهُ ثُمَّ اشْتَرَى الْأَبُ نِصْفَهُ الْآخَرَ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا أَجْنَبِيَّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَبُ) لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِإِفْسَادِ نَصِيبِهِ (وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْقَى الْإِبْنُ فِي نِصْفِ قِيمَتِهِ) لَا اخْتِيَارَ مَالِيَّتِهِ عِنْدَهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ يَسَارَ الْمُعْتَقِ لَا يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُ.

وَقَالَا: لَا اخْتِيَارَ لَهُ وَيَضْمَنُ الْأَبُ نِصْفَ قِيمَتِهِ لِأَنَّ يَدَ الرَّاغِبِ مَقْبُولَةٌ يَمْنَعُ السَّعَايَةَ عِنْدَهُمَا

ترجمہ

اور جب کسی اجنبی نے ابتداء کرتے ہوئے غلام کا نصف حصہ خریدا پھر باپ نے غلام کا دوسرا نصف خریدا اور وہ مالدار بھی ہے تو اس اجنبی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو باپ سے تاوان وصول کرے کیونکہ وہ اپنا حصہ خراب کرنے پر راضی نہیں ہے اور اگر وہ چاہے تو بیٹے سے اس کی نصف قیمت کیلئے کمائی کرائے کیونکہ اس وقت بیٹے کے پاس اجنبی کی مالیت قید میں ہے۔ اور حضرت امام اعظم

رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم اسی طرح ہے کیونکہ یہاں معق کیلئے یرسعایہ کے مانع نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اجنبی و استعباد کا اختیار نہیں ہے اور باپ نصف قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ معق کیلئے یرسعایہ سے مانع ہے۔ (یہ صاحبین کے نزدیک ہے)

یر کے مانع سعایہ ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ نے یہاں پر فقہاء احناف کا اختلاف اس مسئلہ میں بیان کیا ہے کہ مذکورہ صورت میں یر یعنی جب باپ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا حالت آسانی میں ہونا یرسعایہ کے مانع ہے یا نہیں تو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مانع نہیں ہے کیونکہ اس میں آزاد کرنے والے کیلئے حالت یر اس کو بے نیار کر دینے والی ہے۔ جبکہ صاحبین کیلئے مانع ہے کیونکہ ان کے نزدیک اجنبی کیلئے یہ حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مالدار آدمی کا نصف بیٹا خریدنے کا بیان

(وَمَنْ اشْتَرَى نِصْفَ ابْنِهِ وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: يَضْمَنُ إِذَا كَانَ مُوسِرًا) وَمَعْنَاهُ إِذَا اشْتَرَى نِصْفَهُ مِمَّنْ يَمْلِكُ كُلَّهُ فَلَا يَضْمَنُ لِتَابِعِهِ شَيْئًا عِنْدَهُ، وَالْوَجْهُ قَدْ ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنا نصف بیٹا خریدا اور وہ شخص مالدار ہے تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اگر باپ حالت یر والا ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کا حکم یہ ہے کہ باپ نے اس شخص سے بیٹے کا نصف خریدا ہے جو اس کے کل کا ایک حصہ تھا۔ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک باپ اپنے بائع کیلئے کسی بھی چیز کا ضامن نہ ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

یر کے سبب ضمانت ہونے میں فقہاء احناف کا اختلاف

صاحب ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں بیان کردہ مسئلہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک چونکہ باپ مالدار ہے لہذا اس پر کوئی ضمانت نہیں ہے جبکہ صاحبین کے حالت یر میں وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس حالت میں اس کیلئے ضمانت کے طور ادائیگی میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور ایک سابق میں لازم ہونے والی ذمہ داری عہدہ براہونا بھی ہے۔

تین آدمیوں کے درمیان مشترکہ غلام کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ نَفَرٍ فَذَبَّرَهُ أَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوسِرٌ ثُمَّ أَعْتَقَهُ الْآخَرُ وَهُوَ مُوسِرٌ)

فَارَادُوا الصَّمَانَ فَلِلْسَاكِتِ أَنْ يُضْمَنَ الْمُذَبَّرُ ثَلَاثَ قِيَمَتِهِ قِنًا وَلَا يُضْمَنَ الْمُعْتَقُ .

(وَلِلْمُذَبَّرِ أَنْ يُضْمَنَ الْمُعْتَقُ ثَلَاثَ قِيَمَتِهِ مُذَبَّرًا وَلَا يُضْمَنُ الثَّلَاثُ الَّذِي ضَمِنَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ الْعَبْدُ كُلَّهُ لِلَّذِي ذَبَّرَهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَيُضْمَنُ ثَلَاثِي قِيَمَتِهِ لِشَرِيكِيهِ مُؤَبَّرًا كَانَ أَوْ مُعْتَقًا)

ترجمہ

اور جب کوئی غلام تین آدمیوں میں مشترک ہو اور ان میں سے کسی ایک نے اس کو مدبر بنا دیا ہے اور وہ شخص مالدار بھی ہے اور اس کے بعد دوسرے نے آزاد کر دیا ہے اور وہ بھی مالدار ہے اور پھر انہی دونوں نے ضمان دینا چاہا تو خاموش کو چاہیے کہ وہ مدبر کرنے والے سے صرف رقت کی تہائی قیمت کی ضمان لے اور معتق سے ضمان نہ لے جبکہ مدبر کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ معتق سے غلام کے مدبر ہونے کے حساب سے اس کی تہائی قیمت کو بطور ضمان لے اور اس تہائی کا ضمان نہ لے جس کا وہ خود ضامن ہوا ہے اور یہ حکم حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کے نزدیک پورا غلام اسی شخص کا ہے جس بندے نے پہلی بار اس کو مدبر کیا ہے اور مدبر بنانے والا قیمت کا دو تہائی اپنے شرکاء کیسے ضامن ہوگا اگرچہ وہ مالدار ہو یا حاکم فقیر میں ہو۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتویٰ دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس پر پورے غلام کا آزاد کرنا واجب ہے جب کہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ عدول کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دیدی جائے گی اور آزاد کیے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا، ابن عمر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے اور اس کی لیٹ وابن ابی ذئب ابن سحاق و جویریہ و یحییٰ بن سعید اور اسماعیل بن امیہ نافع سے وہ ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جداول: حدیث نمبر 2378)

تدبیر کی اصل میں امام اعظم و صاحبین کا اختلاف

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ التَّدْبِيرَ يَتَجَرَّأُ عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِخِلَافِ أَهْمَا كَالِإِعْتِقَاقِ لِأَنَّهُ شُعْبَةٌ مِنْ شُعْبِهِ فَيَكُونُ مُعْتَبَرًا بِهِ ، وَلَمَّا كَانَ مُتَجَرِّدًا عِنْدَهُ اقْتَصَرَ عَلَى نَصِيْبِهِ ، وَقَدْ أَفْسَدَ بِالتَّدْبِيرِ نَصِيْبَ الْآخَرَيْنِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يُذَبَّرَ نَصِيْبُهُ أَوْ يُعْتَقَ أَوْ يُكَاتَبَ أَوْ يُضْمَنَ الْمُذَبَّرُ أَوْ يُسْتَسْعَى الْعَبْدُ أَوْ يَتْرُكَهُ عَلَى حَالِهِ لِأَنَّ نَصِيْبَهُ بَاقٍ عَلَى مِلْكِهِ

قَابِلٌ بِإِفْسَادِ شَرِيكِهِ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ بَيْعًا وَهَبَةً عَلَى مَا مَرَّ ، فَإِذَا اخْتَارَ أَحَدُهُمَا الْعِتَقَ تَعَيَّنَ حَقُّهُ فِيهِ وَاسْقَطَ اخْتِيَارُهُ غَيْرَهُ فَتَوَجَّهَ لِلْسَاكِتِ سَبَبُ ضَمَانِ تَدْبِيرِ الْمُذَبَّرِ وَإِعْتِقَاقِ هَذَا الْمُعْتَقِ ، غَيْرَ أَنَّ لَهُ أَنْ يُضْمَنَ الْمُذَبَّرُ لِيَكُونَ الضَّمَانُ ضَمَانًا مُعَاوَضِيَةً إِذْ هُوَ الْأَصْلُ حَتَّى جُعِلَ الْعَصْبُ ضَمَانًا مُعَاوَضِيَةً عَلَى أَصْلَانَا ، وَأَمَّا ذَلِكَ فِي التَّدْبِيرِ لِكُفْرِهِ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِلْكٍ إِلَى مِلْكٍ وَفَتْ التَّدْبِيرِ ، وَلَا يُمَكِّنُ ذَلِكَ فِي الْإِعْتِقَاقِ لِأَنَّهُ عِنْدَ ذَلِكَ مُكَاتَبٌ أَوْ حُرٌّ عَلَى اخْتِلَافِ الْأَصْنَنِ ،

ترجمہ

اور اس اختلاف کا سبب یہ قاعدہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تدبیر میں اجزاء ہوتے ہیں جبکہ اس میں صاحبین نے اختلاف کیا ہے جس طرح اعتاق ہے کیونکہ مدبر بنانا بھی اعتاق کا ایک حصہ ہے۔ پس تدبیر کو اعتاق پر قیاس کیا جائے گا اور جب امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تدبیر میں تجزی ہے تو وہ حکم کا انحصار مدبر پر ہی رہے گا۔ البتہ مدبر نے تدبیر کرتے ہوئے دوسروں کے حصوں کو خراب کیا ہے تو ان ساتھیوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حصے کو مدبر بنائے یا اسے آزاد کرے یا مکتب بنائے یا پہلے مدبر سے ضمان لے یا غلام سے کمائی کرائے یا اس کو اسی حال پر چھوڑ دے کیونکہ ہر ایک کا حصہ اس کی ملک پر رہا رہے گا البتہ مدبر اول کے انصاف کے پیش نظر یہ ملک فاسد ہو جائے گی کیونکہ اس نے بیع اور ہبہ کے طور پر اس غلام سے فائدہ اٹھانے کے طرق بند کر دیئے ہیں جس طرح اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے بعد جب ان میں سے کسی ایک نے حق کو اختیار کر لیا ہے تو اس حق میں اس کا حق متعین ہو گیا ہے اور اس حق کے سوا کا اختیار ساقط ہو جائے گا اور خاموش رہنے والے کیسے ضمان کے اسباب ثابت ہوئے (۱) مدبر کا مدبر کرنا (۲) آزاد کرنے والے کا آزاد کرنا ہے۔ البتہ اس کو مدبر سے ضمان لینے کا اختیار ہے۔ تاکہ یہ تاوان، تاوان معاوضہ بن جائے۔ کیونکہ معاوضے کا تاوان ہی اصل ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے قاعدے کے مطابق غاصب کی ضمان کو بھی ضمان معاوضہ قرار دیا جائے اور ایسا کرنا تدبیر میں ممکن ہے کیونکہ تدبیر کے وقت غلام ایک ملکیت سے دوسری ملکیت میں منتقل ہونے کا اہل ہے جبکہ اعتاق میں یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اعتاق کے وقت یہ غلام مکتب ہوگا یا پھر آزاد ہوگا۔ (اس اختلاف کا سبب ائمہ کے قاعدہ فقہیہ کے اختلاف کے مطابق ہے)۔

شرح

کسی نے اپنے دو غلاموں کو مخاطب کر کے کہا تم میں کا ایک آزاد ہے تو اسے بیان کرنا ہوگا جس کو بتائے کہ میں نے اسے مراد لیا وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور بیان سے ایک کو بیع کیا یا رہن رکھا یا مکتب یا مدبر کیا تو دوسرا آزاد ہونے کے لیے معین ہو گیا۔ اور اگر نہ بیان کیا نہ اس قسم کا کوئی تصرف کیا اور ایک مر گیا تو جو باقی ہے وہ آزاد ہو گیا اور اگر مولیٰ خود مر گیا تو وارث کو بیان کرنے کا حق نہیں۔

بلکہ ہر ایک میں سے آدھا آدھا آزاد اور آدھے باقی میں دونوں سعایت کریں۔ (عالمگیری، کتاب عتاق، ج ۲، ص ۲۰)

مکاتبت ختم کرنے میں مکاتب کی رضامندی کا بیان

وَلَا بَدْلَ مِنْ رِضَا الْمَكَاتِبِ بِفَسْخِ حَتَّى يَقْبَلَ الْإِنْقَالَ فَلِهَذَا يَضْمَنُ الْمُدَبِّرُ، ثُمَّ
لِلْمُدَبِّرِ أَنْ يَضْمَنَ الْمُعْتَقَ ثَلَاثَ قِيمَتِهِ مُدَبَّرًا لِأَنَّهُ أَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيْبَهُ مُدَبَّرًا، وَالضَّمَانُ
يَتَقَدَّرُ بِقِيَمَةِ الْمُتَلَفِ، وَقِيَمَةُ الْمُدَبِّرِ ثَلَاثًا قِيَمَتِهِ قِنًا عَلَى مَا قَالُوا.

وَلَا يَضْمَنُهُ قِيَمَةَ مَا مَلَكَهُ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّائِكَةِ لِأَنَّ مِلْكَهُ يَنْبُتُ مُسْتَبَدًّا وَهُوَ
ثَابِتٌ مِنْ وَجْهِ دُونَ وَجْهِ، فَلَا يَظْهَرُ لِي حَقُّ التَّضْمِينِ.

وَالْوَلَاءُ بَيْنَ الْمُعْتَقِ وَالْمُدَبِّرِ أَثَلَاثًا ثَلَاثًا لِلْمُدَبِّرِ وَالثَّلَاثُ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّ الْعَبْدَ عَقَقَ عَلَى
مِلْكِهِمَا عَلَى هَذَا الْقَدَارِ.

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ التَّذْيِيرُ مُتَجَرِّئًا عِنْدَهُمَا صَارَ كُلُّهُ مُدَبَّرًا لِلْمُدَبِّرِ وَقَدْ أَفْسَدَ نَصِيبَ
شَرِيكِيْهِ لِمَا بَيْنَا فَيَضْمَنُهُ، وَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ تَمْلِكُ فَاشْتَبَهَ
الْإِسْتِيلَادَ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ جِنَائِيَّةٌ، وَالْوَلَاءُ كُلُّهُ لِلْمُدَبِّرِ وَهَذَا ظَاهِرٌ.

ترجمہ

عقد مکاتبت کو ختم کرنے کیلئے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے۔ تاکہ وہ انتقال ملکیت کو قبول کرنے والا بن جائے اسی دلیل کے پیش نظر سکت مدبر سے ضمان وصول کرے گا اور پھر معق کو یہ اختیار ہوگا کہ معق سے مدبر غلام کی تہائی قیمت کا ضمان وصول کرے کیونکہ معق غلام کے آزاد ہونے کی حالت میں ہی اس کا حصہ خراب کرنے والا ہے۔ اور ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور مدبر کی قیمت خاص غلام کی دو تہائی قیمت ہوا کرتی ہے جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے اور جب مدبر شریک سائکت جو قیمت دی ہے معق اس سے ضمان نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مدبر کی ملکیت اس کے تدبیر کرتے وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک طرح ثابت ہے اور ایک طرح ثابت نہیں ہے پس ضامن بنانے کے حق میں یہ ملکیت ظاہر نہ ہوگی۔ اور مدبر و معق کے درمیان تین تہائی کے حساب سے ولاء مشترک ہوگا یعنی مدبر کیلئے دو تہائی اور ایک تہائی معق کیلئے ہوگی۔ کیونکہ غلام ان کی دونوں کی اسی قدر ملکیت میں آزاد ہوا ہے۔

صاحبین کے نزدیک مدبر میں تجزی نہیں ہوتی تو ان کے نزدیک مکمل غلام ایک ہی کیلئے مدبر ہوگا کیونکہ مدبر اپنے دونوں شرکا

کا حصہ خراب کر دیا ہے۔ لہذا وہ دونوں کے حصے کا ضامن ہوگا اور حالت عسر و یسر کے سبب یہ ضمان مختلف نہ ہوگا کیونکہ یہ ضمان ملکیت حاصل کرنے کا معاوضہ ہے پس یہ استیلاؤ کے موافق ہو گیا ہے۔ جبکہ عتاق میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جنایت کا ضمان ہے اور مکمل ولاء مدبر کا ہے اور مدبر کا ہے۔

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق قاعدہ فقہیہ

ضمان تلف شدہ چیز کی قیمت کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

حضرت عبداللہ بن یوسف مالک بخمی بن سعید عمروہ بنت عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بریرہ کتابت کی رقم کی ادائیگی میں مدبر تھے آئیں تو انہوں نے کہا کہ اگر تمہارے مالک پسند کریں تو میں ان کو تیری قیمت ایک مشت دے دوں اور تجھے آزاد کر دوں بریرہ نے اپنے مالکوں سے چا کر بیان کیا تو ان لوگوں نے کہا ہم نہیں بیچتے ہیں مگر اس شرط پر کہ تیری ولاء ہم لیں گے، مالک نے بخمی کا قول بیان کیا عمرہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو خرید لو اور آزاد کر دو اس لیے کہ ولاء اسی کو ملے گی جو آزاد کرے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2413)

حضرت ابو نعیم عبدالواحد بن ایمن بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا میں نے کہا کہ میں عتبہ بن ابی لہب کے پاس تھا عتبہ کا انتقال ہوا اور ان کے بیٹے میرے وارث ہوئے اور ان لوگوں نے مجھ ابن ابی عمرو کے ہاتھ بیچ دیا ابن ابی عمرو نے مجھ کو آزاد کر دیا اور بنو عتبہ نے ولاء کی شرط اپنے لیے کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بریرہ میرے پاس آئی اور وہ مکاتب تھی اس نے کہا کہ مجھے خرید لیجئے اور آزاد کر دیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا اچھا تو بریرہ بولی کہ وہ مجھے نہیں بیچیں گے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ولاء لیں گے حضرت عائشہ نے کہا کہ پھر مجھے اس کی حاجت نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا انہوں نے وہی بیان کیا جو بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو خرید لو اور آزاد کر دو اور ان کے مالکوں نے ولاء کی شرط اپنے لیے کر لی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کو ملے گی جو آزاد کرے اگرچہ سینکڑوں شرطیں لگائے۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2414)

دو مالکوں کے درمیان مشترکہ باعنی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا كَانَتْ جَارِيَةً بَيْنَ رَجُلَيْنِ رَعِمَ أَحَدُهُمَا أَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لِصَاحِبِهِ وَأَنْكَرَ ذَلِكَ
الْآخَرُ فَهِيَ مَوْقُوفَةٌ يَوْمًا وَيَوْمًا تَخْدُمُ الْمُنْكَرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَ: إِنْ
شَاءَ الْمُنْكَرُ اسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِي نِصْفِ قِيَمَتِهَا ثُمَّ تَكُونُ حُرَّةً لَا سَبِيلَ عَلَيْهَا) لَهَا

أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يُصَدِّقْهُ صَاحِبُهُ انْقَلَبَ إِفْرَارُ الْمُقَرِّ عَلَيْهِ كَأَنَّهُ اسْتَوْلَدَهَا قَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَرَّ الْمُشْتَرَى عَلَى الْبَائِعِ أَنَّهُ أَعْتَقَ الْمَبِيعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَعْتَقَ كَذَا هَذَا فَتَمْتَنِعُ الْخِدْمَةُ وَنَصِيبُ الْمُتَكَبِّرِ عَلَى مِلْكِهِ فِي الْحُكْمِ فَتَخْرُجُ إِلَى الْعَتَاقِ بِالسَّعَايَةِ كَأَمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ .

وَلَا بِي حَبِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُقَرَّ لَوْ صَدَّقَ كَانَتْ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُتَكَبِّرِ ، وَلَوْ كَذَبَ كَانَ لَهُ نِصْفُ الْخِدْمَةِ فَيُثَبِّتُ مَا هُوَ الْمُتَقَيَّنُ بِهِ وَهُوَ النِّصْفُ ، وَلَا خِدْمَةُ لِلْمُشْرِكِ الشَّاهِدِ وَلَا اسْتِسْعَاءَ لِأَنَّهُ يَتَبَرَّأُ عَنْ جَمِيعِ ذَلِكَ بِدَعْوَى الْإِسْتِيلَادِ وَالضَّمَانِ ، وَالْإِفْرَارُ بِأُمُومِيَّةِ الْوَلَدِ يَتَضَمَّنُ الْإِفْرَارَ بِالنَّسَبِ وَهُوَ أَمْرٌ لَا زِمَ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ ، فَلَا يُمَكِّنُ أَنْ يُجْعَلَ الْمُقَرُّ كَالْمُسْتَوْلَدِ .

ترجمہ

فرمایا اور اگر ایک لونڈی دو مالکوں کے درمیان مشترک تھی اور پھر ان میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کے شریک کی ام ولد ہے جبکہ دوسرے نے اس کا انکار کر دیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک دن توقف کیا جائے گا اور وہ ایک دن منکر شریک کی خدمت کرے۔

صاحبین کے نزدیک اگر منکر چاہے تو نصف قیمت میں باندی سے کمائی کرے تو پھر وہ باندی آزاد ہو جائے گی۔ اور اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحبین کے دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کرنے والے نے اس کے ساتھی سے تصدیق نہیں کی تو مقرر کا اقرار اسی پر سوٹ آئے گا۔ گویا باندی کو ام ولد بنانے والا اسی وہی ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے فروخت کرنے سے پہلے ہی بیچ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ اقرار اس طرح ہو جائے جس طرح مشتری نے خود آزاد کیا ہو۔ اور یہاں بھی اسی طرح حکم ہے۔ پس خدمت لینا متمنع ہے اور منکر کا حصہ اس کی ملکیت میں حکمی طور پر باقی ہے۔ پس اعتاق کیلئے سعا یہ کے سبب تخریج کی جائے گی۔ جس طرح نصرانی کی ام ولد جب وہ مسلمان ہو جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر اقرار کرنے والے کی تصدیق کی جاتی تو منکر کیلئے پوری قیمت ہوتی اور جب اس کو جہاد یا گیا تو منکر کیلئے ادھی خدمت ہوگی۔ لہذا حکم اسی کا ثابت ہوگا جو یقین سے ثابت ہوگی۔ اور وہ نصف ہے اور موجودہ شریک کیلئے نہ خدمت کا حق ہے اور نہ ہی سعا یہ کا حق ہے کیونکہ یہ شریک استیلا اور ضمان کا دعویٰ کرتے ہوئے ان سب سے بری ہے اور ام ولد کا اقرار کسی اقرار کی طرح ثابت ہو جائے گا۔ اور حکم لازم ہے جو رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔ پس اقرار کرنے والا مستولد کی طرح نہ ہوگا۔

مشتک باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

مگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ المغنی میں کچھ اس طرح قسط از ہیں: اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں:

شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خاوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دو مردوں کے لیے حلال نہیں اگر مالک نے اس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اسے وڑے لگائے جائیں گے اور سزا نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ (9 / 497)

دو مالکوں کے درمیان ام ولد کے مشترک ہونے کا بیان

(وَإِنْ كَانَتْ أُمُّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَاسْتَعْتَقَهَا أَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ : يَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهَا) لِأَنَّ مَالِيَّةَ أُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ وَمُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا ، وَعَلَى هَذَا الْأَصْلِ تُبْتَنَى عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ أَوْرَدْنَا فِي كِفَايَةِ الْمُتَنَهَى .

وَجْهٌ قَوْلُهُمَا أَنَّهَا مُتَنَفِّعٌ بِهَا وَطَنًا وَإِجَارَةً وَاسْتِخْدَامًا ، وَهَذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقْوَمِ ، وَبِامْتِنَاعِ بَيْعِهَا لَا يَسْقُطُ تَقْوَمُهَا كَمَا فِي الْمُدَبِّرِ ، أَلَا تَرَى أَنَّ أُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ إِذَا أَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السَّعَايَةُ ، وَهَذَا آيَةُ التَّقْوَمِ ، غَيْرَ أَنَّ قِيمَتَهَا ثُلُثُ قِيمَتِهَا قِنَةَ عَلَى مَا قَالُوا لِقَوَاتِ مَنَفَعَةِ الْبَيْعِ وَالسَّعَايَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ ، بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ لِأَنَّ الْفَائِتَ مَنَفَعَةُ الْبَيْعِ ، أَمَّا السَّعَايَةُ وَالْإِسْتِخْدَامُ بَاقِيَانِ .

وَلَا بِي حَبِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّقْوَمَ بِالْإِحْرَارِ وَهِيَ مُحَرَّرَةٌ لِلنَّسَبِ لَا لِلتَّقْوَمِ وَالْإِحْرَارُ لِلتَّقْوَمِ تَابِعٌ ، وَلِهَذَا لَا تَسْعَى لِعَرِيمٍ وَلَا لِوَارِثٍ بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ ، وَهَذَا لِأَنَّ السَّبَبَ فِيهَا مُتَحَقِّقٌ فِي الْحَالِ وَهُوَ الْجُزْئِيَّةُ الْفَائِتَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ

الْمُصَاهَرَةُ ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُظْهِرْ عَمَلُهُ فِي حَقِّ الْمَلِكِ صَرُورَةَ الْإِنْتِفَاعِ فَعَمِلَ السَّبَبُ فِي
إِسْقَاطِ التَّقْوَمِ ، وَفِي الْمُدَبَّرِ يَتَعَقَّدُ السَّبَبُ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَامْتِنَاعُ الْبَيْعِ فِيهِ لِتَحْقِيقِ
مَقْصُودِهِ فَافْتَرَقَا .
وَفِي أُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ قَصِينَا بِتَكَاثُفِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْبَحَائِشِ ، وَبَدَلُ الْكِتَابَةِ لَا
يَقْتَضِي وَجُودَهُ إِلَى التَّقْوَمِ .

ترجمہ

اور جب ام ولد دو مالکوں کے درمیان مشترک تھی اور ایک نے اس کو اس حال میں آزاد کر دیا کہ وہ مالدار ہے۔ تو امام اعظم
رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ضمان نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک وہ ام ولد کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ امام اعظم علیہ
الرحمہ کے نزدیک ام ولد کی مالیت قیمت قوی نہیں ہے۔

بہتہ صاحبین کے نزدیک قوی قیمت ہے اور اسی قاعدے پر کئی مسائل مشتمل ہیں جن کو ہم نے کفایہ منتہی میں بیان کر دیا ہے۔
صاحبین کے فرمان کی دلیل یہ ہے کہ غلطی، اجارہ اور خدمت لینے کے طور پر اس باندی سے نفع اٹھنا ممکن ہے اور یہ اس کی قوی قیمت
ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ اس کی بیع کا منع ہونا اس کی قیمت کو قوی ہونے سے ساقط کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح مدبر ہے۔ کیا تم
غور و فکر نہیں کرتے کہ جب نصرانی کی ام ولد جب مسلمان ہو جائے تو اس پر سعاہ واجب ہے اور قیمت قوی ہونے کی دلیل ہے۔
البتہ اس کی قیمت صرف باندی کی تہائی قیمت ہوگی۔ جس طرح مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے۔ کیونکہ فوت ہونے کے بعد بیع اور سعاہ کا
نفع ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف بیع کا نفع فوت ہوا ہے۔ جبکہ خدمت لینا اور کمائی کروانا تو وہ
دونوں موجود ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کا قوی ہونا یہ احراز کے سبب سے ہے اور ام ولد نسب کیسے محرز ہوا کرتی
ہے جبکہ تقویم کیسے نہیں ہوتی۔ البتہ تقویم کیلئے احراز تابع ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر ام ولد کسی قرض خواہ یا وارث کیلئے کمائی نہیں
کرتی۔ جبکہ مدبر میں ایسا نہیں ہے۔

اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ اس میں موجودہ حالت میں سبب ثابت ہے اور وہ پیشا پیدا ہونے کے سبب جزیت ہے۔ جس طرح
حرمت مصاہرت میں بتایا گیا ہے۔ البتہ انتفاع کی ضرورت کے پیش نظر ملکیت کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہ ہوا۔ پس یہی سبب
سقوط تقویم میں مؤثر ہو گیا جبکہ مدبر میں موت کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے۔ اور اس کی بیع کا ممتنع ہونا اس کے مقصود کے ثابت
ہونے کے سبب سے ہے کیونکہ دونوں میں فرق واضح ہو گیا ہے۔

البتہ نصرانی کی ام ولد میں ہم نے دونوں اطراف سے نقصان کو دور کرنے کیلئے مکاتب ہونے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ بدل

ثابت کا وجوب تقویم کا محتاج ہونے والا نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جو دو
ادیوں کے درمیان مشترک ہے پھر ایک ان میں سے (اپنا حصہ) آزاد کر دے تو وہ دوسرے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا۔ (اگر
مدار ہو) صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1279

حضرت بشر بن ہبیک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غلام (مشترک) میں سے اپنے حصے کو آزاد کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ
میداد وسلم نے اس کے آزاد کرنے کو جائز قرار دیا اور باقی غلام کی قیمت بطور تاوان مالک کو دلوائی (کیونکہ آدھا آزاد ہوا آدھ
مدبر) یہ ناممکن ہے لہذا حق تو جائز ہے البتہ آزاد کرنے والا اپنے شریک کے حصے کی قیمت اپنے شریک کو ادا کرے گا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 543)

باب عتق احد العبدین

یہ باب اپنے غلاموں میں سے کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کے بیان میں ہے
باب کسی ایک غلام کو آزاد کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب بھی بعض آزادی سے متعلق ہے۔ اور اس سے پہلے بھی بعض آزادی سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔ البتہ وہ ایک غلام کی بعض غلامی متعلق تھا اس لئے اس کو مقدم کیا ہے اور یہ باب متعدد غلاموں سے بعض کی آزادی سے متعلق ہے لہذا اس کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ لہذا پہلے جزء کے درجے ہوا تو اس کو مقدم ذکر کیا اور دوسرے کل کے درجے میں لہذا اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰ ص ۱۸۰، بیروت)

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب کسی ایک غلام کی بعض آزادی کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں کی غلاموں میں کسی ایک غلام کو آزاد کرنے سے متعلق احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے۔ کیونکہ واحد شریعت مقدم ہوا کرتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶ ص ۳۵۱، بیروت)

تین غلاموں میں کسی ایک کی آزادی کا بیان

(وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَعْبِيدَ دَخَلَ عَلَيْهِ اثْنَانِ فَقَالَ: أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ خَرَجَ وَاحِدٌ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَالَ أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ مَاتَ وَلَمْ يَبَيِّنْ عِتْقُ مَنْ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ثَلَاثَةَ أَرْبَاعِهِ وَنُصْفُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْآخَرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ كَذَلِكَ إِلَّا فِي الْعَبْدِ الْآخَرِ فَإِنَّهُ يَعْتِقُ رُبْعَهُ) أَمَّا الْخَارِجُ فَلَا نَّ الْإِبِجَابِ الْأَوَّلَ دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ، وَهُوَ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ فَأَوْجَبَ عِتْقَ رَقَبَةٍ بَيْنَهُمَا لَا سِتَوَانِهِمَا فَيُصِيبُ كُلًّا مِنْهُمَا النُّصْفُ، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتِقَادَ الْإِبِجَابِ الثَّانِي رُبْعًا آخَرَ لِأَنَّ الثَّانِي دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدَّخِيلِ، وَهُوَ الَّذِي سَمَاهُ فِي الْكِتَابِ آخِرًا فَيَتَصَفَّ بِبَيْنَهُمَا، غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْحُرِّيَّةِ بِالْإِبِجَابِ الْأَوَّلِ فَشَاعَ النُّصْفُ الْمُسْتَحَقُّ بِالثَّانِي فِي نِصْفِهِ، فَمَا أَصَابَ الْمُسْتَحَقَّ بِالْأَوَّلِ لَعَا، وَمَا أَصَابَ الْخَارِجَ بَقِيَ فَيَكُونُ لَهُ الرُّبْعُ فَتَمَّتْ لَهُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ وَلِأَنَّهُ لَوْ أُرِيدَ هُوَ بِالثَّانِي يَعْتِقُ نِصْفَهُ، وَلَوْ أُرِيدَ بِهِ الدَّخِيلُ لَا يَعْتِقُ هَذَا النُّصْفَ فَيَتَصَفَّ فَيَعْتِقُ مِنْهُ الرُّبْعَ بِالثَّانِي

وَالنُّصْفُ بِالْأَوَّلِ، وَأَمَّا الدَّخِيلُ فَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: لَمَّا دَارَ الْإِبِجَابِ الثَّانِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَقَدْ أَصَابَ الثَّابِتُ مِنْهُ الرُّبْعُ فَكَذَلِكَ يُصِيبُ الدَّخِيلَ وَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّهُ دَائِرَ بَيْنَهُمَا، وَقَضِيَّتُهُ التَّنْصِيفُ وَإِنَّمَا نَزَلَ إِلَى الرُّبْعِ فِي حَقِّ الثَّابِتِ لِاسْتِحْقَاقِهِ النُّصْفَ بِالْإِبِجَابِ الْأَوَّلِ كَمَا ذَكَرْنَا، وَلَا اسْتِحْقَاقَ لِلدَّخِيلِ مِنْ قَبْلِ فَيُثْبِتُ فِيهِ النُّصْفُ.

قَالَ (فَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ مِنْهُ فِي الْمَرَضِ قِسْمَ الثَّلْثِ عَلَى هَذَا) وَشَرَحَ ذَلِكَ أَنَّ يُجْمَعُ بَيْنَ سَهَامِ الْعِتْقِ وَهِيَ سَبْعَةٌ عَلَى قَوْلِهِمَا لِأَنَّا نَجْعَلُ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى أَرْبَعَةٍ لِحَاجَتِنَا إِلَى ثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ فَتَقُولُ: يَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَمِنَ الْآخَرَيْنِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَهْمَانِ فَيُلْغُ سَهَامُ الْعِتْقِ سَبْعَةٌ، وَالْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ وَمَحَلُّ نَهَاذِهَا الثَّلْثُ، فَلَا بُدَّ أَنْ يُجْعَلَ سَهَامُ الْوَرَثَةِ ضِعْفَ ذَلِكَ فَيَجْعَلَ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى سَبْعَةٍ وَحَمِيعُ الْمَالِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ فَيَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةً وَيَسْعَى فِي أَرْبَعَةٍ وَيَعْتِقُ مِنَ الْبَاقِيَيْنِ مِنْ كُلِّ مِنْهُمَا سَهْمَانِ وَيَسْعَى فِي خَمْسَةٍ، فَإِذَا تَامَلْتَ وَجَمَعْتَ اسْتَقَامَ الثَّلْثُ وَالثَّلَاثَانِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يُجْعَلُ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى سِتَّةٍ لِأَنَّهُ يَعْتِقُ مِنَ الدَّخِيلِ عِنْدَهُ سَهْمٌ فَتَقْصُتُ سَهَامُ الْعِتْقِ بِسَهْمٍ وَصَارَ جَمِيعُ الْمَالِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ، وَبَاقِي التَّحْرِيجِ مَا مَرَّ.

ترجمہ

جس شخص کے تین غلام ہوں اور اس کے پاس دو غلام آئے اور اس نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ایک نکل گیا اور دوسرا آیا پھر مولیٰ نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اس کے بعد مولیٰ مر گیا اور اس نے آزاد کئے گئے کی وضاحت نہ کی۔ تو امام اعظم اور امام ابو یوسف کے یہاں جس غلام پر قول کا عائد کیا گیا ہے اس کے تین چوتھائی حصے آزاد ہوں گے اور دوسرے دونوں کا نصف آزاد ہوگا امام محمد نے بھی یہی فرمایا ہے سوائے بعد میں آنے والے غلام کے چنانچہ اس کا چوتھائی آزاد ہوگا۔

البتہ نکلنے والے غلام اور باقی رہنے والے غلام کے درمیان اشتراک اسی وجہ سے برابر ہے۔ اور ثابت وہ غلام تو ہے جس پر قول کا عائد کیا گیا ہے لہذا ایجاب اول نے ان دونوں کے مابین ایک رقبہ کے حق کو واجب کر دیا اسلئے کہ وہ دونوں برابر ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا حق حاصل ہوا۔

علاوہ ازیں ثابت غلام نے دوسرے ایجاب سے ربع اخر کے حق کا فائدہ حاصل کر لیا اس لئے کہ ایجاب ثانی کے اور داخل

ہونے والے غلام کے درمیان مشترک ہے ہذا اعتق ثانی بھی ان کے درمیان نصف نصف ہوگا لیکن غلام موجود ایجاب اول کے ذریعے دھے حریت کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ غلام ایجاب ثانی سے جس نصب کا مستحق ہوادہ اسکے دونوں نصب میں پھیل گیا لہذا ایجاب اول سے جو اسے ماوہ لغو ہو گیا اور جو غیر مستحق فارغ سے راقن ہوادہ باقی رہا اور ایجاب ثانی سے ربع ملا اور تین چوتھائی اسکے لئے مکمل ہو گیا۔

اور اس لئے کہ اگر ایجاب ثانی سے یہی غلام مراد لیا جائے تو اس کا نصف باقی آزاد ہو جائیگا اور اگر ایجاب ثانی سے داخل لیا جائے تو دھ آزاد نہیں ہوگا لہذا آزادی کو آدھا آدھا کر دیا گیا اور غلام موجود کا ربع ایجاب ثانی سے آزاد ہو جائے گا اور اس کا آدھا ایجاب اول سے آزاد ہو جائیگا رہا داخل تو اب محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ایجاب ثانی غلام داخل اور غلام داخل کے درمیان مشترک ہے اور اس آزادی سے ثابت کو ربع ملے تو داخل کو بھی ربع ملے گا اور شیخین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایجاب ثانی ثابت اور داخل مشترک ہے اور یہ اشتراک تصنیف کا مقتضی ہے مگر موجود کے حق میں ربع کی طرف عود کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ ایجاب اول سے نصف آزادی کا حق دار ہو گیا ہے جبکہ ہم نے بیان کر دیا اور داخل کے لئے اس سے پہلے کوئی استحقاق ثابت نہیں ہے پس اس میں آدھا اعتق ثابت ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مولیٰ کا یہ قول مرض موت میں ہو تو اس کا ثلث ماں اسی حساب سے تقسیم کیا جائے گا اور اس کی تشریح یہ ہے کہ آزادی کے حصول کو جمع کیا جائے گا جو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر سات ہیں کیونکہ ہم ہر رقبہ کے چار حصے کریں گے اس لئے کہ ہمیں تین چوتھائی حصوں کی ضرورت ہے جبکہ ہم کہیں گے کہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور آخر کے دونوں میں سے ہر ایک کے دو دو حصے آزاد ہوں اور آزادی کے سات حصے ہو جائیں گے اور مرض الموت کا اعتق وصیت ہے اور اس کا مکمل نفاذ تہائی مال ہے لہذا اور ثلث کے سہام اس کے دو حصے قرار دینا ضروری ہے اس لئے ہر غلام کے سات حصے ہوں گے اور پورے مال کے اکیس حصے ہوں گے جبکہ غلام موجود کے تین حصے آزاد ہوں گے اور چار حصوں میں وہ کمائے گا اور باقی دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کے دو دو حصے آزاد ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک پانچ حصوں میں کمائی کرے گا پھر جب تم غور کر کے (انہیں) جمع کر دو گے تو ثلث ثلثان سمجھیں ہوں گے اور امام محمد کے یہاں ہر غلام کے چھ حصے کئے جائے گے کیوں کہ ان کے یہاں عبد داخل کا ایک ہی حصہ آزاد ہوگا ہذا اعتق کے سہام میں سے ایک حصہ کم ہو جائے گا اور پورے مال کے اٹھارہ حصے ہوں گے اور باقی تخریج گزر چکی ہے

شرح

حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ ڈال کر دو کی آزادی قائم رکھی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1151) ربیعہ بن ابی عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابان بن عثمان کی خلافت میں اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور سوا ان غلاموں کے اور کچھ مال اس شخص کے پاس نہ تھا تو ابان بن عثمان نے حکم کیا ان غلاموں کے تین حصے کئے گئے پھر جس حصے پر

میت کا حصہ نکلا وہ غلام آزاد ہو گئے اور جب حصوں پر وارثوں کا نام نکلا وہ غلام رہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1152)

اگر کوئی غلام مشترک ہو مثلاً دو شخص زید اور بکر مشترک طور پر ایک غلام کے مالک ہوں اور ان میں سے ایک شریک مثلاً زید اپنے حصہ آزاد کر دے تو دوسرا کیا کرے؟ چنانچہ اس بارے میں جزوی آزادی (یعنی ایک غلام کا مثلاً آدھا حصہ آزاد ہو جائے اور آدھا غلام ہی رہے) معتبر ہے یا نہیں خود حنفیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ "جزوی آزادی معتبر ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جزوی آزادی معتبر نہیں ہے، اقوال کے اس اختلاف کا تعلق مسئلہ کے صرف اسی ایک جزو سے نہیں ہے بلکہ اس سے دوسرے احکام و مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو خریدے جو اس کا قرابت دار ہو تو وہ غلام محض خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا خواہ وہ شخص اس کو آزاد کرے یا نہ کرے! البتہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ "قرابت دار" سے کس کس رشتہ کے لوگ مراد ہیں اس کی تفصیل بھی آگے آئے گی۔

باب کا تیسرا جزو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ اس کے متعلق احکام و مسائل بھی حسب موقع احادیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کئے جائیں گے۔

ستوط حق کی مختلف صورتوں کا بیان

(وَلَوْ كَانَ هَذَا فِي الطَّلَاقِ وَهْنٌ غَيْرُ مَذْخُولٍ وَمَاتَ الزَّوْجُ قَبْلَ الْبَيَانِ سَقَطَ مِنْ مَهْرِ الْخَارِجَةِ رُبْعُهُ وَمِنْ مَهْرِ النَّائِبَةِ ثَلَاثَةُ أَثْمَانِهِ وَمِنْ مَهْرِ الدَّاخِلَةِ ثُمْنُهُ) قِيلَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ خَاصَّةً، وَعِنْدَهُمَا يَسْقُطُ رُبْعُهُ، وَقِيلَ هُوَ قَوْلُهُمَا أَيْضًا، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفَرْقَ وَتَمَامَ تَفَرُّعَاتِهَا فِي الزِّيَادَاتِ.

ترجمہ

اور اگر یہ قول طلاق کے متعلق ہو اور عورتیں غیر مذخول ہیں اور وضاحت کرنے سے پہلے شوہر مر جائے تو خارجہ کے مہر سے چوتھائی ساقط ہوگا اور نائبہ کے مہر سے تہائی ثمن ساقط ہوگا اور داخہ کے مہر سے اس کا ثمن ساقط ہوگا ایک قول یہ ہے کہ یہ امام محمد ہی کا قول ہے اور حضرات شیخین کے یہاں داخلہ کے مہر کا ربع ساقط ہوگا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہی حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے اور ہم (طلاق اور عتاق کے) فرق کو اور اس مسئلے کی تمام جزئیات کو زیادات میں بیان کر چکے ہیں۔

شرح

سابقہ مسائل میں صاحب ہدایہ ان مختلف صورتوں کو بیان کر آئے ہیں جن کے سبب مختلف حقوق ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ طلاق، متاق کی بعض صورتوں میں فرق ہے ظاہر ہے ایک باب میں حق رقبہ کا حکم ہے جبکہ دوسرے باب میں عتق بضع کا حکم ہے اور اسی طرح قیسی جزئیات میں تفریق کا پایہ جانا یہ کسی طرح کے متفرع احکام میں ہوتا ہے کیونکہ انواع میں اختلاف تنوع بھی اس کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح بعض کا بعض سے مختلف ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

دو غلاموں میں سے ایک کی آزادی کا اعلان کرنا

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِيهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَبَاعَ أَحَدَهُمَا أَوْ مَاتَ أَوْ قَالَ لَهُ أَنْتَ حُرٌّ نَعْدَ مَوْتِي عَقَّ الْآخَرَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَتَّقْ مَحَلًّا لِلْعَتَقِ أَصْلًا بِالمَوْتِ وَلِلْعَتَقِ مِنْ جِهَتِهِ بِالبَيْعِ وَلِلْعَتَقِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ بِالتَّذْيِيرِ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ ، وَلِأَنَّهُ بِالبَيْعِ قَصْدُ الْوُصُولِ إِلَى الثَّمَنِ وَبِالتَّذْيِيرِ ابْتِغَاءُ الْإِنْتِفَاعِ إِلَى مَوْتِهِ ، وَالْمَقْصُودَانِ يُنَافِيَانِ الْعَتَقَ الْمُتَرَمَّ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ دَلَالَةً وَكَذَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدَهُمَا لِلْمَعْنِيِّ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْبَيْعِ الصَّحِيحِ وَالْفَاسِدِ مَعَ الْقَبْضِ وَبِدَوِيهِ وَالْمُطْلَقِ وَبِشَرْطِ الْحَبَارِ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ لِإِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ وَالْمَعْنَى مَا قُلْنَا ، وَالْعَرَضُ عَلَى الْبَيْعِ مُلْحَقٌ بِهِ فِي الْمَحْفُوظِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ ، وَالْهَبَةُ وَالتَّسْلِيمُ وَالصَّدَقَةُ وَالتَّسْلِيمُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ .

ترجمہ

جس شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا یا ایک غلام مر گیا یا ایک سے مومن نے کہا تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو تو دوسرا غلام آزاد ہوگا کیوں کہ مرنا ہوا غلام موت کی وجہ سے محل آزادی نہ رہا لہذا دوسرا غلام (آزادی کے لیے) متعین ہو گیا اور اس سے یہ کہ آقا نے بیع سے ثمن وصول کرنے کا ارادہ کیا ہے اور تدبیر سے اپنی موت تک نفع اٹھانے کا ارادہ کیا ہے اور یہ دونوں مقصود عتق مترم کے منافی ہیں لہذا دوسرا غلام آزادی کے لیے دلالت متعین ہو گیا اور ایسے ہی جب (دو باندیوں میں سے) ایک کو آقا نے ام ولد بنا لیا ہو انہیں دونوں معنوں کی وجہ سے اور بیع صحیح اور بیع فاسد مع القبض اور بدون القبض میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح بیع مطلق اور احد المتعاقدين کے لیے بیع بشرط النخیار میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کیوں کہ جامع صغیر کا حکم مطلق ہے اور مطلب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امام ابو یوسف سے مروی محفوظ میں بیع کے لیے پیش کرنا بھی بیع کے ساتھ لاحق ہے اور ہبہ مع التسليم اور صدقہ مع التسليم بیع کے درجے میں ہے کیوں کہ ان میں سے ہر ایک

تملیک ہے۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے اور اس کے پاس اپنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس غلام کی اندازے کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اور باقی شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت ادا کی جائے گی اور اس کی طرف وہ غلام آزاد ہو جائے گا ورنہ جتن اس نے اپنے حصہ کا غلام آزاد کیا اتنا ہی ہوگا یعنی پورا آزاد نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1277)

دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے کا بیان

وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ لَامْرَأَتِي إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ ثُمَّ مَاتَتْ إِحْدَاهُمَا لِمَا قُلْنَا ، وَكَذَلِكَ لَوْ طَءَ إِحْدَاهُمَا لِمَا بَيَّنُّ (وَلَوْ قَالَ لِأَمْتِي إِحْدَاكُمَا حُرَّةٌ ثُمَّ جَامَعَ إِحْدَاهُمَا) لَمْ تَعْتَقِ الْآخَرَى عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا تَعْتَقُ لِأَنَّ الطَّءَ لَا يَحِلُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ وَإِحْدَاهُمَا حُرَّةٌ فَكَانَ بِالطَّءِ مُسْتَبَقًا الْمِلْكُ فِي الْمَوْطُوءَةِ فَتَعَيَّنَتْ الْآخَرَى لِزَوَالِهِ بِالْعَتَقِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَلَهُ أَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْمَوْطُوءَةِ لِأَنَّ الْإِبْقَاعَ فِي الْمُنْكَرَةِ وَهِيَ مُعَيَّنَةٌ فَكَانَ طَوْهًا خَلَالًا فَلَا يُجْعَلُ بَيَانًا وَلِهَذَا حَلَّ وَطَوْهُمَا عَلَى مَذْهَبِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يُفْتَى بِهِ ، ثُمَّ يُقَالُ الْعَتَقُ غَيْرُ نَازِلٍ قَبْلَ الْبَيَانِ لِتَعَلُّقِهِ بِهِ أَوْ يُقَالُ نَازِلٌ فِي الْمُنْكَرَةِ فَيُظْهِرُ فِي حَقِّ حُكْمِ تَقْيِيلِهِ وَالطَّءُ يُصَادِفُ الْمُعَيَّنَةَ ، بِخِلَافِ الطَّلَاقِ ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْأَصْلِيَّ مِنَ النِّكَاحِ الْوَلَدُ ، وَقَصْدُ الْوَلَدِ بِالطَّءِ يَدُلُّ عَلَى اسْتِبْقَاءِ الْمِلْكِ فِي الْمَوْطُوءَةِ صِيَانَةً لِلْوَلَدِ ، أَمَّا الْأَمَةُ فَالْمَقْصُودُ مِنْ وَطْئِهَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ فَلَا يَدُلُّ عَلَى الْإِسْتِبْقَاءِ

ترجمہ

ایسے ہی اگر کسی نے اپنی دو بیویوں سے کہا تم میں سے ایک کو طلاق ہے پھر ان میں سے ایک مر گئی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں ایسے ہی اگر شوہر نے ان میں سے ایک سے وطی کر لی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر کسی نے اپنی دو باندیوں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے پھر ان میں سے ایک سے ہم بستری کر لی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسری باندی آزاد نہ ہوگی حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دوسری باندی آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ وطی صرف ملکیت میں حلال ہے لہذا وطی کر کے

آقا موطوہ میں ملکیت باقی رکھنا چاہتا ہے اس لئے دوسری آزادی کے لیے متعین ہو جائے گی کیوں کہ آزادی سے ملکیت ختم ہوگی جیسے طلاق میں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موطوہ میں ملکیت موجود ہے کیوں کہ ایقاع حریت غیر معین باندی میں ہے اور موطوہ باندی معینہ ہے لہذا اسکی وطی حلال ہوگی اور اسے بیان نہیں قرار دیا جاسکتا اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر ان دونوں سے وطی حلال ہے تاہم اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ وضاحت سے پہلے آزادی واقع نہیں ہوگی اس لیے کہ آزادی وضاحت سے متعلق ہے یا یوں کہا جائے گا کہ غیر معین باندی میں آزادی واقع ہوگی اور اس حکم کے حق میں ظاہر ہوگا جسے وہ غیر معین باندی قبول کے گی حالانکہ وطی معینہ باندی سے واقع ہوئی ہے برخلاف طلاق کے کیوں کہ نکاح کا مقصد اصلی سے اولاد کا ارادہ کرنا حفاظت ولد کے حوالے سے موطوہ میں ملکیت باقی رکھنے کے مقصد ہر دلیل ہے رہی باندی تو اس سے وطی کر کے ثبوت پوری کرنا مقصود ہے نہ کہ ولد لہذا یہ استہزاء ملکیت پر دلیل نہیں ہوگا۔

شرح

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارثہ سے تھا، آپ کا شمار مدینہ منورہ کے دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا، دور نبوت میں آپ نے چند افراد کے ساتھ مکہ جا کر اسلام قبول کیا تھا، وہ دور جہالت میں بھی نوشت وخواند سے واقف تھے، حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو انھیں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بھائی بنایا گیا جنھوں نے انھیں اپنے مکان لے جا کر میزبانی کی اور فرمایا کہ میں اپنے مکان، مال اور باغ میں سے ہر ایک کا آدھا حصہ آپ کی نذر کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدوں گا تاکہ آپ ان سے نکاح کر سکیں، یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت سعد بن ربیع کا شکریہ ادا کیا اور اپنے ذریعہ معاش کے طور پر تجارت شروع کر دی۔

امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہمیں خبر دی کہ ابن شہابؒ نے کہ رافع بن خدیج نے رافع بن سلمہ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ چنانچہ وہ ان کے پاس رہیں۔ ان کی موجودگی میں ایک جوان عورت سے نکاح کر لیا۔ اور اس کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ پہلی بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا تو ایک طلاق دیدی اور انھیں روکے رکھا۔ جب عدت گزرنے لگی تو ان سے رجوع کر لیا۔ پھر جوان عورت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے تو انہوں نے پھر طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ پھر ایک طلاق دیدی اور انھیں روکے رکھا۔ جب عدت گزرنے لگی تو ان سے رجوع کر لیا اور لونالیا۔ پھر نو جوان عورت کی طرف مائل ہو گئے تو انہوں نے پھر طلاق مانگی۔ آپ نے کہا تم کیا چاہتی ہو۔ اب ایک طلاق باقی رہ گئی ہے۔ اگر چاہتی ہو تو اسی طرح رہو۔ اگر چاہو تو میں تمہیں طلاق دے دوں۔ پہلی بیوی نے کہا میں اس کی طرف مائل ہونے کے باوجود اسی طرح برقرار رہنا منظور کرتی ہوں۔ تو رافع نے انھیں روکے رکھا اور رافع نے اس بارے میں کوئی گناہ تصور نہیں کیا جبکہ وہ ترجیح پر راضی ہو گئیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب عورت کو علم ہو کہ اسے کنارہ کش ہو جانے کا اختیار ہے اور وہ راضی ہو جائے۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (موطا امام محمد، حدیث نمبر ۵۸۳)

باندی کی آزادی کو بچہ جننے سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لَا مَتَّيْهَ إِنْ كَانَ أَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدْنِي غُلَامًا فَانَّتِ حُرَّةً فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَذْرَىٰ أَهْلُهَا وَلَدَ أَوْ لَا عَتَقَ نِصْفَ الْأُمِّ وَنِصْفَ الْجَارِيَةِ وَالْغُلَامُ عَبْدٌ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَعْتِقُ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إِذَا وَلَدَتْ الْغُلَامَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الْأُمُّ بِشَرِّطٍ وَالْجَارِيَةُ لِكَوْنِهَا تَبَعًا لَهَا، إِذْ الْأُمُّ حُرَّةٌ حِينَ وَلَدَتْهَا، وَتَرْتَقِي فِي حَالٍ وَهُوَ مَا إِذَا وَلَدَتْ الْجَارِيَةَ أَوْ لَا لِعَدَمِ الشَّرْطِ فَيَعْتِقُ نِصْفَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَتَسْقَىٰ فِي النِّصْفِ، أَمَّا الْغُلَامُ يَرْتَقِي فِي الْحَالِ فَلِهَذَا يَكُونُ عَبْدًا، وَإِنْ ادَّعَتْ الْأُمُّ أَنَّ الْغُلَامَ هُوَ الْمَوْلُودُ أَوَّلًا وَأَنَّكَرَ الْمَوْلَى وَالْجَارِيَةُ صَغِيرَةً فَلَا قَوْلَ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ لِإِنْكَارِهِ شَرْطَ الْعِتْقِ، فَإِذَا حَلَفَ يَعْتِقُ وَاحِدًا مِنْهُمَا، وَإِنْ نَكَلَ عَتَقَتْ الْأُمُّ وَالْجَارِيَةُ، لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ حُرَّتِي الصَّغِيرَةِ مُعْتَبَرَةٌ لِكَوْنِهَا نَفْعًا مَحْضًا فَاعْتَبَرَ النُّكُولُ فِي حَقِّ حُرَّتِيهِمَا فَعَتَقَتْ، وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ كَبِيرَةً وَلَمْ تَدَّعِ شَيْئًا وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا عَتَقَتْ الْأُمُّ بِنُكُولِ الْمَوْلَى خَاصَّةً دُونَ الْجَارِيَةِ، لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ الْكَبِيرَةِ، وَصَحَّةُ النُّكُولِ تُبْتَنَىٰ عَلَى الدَّعْوَى فَلَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ وَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ الْكَبِيرَةُ هِيَ الْمُدَّعِيَةُ لَسَبَقَ وَلَا دَعَا الْغُلَامَ وَالْأُمُّ سَاكِنَةٌ يَكْبُتُ عِتْقُ الْجَارِيَةِ بِنُكُولِ الْمَوْلَى دُونَ الْأُمِّ لِمَا قُلْنَا، وَالتَّحْلِيلُ عَلَى الْعِلْمِ فِيمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ اسْتِحْلَافٌ عَلَى فِعْلِ الْغَيْرِ، وَبِهَذَا الْقَدْرِ يُعْرَفُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ الْوَجْهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى .

ترجمہ

جس نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر پہلا بچہ لڑکا پیدا ہوا تو تو آزاد ہے پھر اس نے لڑکا اور لڑکی دونوں جنے اور یہ نہیں ممانع ہوسکتا کہ پہلے کون پیدا ہوا تو آزاد ہو جائے گی نصف ماں اور نصف لڑکی، اور لڑکا غلام رہے گا اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک ایک حالت میں آزاد ہوتی ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ جب پہلے اس نے لڑکا جنا ہو، ماں شرط کی وجہ سے آزاد ہوگی اور لڑکی ماں کے تابع ہونے کی وجہ سے آزاد ہوگی، کیوں کہ بوقت ولادت جاریہ ماں آزاد ہو چکی ہے۔ اور ایک حالت میں ماں اور لڑکی میں سے ہر ایک رقیق رہے گی اور وہ حالت یہ ہے کہ جب ماں نے لڑکی جنی ہو، کیوں کہ شرط معدوم ہے، لہذا ان میں سے ہر ایک کا آدھا

آزاد ہوگا اور دھسے کیسے کمائی کریں گے رہا لڑکا تو وہ دونوں حالتوں میں رقیق رہے گا اسی لئے وہ غلام کہلائے گا۔

اور اگر ماں نے یہ دعویٰ کیا کہ لڑکا ہی پہلے پیدا ہوا ہے اور مولیٰ نے انکار کر دیا اور لڑکی ابھی چھوٹی ہے تو یمنین کے ساتھ مولیٰ کی بات کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ وہ شرط آزادی کا انکار کرنے والا ہے پھر اگر مولیٰ نے قسم کھائی تو ان میں سے کوئی آزاد نہ ہوگا اور اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو ماں اور لڑکی آزاد ہو جائیں گی، اس لئے کہ صغیرہ کی حریت کے حوالے سے ماں کا دعویٰ معتبر ہے کیوں کہ یہ صرف نفع ہے، لہذا ان دونوں کی حریت کے حق میں انکار کا اعتبار کر لیا جائے گا اور ماں اور لڑکی دونوں آزاد ہو جائیں گی۔ اور اگر لڑکی باخدا ہو اور اس نے (حریت کا) دعویٰ نہ کیا ہو اور باقی مسئلہ اسی طرح ہو تو مولیٰ کے انکار سے صرف ماں آزاد ہوگی اور لڑکی آزاد نہیں ہوگی، کیوں کہ بالذکر لڑکی کے حق میں ماں کا دعویٰ معتبر نہیں ہے اور انکار کی صحت دعویٰ پر ہی مبنی ہے لہذا لڑکی کے حق میں یہ انکار مؤثر نہیں ہوگا۔ اور اگر بالذکر لڑکی ہی لڑکے کی سبقت و ولادت کا دعویٰ کرنے والی ہو اور ماں خاموش ہو تو مولیٰ کے انکار قسم سے ہی لڑکی آزاد ہو جائے گی، لیکن ماں آزاد نہیں ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔ اور ہماری بیان کردہ تمام صورتوں میں ہم پر قسم لی جائے گی کیوں کہ یہ دوسرے کے فعل پر قسم لینا ہے اور اس مقدار بیان سے وہ صورتیں بھی واضح ہو جاتی ہیں جنہیں ہم نے کفایت المنتہی میں بیان کیا ہے۔

تفویت شرط تفویت مشروط کو مسلتزم کا قاعدہ فقہیہ

اذا فأت الشرط فأت المشروط۔ (الاشباہ)

جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ (النساء)

آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کی ادائیگی کیلئے وقت شرط ہے۔ اور اسی طرح وضو شرط ہے

شرط کی اقسام:

شرط کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ شرط جائز ۲۔ شرط فاسد ۳۔ شرط لغو

۱۔ شرط جائز کی تعریف

برودہ شرط جو عقد کا تقاضہ کرتی ہو اور وہ اسی عقد کے مناسب بھی ہو یا وہ شرط معاشرے میں جاری ہو یا اس کے جواز پر حکم شرعی موجود ہو، اسے شرط جائز کہتے ہیں۔ اس کی مثال خیال شرط کے مسائل سے ملتی ہے۔ اور اس کے جواز کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو کسی سے بیع کرے تو یہ کہہ کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی فتنہ نہیں اور میرے لئے تین دن تک اختیار ہے۔

۲۔ شرط فاسد کی تعریف:

برودہ شرط جس کا تقاضہ نہ عقد کرتا ہو اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو۔

۳۔ شرط لغو کی تعریف:

برودہ شرط جو شرط جائز اور شرط فاسد کے سوا ہو وہ شرط لغو کہلاتی ہے۔

انتباہ:

خیال شرط کا اختیار و رتاء کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص کے لئے خیال تھا اور وہ مرگیا تو خیال باطل ہوگا۔ (قدوری)

دوواہوں کی شہادت پر آزادی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي وَصِيَّةٍ) اسْتِحْسَانًا ذَكَرَهُ فِي كِتَابِ الْعَتَاقِ (وَإِنْ شَهِدَ أَنَّهُ طَلَّقَ إِحْدَى نِسَائِهِ جَازَتْ الشَّهَادَةُ وَيُجْبَرُ الرَّوْجُ عَلَى أَنْ يُطْلَقَ إِحْدَاهُنَّ) وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ : الشَّهَادَةُ فِي الْعِتْقِ مِثْلُ ذَلِكَ) وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَى عِتْقِ الْعَبْدِ لَا تُقْبَلُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعِنْدَهُمَا تُقْبَلُ ، وَالشَّهَادَةُ عَلَى عِتْقِ الْأَمَةِ وَطَلَاكِ الْمَنْكُوحَةِ مَقْبُولَةٌ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى بِالْإِتْفَاقِ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ . وَإِذَا كَانَ دَعْوَى الْعَبْدِ شَرْطًا عِنْدَهُ لَمْ تَتَحَقَّقْ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَى مِنَ الْمَجْهُولِ لَا تَتَحَقَّقُ فَلَا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَعِنْدَهُمَا لَيْسَ بِشَرْطٍ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ انْعَدَمَ الدَّعْوَى . أَمَّا فِي الطَّلَاقِ فَعَدَمُ الدَّعْوَى لَا يُوجِبُ خَلًّا فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهَا .

وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ إِحْدَى أَمَتَيْهِ لَا تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الدَّعْوَى شَرْطًا فِيهَا لِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا تُشْتَرَطُ الدَّعْوَى لِمَا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ فَشَابَهُ الطَّلَاقُ ، وَالْعِتْقُ الْمُبْهَمُ لَا يُوجِبُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ عِنْدَهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَصَارَ كَالشَّهَادَةِ عَلَى عِتْقِ أَحَدِ الْعَبْدَيْنِ . وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا شَهِدَا فِي صِحَّتِهِ عَلَى أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اگر دو لوگوں نے کسی شخص کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دیا ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک گواہی باطل ہے، مگر یہ کہ وصیت میں ہو۔ اور امام محمدؒ نے استحبنا سے عتاق میں بیان کیا ہے اور اگر دو لوگوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیدی ہے تو گواہی جائز ہوگی اور شوہر کو مجبور کیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دے اور یہ بالاتفاق ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عتق کی شہادت بھی شہادت عتاق کی طرح ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عتق عہد کی شہادت دعوائے عہد کے بغیر مقبول نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مقبول ہے اور باندگی کے عتق اور منکوحہ کے طلاق کی شہادت کے بغیر دعویٰ کے بھی بالاتفاق مقبول ہے اور یہ مسئلہ مشہور ہے اور جب امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کا دعویٰ کرنا شرط ہے تو جامع صغیر کے مسئلہ میں دعویٰ متحقق نہیں ہوگا کیوں کہ مجہول کی طرف سے دعویٰ متحقق نہیں ہوتا لہذا گواہی بھی مقبول نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک (دعوائے عہد) شرط نہیں ہے تو شہادت مقبول ہوگی اگرچہ دعویٰ معدوم ہو، لیکن طلاق میں دعویٰ معدوم ہونے سے شہادت میں خلل نہیں ہوتا اسلئے کہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے۔

اور اگر دو آدمیوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں نے اپنی دو باندیوں میں سے ایک باندی کو آزاد کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شہادت بھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے، اس لیے کہ دعویٰ صرف اس وجہ سے شرط نہیں ہے کہ حق شرم گاہ کی حرمت کو متضمن ہے لہذا یہ طلاق کے مشابہ ہو گیا۔ اور امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے یہاں عتق مبہم تحریم فرج کا موجب نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہذا یہ شہادت احدا العبدین کو آزاد کرنے کی شہادت کی طرح ہوگی اور یہ تمام اس صورت میں ہے جب دونوں گواہوں نے یہ شہادت دی ہو کہ فلاں نے اپنی صحت کے زمانے میں اپنے دو غلاموں کو میں سے ایک کو آزاد کیا ہے۔

شہادت آزادی کو شہادت طلاق پر قیاس کرنے کا بیان

مذکورہ مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مابین اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا سبب یہی ہے کہ صاحبین نے آزادی کی شہادت کو طلاق کی شہادت پر قیاس کیا ہے لہذا ان کے نزدیک شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور شہادت کے پیش نظر غلام یا باندی آزاد ہو جائے گی۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہادت تب تسلیم کی جائے جب غلام اس کا دعویٰ کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔

غلام و باندی کی شہادت میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفیٰ نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سو اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے

یہ کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے (حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اول دے ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب شہادات، رقم ۲۶۵۹) مطلب یہ ہے کہ تم سب اللہ کے لونڈی غلام ہو اور اللہ ہی کے لونڈی غلاموں کی اول دے ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عدل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ شہادت نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عدل ثقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔ ترجمہ الباب میں نقل کردہ آثار سے آپ کا مدعا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

مرض موت میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان

أَمَّا إِذَا شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ شَهِدَا عَلَى تَدْبِيرِهِ فِي صِحَّتِهِ أَوْ فِي مَرَضِهِ وَأَذَاءُ الشَّهَادَةِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ بَعْدَ الْوَفَاةِ تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّ التَّدْبِيرَ حَيْثُمَا وَقَعَ وَقَعَ وَصِيَّةً ، وَكَذَا الْعِتْقُ فِي مَرَضٍ الْمَوْتِ وَصِيَّةً ، وَالْخَصْمُ فِي الْوَصِيَّةِ إِنَّمَا هُوَ الْمُوصِي وَهُوَ مَعْلُومٌ ، وَعَنْهُ خَلَفَ وَهُوَ الْوَصِيُّ أَوْ الْوَارِثُ ، وَلِأَنَّ الْعِتْقَ فِي مَرَضٍ الْمَوْتِ يَشْتَعِلُ بِالْمَوْتِ فِيهِمَا فَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَصْمًا مُتَعَيَّنًا وَلَوْ شَهِدَا بَعْدَ مَوْتِهِ أَنَّهُ قَالَ فِي صِحَّتِهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَقَدْ قِيلَ : لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ . وَقِيلَ : تُقْبَلُ لِلشُّبُوحِ هُوَ الصَّحِيحُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ

اور اگر دونوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اپنے مرض الموت میں اپنا ایک غلام آزاد کیا ہے یا یہ شہادت دی کہ اس نے اپنی صحت یا اپنے مرض میں ایک غلام کو مدبر بنایا ہے اور اس شہادت کی ادائیگی فلاں کے مرض الموت میں یا اس کی وفات کے بعد ہو تو استحساناً یہ شہادت مقبول ہوگی کیوں کہ تدبیر جب بھی واقع ہوتی ہے وصیت ہی واقع ہوتی ہے نیز مرض الموت میں آزادی بھی وصیت ہے اور وصیت کے سلسلے میں موصی خصم ہے اور وہ معلوم ہے اور اس کا خلیفہ بھی ہے وصی یا وارث اور اس لیے کہ مرض الموت کا حق آقا کی موت سے دونوں غلاموں میں بھیل جاتا ہے لہذا ان میں سے ہر ایک غلام خصم متعین ہو گیا اور آقا کی موت کے بعد دو لوگوں نے یہ گواہی دی کہ آقا نے اپنی صحت کے دوران کہا تھا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے تو ایک قول یہ ہے کہ یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی کیوں کہ یہ وصیت نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت مقبول ہوگی کیوں کہ حق دونوں غلاموں میں بھیل چکا ہے۔

شرح

حضرت عمران ابن حصین راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کر دیے اور اس شخص کے پاس ان

غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور ان کے درمیان قرعہ ڈال، اس طرح ان سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھ کر آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار تارنگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔ "اور سنائی کی روایت میں جو حضرت عمران بنی سے منقول ہے، ان الفاظ "سخت الفاظ فرمائے" کی بجائے یہ الفاظ ہیں "کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں" اور ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہنچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 576)

دو کو آزاد کر دیا اور "کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں کی صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح وصیت، صدقہ، ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین لعرب نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلامزگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ اور امام نووی نے حضرت امام ابو حنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں (مساوی سلوک کے پیش نظر) ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد تصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر اس لئے اظہار تارنگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے ورثہ کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ورثہ پر اس طرح شفقت و کرم کیا کہ اس شخص کی طرف سے دی گئی آزادی کو دو غلاموں کے حق میں جاری کیا اور باقی چار کو ان کو ورثہ کا حق قرار دے دیا۔ حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نام شروع اور ظالمانہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشاد گرامی حدیث (ادکروا اموالکم بالحقیر) (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

باب الحلف بالحق

﴿یہ باب حلف بہ عتق کے بیان کے میں ہے﴾

باب حلف بہ عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حلف سے معق کردہ آزادی کو مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ یہ آزادی شرط کے ساتھ معق ہے۔ کیونکہ جب شرط پائی جائے گی تب ہی جزاء پائی جائے گی۔ لہذا اس کا سبب مؤخر ہونے کی وجہ سے اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ (عتابہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۶، بیروت)

آزادی کو شرط کے ساتھ معق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلْ مَمْلُوكٌ لِي يَوْمَئِذٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَيْسَ لَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى مَمْلُوكًا ثُمَّ دَخَلَ عَتَقَ) لِأَنَّ قَوْلَهُ يَوْمَئِذٍ تَقْدِيرُهُ يَوْمَ إِذْ دَخَلْتُ، إِلَّا أَنَّهُ أَسْقَطَ الْفِعْلَ وَعَوَّضَهُ بِالتَّنْوِينِ فَكَانَ الْمُعْتَبَرُ قِيَامَ الْمِلْكِ وَقَبْلَ الدُّخُولِ وَكَذَا لَوْ كَانَ فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ عَبْدٌ فَقَبْلَ عَتَقَ حَتَّى دَخَلَ عَتَقَ لِمَا قُلْنَا.
قَالَ (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَالَ فِي يَمِينِهِ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَعْتَقْ) لِأَنَّ قَوْلَهُ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي لِلْحَالِ وَالْجَزَاءُ حُرِّيَّةُ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ، إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الشَّرْطُ عَلَى الْجَزَاءِ تَأَخَّرَ إِلَى وُجُودِ فَيَعْتَقُ إِذَا بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ إِلَى وَقْتِ الدُّخُولِ وَلَا يَتَنَاوَلُ مِنْ اشْتِرَائِهِ بَعْدَ الْيَمِينِ.

ترجمہ

جس شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس دن میرا ہر غلام آزاد ہے اور اس کا کوئی غلام نہیں ہے پھر اس نے ایک غلام خریدا اور گھر میں داخل ہوا تو وہ غلام آزاد ہوگا کیوں کہ حلف کے قول یومئذ کی تقدیر یوم از وصت ہے لیکن اسے فعل کو ساقط کر کے اس کے عوض تنوین کر دیا لہذا بوقت دخول ملکیت کا قیام معتبر ہوگا ایسے ہی اگر قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں کوئی غلام ہو اور اس کے گھر میں داخل ہونے تک ہو غلام اس کی ملکیت پر برقرار رہے تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر حلف نے اپنی قسم میں یومئذ نہ کہا ہو تو (بعد میں خریدا ہو غلام) آزاد نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا قول مملوک لیس فی الحال کے لیے اور اس قول کی جزاء یہ ہے کہ جو فی الحال اس کا غلام ہے وہی آزاد ہو لیکن جب شرط جزاء پر داخل ہوئی تو جزاء وجود شرط کے وقت تک مؤخر ہوگئی لہذا بوقت دخول جو غلام اس کی ملکیت میں رہے گا وہی آزاد گا اور جو حلف نے قسم کے بعد خریدا ہے اسے جزاء

شامل نہیں ہوگی۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان

حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ (ابتداءً) میں حضرت ام سلمہ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہو گے" میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا "چنانچہ حضرت ام سلمہ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 583)

حضرت سفینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت ام سلمہ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہران یا رومات اور یارباح تھا انکی کنیت ابو عبید، رحمن یا ابوالخیر کی تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرم کی خدمت کیا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو دو گوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہ" کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بر برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ" ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالی رث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے! یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو گیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مذکر غلام کو آزاد کرنے کی شرط کا بیان

وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي ذَكَرٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَهُ جَارِيَةٌ حَامِلٌ فَلَدَتْ ذَكَرًا لَمْ يَغْنَقْ
وَهَذَا إِذَا وَلَدَتْ لِسْتِةٍ أَشْهَرٍ فَصَاعِدًا ظَاهِرٌ، لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْحَالِ، وَلِی قِیَامِ الْحَمْلِ
وَقَتِ الْيَمِينِ احْتِمَالُ لَوْجُودِ أَقْلٍ مُدَّةِ الْحَمْلِ بَعْدَهُ، وَكَذَا إِذَا وَلَدَتْ لَأَقْلٍ مِنْ سِتَّةٍ
أَشْهُرٍ، لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْمَمْلُوكَ الْمُطْلَقَ، وَالْجَنِينَ مَمْلُوكٌ تَبَعًا لِلْأَمِّ لَا مَقْصُودًا
، وَلِأَنَّهُ عُضْوٌ مِنْ وَجْهِهِ وَاسْمُ الْمَمْلُوكِ يَتَنَاوَلُ الْأَنْفُسَ دُونَ الْأَعْضَاءِ وَلِهَذَا لَا

يَمْلِكُ بَيْعَهُ مُنْفَرِدًا .

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَقَائِدَةُ التَّقْيِيدِ بِوَصْفِ الذَّكُورَةِ أَنَّهُ لَوْ قَالَ: كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي
تَدْخُلُ الْحَامِلُ فَيَدْخُلُ الْحَمْلُ تَبَعًا لَهَا .

ترجمہ

جس شخص نے کہا کہ میرے مذکر غلام آزاد ہے اور اس کی ایک حاملہ باندی ہے جس نے لڑکا جنم تو وہ لڑکا آزاد نہیں ہوگا یہ حکم اس صورت میں جب (کہنے کے وقت سے) تجھے ماہ یا اس سے زائد مدت میں باندی نے لڑکا جنم ہو تو وہ ہرے کیوں کہ غلطی الحال کے لیے ہے اور بوقت قسم قیام حمل میں شک ہے کیوں کہ اسکے بعد جس کی اقل مدت موجود ہے اور ایسے ہی جب تجھے ماہ سے کم میں باندی نے بچہ جنم ہو کیوں کہ لفظ مطلق مملوک کو شامل ہے اور جنس ماں کے تابع ہو کر مملوک ہے اور بہ ذات خود مملوک نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ جنس من وجہ عضو نہیں ہے اور لفظ مملوک نفوس کو شامل ہوتا ہے نہ کہ اعضاء کو اسی لیے آقا صرف حمل کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ (غلام کو) وصف ذکریت کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر حالف کل مملوک کی کہتا تو اس میں حاملہ باندی داخل ہو جاتی اور حاملہ باندی کے تابع ہو کر حمل بھی داخل ہو جاتا۔

مشروط قسم میں عدم قید کی بناء پر حکم کی معدومیت کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب مالک نے قسم مذکر غلام کی اٹھائی جبکہ حاملہ باندی کا حمل اس قسم کے احاطے میں شمار نہ ہوگا اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے۔ کہ قسم میں مذکورہ قید ذکریت ایک نفس یعنی جان جو وصف مذکر کے ساتھ خاص ہو مراد ہے جبکہ حاملہ کے حمل پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جنین ماں کے تابع ہونے کے سبب حکم حریت سے خارج ہو گیا۔ (رضوی غفری عنہ)

مالک کا مملوک کی ملکیت کے ساتھ آزادی مقید کرنے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ، أَوْ قَالَ: كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ
غَدٍ وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى آخَرَ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ غَدٍ عَتَقَ الْإِدَى فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلَفَ) لِأَنَّ
قَوْلَهُ أَمْلِكُهُ لِلْحَالِ حَقِيقَةٌ يُقَالُ: أَنَا أَمْلِكُ كَذَا وَكَذَا وَيُرَادُ بِهِ الْحَالُ، وَكَذَا
يُسْتَعْمَلُ لَهُ مِنْ غَيْرِ قَرِينَةٍ وَالْإِسْتِقْبَالُ بِقَرِينَةِ السَّيْنِ أَوْ سَوَفَ فَيَكُونُ مُطْلَقُهُ لِلْحَالِ
فَكَانَ الْجَزَاءُ حُرِّيَّةَ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ مُضَافًا إِلَى مَا بَعْدَ الْغَدِ فَلَا يَتَنَاوَلُ مَا يَشْتَرِيهِ
بَعْدَ الْيَمِينِ .

ترجمہ

اور اگر حلف نے کہا ہر وہ مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ کل کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا میرا ہر مملوک کل کے بعد آزاد ہے اور اس کا ایک مملوک ہے پھر اس نے دوسرا خرید اور غد کے بعد وہ اس کا آزاد ہو گیا تو وہی غلام آزاد ہوگا جو قسم کھانے کے دن اس کی ملکیت میں ہوگا، کیوں کہ حالف کا قول الملکہ در حقیقت فی الحال موجود مملوک کی لئے ہے۔ کہ جاتا ہے کہ میں اتنے اور اتنے کا مالک ہوں اور اس فی الحال جو مملوک چیزیں ہوتی ہیں وہی مراد ہوتی ہیں اور الملک بغیر قرینہ کے حال کیسے مستعمل ہے اور سین یا سوف کے قرینہ سے استعمل کیلئے، استعمال ہوتا ہے، اس سے مطلق ملک حال کیسے ہوگا ہذا جزاء جو فی الحال مملوک ہے اسکی آزادی ہوگی جو با بعد الغد کی طرف مضاف ہوگی اور حالف نے جسے یحییٰ کے بعد خرید اچھا سے جزاء شامل نہیں ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقائے آزادی کو کسی شرط پر مطلق کیا مثلاً اگر تو فلاں کام کرے تو آزاد ہے اور وہ شرط پائی گئی تو غلام آزاد ہے جبکہ شرط پائی جانے کے وقت اسکی ملک میں ہو اور اگر اسکی شرط پر مطلق کیا جو فی الحال موجود ہے مثلاً اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ لونڈی حاملہ تھی اسے آزاد کیا تو اس کے شکم میں جو بچہ ہے وہ بھی آزاد ہے اور اگر صرف پیٹ کے بچہ کو آزاد کیا تو وہی آزاد ہوگا لونڈی آزاد نہ ہوگی، مگر جب تک بچہ پیدا نہ ہو لے لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ (در مختار، کتاب عتق، ج ۵، ص ۴۰۰، بیروت)

بَابُ الْعِتْقِ عَلَى جُعْلٍ

﴿یہ باب مال کے بدلے آزاد کرنے کے بیان میں ہے﴾

باب جعل عتق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب عتق کے ابواب میں سے ہے اور اس کو عتق کے ابواب میں اسی طرح مؤخر ذکر کیا ہے جس طرح طلاق سے خلع کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں ابواب اسقاط مال سے ہے جو اصل نہیں ہے کیونکہ اصل عدم مال سے اسقاط ہے جو کہ یہاں معدوم ہے۔ لہذا اس کو اس کی اصل سے مؤخر ذکر کیا ہے۔ صحیح میں ہے کہ جعل کو جیم کے ضمہ اور اسی طرح جیم کی کسر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے "وَالْمُعْتَلُ مَا يُعْتَلُ لِلنَّاسِ عَلَى شَيْءٍ يَفْعَلُهُ"۔ اور ایک غریب حدیث میں ہے۔ جو تھیں سے اور فارابی کے دیوان ادب میں اس کو فتح کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ پس اس میں دونوں طرح جائز ہے۔ (فتح القدیر، ص ۱۰، ج ۲۵۰، بیروت)

غلام کو مال کے بدلے میں آزاد کرنے کا بیان

وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ ، وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ أَنْتَ حُرٌّ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ أَوْ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ وَإِنَّمَا يُعْتَقُ بِقَبُولِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إِذَا الْعَبْدُ لَا يَمْلِكُ نَفْسَهُ وَمِنْ قَضِيَّةِ الْمُعَاوَضَةِ ثُبُوتُ الْحُكْمِ بِقَبُولِ الْعَوَضِ لِلْحَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ ، فَإِذَا قِيلَ صَارَ حُرًّا ، وَمَا شَرَطَ دَيْنٌ عَلَيْهِ حَتَّى تَصَحَّ الْكَفَالَةُ بِهِ ، بِخِلَافِ بَدَلِ الْكِتَابَةِ ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ مَعَ الْمُتَنَافِي وَهُوَ قِيَامُ الرَّقِّ عَلَى مَا عُرِفَ ، وَإِطْلَاقُ لَفْظِ الْمَالِ يَنْتَظِمُ أَنْوَاعُهُ مِنَ النَّقْدِ وَالْعَرَضِ وَالْحَيَوَانِ ، وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَيْنِهِ ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ فَشَابَهَ النِّكَاحَ وَالطَّلَاقَ وَالصَّلَاحَ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ ، وَكَذَلِكَ الطَّعَامُ وَالْمَكِيلُ وَالْمُوزُونُ إِذَا كَانَ مَعْلُومَ الْجِنْسِ ، وَلَا تَضُرُّهُ جَهَالَةُ الْوَصْفِ ؛ لِأَنَّهَا يَسِيرَةٌ .

ترجمہ

اور جس شخص نے مال کے بدلے غلام کو آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور یہ مثال اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص یہ کہے کہ تم ایک ہزار درہم یا ایک ہزار درہم کے بدلے میں آزاد ہو تو غلام اس کو قبول کرنے کے بعد ہی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے کیونکہ غلام اپنی ذات کا مالک نہیں ہوا کرتا جبکہ معاوضہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عوض قبول کرتے ہی

کی حالت میں حکم ثبات ہو جائے گا جس طرح بیع میں ہوتا ہے پس جب غلام نے بدلہ قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور شرط والا مال غلام پر قرض ہوگا حتیٰ کہ اس کا کفہ صحیح ہو جائے۔ جبکہ بدلہ کتبہ میں ایب نہیں ہے کیونکہ منافی کے ہونے کے باوجود وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ جس طرح اس کا علم ہو چکا ہے۔ اور وہ آزادی کے منافی کا پایا جاتا ہے جبکہ لفظ مال کا اطلاق مال کی تمام اقسام کو شامل ہے جس طرح نقدی، سامان اور حیوان ہیں۔ خواہ وہ معین نہ ہو۔ کیونکہ یہ مال کا بدلہ بغیر مال ہے پس یہ نکاح، طلاق اور قتل عمد میں صلح کے مشابہ ہو گیا ہے اور لفظ مال غلام، ناپ تولی اشیاء کو بھی شامل ہے۔ جبکہ ان میں شرط یہ ہے کہ ان کی جنس معلوم ہو جائے۔ اور وصف کی جہالت کی عدم مضر ہونا اس کے قلیل ہونے کے سبب سے ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے۔ تاکہ وہ جان چکا ہے کہ یہ صرف دوسرے نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے دوسروں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شے، کا تاوان، ضلع کا بدلہ، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام غنموں و ردینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (یعنی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ضمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہوجانے اس کی شرط کے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام و کمال روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہو جائیگا۔ (درمختار کتاب البیوع)

فصل فی التصرف فی البیع مطبع مجتہبی دہلی

معلق آزادی میں غلام کے ماذون ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَوْ عَلَّقَ عِنَقَهُ بِأَدَاةِ الْمَالِ صَحَّ وَصَارَ مَآذُونًا) وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ إِنْ أَكْدَيْتَ إِلَيَّ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَانْتِ خَسْرًا ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ صَحَّ أَنَّهُ يُعْتَقُ عِنْدَ الْأَدَاءِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَصِيرَ مُكَاتَبًا ، لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِي تَعْلِيلِ الْعِتْقِ بِالْأَدَاءِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ مَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ فِي الْإِنْتِهَاءِ عَلَى مَا نَبَّيْنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

وَإِنَّمَا صَارَ مَآذُونًا ، لِأَنَّهُ رَغَبَهُ فِي الْإِكْتِسَابِ بِطَلَبِهِ الْأَدَاءَ مِنْهُ ، وَمَرَادُهُ التَّجَارَةُ دُونَ التَّكْدِي فَكَانَ إِذْنًا لَهُ دَلَالَةٌ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی مالک نے آزادی کو مال کی ادائیگی کے ساتھ معلق کیا تو یہ اعتاق صحیح ہوگا اور وہ غلام ماذون ہو جائے گا اور یہ

اس کی مثل ہے جس طرح کوئی شخص کہے اگر تو نے مجھے ایک ہزار روپہ ادا کیے تو وہ آزاد ہے۔ اس کے قول کا حکم یہ ہے کہ بغیر کسی مکاتبت کے ادائیگی کے وقت اس کی آزادی صحیح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں آزادی کی صراحت ادائیگی کے ساتھ معلق ہونے میں وضع ہے۔ اگرچہ انتہائی اعتبار سے اس میں معاوضہ کا معنی بیان کیا جا رہا ہے جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بین کریں گے۔

شرح

وَلَيْسَتْغَفِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَالَّذِينَ يَبْتَعُونَ الْكِتَابَ بِمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَأَنُؤُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ إِلَيْدِيَاتِكُمْ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِيعَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبَعُوا عَرَصَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْنَهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ . (النور، ۳۳)

اور چاہئے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اعتہ انہیں مقدور و را کر دے اپنے فضل سے اور تہرے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو۔ اگر ان میں کچھ بھلائی ہو تو۔ اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا۔ اور مجبور نہ کرو اپنی کینروں کو بدکاری پر جب کہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال چاہو۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک اللہ بعد اس کے کہ وہ مجبور ہوئی جس کی حالت پر ہیں بخشش و مہربان ہے۔ (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ اس قدر مال ادا کر کے آزاد ہو جائیں اور اس طرح کی آزادی کو کتبہ بت کہتے ہیں اور آیت میں اس کا امر انتخاب کے لئے ہے اور یہ انتخاب اس شرط کے ساتھ مشروط ہے جو اس کے بعد ہی آیت میں مذکور ہے۔

شرح نزول: حویطب بن عبدالعزی کے غلام صبیح نے اپنے مولیٰ سے کتبہ کی درخواست کی، مولیٰ نے انکار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اس کو سودینار پر مکاتب کر دیا اور ان میں سے بیس اس کو بخش دئے باقی اس سے ادا کر دیئے۔ بھلائی سے مراد امانت و دیانت اور کمائی پر قدرت رکھنا ہے کہ وہ حلال روزی سے مال حاصل کر کے آزاد ہو سکے اور مولیٰ کو مال دے کر آزادی حاصل کرنے کے لئے بھیک نہ مانگے پھر اسی سے حضرت سہمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو مکاتب کرنے سے انکار فرما دیا جو سوائے بھیک کے کوئی ذریعہ کسب کا نہ رکھتا تھا۔

مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ وہ مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ وغیرہ دے کر مدد کریں جس سے وہ بدلہ کتبہ دے کر اپنی گران چھڑا سکیں اور آزاد ہو سکیں۔ (خرائن العرفان نور ۳۳)

حافظ ابن کثیر و مشقی شافعی لکھتے ہیں۔

جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادی کی بابت کوئی تحریر کرنی چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کئی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں فرض و واجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے۔ آقا کا اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے خواہ اس قسم کا غلام اس سے اپنی آزادی کی بابت تحریر چاہے وہ اس کی بات کو قبول کر لے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام سیرین نے جو مالدار تھا ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کرو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار کر دیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوا دی۔ (بخاری)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی ام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادی کی تحریر کر دے، اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔

یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد مانت داری، سچی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنے غلاموں میں جو تم سے مکاتب کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کرو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ جتنی جو رقم ٹھیک چکی ہے، اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھایا کچھ حصہ۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرو آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوٰۃ دیں تاکہ وہ مقرر رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔

(تفسیر ابن کثیر، نور ۳۳)

حاکم کا مالک کو مال لینے پر مجبور کرنے کا بیان

(وَإِنْ أَحْصَرَ الْمَالُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى قَبْضِهِ وَعَقْدِ الْعَبْدِ) وَمَعْنَى الْإِجْبَارِ فِيهِ وَفِي سَائِرِ الْحَقُوقِ أَنَّهُ يُنْزَلُ قَابِضًا بِالتَّخْلِيَةِ.

وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُجْبَرُ عَلَى الْقَوْلِ وَهُوَ الْقِيَاسُ؛ لِأَنَّهُ تَصَرَّفٌ يَمِينٍ إِذْ هُوَ تَغْلِيْقُ الْعَقْدِ بِالشَّرْطِ لَفْظًا، وَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ الْعَبْدِ وَلَا يَحْتَمِلُ الْقَسْخَ وَلَا

جَبَرَ عَلَى مُبَاشَرَةِ شُرُوطِ الْإِيمَانِ؛ لِأَنَّهُ لَا اسْتِحْقَاقَ قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ، بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ؛ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَالتَّغْلِيْقُ فِيهَا وَاجِبٌ.

وَلَمَّا أَنَّهُ تَغْلِيْقٌ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ وَمُعَاوَضَةٌ نَظَرًا إِلَى الْمَقْصُودِ؛ لِأَنَّهُ مَا عُلِقَ عَقْدُهُ بِالْأَدَاءِ إِلَّا لِيَحْتَمِلَ عَلَى دَفْعِ الْمَالِ فَيُنَالَ الْعَبْدُ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ وَالْمَوْلَى الْمَالَ بِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابَةِ، وَلِهَذَا كَانَ عَوَضًا فِي الطَّلَاقِ فِي مِثْلِ هَذَا اللَّفْظِ حَتَّى كَانَ بَالِيًا فَجَعَلْنَاهُ تَغْلِيْقًا فِي الْإِنْدَاءِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ وَدَفْعًا لِلصَّرَرِ عَنِ الْمَوْلَى حَتَّى لَا يَمْتَنِعَ عَلَيْهِ بَيْعُهُ، وَلَا يَكُونُ الْعَبْدُ أَحَقَّ بِمَكَاسِبِهِ وَلَا يَسْرِى إِلَى الْوَلَدِ الْمَوْلُودِ قَبْلَ الْأَدَاءِ، وَجَعَلْنَاهُ مُعَاوَضَةً فِي الْإِنْتِهَاءِ عَنِ الْأَدَاءِ دَفْعًا لِلغُرُورِ عَنِ الْعَبْدِ حَتَّى يُجَبَرَ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ، فَعَلَى هَذَا يَدُورُ الْفَقْهُ وَتَخْرُجُ الْمَسَائِلُ نَظِيرُهُ الْهَبَةُ بِشَرْطِ الْيَعُوضِ.

وَلَوْ أَذَى الْبَعْضُ يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَحْتَقُ مَا لَمْ يُوَدَّ الْكُلُّ لِعَدَمِ الشَّرْطِ كَمَا إِذَا خَطَّ الْبَعْضَ وَأَذَى الْبَاقِيَ.

ثُمَّ لَوْ أَذَى الْكُلُّ اِكْتَسَبَهَا قَبْلَ التَّغْلِيْقِ رَجَعَ الْمَوْلَى عَلَيْهِ وَعَقْدُهُ لَاسْتِحْقَاقِهَا، وَلَوْ كَانَ اِكْتَسَبَهَا بَعْدَهُ لَمْ يَرْجَعْ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ مَا أَذَى مِنْ جِهَتِهِ بِالْأَدَاءِ مِنْهُ، ثُمَّ الْأَدَاءُ فِي قَوْلِهِ إِنْ أَذَيْتَ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ؛ لِأَنَّهُ تَخْيِيرٌ، وَفِي قَوْلِهِ إِذَا أَذَيْتَ لَا يَقْتَصِرُ؛ لِأَنَّ إِذَا تُسْتَعْمَلُ لِلْوَقْتِ بِمَنْزِلَةِ مَتَى.

ترجمہ

اور جب کسی شخص کا غلام مال لایا تو حاکم اس غلام کے مالک کو مال لیکر آزاد کرنے مجبور کرے گا اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس حکم اور تمام اجباری احکام کا معنی یہ ہے کہ تخلیق کی صورت میں آقا مال لینے والا شمار ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مالک پر مال لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ قسم کا تصرف ہے اور قیاس کا تقاضا بھی اسی طرح ہے کیونکہ لفظ حق کے ساتھ شرط محقق ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کہ تصرف غلام کے موقوف کرنے پر نہیں ہوتا۔ ورتصرف نہی ختم ہونے کا احتمال رکھنے والا ہے۔ اور قسم کی شرائط کو انجام دینے کیسے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وجود شرط سے پہلے قسم کا حق ثابت ہی نہیں ہوتا۔ جبکہ عقد کتابت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ عقد کتابت بدلہ ہے اور اس میں معاوضہ واجب ہوتا ہے۔

ہمارے دوسرے اندر احناف کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ لفظ کے اعتبار سے یہ تعلق ہے لیکن مقصود کے اعتبار سے معاوضہ ہے۔

کیونکہ مالک نے غلام کو مال کی ادائیگی کے ساتھ آزادی پر مطلق کیا ہے تاکہ وہ اس کو مال دینے پر ابھارے۔ پس غلام آزادی سے شرف ہو جائے گا۔ اور اس کے بدلے میں مالک مال پانے والا ہوگا جس طرح عقد کتابت میں ہوا کرتا ہے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ اسی طرح کا لفظ طلاق میں معاوضہ بنتا ہے۔ یہاں تک وہ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس ہم نے مالک کے قول کو ابتداء میں تعلیق قرار دیا ہے تاکہ اس لفظ پر عمل ہو جائے۔ اور مالک سے نقصان دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ مالک کا اس غلام کو بیچنا منع نہیں ہے اور یہ غلام اپنی ممانی میں خود اختیار و اجازت نہیں ہے ورنہ مال ادا کرنے سے قبل پیدا ہونے والی اولاد میں آزادی سرایت کرنے والی نہیں ہے۔

اور انتہائی اعتبار سے مال کے وقت غلام سے نقصان دور کرنے کیسے ہم نے اس کو معاوضہ قرار دیا ہے۔ لہذا مالک کو مال لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اسی پر فقہ (اصول) کا دارومدار ہے اور اس اصول سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے۔ اور کی مثال عوض کی شرط کے ساتھ والا ہے۔

ور جب غلام کچھ مال ادا کیا تو تب بھی مالک کو لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ لیکن جب تک غلام مکمل مال ادا نہیں کرتا اس وقت تک وہ آزاد نہ ہوگا کیونکہ شرط ختم ہو چکی ہے۔ جس طرح مالک اس میں سے کچھ کم کر دے اور غلام بھی بقیہ ادا کرے تو بھی آزاد نہ ہوگا اور غلام نے تعلیق سے پہلے کئے ہوئے ایک ہزار درہم ادا کیے تو مالک دوبارہ اس سے اتنی رقم لے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ مالک ان درہم کا حقدار تھا۔ ورنہ غلام نے وہ درہم تعلیق کے بعد کمائے تھے تو اس صورت میں مالک اس سے دوبارہ نہیں لے گا کیونکہ مالک کی جانب سے شرط گانے پر غلام مالک کی طرف سے ماذون ہو جائے گا اور اس کے بعد مالک کا قول "إِنِّي أَذِّيتُ" میں ادا کرنے آنکھار مجلس تک رہے گا کیونکہ یہ اختیار ہے اور "اذا ادیت" کہنے کی حالت میں ادا کرنا مجلس پر موقوف نہ ہوگا کیونکہ "اذا ادیت" کی طرح اس کا استعمال وقت کیلئے ہوتا ہے۔

شرح

علامہ ابن عبد بن شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لونڈی غلام نے اگر خود نکاح کر لیا یا ان کا نکاح کسی اور نے کر دیا تو یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہے جائز کر دے گا نافذ ہو جائے گا، رد کر دے گا بطل ہو جائے گا، پھر اگر وطی بھی ہو چکی اور مولیٰ نے رد کر دیا تو جب تک آزاد نہ ہو لونڈی اپنا مہر طلب نہیں کر سکتی، نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور اگر وطی نہ ہوئی جب تو مہر واجب ہی نہ ہو۔ یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جسے اس کے نکاح کی ولایت حاصل ہو، مثلاً مالک نابالغ ہو تو اس کا باپ یا دادا یا قاضی یا وصی اور لونڈی، غلام سے مراد عام ہیں، مدبر، مکاتب، ماذون، ام ولد یا وہ جس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا سب کو شامل ہے۔ مکاتب اپنی وندگی کا نکاح اپنے اذن سے کر سکتا ہے اور اپنا یا اپنے غلام کا نہیں کر سکتا اور ماذون غلام، لونڈی کا بھی نہیں کر سکتا۔ مولیٰ کی اجازت سے غلام نے نکاح کیا تو مہر و نفقہ خود غلام پر واجب ہے، مولیٰ پر نہیں اور مرگیا تو مہر و نفقہ دونوں ماقطہ اور غلام خالص مہر و نفقہ کے سبب بیچ ڈال جائے گا اور مدبر مکاتب نہ بیچے جائیں بلکہ انھیں عقم دیا جائے گا کہ اگر ادا کرتے رہیں۔ ہاں مکاتب اگر بدل کتابت سے

عاجز ہو تو اب مکاتب نہ رہے گا اور مہر و نفقہ میں بیچا جائے گا اور غلام کی بیچ اس کا مولیٰ کرے، اگر وہ انکار کرے تو اس کے سامنے قاضی بیچ کر دے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن داموں کو فروخت ہو رہا ہے، مولیٰ اپنے پاس سے اتنے دام دیدے اور فروخت نہ ہونے دے۔ (رہنکار، کتاب نکاح غلام)

غلام کی آزادی کو موت کے بعد ایک ہزار سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِعَقْدِهِ: أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَالْقَبُولُ بَعْدَ الْمَوْتِ) لِإِصْطِفَاءِ الْإِيجَابِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ أَنْتَ حُرٌّ عَدَا بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ حَيْثُ يَكُونُ الْقَبُولُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ؛ لِأَنَّ إِيْجَابَ التَّدْبِيرِ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْمَالُ لِقِيَامِ الرِّقِّ. قَالُوا: لَا يُعْتَقُ عَلَيْهِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ، وَإِنْ قِيلَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا لَمْ يُعْتَقَهُ الْوَارِثُ؛ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْإِعْتَاقِ، وَهَذَا صَحِيحٌ.

ترجمہ

اور جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ تم میرے مرنے کے بعد ایک ہزار درہم ادا کر کے آزاد ہو تو غلام کا اس کے قول کو قبول کرنا موت کے بعد ہوگا کیونکہ آزادی کا ایجاب موت کے بعد کی طرف مضاف ہے اور یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح کسی مالک نے کہا کہ تم ایک ہزار درہم کے بدلے نکل آزاد ہو۔

جبکہ مالک اس کے اس قول میں ایسا نہیں ہے کہ جب مالک نے کہا "أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ" تو غلام کو اسی وقت قبول کرنا ہوگا کیونکہ اس میں اس حال میں مدبر ہونے کا ایجاب ہو چکا ہے۔ مگر مال واجب نہ ہوگا کیونکہ غلامی موجود ہے۔

مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ جامع صغیر کے مطابق جب تک ورثاء آزاد نہ کریں غلام آزاد نہ ہوگا خواہ وہ مالک کی موت کے بعد آزادی کا ایجاب قبول کرے کیونکہ میت میں اعتاق کی اہلیت نہیں ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر مقید کا مولیٰ مراد اسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ و صدقہ وغیرہ کر سکتے ہیں۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مولیٰ مر گیا تو آزاد نہ ہوا اور اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرنا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے کے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا، لہذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبر کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبر مطلق ہو اور اگر مقید ہو

تو نہیں۔ (در مختار، کتاب عتاق)

آزادی کو خدمت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

قَالَ: (وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ فَقَبِلَ الْعَبْدُ فَعَتَقَ ثُمَّ مَاتَ مِنْ مَسَاعِيهِ فَعَلَيْهِ قِيمَةُ نَفْسِهِ فِي مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ قِيمَةُ خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ) أَمَّا الْعِتْقُ فَلِأَنَّهُ جَعَلَ الْخِدْمَةَ فِي مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ عَوَضًا فَيَتَعَلَّقُ الْعِتْقُ بِالْقَبُولِ، وَقَدْ وَجَدَ وَلَزِمَهُ خِدْمَةُ أَرْبَعَ سِنِينَ، لِأَنَّهُ يَصْلُحُ عَوَضًا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَعْتَقَهُ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ، ثُمَّ إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ فَالْخِلَافَةُ فِيهِ بِنَاءً عَلَى خِلَافَةِ أُخْرَى، وَهِيَ أَنَّ مَنْ بَاعَ نَفْسَ الْعَبْدِ مِنْهُ بِجَارِيَةٍ بَعْنَهَا ثُمَّ اسْتَحَقَّتِ الْجَارِيَةُ أَوْ هَلَكَتْ يَرْجِعُ الْمَوْلَى عَلَى الْعَبْدِ بِقِيمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَهُمَا وَبِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ عِنْدَهُ وَهِيَ مَعْرُوفَةٌ.

وَوَجْهُ الْبَيْعِ أَنَّهُ كَمَا يَتَعَذَّرُ تَسْلِيمُ الْجَارِيَةِ بِالْهَلَاكِ وَالْإِسْتِحْقَاقِ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ إِلَى الْخِدْمَةِ بِمَوْتِ الْعَبْدِ، وَكَذَا بِمَوْتِ الْمَوْلَى فَصَارَ نَظِيرَهَا.

ترجمہ

فرمایا اور جس شخص نے اپنے غلام کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ چار سال اس کی خدمت کرے گا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ غلام اسی وقت فوت ہو گیا تو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے نزدیک غلام کے مال میں اس کی جان کی قیمت واجب ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ چار سال خدمت کی قیمت واجب ہوگی۔ البتہ آزاد ہونا اس سبب سے ہے کہ وہ ایک تعین کردہ مدت تک خدمت کرنے کا بدلہ ہے۔ لہذا آزادی قبول کرنے پر معلق ہو جائے گی اور غلام کا قبول کرنا پایا جا رہا ہے پس غلام پر چار سالہ خدمت واجب ہوگئی۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ خدمت میں پہلا، بننے کی صلاحیت ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مالک نے ایک ہزار درہم کے بدلے غلام کو آزاد کر دیا ہو۔ اور اس کے بعد غلام فوت ہو جائے تو اس مسئلہ کا اختلاف دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ اور وہ مسئلہ یہ ہے۔

ایک مالک نے اپنے غلام سے ایک متعین باندی کے بدلے میں اسی غلام کی جان کو بیچا پھر وہ مستحق نکل گئی یا ہلاک ہوگئی تو شیخین کے نزدیک مالک غلام کی جان کی قیمت واپس لے گا جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مالک باندی کی قیمت واپس لے گا۔ اور مشہور مسئلہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح باندی کے ہلاک ہو جانے یا مستحق کے نکل جانے کے سبب اس کو سپرد کرنا ممکن

ہو جاتا ہے اسی طرح غلام کی موت کے سبب بھی خدمت ناممکن ہو جاتی ہے۔ ایسے مالک کی مدت کے سبب بھی معتذر ہے پس یہ مسئلہ اسی مسئلہ کی طرح ہو گیا۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مکاتب کیا سونے یا چاندی پر اور اس کی کتابت میں کوئی شرط لگا دی سفر یا خدمت یا اخیر کی لیکن اس شرط کو معین کر دیا پھر مکاتب اپنے قسطوں کے ادا کرنے پر مدت سے پہلے قادر ہو گیا اور اس نے قسطیں ادا کر دیں مگر یہ شرط اس پر باقی ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور حرمت اس کی پوری ہو جائے گی اب اس شرط کو دیکھیں گے اگر وہ شرط ایسی ہے جو مکاتب کو خود ادا کرنا پڑتی ہے (جیسے سفر یا خدمت کی شرط) تو یہ مکاتب پر لازم نہ ہوگی اور نہ مولیٰ کو اس شرط کے پورا کرنے کا استحقاق ہوگا اور جو شرط ایسی ہے جس میں کچھ دینا پڑتا ہے جیسے اضحیہ یا کپڑے کی شرط تو یہ، مندر و پوس اشرفیوں کے ہوگی اس چیز کی قیمت لگا کر وہ بھی اپنی قسطوں کے ساتھ ادا کر دے گا جب تک ادا نہ کرے گا آزاد نہ ہوگا۔

مکاتب مثل اس غلام کے ہے جس کو مولیٰ آزاد کر دے دس برس تک خدمت کرنے کے بعد اگر مولیٰ مر جائے اور دس برس نہ گزرنے ہوں تو درہم کی خدمت میں دس برس پورے کرے گا اور دس برس کی اسی کو ملے گی جس نے اس کی آزادی ثابت کی یا اس کی اولاد کو مردوں میں سے یا عصبہ کو۔

جو شخص اپنے مکاتب سے شرط لگائے تو سفر نہ کرنا یا نکاح نہ کرنا یا میرے ملک میں سے باہر نہ جانا بغیر میرے پوچھے ہوئے اگر تو ایسا کرے گا تو تیری کتابت باطل کر دینا میرے اختیار میں ہوگا۔ اس صورت میں کتابت کا باطل کرنا اس کے اختیار میں نہ ہوگا اگرچہ مکاتب ان کاموں میں سے کوئی کام کرے اگر مکاتب کی کتابت کو مولیٰ باطل کرے تو مکاتب کو چاہیے کہ حکم کے سامنے فریاد کرے وہ حکم کر دے کہ کتابت باطل نہیں ہو سکتی مگر اتنی بات ہے کہ مکاتب کو نکاح کرنا یا سفر کرنا یا ملک سے باہر جانا بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے درست نہیں ہے خواہ اس کی شرط ہوئی ہو یا نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے غلام کو سودینار کے بدلے میں مکاتب کرتا ہے اور غلام کے پاس ہزار دینار موجود ہوتے ہیں تو وہ نکاح کر کے ان دیناروں کو مہر کے بدلے میں تباہ ہو کر پھر جڑ ہو کر مولیٰ کے پاس آتا ہے نہ اس کے پاس مولیٰ ہوتا ہے نہ اور کچھ اس میں سراسر مولیٰ کا نقصان ہے یا مکاتب سفر کرتا ہے اور قسطوں کے دن آ جاتے ہیں لیکن وہ حاضر نہیں ہوتا تو اس میں مولیٰ کا حرج ہوتا ہے اسی نظر سے مکاتب کو درست نہیں کہ بغیر مولیٰ کے پوچھے ہوئے نکاح کرے یا سفر کرنے بلکہ ان امور کا اختیار کرنا مولیٰ کو ہے چاہے اجازت دے چاہے منع کرے۔

(موطأ امام مالک، کتاب عتاق)

دوسرے شخص سے باندی آزاد کرانے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِأَخِي: أَعْتَقْتُ أَمَتَكَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلَى أَنْ تُزَوِّجَ حَبِيْبَهَا فَعَمَلٌ فَلَابَتْ أَنْ

تَسْرُوْجُهُ فَاِلْعِتْقُ حَائِرٌ وَلَا شَيْءٌ عَلٰی الْاَمْرِ (لَا اَنَّ مَنْ قَالَ لِعَبْرَةٍ اَعْتَقَ عَبْدَكَ عَلٰی
اَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلٰی فَعْلَلٍ لَا يَنْزِمُهُ شَيْءٌ وَيَقَعُ الْعِتْقُ عَلٰی الْمَأْمُوْرِ ، بِحِلَالٍ مَا اِذَا قَالَ
لِعَبْرَةٍ طَلَّقَ امْرَاَتَكَ عَلٰی اَلْفٍ دِرْهَمٍ عَلٰی فَعْلَلٍ حَيْثُ يَجِبُ الْاَلْفُ عَلٰی الْاَمْرِ ، لَا اَنَّ
اَشْتِرَا طَ الْبَدَلِ عَلٰی الْاَجْسَبِيِّ فِي الطَّلَاقِ حَائِرٌ وَفِي الْعَتَاقِ لَا يَجُوْرُ وَقَدْ قَرَّرْنَا مِنْ قَبْلُ
(وَلَوْ قَالَ : اَعْتَقْتُ اَمْتًا عَسَى عَلٰی اَلْفٍ دِرْهَمٍ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا فَسَمَتُ الْاَلْفَ عَلٰی
قِيَمَتِهَا وَمَهْرٌ مِثْلُهَا ، فَمَا اَصَابَ الْقِيَمَةَ اَدَاهُ الْاَمْرُ ، وَمَا اَصَابَ الْمَهْرَ تَطَلَّ عَنْهُ) لِاَنَّهُ
لَمَّا قَالَ عَنِّي تَصَمَّرَ الشَّرَاءُ اِقْتِصَاءٌ عَلٰی مَا عُرِفَ ، وَاِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ قَاتَلَ
الْاَلْفُ بِالرَّقَبَةِ شَرَاءً وَبِالْبُضْعِ نِكَاحًا فَاَنْفَقَسَمَ عَلَيْهِمَا ، وَوَجِبَتْ حِصَّةُ مَا سَلَّمَ لَهُ وَهُوَ
الرَّقَبَةُ وَتَطَلَّ عَنْهُ مَا لَمْ يُسَلِّمْ وَهُوَ الْبُضْعُ ، فَلَوْ رَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرْهُ .
وَجَوَانُهُ اَنَّ مَا اَصَابَ قِيَمَتَهَا سَقَطَ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَهِيَ لِلْمَوْلَى فِي الْوَجْهِ الثَّانِي ، وَمَا
اَصَابَ مَهْرَ مِثْلِهَا كَانَ مَهْرًا لَهَا فِي الْوَجْهِ الثَّانِي .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی دوسرے مالک سے کہا کہ تم مجھ پر ایک ہزار درہم کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کرو۔ اور شرط یہ ہے
کہ تم اس باندی کا مجھ سے نکاح کرو۔ لہذا اس مالک باندی نے یہی کیا لیکن باندی نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا
تو آزاد دی جائے اور حکم دینے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ جس شخص نے دوسرے بندے سے کہا کہ تم ایک ہزار درہم کے
بدلے اپنا غلام آزاد کرو اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے۔ اور ما مور نے اسی طرح کر دیا تو حکم دینے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ جبکہ
آزادی ما مور کی جانب سے واقع ہوگی۔ یہ خلاف اس صورت کے کہ جب کسی شخص نے کسی دوسرے بندے سے کہا کہ ایک ہزار
کے بدلے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور ایک ہزار مجھ پر لازم ہوں گے اور ما مور نے طلاق دی تو امر پر ایک ہزار واجب ہوں
گے۔ کیونکہ طلاق میں اجنبی پر بدل کی شرط لگانا ناجائز ہے۔ جبکہ آزادی میں جائز نہیں ہے اور اس کو ہم پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنی باندی کو آزاد کر دے اور یہ مسئلہ اسی حال پر رہا تو
ہزار کو اس باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثلاً پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو قیمت کے مقابلے میں آئے گا اس کو امر ادا کرے گا۔ اور جو مہر
کے بدلے میں آئے گا وہ امر سے ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جب امر نے میری جانب سے کہا تو اس کا یہ قول بطور فیصلہ شرائ کو شامل
ہے جس طرح معلوم ہو چکا ہے۔ پس جب اس طرح کی صورت حال ہے تو امر نے ہزار کو غلام کی گردن خریدنے اور بضع سے نکاح

کرنے کا مت بل بنایا ہے۔ پس ہزار رقبہ اور بضع پر تقسیم ہو گیا ہے۔ اور جو چیز امر کے سپرد کی گئی ہے یعنی رقبہ تو امر پر ہی مقدار کے
مصدق واجب ہوگا۔ اور بضع جو امر کے سپرد نہیں ہوئی ہے تو اس کے درہم امر سے ساقط ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ باندی امر
کے نکاح کرے۔ جبکہ اس مسئلہ والا مہر ماہیہ الرحمہ نے بیان ہی نہیں کیا۔ مگر اس کا حکم اس طرح ہے کہ ہزار میں سے جو باندی کی قیمت
کے مقابلے میں ہے وہ صورت اول میں ساقط ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں وہ قیمت مالک کو ملے گی۔ اور جتنی مقدار باندی کے
مہر مثلاً کے مقابلے میں آئے گی وہ دونوں صورتوں میں مہر بنے گی۔

شرح

طلاق میں اجنبی پر بدل لگانے کی شرط کے جواز کا بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ مسئلہ میں اس دلیل کو بھی ذکر کیا ہے کہ طلاق میں کسی اجنبی شخص کو بدل پانے کی شرط کو جائز قرار دینا
یہ کیونکہ اس میں حکم کا اصل مقصود پانہ چارہ ہے۔

یاد رہے کہ بدل ہونے کی صلاحیت میں اجنبیت کا اثر اس کو زائل کرنے والا نہیں ہے کیونکہ بدل میں اصل یہی ہوتا ہے کہ کسی
ختمہ اس کی اصل سے اس کے غیر کی طرف پھیرا جائے۔ اور جب اس میں کوئی دلیل اختلاف نہ ہو اور اس کی اصل کا مقصد فوت بھی
نہ ہو رہا تو حکم کو پھیرنے میں کسی قسم کی قباحہ نہیں ہے۔

بَابُ التَّدْبِيرِ

یہ باب مدبر غلام کے بیان میں ہے ﴿

باب تدبیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ آزادی سے متعلق وہ احکام جو زندگی سے متعلق رکھتے ہیں ان کا بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے آزادی سے متعلق موت سے متعلق ہونے والے احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور اس کی وجہ منہ سبت حنفی فقہی مطابقت ظاہر ہے۔ اور مطابقت فقہی کی سب سے اچھی دلیل یہ ہے کہ یہ مقید ہے اور مقید مرکب ہوتا ہے اور مرکب ہمیشہ مفرد سے مؤخر ہوتا ہے کیونکہ اس سے سابق باب حقی مطلق بہ حلف میں سرے مسائل جو مقید ہیں لیکن ان کا مطلق زندگی کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں غلام کی آزادی کے تمام مسائل کو موت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح تدبیر کا معنی مبر کے بعد نظر کرنا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۲۸۱، بیروت)

مدبر غلام کا فقہی مفہوم

علامہ علی بن محمد ربیع حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت موتی نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا کہ اگر میں مر جاؤں یا جب میں مروں تو تو آزاد ہے غرض اسی قسم کے وہ الفاظ جن سے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (جوہر نہیر، کتاب عتاق، باب تدبیر)

عربی زبان سے اسم مشتق ہے۔ ثنائی مزید فیہ کے باب تعیل سے مصدر ہے اردو میں بطور حاصل مصدر مستعمل ہے۔ سب سے پہلے 1680ء کو قصہ ابو شحمہ "میں مستعمل ملتا ہے۔

جب آقا نے اپنی موت کے ساتھ آزادی متعین کیا

(إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِمَمْلُوكِهِ إِذْ مِتُّ فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبْرٍ مِنِّي أَوْ أَنْتَ مُدَبَّرٌ أَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا) : لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ صَرِيحًا فِي التَّدْبِيرِ فَإِنَّهُ إِبْنَاتُ الْعِنَى عَنْ دُبْرٍ

ترجمہ

جب کسی مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ جب فوت ہو جاؤں تو آزاد ہے یا میرے بعد تو آزاد ہے یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کیا تو وہ غلام مدبر ہو جائے گا کیونکہ تدبیر میں یہ الفاظ صراحت کے ساتھ آئے ہیں۔ لہذا مدبر ہونے سے آزادی ثابت ہو

ہے۔

مدبر کی اقسام کا فقہی بیان

مدبر کی دو قسمیں ہیں۔ مدبر مطلق۔ مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ جس میں کسی ایسے امر کا اضافہ نہ کیا ہو جس کا ہونا ضروری نہ ہو یعنی مطلقاً موت پر آزاد ہونا قرار دیا مثلاً اگر میں مروں تو تو آزاد ہے اور اگر کسی وقت معین پر یہ وصف کے ساتھ موت پر آزاد ہونا کہا تو مقید ہے مثلاً اس سال مروں یا اس مرض میں مروں کہ اس سال یا اس مرض سے مرنا ضروری نہیں اور اگر کوئی ایسا وقت مقرر کیا کہ ناب گمان اس سے پہلے مر جانا ہے مثلاً بوزھا شخص کہے کہ آج سے سو برس پر مروں تو تو آزاد ہے تو یہ مدبر مطلق ہی ہے کہ یہ وقت کی قید بیکار ہے کیونکہ ناب گمان یہی ہے کہ اب سے سو برس تک زندہ نہ رہے گا۔ (علم گیری، کتاب عتاق)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہہ کہ جس دن مروں تو آزاد ہے تو اگر چہ رات میں مرے وہ آزاد ہوگا کہ دن سے مر دیکھ مطلق وقت ہے ہاں اگر وہ کہے کہ دن سے میری مراد صبح سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے یعنی رات کے علاوہ تو یہ نیت اس کی مانی جائیگی مگر اب یہ مدبر مقید ہوگا۔ (در مختار، کتاب عتاق)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مدبر کرے پھر مر جائے اور اس کا مال کچھ موجود ہو چھ غلام جو اس قدر موجود ہو اس کے ثلث میں سے مدبر کو روک رکھیں گے اور اس کی کمائی کو بھی جمع کرتے جائیں گے یہاں تک کہ جو مال مالک ہے وہ بھی نکل آئے پھر اگر موتی کے کل مال کے ثلث میں سے مدبر آزاد ہو سکے گا تو آزاد ہو جائے اور مدبر کا مال ورکنی اسی کو ملے گی اور جو ثلث میں سے کل آزاد نہ ہو سکے گا تو ثلث ہی کی مقدار آزاد ہو جائے گا اس کا مال اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزادی کی حقیقی وصیتیں ہیں صحت میں ہوں یا مرض میں ان میں رجوع و تغیر کر سکتا ہے مگر تدبیر میں جب کسی کو مدبر کر دیا اب اس کے فتح کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور اس کو مدبر نہ کیا تو اس کی اودا اپنی مال کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ موتی کا اس وصیت کے بدل ڈالنے کا اختیار تھا نہ ان کی مال کے لیے آزادی ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ یہاں کوئی کہے اگر فلانی لونڈی میرے مرنے تک رہے تو وہ آزاد ہے پھر وہ اس کے مرنے تک رہی تو آزاد ہو جائے گی مگر موتی کو اختیار ہے کہ موت سے پیشتر اس کو یا اس کی اودا کو بیچے تو آزادی کی وصیت اور تدبیر کی وصیت میں سنت قدیرہ کی رو سے بہت فرق ہے اگر وصیت مثل تدبیر کے ہوتی تو کوئی شخص اپنی وصیت میں تغیر و تبدل کا اختیار نہ رکھتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے چند غلاموں کو صحت کی حالت میں مدبر کرے اور سوا ان کے کچھ مال نہ رکھتا ہو اگر اس نے اس طرح مدبر کیا کہ پہلے ایک کو پھر دوسرے کو تو جس کو پہلے مدبر کیا وہ ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح جب تک ثلث مال میں گنجائش ہو اگر سب کو ایک ساتھ مدبر کیا ہے ایک ہی کلام میں تو ہر ایک ثلث آزاد ہو جائے گا

جس سب کو یہی میں مدبر کیا۔ (موطامام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

مدبر کی خرید و فروخت کا بیان

(ثُمَّ لَا يَجُورُ بَيْعُهُ وَلَا هَبُّهُ وَلَا إِخْرَاجُهُ عَنْ مِلْكِهِ إِلَّا إِلَى الْحُرِّيَّةِ) كَمَا فِي الْكِتَابَةِ
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَحْجُورُ لِأَنَّهُ تَغْلِيْقُ الْعَتَقِ بِالْشَّرْطِ فَلَا يَمْتَنِعُ بِهِ الْبَيْعُ وَالْهَبُّ كَمَا فِي
سَائِرِ التَّغْلِيْقَاتِ وَكَمَا فِي الْمُدْتَرِ الْمُقَيَّدِ وَلَآنَ التَّذْيِيرَ وَصِيَّةً وَهِيَ غَيْرُ مَا بَعِيَ مِنْ
ذَلِكَ.

وَلَسَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْمُدْتَرُ لَا يَتَّعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَهُوَ حُرٌّ مِنْ
الثَّلَاثِ) وَلَآئِنَّ سَبَبَ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ تَنْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا سَبَبَ غَيْرَهُ: ثُمَّ جَعَلَهُ
سَبَبًا فِي الْحَالِ أَوْلَى بِوُجُودِهِ فِي الْحَالِ وَعَدَمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلَآنَ مَا بَعِيَ الْمَوْتِ
حَالِ بَطْلَانِ أَهْلِيَّةِ التَّصَرُّفِ فَلَا يُمَكِّنُ تَأْخِيرُ السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ بَطْلَانِ الْأَهْلِيَّةِ،
بِحَالَفِ سَائِرِ التَّغْلِيْقَاتِ، لِأَنَّ الْمَنَاعَ مِنَ السَّبَبِ قَائِمٌ قَبْلَ الشَّرْطِ، لِأَنَّهُ يَمِينُ
وَالْيَمِينُ مَبْعُ وَالْمَبْعُ هُوَ الْمَقْصُودُ، وَأَنَّهُ يُصَادُّ وَقُوعَ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ، وَأَمَّا تَأْخِيرُ
السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ الشَّرْطِ، لِإِقْبَامِ الْأَهْلِيَّةِ عِنْدَهُ فَاقْتَرَفًا، وَلَآئِنَّ وَصِيَّةً خِلَافَةً فِي الْحَالِ
كَالْوَرَاثَةِ وَإِبْطَالِ السَّبَبِ لَا يَجُورُ، وَفِي الْبَيْعِ وَمَا يُضَاهِيهِ ذَلِكَ.

ترجمہ

مدبر کی خرید و فروخت اس کا ہر اور اس کو ملکیت سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آزاد کیا جاسکتا ہے جس طرح کتابت میں ہوتا ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جائز ہے۔ کیونکہ مدبر آزاد کی کو شرط پر معلق کرنے والا ہے۔ پس مدبر کے سبب بیع و ہب منع نہ ہوں گے۔ جس طرح تمام تعلقات میں ہوتا ہے اور جس طرح مقید مدبر میں ہوتا ہے اور اس سبب کے پیش نظر بھی کہ مدبر وصیت ہے اور وصیت بیع وغیرہ سے مانع نہیں ہے۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنے غلام سے کہا تو میری موت کے بعد آزاد ہے (اس کو مدبر کہتے ہیں) پھر وہ آدمی فوت ہو گیا اور اس نے اس غلام کے علاوہ ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو نعیم بن انعام کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جابر کہتے ہیں کہ وہ قطعی تھا اور ابن زبیر کی امارت کے پہلے سال فوت ہوا۔ یہ حدیث حسن صحیح

ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر سے ہی منقول ہے بعض اہل علم کا یہی پر عمل ہے کہ مدبر کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوری مالک، ابو زاعی، اور بعض علماء کے نزدیک مدبر کی بیع مکروہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر بنایا، اور اس کے پاس اس غلام کے عدوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم بن انعام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا ہے۔

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 578)

مسلم کی یہ روایت میں یوں ہے کہ "چنانچہ نعیم ابن عبد اللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو، اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے دائیں اور بپے بائیں خرچ کرو (یعنی تنہا رہے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔"

مدبر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو، چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق ایسے غلام کو چنانچہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک جائز ہے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق تو وہ غلام ہے جس کا مالک اسے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔ اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیمار میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو۔ "مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد کر سکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہ کر سکتا ہے، ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے، اسی طرح اگر وہ مذکور ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہو گا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مر جائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہذا امام ابو حنیفہ اس حدیث کے مفہوم میں تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں نعیم ابن موسیٰ مکتبہ نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام موسیٰ ہے، اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی نعمت (یعنی آوازنی) اس مناسبت سے انہیں موسیٰ کہا جانے لگا۔

مدبر کرنے کے بعد اب اپنے اس قول کو واپس نہیں لے سکتے۔ مدبر مطلق کو نہ بیچ سکتے ہیں۔ نہ بیہ کر سکتے نہ رہن رکھ سکتے نہ صدقہ کر سکتے ہیں۔ (ملکیری، کتاب عقاق)

مدبر کی بیچ میں فقہی مذاہب اربعہ

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصد ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیچ جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چھ اقوال نقل کئے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں: وقال النووي الصحيح ان الحديث على ظاهره وانه يجوز بيع المذبر بكل حال مالم يمت السيد (قسطلانی) یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیچ جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیچ جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلق منع ہے اور مالک کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض واپس لے کر دیا جائے گا۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہذا ترجیح مذہب احتیاط کو ہے۔

جب آقا نے غلام کو خدمت یا اجرت کے ساتھ مقید کیا

قَالَ: (وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَحْدِمَهُ وَيُؤَاحِرَهُ وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً وَطَنَهَا وَلَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا) : لِأَنَّ

الْمِلْكُ فِيهِ ثَابِتٌ لَهُ وَبِهِ تُسْتَفَادُ وَلَا يَتَبَعُ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتُ

(فَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبِّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ التَّذْيِيرَ وَصِيَّةٌ لِأَنَّهُ

تَبَرُّعٌ مُصَافٍ إِلَى وَفَيْتِ الْمَوْتِ وَالْحُكْمُ غَيْرُ ثَابِتٍ فِي الْحَالِ فَيَمُوتُ مِنَ الثَّلَاثِ، حَتَّى

لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ يَسْعَى فِي ثُلُثِهِ، وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْعَى فِي كُلِّ

قِيَمَتِهِ، لِيَتَقَدَّمَ الدَّيْنُ عَلَى الْوَصِيَّةِ وَلَا يُمَكِّنُ نَقْضُ الْعَتَقِ فَيَحِبُّ رَدَّ قِيَمَتِهِ (وَوَلَدُ

الْمُدَبِّرَةِ مُدَبَّرٌ) وَعَلَى ذَلِكَ يَقُولُ إِحْمَاةُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .

ترجمہ

فرماتے ہیں کہ آقا کو مدبر غلام سے خدمت لینے اور اسے گرایہ پر دینے کا اختیار ہے اور اگر باندی مدبرہ ہو تو آقا کو اس سے دینی

کرنے اور (کسی دوسرے سے) اس کا نکاح کرنے کا بھی حق ہے کیوں کہ مدبر میں آقا کی ملکیت ثابت ہے اور ملکیت ہی سے ن تہریت کی وراثت حاصل ہوتی ہے پھر جب آقا مر جائے تو مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہوگا جس حدیث پاک کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور اس لئے کہ مدبر وصیت ہے کیوں یہ ایسا تبرع ہے جو وقت موت کی طرف منسوب ہے اور حکم فی الحال ثابت بھی نہیں ہے لہذا یہ عتق تہائی مال سے نافذ ہوگا حتیٰ کہ اگر آقا کے پاس مدبر کے علاوہ دوسرے کوئی مال نہ ہو تو غلام اپنے دو ٹکٹ میں کمائی کرے گا اور اگر آقا پر قرض ہو تو غلام اپنی پوری قیمت میں کمائی کرے گا اس لئے کہ قرض وصیت سے مقدم ہوتا ہے اور مدبر کی تہائی و حتم کرنا ممکن نہیں ہے لہذا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے اور مدبرہ کی اولاد بھی مدبرہ ہوگی اور اسی پر سہیہ اکرام رضی اللہ عنہما کا اجماع منقول ہے۔

شرح

سعید بن مسیب کہتے تھے جب کوئی شخص اپنی موٹی کو مدبر کرے تو اس سے دینی کر سکتا ہے مگر بیچ یہ نہیں کر سکتا اور اس کی اولاد بھی مثل اپنی ماں کے ہوں گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1188)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

مدبر غلام ہی ہے یعنی اپنے مولیٰ کی ملک ہے۔ اس کو آزاد کر سکتا ہے مکاتب بنا سکتا ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے مزدوری پر دے سکتا ہے، اپنی وراثت سے اس کا نکاح کر سکتا ہے اور موٹی مدبرہ ہے تو اس سے دینی کر سکتا ہے۔ اس کا دوسرے سے نکاح کر سکتا ہے اور مدبرہ سے اگر مولیٰ کی اولاد ہوئی تو وہ ام ولد ہوگی۔

جب مولیٰ مرے گا تو اس کے تہائی مال سے مدبر آزاد ہو جائے گا یعنی اگر یہ تہائی مال ہے یا اس سے کم تو بالکل آزاد ہوگی اور اگر تہائی سے زائد قیمت کا ہے تو تہائی کی قدر آزاد ہوگی باقی کے لیے سعایت کرے اور اگر اس کے علاوہ مومے کے پاس اور چھ نہ ہو تو اس کی تہائی آزاد، باقی دو تہائیوں میں سعایت کرے۔ یہ اس وقت ہے کہ زنا اجازت نہ دیں اور اگر اجازت دیدیں یا اس کا کوئی وارث ہی نہیں تو کل آزاد ہے۔ اور اگر مولیٰ پر دین ہے کہ یہ غلام اس دین میں مستغرق ہے تو کل قیمت میں سعایت کر کے قرض خواہوں کو ادا کرے۔ (در مختار، کتاب عقاق)

مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَإِنْ عَلَّقَ التَّذْيِيرَ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا أَوْ سَقَرِي

هَذَا أَوْ مِنْ مَرَضٍ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبِّرٍ وَيَحُورُ بَيْعُهُ) : لِأَنَّ السَّبَبَ لَمْ يَتَعَقَّدْ فِي الْحَالِ

لِإِزْدَادٍ فِي بِلْكَ الصَّفَةِ، بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ الْمُطْلَقِ : لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ عَتَقُهُ بِمُطْلَقِ الْمَوْتِ

وَهُوَ كَائِنْ لَا مَحَالَةَ (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصَّفَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يُعْتَقُ الْمُدَبِّرُ

(مَعْنَاهُ مِنَ الثَّلَاثِ ؛ لِأَنَّهُ كُنَتْ حُكْمُ التَّذْيِيرِ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ ؛ لِتَحَقُّقِ تِلْكَ الصِّفَةِ فِيهِ فَلِهَذَا يُغْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ .

وَمِنْ الْمُقْبِلِ أَنْ يَقُولَ إِنَّ مِثْلَ إِلَى سَنَةِ أَوْ عَشْرِ مِثْلِ مَا ذَكَرْنَا ، بِحِلَافِ مَا إِذَا قَالَ إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ وَمِثْلُهُ لَا يَعِيشُ إِلَيْهِ فِي الْعَالِيَةِ ؛ لِأَنَّهُ كَالْكَائِنِ لَا مَحَالَةَ .

ترجمہ

اور آقا نے تہذیب کی کسی صفت پر اپنی موت کو معلق کیا مثال کے طور پر اس نے یہ کہا اگر میں اپنے اس مرض میں یا اپنے اس سفر میں مر گیا یا فداں مرض میں مر گیا تو غلام مدبر نہیں ہوگا اور اس کی بیچ جڑ ہوگی کیوں کہ سبب فی اہل منعقد نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اس صفت میں شک ہے خلاف مطلق مدبر کے کیوں کہ اس کی آزادی مطلق موت پر موقوف ہے اور مرنا یقینی ہے۔ پھر آقا اپنی بیان کردہ صفت پر مر جائے تو وہ مدبر آزاد ہو جائے گا جیسے مطلق مدبر آزاد ہوتا ہے یعنی ثلث سے آزاد ہوگا۔ اس لئے کہ تہذیب کا حکم آقا کی زندگی کے آخری حصہ میں ثابت ہوگا۔ کیوں وہ صفت اسی آخری حصہ میں ثابت ہوگی۔ اسی لئے تہذیبی مال سے آزادی معتبر ہوگی اور مقید میں سے یہ صورت ہے کہ میں اگر ایک سال یا دس سال میں مر گیا (تو تم آزاد ہو) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں خلاف اس صورت کے کہ جب آقا نے ”إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ“ کہا ہو اور اس جیسے لوگ عام طور پر سو سال زندہ نہیں رہتے اس لئے یہ لا محالہ ہونے والا ہے۔

حال میں سبب کے عدم انعقاد کی وجہ صفت کے مشکوک ہونے کا بیان

حسب ہدایہ نے مالک کی مذکورہ تعلیق سے متعلق یہ قاعدہ فقہیہ بیان کیا ہے کہ جب کسی حکم کو کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید کیا جائے تو اس حالت میں سبب ہونے میں معدوم ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ صفت مشکوک ہو جائے گی لہذا اسی صفت کو بنیاد بناتے ہوئے کسی طرح بھی حکم کا انعقاد کرنا درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور سوا اس کے کچھ مال نہ تھا پھر مولیٰ مر گیا اور مدبر کے پاس مال ہے تو ثلث مدبر آزاد ہو جائے گا اور مال اس کا اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ جس مدبر کو مولیٰ مکاتب کردے پھر مولیٰ مر جائے اور سوا اس کے کچھ مال نہ چھوڑے تو اس کا ایک ثلث آزاد ہو جائے گا اور بدل کتابت میں سے بھی ایک ثلث گھٹ جائے گا اور دو ثلث مدبر کو ادا کرنا ہوں گے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر مقید کا مولیٰ مر اور اسی وصف پر موت واقع ہوئی مثلاً جس مرض یا وقت میں مرنے پر اس کا آزاد ہونا کہا تھا وہی ہوا تو تہذیبی مال سے آزاد ہو جائیگا ورنہ نہیں۔ اور ایسے مدبر کو بیع و ہبہ و صدقہ وغیرہ کر سکتے ہیں۔

مولیٰ نے کہا تو میرے مرنے سے ایک مہینہ پہلے آزاد ہے اور اس کہنے کے بعد ایک مہینہ کے اندر مومن مر گیا تو آزاد نہ ہوا ورنہ اگر ایک مہینہ یا زائد پر مرنا تو غلام پورا آزاد ہو گیا اگرچہ مولیٰ کے پاس اس کے علاوہ کچھ مال نہ ہو۔ مومن نے کہا تو میرے مرنے سے ایک دن بعد آزاد ہے تو مدبر نہ ہوا لہذا آزاد بھی نہ ہوگا۔ مدبر کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بھی مدبر ہے، جبکہ وہ مدبرہ مطلقہ ہو ورنہ مقیدہ ہو تو نہیں۔ (در مختار، کتاب عتاق)

عمر و بن دینار نے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنے غلام کی آزادی کے لیے کہا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلایا اور اسے بیچ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر وہ غلام اپنی آزادی کے پہلے ہی سال مر گیا تھا۔ (بخاری، رقم الحدیث ۲۵۳۳)

اس کا نام یعقوب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے ہی سال پر یا سات سو یا نو سو پر نعیم کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا۔ امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیچ جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلق منع ہے اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مدبر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچ جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے وہ ضعیف ہیں اور صحیح حدیث سے مدبر کی بیچ کا جواز نکلتا ہے۔ مولیٰ کی حیات میں۔

حدیث ہذا سے مالکیہ کے مسلک کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حدیث میں جس غلام کا ذکر ہے اس کی صورت تقریباً ایسی ہی تھی۔ بہر حال مدبر کو اس کا آزادی حیات میں اگرچہ ہے تو بیع بھی سکتا ہے کیوں کہ اس کی آزادی موت کے ساتھ مشروط ہے۔ موت سے قبل اس پر جملہ احکام بیع و شراء لا گور ہیں گے۔

بَابُ الْاِسْتِیْلَادِ

﴿یہ باب ام ولد کے بیان میں ہے﴾

باب استیلا کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہم حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب استیلا کی فقہی مطابقت باب تدبیر کے ساتھ اس طرح ہے کہ ان دونوں ابواب میں آزادی موت کے ساتھ مقید ہے۔ لہذا ان دونوں اسباب کے اشتراک کی وجہ سے انہیں آپس میں ملا دیا ہے۔ در یہ دونوں ابواب استحقاق عقد کے اعتبار سے مطابق ہے۔ البتہ باب تدبیر کے تقدم کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسب ہے۔ کیونکہ اس میں آزادی لفظ یجاب کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں استیلا کے ساتھ ہے لہذا اس کو مقدم کر دیا ہے۔ اور استیلا مصدر ہے اس کو معنی بچہ طلب کرنا ہے۔ (فتح قدیر، ج ۱۰، ص ۳۱۰، بیروت)

اس سے پہلے باب میں چونکہ آزادی کو مقید کرنا غلام کے ساتھ تھا اور اس میں باندی کے ساتھ ہے۔ اور جنس غلامیت میں غلام باندی سے افضل ہے۔ کیونکہ ہیت غلام کا ماہیت باندی سے اعلیٰ ہونا واضح ہے لہذا افضل کو مقدم کرنا اولیٰ تھا تو اس کو مقدم کر دیا ہے اور ام ولد والے باب کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم

علامہ غزالی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا نہ جس میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔ (دعوت، کتاب حق۔ باب استیلا، ج ۵، ص ۲۳۸، بیروت)

استیلا (۱) طلب بچہ کردن، فرزند خواستن، مادر فرزند کردن کنیزک را، ام ولد کردن محبت کردن با کنیزک تا از وی فرزند آید۔ (تاج المصادر۔ بیہقی)

ولدت خواستن، (غیاث)، (با کنیزک آرمیدن برای فرزند شدن، صحبت کردن با کنیزک تا از او فرزند باشد)، (روزنی طلب الولد من الامه)، (تعریفات جرجانی)

(اصطلاح فقہ) الاستیلا دور لغت مطلقاً بمعنی طلب فرزند و شرعاً قرار دادن کنیزت بنام مادر کودک (ام ولد) و این عمل بہ دوشی صورت پذیرد: یکی دعوی کودک، و در بودن کنیز را نسبت بخود، دیگر مالک بودن پدر کنیز را، یعنی کنیز، زرخیز پدر کودک باشد، کذا فی جامع الرموز فی فصل التدبیر، (کشاف اصطلاحات الفنون)

در اثر نزدیکی مولیٰ یا اُمہ خود ولد ی بوجود آمدن اگرچہ علقہ باشد، استیلا و موجب آن است کہ اختیارات مولیٰ نسبت

بمستولہ محدود شود و جز در موارد مخصوص نوازند اور البغیر منتقل کند مگر بنگہ انتقال سبب ترجیح در آزادی او گردد، منظور از تحدید اختیارات آن است کہ مستولہ پس از مرگ مولیٰ از سهم الارث ولد خود آزاد شود۔

ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: اسے اس کے بچے نے آزاد کرادیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 674)

ام ولد سے متعلق اصلاحات

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

حدثنا عبد الله بن محمد النفيلي، ثنا محمد بن سلمة، عن محمد بن إسحاق، عن خطاب بن صالح مولى الأنصار، عن أمه، عن سلامة بنت معقل امرأة من خاتمة قيس عيلان، قالت: قدِمَ بي عمي في الجاهلية، فباعني من الحباب بن عمرو أحمى أبي اليسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب ثم هلك، فقالت امرأته: الآن واللّه تباعين في ذنبي، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله، إني امرأة من خاتمة قيس عيلان قدم بي عمي المدينة في الجاهلية، فباعني من الحباب بن عمرو أحمى أبي اليسر بن عمرو، فولدت له عبد الرحمن بن الحباب، فقالت امرأته: الآن واللّه تباعين في ذنبي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولي الحباب؟" قيل: أخوه أبو اليسر بن عمرو، فبعث إليه فقال: "اعتقوها، فإذا سمعتم بوقيتي قدم عليّ فأتوني أعوضكم منها" (ابو داؤد، كتاب العتق، حديث (3953))

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خاتمہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچے نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں پیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور چاہیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خندان کا سر پرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی بولیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "میں آکر دوں۔ جب بھی تم کسی خدام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کام کو ضرور دوں گا۔"

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، نَا أَبُو عَصِيمٍ، نَا أَبُو بَكْرٍ، يَغْنَبِيُّ التَّهَنْسَلِيُّ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ذَكَرْتُ أَنَّهُمْ بِإِسْرَافِهِمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: (أَعْتَقَهَا وَلَدَهَا). (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث (2516))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کرادیا ہے۔"

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، غَالَا، نَا وَكِيعٌ، نَا شَرِيفٌ، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (أَيُّمَا رَحِيٍّ وَلَدَتْ أُمَّهُ مِنْ، فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ ذُبْرِ مَنُ). (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوٰۃ، کتاب العتق، حدیث (3394))

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔"

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبد اللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْبَغَوِيُّ نَا أَبُو زَيْدٍ بْنُ طَرِيفٍ نَا إِبْرَاهِيمَ بْنُ يُونُسَ الْحَضْرَمِيُّ نَا الْحُسَيْنِ بْنِ عِيسَى الْحَنْفِيُّ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ أَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُّ الْوَلَدِ حُرَّةٌ وَإِنْ كَانَ سَقَطًا. (دارقطنی، کتاب المکاتب، مسند ابن الجعد)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے

مشروط فرمایا، "رچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے مومنوں کو نافذ کیا۔"

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: (أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدَةٍ، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهْبِئُهَا، وَلَا يُوْرُثُهَا، وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ). (موطا مالک، کتاب العتق، حدیث (2248))

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا: "جس لونڈی کے بچے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کو تحفہ منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد رہے گی۔"

ام ولد کی بیچ کی ممانعت کا بیان

(وَإِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمًّا وَلَدٍ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَلَا تَمْلِكُهَا) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَعْتَقَهَا وَلَدَهَا) أَخْبَرَ عَنْ إِعْتَاقِهَا فَيُثْبِتُ بَعْضُ مَوَاجِهِهِ وَهُوَ حُرْمَةُ الْبَيْعِ، وَلَآنَ الْجُزْئِيَّةُ قَدْ حَصَلَتْ بَيْنَ الْوَاطِئِ وَالْمَوْطُوءَةِ بِوَسِطَةِ الْوَلَدِ فَإِنَّ الْمَاءِ يَنْ قَدْ اخْتَلَطَا بِحَيْثُ لَا يُمَكِّنُ الْمَيَزُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمُصَاحَرَةِ، إِلَّا أَنَّ بَعْدَ الْإِفْصَالِ تَبْقَى الْجُزْئِيَّةُ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً فَضَعُفَ السَّبَبُ فَأَوْجَبَ حُكْمًا مُؤَجَّلًا إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَبَقَاءُ الْجُزْئِيَّةِ حُكْمًا بِاعْتِبَارِ النَّسَبِ وَهُوَ مِنْ جَانِبِ الرُّجَالِ.

فَكَذَا الْحُرِّيَّةُ تَثْبُتُ فِي حَقِّهِمْ لَا فِي حَقِّهِنَّ، حَتَّى إِذَا مَلَكَتِ الْحُرَّةُ رَوْحَهَا وَقَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ لَمْ يُعْتَقِ الزَّوْجُ الَّذِي مَلَكَتْهُ بِمَوْتِهَا، وَبُثُوتِ عِتْقٍ مُؤَجَّلٍ يَثْبُتُ حَقُّ الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ فَيُمنَعُ جَوَازُ الْبَيْعِ وَإِخْرَاجُهَا لَا إِلَى الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ وَيُوجِبُ عِتْقُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَتْ بَعْضُهَا مَمْلُوكًا لَهُ؛ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَتَجَرَّأُ فَإِنَّهُ فَرُغَ النَّسَبِ فَيُعْتَبَرُ بِأَصْلِهِ.

ترجمہ

جب باندی نے اپنے آقا (کے نطفہ) سے بچہ بنا تو وہ اپنے آقا کی ام ولد ہو گئی اور اسے بیچنا اور (دوسرے کی) ملکیت میں

یہ بڑ نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اس کے ترکے نے سزا دکر دیا آپ ﷺ نے باندی کے آزاد ہونے کی خبر دی، لہذا اس آزادی سے اس کے بعض حکام بھی ثابت ہو جائیں گے اور وہ بیع کا حرام ہونا ہے۔ اور اس لئے کہ واطی و موطا کے مابین لڑکے کے واسطے سے جزیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں پانی اس طرح ایک دوسرے سے مل گئے کہ ان میں فرق کرنا ناممکن ہے جیسا کہ حرمت مصاہرت میں یہ معلوم ہو چکا ہے اس وجہ سے بچہ نکلنے کے بعد یہ جزیت نکلا ثابت رہتی ہے نہ کہ جیسا لہذا سبب کمزور ہو گیا اسی وجہ سے اس سبب نے ایسا حکم ثابت کیا جو موت کے بعد تک موخر ہے اور حکم جزیت کا باقی رہنا سبب کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نسب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے اسی لئے آزادی بھی مردوں کے حق میں ثابت ہوگی عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگی حتیٰ اگر کہ آزاد عورت اپنے شوہر کی، لک ہوگی اور اس شوہر سے اس کی اولاد بھی ہو تو بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا شوہر آزاد نہیں ہوگا۔

اور آزادی مؤجل کا ثبوت (ام ولد میں) فی الحال حق آزادی کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا اسے فی الوقت فروخت کرنا اور غیر حریت کی طرف نکالنا ممنوع ہوگا اور آقا کی موت کے بعد باندی کی آزادی کو ثابت کرے گی، ایسے ہی جب باندی کا کچھ حصہ آقا کا مملوک ہو اسکی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کے اجزاء نہیں ہوتے، اس وجہ سے کہ استیلاء نسب کی فرع ہے اس لئے اسے اس کی اصل پر قیاس کی جائے گا۔

ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لوٹریوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ بوٹری کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لوٹری جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتفی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی بوٹری اپنے خاوند کی آزادی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سامہ بنت مہمل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حبیب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حبیب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حبیب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس عیلان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حبیب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حبیب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حبیب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور

فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔" (ابو داؤد، کتاب الحلق، حدیث 3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب الحلق، حدیث 2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی بوٹری سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔" (ابن ماجہ، کتاب الحلق، حدیث 2515، مشکوٰۃ، کتاب الحلق، حدیث 3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبد اللہ ضعیف روئی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ درمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتفی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل سقط ہو جائے۔" (دارقطنی، کتاب المکاتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرمایا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: أَيْمًا وَلَبْدَةً وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدَةٍ، فَإِنَّهُ لَا يَبِيعُهَا، وَلَا يَهْبِئُهَا، وَلَا يُوْرُثُهَا، وَهِيَ يَسْتَمْتَعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ (موطأ مالک، کتاب العتق، حدیث 2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا، "جس بوٹری کے بچے اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفہ منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ، تک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی۔"

یہ حکم جاری کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

حدثنا محمد بن الحسن النقاش ثنا الحسن بن سفيان نا مصرف بن عمرو نا سفيان بن عيينة عن عبد الرحمن الأفریقی عن مسلم بن يسار عن سعيد بن المسيب أن عمر رضي الله تعالى عنه أعتق أمهات

الأولاد وقال عمر اعتقهن رسول الله صلى الله عليه وسلم. (دارقطني، كتاب المكاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ام ولد بونڈیوں کو آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔"

ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول

آقا سے جس بونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی بونڈیاں عام بونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی بونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتی ہیں نہ ان میں وراثت چری ہو سکتی، نہ ان کا ہبہ ہو سکتا؛ بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گی، اس طرح بونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (موطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی بونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ بونڈی مولیٰ کے سامنے مرجائے تو اس کی اور اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولیٰ مرجائے گا اور ثلث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی اگر وہ مدبر ہے یہ مکاتبہ ہے یا معتقہ الیٰ ابھل ہے یا مخدومہ ہے یا معتقہ ابھض ہے یا گروہ ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونبی ہو جائے گی تو وہ بھی مملوک ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر بونڈی حالت حمل میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہو جائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حامد بونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حامد ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حاملہ بونڈی کو بیچے تو وہ بونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لئے درست نہیں کہ بونڈی کو بیچے و اس کا حمل بیچے کیونکہ اس میں دھوکا ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بیچے اس کی بیع درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولیٰ سے کہے تو مجھے ابھی آزاد کر دے میں تجھے پچاس دینار قسط وار دیتا ہوں مولیٰ کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینار پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینار کے حساب سے مدبر اس پر راضی ہو جائے بعد اس کے دو تین دن میں مولیٰ مرجائے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور پچاس دینار اس پر قرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہو جائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہو جائیں گے اور مولیٰ کے مرجانے سے ان پچاس دینار میں سے کچھ کی نہ ہو گی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1184)

ام ولد سے خدمات لینے کا بیان

قَالَ: (وَلَهُ وَطْئُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَإِجَارَتُهَا وَتَزْوِجُهَا) لِأَنَّ الْمِلْتَ فِيهَا قَانِمٌ فَاشْبَهَتْ الْمَدْبَرَةَ وَلَا يَتُّ نَسَبٌ وَلَدَهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرَفَ بِهِ (وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَتُّ نَسَبُهُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَدَّعِ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ بِالْعَقْدِ فَلَا يَتُّ بِالْوَطْءِ وَأَنَّهُ أَكْثَرُ إِفْضَاءٍ أَوْلَى. وَلَنَا أَنَّ وَطْءَ الْأَمَةِ يُقْصَدُ بِهِ قِصَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ؛ لِوُجُودِ الْمَاعِ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنَ الدَّعْوَةِ بِمَنْزِلَةِ مَالِكِ الْيَمِينِ مِنْ غَيْرِ وَطْءٍ، بِحِلَافِ الْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَتَعَيَّنُ مَقْصُودًا مِنْهُ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الدَّعْوَةِ).

ترجمہ

فرمایا کہ: آقا کا اس ام ولد سے جماع کرنا خدمت لینا اور اسے اجرت پر دینا اور اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ملکیت موجود ہے تو یہ مدبرہ کے مثلاً ہوگئی اور اس کے لڑکے کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ آقا اس کا اقرار کرے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بچے کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اگرچہ آقا اس کا دعویٰ نہ کرے۔ اس وجہ سے کہ جب عقد نکاح سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو جماع سے بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ جماع عقد نکاح سے زیادہ بچے کی طرف لے جانے والا ہے ہر دلیل یہ ہے کہ باندی کے جماع سے قضاء شہوت مقصود ہوتی ہے سوائے ولد کے۔ کیونکہ بچے کے طبع کے منع پایا جا رہا ہے اس لئے نسب کا دعویٰ کرنا ناموزم ہے جس طرح کہ وہ باندی جو ملکیت میں ہو اور اس سے جماع نہ کیا گیا ہو جبکہ عقد میں ایسا نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح سے بچے کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی دلیل کے پیش نظر دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے۔

ام ولد کے مدبرہ کے مشابہ ہونے کا فقہی بیان

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ بیان کیا ہے کہ ام ولد سے خدمت لینا اور اسی طرح اس سے جماع کرنا اور اس کو اجرت پر دینا یا نکاح کرنا سب جائز ہے اس کی دلیل مصنف علیہ الرحمہ نے یہ بیان کی ہے کہ ام ولد میں ملکیت کا وجود پایا جا رہا ہے اور مذکورہ کام ملکیت کے سبب کے پیش نظر ثابت ہوئے ہیں۔ لہذا جب ملکیت یعنی اصل جو مذکورہ احکام کا سبب ہے وہ پائی گئی تو حکم بھی اسی طرح پایا جائے گا۔

ام ولد اور اولاد کے درمیان علیحدگی کی ممانعت کا فقہی بیان

غلام خاندانوں کو یہ حق بھی دے دیا گیا کہ ان کی کسی قسم کی منتقلی کی صورت میں ان کے خاندان کو الگ نہ کیا جائے گا۔ حدثنا عمر بن حفص بن عمر الشیبانی أخبرنا عبد الله بن وهب أخبرني حبيب عن أبي عبد الرحمن

الحبلی عن ابی ایوب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول من فرق بين والدها وولدها فرق الله بينه وبين احبته يوم القيامة . قال ابو عيسى وفي الباب عن علي وهذا حديث حسن غريب . والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم وغيرهم كرهوا التفريق بين المهي بين الوالدة وولدها وبين الولد والوالد وبين الاخوة . (ترمذی، کتاب الجہاد، حدیث (1566)

حضرت سیدنا ابو یوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "جس نے ماں اور اس کے بچے کو الگ کیا، اللہ قیامت کے دن اس کو اس کے پیاروں سے الگ کر دے گا۔"

ترمذی کہتے ہیں، "یہ حدیث حسن غریب درجے کی ہے اور اس کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء صحابہ اور دیگر اہل علم کا عمل بھی یہی ہے۔ وہ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ غلاموں میں ماں اور بچے، باپ اور بچے اور بہن بھائیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ جَابِرٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالنَّسِيِّ أُعْطِيَ أَهْلَ الْبَيْتِ أَهْلًا أَلَيْتَ جَمِيعًا كَرَاهِيَةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَهُمْ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23265)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جنگی قیدیوں کی خدمات کو تقسیم کرتے تو ان کے ایک پورے گھرانے کو ایک گھر کی خدمت کے لئے دیا کرتے۔ آپ اسے سخت ناپسند فرماتے کہ ایک ہی گھر کے افراد میں علیحدگی کروائی جائے۔

حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: بَعَثَ مَعِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُلَامَتَيْنِ سَبْعِينَ مَمْلُوكَيْنِ أَبِيئَهُمَا، فَلَمَّا أَتَيْتُهُ، قَالَ: جَمَعْتُ أَوْ فَرَّقْتُ؟ قُلْتُ: فَرَّقْتُ، قَالَ: فَأَذِرْكَ أَذِرْكَ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23258)

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جنگی قیدی غلاموں کو میرے ساتھ بھیجا کہ ان کی خدمات کو فروخت کر دیا جائے۔ جب میں واپس آیا تو آپ نے پوچھا، "انہیں اکٹھا رکھا ہے یا الگ الگ؟" میں نے عرض کیا، "الگ الگ۔" آپ نے فرمایا، "تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے تھا (کہ انہیں الگ کرنا جائز نہیں ہے)۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ فَاطِمَةَ ابْنَةِ حُسَيْنٍ، أَنَّ زَيْنَةَ بِنَ خَارِثَةَ قَدِمَ يَغْنِي مِنْ أَيْلَةٍ، فَأَخْتَجَ إِلَى ظَهْرِ قَبَاغَ بَعْضَهُمْ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً مِنْهُمْ تَبْكِي، قَالَ: مَا شَأْنُ هَذِهِ؟ فَأَخْبَرَتْ أَنَّ زَيْنَةَ بَاغَ وَلَدَهَا، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَدَدَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23257)

حضرت فاطمہ بنت حسین بیان کرتی ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایلہ سے واپس آئے۔ انہوں نے کچھ غلاموں کی خدمات کو فروخت کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے ایک خاتون کو روٹے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا، "انہیں کیا ہوا؟" آپ کو بتایا گیا کہ زید نے ان کے بیٹے کی خدمات کو فروخت کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (خدمات خریدنے والوں سے) فرمایا، "یا تو ان کے بیٹے کو واپس کر دیا پھر ماں کی خدمات کو بھی خرید لو۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ قُرُوحَ، قَالَ: كَتَبَ عُمَرُ: أَنْ لَا تَفْرُقُوا بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23259)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) دو بھائیوں میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔" حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ عَمْرِو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قُرُوحَ - وَرَوَّاهُ قَالَ: عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ، قَالَ: لَا تَفْرُقُوا بَيْنَ الْأُمِّ وَالْوَلَدِ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23260)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قانون بنایا، "(خدمات کی منتقلی کے وقت) ماں اور اس کی اولاد میں علیحدگی نہ کروائی جائے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُثَيْمٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ حَمِيدِ بْنِ هِلَالٍ، قَالَ: قَالَ عِقَالُ - أَوْ حَكِيمُ بْنُ عِقَالٍ - قَالَ: كَتَبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى عِقَالٍ: أَنْ يَشْتَرِيَ مِئَةَ أَهْلِ بَيْتِ يَرْفَعُهُمْ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَلَا تَشْتَرِيَ لِي شَيْئًا تُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ وَالِدِهِ . (ابن ابی شیبہ؛ حدیث (23261)

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عقال کو لکھا، "ایک ہی خاندان کے سوا افراد کی خدمات کو خرید کر انہیں مدینہ روانہ کر دو۔ خدمات کی خریداری اس طرح سے مت کرنا جس کے نتیجے میں اولاد اور والدین میں علیحدگی ہو جائے۔" ان احادیث کو درج ذیل حدیث کے ساتھ مل کر پڑھا جائے تو صورت اور واضح ہو جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كَرِيبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكْرِيَّا بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَيْفِي عَنْ أَبِي مَعْبُدٍ عَنْ بَنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْمُونِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ . قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو وَأَبِي سَعِيدٍ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَعْبُدٍ اسْمُهُ نَافِذٌ . (ترمذی، کتاب الادب، حدیث (2014)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا عمل بنا کر بھیجا تو فرمایا، "مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔" ترمذی نے اس حدیث کو انس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس معاملے میں مسلمانوں کے اہل عہد میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کسی بھی حالت میں غلاموں کے خاندان کو تقسیم نہیں کیا

جائے گا۔ خطابی لکھتے ہیں:

ولا یختلف مذاهب العلماء فی کراهة التفريق بین الجارية و ولدها الصغیر سواء کانت مسیبة من بلاد الکفر او کان الولد من دین او کان زوجها اهلها فی الاسلام فجاءت بولد . ولا اعلمهم یختلفون فی ان التفريق بیسهما فی العتق جائز و ذلك ان العتق لا یصح من الحصانة کما یصح منها الیبع . (خطابی، معالم السنن، کتاب الجهاد)

ایک نوذی اور اس کے چھوٹے بچے کو عیدہ کرنے کے بارے میں علماء کے نقطہ ہائے نظر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ دشمن کے کسی ملک سے آئی ہو یا اس کا بچہ بدکاری کا نتیجہ ہو یا اس کے ملکوں نے اس کی شادی مسلمانوں میں کر دی ہو (برصورت میں اس کا بچہ اس کے پاس ہی رہے گا)۔ اس معاملے میں بھی مجھے کوئی اختلاف نہیں مل سکا کہ (میں یا بچے میں سے کسی ایک کو) آزاد کر دینے کی صورت میں عیدگی جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کر دینے کی صورت میں تو ماں اپنے بچے کی پرورش کر سکتی ہے مگر خدشات کی منتقلی کی صورت میں نہیں۔

ولد ثانی کیلئے ولداول کا ثبوت نسب میں عدم اقرار کا بیان

(فَإِنْ) (جَاءَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِوَلَدٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ بِغَيْرِ إِقْرَارٍ) مَعْنَاهُ نَعْدَ اغْتِرَافٍ مِنْهُ بِالْوَلَدِ الْأَوَّلِ؛ لِأَنَّهُ يَدْعُو الْوَلَدَ الْأَوَّلَ تَعَيَّنَ الْوَلَدُ مَقْصُودًا مِنْهَا فَصَارَتْ فِرَاشًا كَالْمَعْقُودَةِ (إِلَّا أَنَّهُ إِذَا نَفَاهُ يَنْتَفِي بِقَوْلِهِ)؛ لِأَنَّ فِرَاشَهَا ضَعِيفٌ حَتَّى يَمْلِكَ نَقْلَهُ بِالتَّرْوِيجِ، بِخِلَافِ الْمَكُوحَةِ حَيْثُ لَا يَنْتَفِي الْوَلَدُ بِنَفْيِهِ إِلَّا بِاللَّعَانِ؛ لِتَأَكُّدِ الْفِرَاشِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ إِبْطَالَهُ بِالتَّرْوِيجِ، وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ حُكْمٌ.

فَأَمَّا الدِّيَانَةُ، فَإِنْ كَانَ وَطَنُهَا وَحَصْنُهَا وَلَمْ يَغْزِلْ عَنْهَا يَلْزُمُهُ أَنْ يَغْتَرِفَ بِهِ وَيَدَّعِيَ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْوَلَدَ مِنْهُ، وَإِنْ غَزَلَ عَنْهَا أَوْ لَمْ يُحَصِّنْهَا جَارَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ؛ لِأَنَّ هَذَا الظَّاهِرَ يُقَابِلُهُ ظَاهِرٌ آخَرٌ، هَكَذَا رَوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَفِيهِ رَوَايَتَانِ أُخْرَيَانِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ذَكَرْنَاهُمَا فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى.

ترجمہ

پس جب آقا کے پہلے بچے کا اقرار لیا جائے گا تو اگر اس کے بعد دوسرا بچہ اس باندی سے پیدا ہوگا تو اقرار کے بغیر اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس کا حکم یہ ہے کہ آقا کی طرف سے پہلے بچے کے اقرار کے بعد جبکہ اس باندی سے بچے کا حصول مقصود بنے۔

متعین ہو چکا ہے تو یہ ام ولد فراش ہوگئی جس طرح شادی شدہ عورت فراش ہو جاتی ہے مگر جب آقا دوسرے بچے کی نفی کر دے تو اس کے توں سے اس بچے کے نسب کی نفی ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس کا فراش کمزور ہے اسی لئے شوہر اپنی منکوحہ کا کسی ور سے نکاح کرا کے اس فراش کو ختم کرنے کا مالک نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ حکم لیکن دیانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آقا نے ام ولد سے جماع کر لیا اور سے محفوظ رکھا اور اس سے عزل نہیں کیا تو آقا کے لئے ضروری ہے۔ اس بچے کا اقرار کرے اور اس کا دعویٰ کرے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ بچہ اس کی کا ہی ہے اگر آقا اس سے عزل کرتا رہا یا اس کو محفوظ نہیں رکھتا تو اس بچے کی نفی کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس ظہر کے مقابلے میں ایک اور ظاہر بھی ہے اسی طرح امام ابو حنیفہ نے بیان کیا ہے اور صاحبین سے دروایت اور بھی روایت کی گئی ہیں۔ جن کو ہم نے کفایت المنتہی میں بیان کر دیا ہے۔

شرح

صاحب ہدایہ نے مذکورہ عبارت میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ولد ثانی کیلئے الگ اقرار لینا ضروری نہ ہوگا کیونکہ جب آقا پہلے بچے کا اقرار کر چکا ہے اور دوسرا بچہ بھی اسی باندی سے پیدا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے ولد اول و ولد ثانی کیلئے بطور اصل باعتبار حکم اور ولد ثانی ولد اول کیلئے فرع بطور حکم ہوا اور دونوں میں علت مشترکہ اقرار اول ہے۔ ہاں البتہ جب وہ نفی کر دے گا تو حکم ولد ثانی سے ختم ہو جائے گا کیونکہ علت مشترکہ کا معدوم ہونا حکم کے عدم کو لازم ہے۔ (رضوی غفرلہ)

ام ولد کی خدمات کے انتقال میں بعض فقہی نظریات

ام خطابی نے معالم السنن میں بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں بھی ایسا بہت ہی کم ہوتا تھا کہ کوئی اپنے بچے کی ماں کی خدمات کسی اور کی طرف منتقل کر دے۔ اپنے بچے کی ماں کو منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ اگر ایسا کرتے ہوئے بچے کو ماں سے الگ کر لیا جائے تو یہ بدترین ظلم ہوگا جس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین نے ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ اگر بچے کی ماں کو منتقل کرتے ہوئے بچے کو اس کے ساتھ ہی رہنے دیا جائے تو وہ کون سا غیرت مند باپ ہوگا جو اپنے بچے کو کسی اور کی غلامی میں جانے دے گا۔

اس روایت کو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی جلیل القدر صحابی ہیں جن کا ذاتی کردار خود اس روایت کی نفی کر دیتا ہے۔ بخاری کی مشہور روایت کے مطابق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو یہ نوجوان تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی بہنیں تھیں جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے نوجوانی کے جذبات کو ایک طرف رکھ کر ایک بڑی عمر کی خاتون سے شادی کر لی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ایسا صرف اپنی بہنوں کے لئے کیا ہے تاکہ بڑی عمر کی خاتون ان کی بہنوں کی دیکھ بھال آسانی سے کر سکے۔ ایسے کردار کے شخص سے کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچے کی والدہ کو کسی اور کی طرف منتقل کر دے گا؟

اس روایت سے بظاہر تاثر یہ ملتا ہے کہ ام ولد کی خدمات کو فروخت کرنا عہد رسات میں گویا ایک عام معمول تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو اس ضمن میں ایسی بہت سی روایات ملتی چاہیں جن میں لوگوں نے ام ولد کی خدمات کو منتقل کیا ہو۔ عہد رسالت میں ایسا ایک ہی واقعہ ملتا ہے جس کی اطلاع ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود چکر اس معاملے کو روک دیا۔ عہد رسالت تو کیا دور چہیت میں بھی ایسے واقعات استثنائی تھے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بات کو سمجھنے میں کسی راوی کو شدید غلطی لاحق ہوئی ہے۔ انہوں نے کچھ اور فرمایا ہوگا جسے راوی نے کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ غائب گمان ہے کہ انہوں نے یہ بیان فرمایا ہوگا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے ام ولد کی خدمات کو منتقل کرنے کے خلاف حکومت کی جانب سے باقاعدہ کارروائی نہیں کی گئی تھی جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے قابل تقرر جرم قرار دے دیا گیا تھا۔

امام بغوی نے شرح السنۃ میں بیان کیا ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے پہلے لوگوں میں کچھ تشویش پائی جاتی تھی۔ آپ کے اس اقدام کے بعد سب لوگوں کا ذہن اس معاملے میں واضح ہو گیا اور اس پر امت کا اجماع ہو گیا کہ ام ولد کی خدمات کو منتقل نہیں کیا جائے گا۔

ام ولد کے نکاح کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا بیان

(فَإِنْ رَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ) ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْحُرِّيَّةِ يَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ كَالْتَدْبِيرِ ، أَلَا تَرَى أَنَّ وَلَدَ الْحُرَّةِ حُرٌّ وَوَلَدَ الْفَقِيرَةِ رَفِيقٌ وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ مِنَ الزَّوْجِ ؛ لِأَنَّ الْفِرَاشَ لَهُ ، وَإِنْ كَانَ النِّكَاحُ فَاسِدًا إِذَا الْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ فِي حَقِّ الْأَحْكَامِ ، وَلَوْ ادَّعَاهُ الْمَوْلَى لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ مِنْ غَيْرِهِ ، وَيُعْتَقُ الْوَلَدُ وَتَصِيرُ أُمُّهُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لِإِقْرَارِهِ .

ترجمہ

اور جب سقائے اپنی ام ولد کا نکاح کر دیا تو اس کے بعد اگر اس نے بچہ پیدا کیا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا اس لئے کہ آزاد ہونے کا حق بچے کی طرف سرایت کر جاتا ہے جس طرح تدبیر میں سرایت کر جاتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ آزاد عورت کا بچہ آزاد ہوتا ہے۔ اور خالص باندی کا بچہ خالص غلام ہوتا ہے۔ ورنہ شوہر سے ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ فراش اسی کا ہوتا ہے اگرچہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے کہ نکاح فاسد بھی احکام میں نکاح صحیح کے ساتھ ملا ہوا ہے اس لئے اگر آقا اس بچے کا دعویٰ بھی کرے تو آقا سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس بچے کا نسب آقا کے علاوہ دوسرے باپ سے ثابت ہے اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ماں اس آقا کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ آقا اس کا اقرار کر چکا ہے۔

شرح

ان سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ عہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا عقبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زعمہ کی باندی کے بچے کو اپنے قبضے میں لے میں۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لڑکا میرا ہے۔ پھر جب مکہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ) تشریف لائے، تو سعد رضی اللہ عنہ نے زعمہ کی باندی کے لڑکے کو لے لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عبد بن زعمہ بھی ساتھ تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے۔ جو زعمہ (میرے والد) کی باندی کا لڑکا ہے۔ انہیں کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زعمہ کی باندی کے لڑکے کو دیکھا تو واقعی وہ عقبہ کی صورت پر تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عبد بن زعمہ! یہ تمہاری پرورش میں رہے گا۔ کیوں کہ بچہ تمہارے والد ہی کے فراش میں پیدا ہوا ہے۔ آپ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے سودہ بن زعمہ! (رضی اللہ عنہا ام المومنین) اس سے پردہ کیا کر یہ بدایت آپ نے اس لیے کی تھی کہ بچے میں عقبہ کی شہادت دیکھیں تھی۔ سودہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ (بخاری) اس حدیث میں ام ولد کا ذکر ہے۔ یہاں یہ حدیث لانے کا یہی مطلب ہے۔

آقا کی موت کے بعد ام ولد کا پورے مال سے آزاد ہونا

(وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَمَّتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ) لِحَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِعَتَقِ امْتِهَاتِ الْأَوْلَادِ وَأَنْ لَا يُبْعَنَ فِي ذَيْنٍ وَلَا يُجْعَلَنَّ مِنَ الثَّلَاثِ) . وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى الْوَلَدِ أَصْلِيَّةٌ فَتَقَدَّمُ عَلَى حَقِّ الْمَوْلِيَّةِ وَالَّذِينَ كَالْتَكْفِينِ ، بِخِلَافِ التَّدْبِيرِ ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ مِنْ زَوَالِدِ الْخَوَالِجِ .

ترجمہ

اور جب آقا فوت ہو جائے تو ام ولد مکمل مال کے ساتھ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے امہات الاولاد کو آزاد کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ ان کو کسی قرض میں فروخت نہ کیا جائے اور ان کو تہائی مال کے ساتھ آزاد نہ کیا جائے اس لئے کہ بچے کی ضرورت اصل ہے اس وجہ سے یہ ورثاء کے حق اور قرض پر مقدم کی جائے گی جیسے کفن دفن تدبیر کے خلاف کیونکہ تدبیر ضرورت اصل ہے سے زائد چیز کی وصیت ہے۔

موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جسے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز

ے۔ ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔ قیمت کی نشانی والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے مائے تاکہ شرہ ہو کہ مودہ کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں: **وَقَدْ اخْتَلَفَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ فِي عَقْقِ امِّ الْوَلَدِ وَفِي جَوَازِ بَيْعِهَا فَالثَّابِتُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ جَوَازُ بَيْعِهَا**۔

یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عبدالرسول میں پھر مہد صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصرع کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قَالَ الطَّبِيبِيُّ هَذَا مِنْ أَقْوَى الدَّلَائِلِ عَلَى بَطْلَانِ بَيْعِ امْهَاتِ الْوِلَادِ وَذَلِكَ أَنَّ الصَّحَابَةَ لَوْلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ الْحَقَّ مَعَ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ لَمْ يَتَابَعُوهُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَسْكُتُوا عَنْهُ (حاشیہ بخاری ج 1: ص 344) یعنی طیبی نے کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اولاد والی لونڈی کا بیچنا باطل ہے۔ اگر صحابہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلہ پر خاموش رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا۔

الْفَاظُ حَدِيثُ: "إِنْ تَلَدَ الْأَمَةُ رِبْهًا كَرِهَ ذِيْلُ مِيشَ شَارْحِيْنِ لِكِهْتِي هِيْنَ . الرِّبْ لُغَةُ السَّيْدِ وَالْمَالِكِ وَالْمَرْبِي وَالْمَنْعَمُ وَالْمَرَادُ هَهُنَا الْمَوْلَى مَعْنَاهُ اتِّسَاعُ الْإِسْلَامِ وَاسْتِبْلَاءُ أَهْلِهِ عَلَى التَّرِكِ وَاتِّحَاذُهُمْ سِرَارِي وَإِذَا اسْتَوْلَدَ الْجَارِيَةُ كَانَ الْوَلَدُ بِمَنْزِلَةِ رِبْهٍ لِأَنَّهُ وَلَدٌ سَيِّدُهَا وَلِأَنَّهُ فِي الْحَسَبِ كَابِيهِ أَوْلَانُ الْأَمَاءِ يَلْدُنَ الْمُلُوكَ فَتَصِيرُ الْأَمَامُ مِنْ حِمْلَةِ الرِّعَايَا أَوْ هُوَ كُنَايَةُ عَنْ عَقُوقِ الْوِلَادِ بَانَ يَعْمَلُ الْوَلَدُ أَمَهُ مَعَامِلَةَ السَّيِّدِ أَمَتِهِ الخ (شرح بخاری)

یعنی رب بخت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہا جاتا ہے۔ یہاں مولد مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غالب آکر ان کو غلام بنائیں گے اور جب لونڈی بچہ جنے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔ اس لیے کہ وہ

اس کے مالک کا بچہ ہے یہ وہ حسب میں اپنے باپ کے، نند ہے یا یہ کہ لونڈیاں بادشہ ہوں کو جنمیں گی پس ام ہی رعایا میں ہو جائیں گے۔ یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب قیمت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اولاد بادشاہ بن جائے گی۔

مالک کے قرض خواہوں کے سبب ام ولد پر کمائی کے عدم وجوب کا بیان

(وَلَا سَعَايَةَ عَلَيْهَا فِي ذَيْنِ الْمَوْلَى لِلْعُرْمَاءِ) لَمَّا رَوَيْنَا، وَلَئِنَّهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى لَا تُضْمَنُ بِالْغَضَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهَا حَقُّ الْعُرْمَاءِ كَالْقِصَاصِ، بِخِلَافِ الْمُذَبِّرِ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ۔

ترجمہ

اور ام ولد پر آقا کے قرض داروں کے لئے کمائی واجب نہیں ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ ام ولد مال متقوم نہیں ہے جبکہ غصب کی وجہ سے مودہ مضمون نہیں ہوتی اس لئے ام ولد سے قرض داروں کا حق متعلق نہیں ہوگا جیسے قصاص ہے جبکہ مدبر میں اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مدبر مال متقوم ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل مذکورہ دلائل میں بیان کردہ حدیث ہے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ام ولد کا مال متقوم نہ ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ مالک کے قرض داروں کو قرض کرنے کی مکلف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اس تکلیف کی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اور غیر حق میں کسی کو مکلف کرنا درست نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی دلیل دوسری یہ ہے کہ اس مسئلہ کو قصاص پر قیاس کیا گیا ہے۔ جس طرح قصاص وہاں کیلئے ام ولد مکلف نہ ہوگی اور اہمیت مدبرہ اس صورت میں فرق کرنا فقہی تفریع کے طور پر ضروری ہوگا کیونکہ بطور تنوع ام ولد اور مدبرہ میں فرق واضح ہے۔

نصرانی کی ام ولد کے مکاتبہ کی طرح ہونے کا بیان

(وَإِذَا أَسْلَمَتْ أُمٌّ وَلَدَ النَّصْرَانِيِّ فَعَلَيْهَا أَنْ تَسْعَى فِي قِيَمَتِهَا) وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبِ لَا تُعْتَقُ حَتَّى تُوَدَّى السَّعَايَةُ. وَقَالَ رُفْرُ رَحِمَهُ اللَّهُ: تُعْتَقُ فِي الْحَالِ وَالسَّعَايَةُ ذَيْنٌ عَلَيْهَا، وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا عُزِّضَ عَلَى الْمَوْلَى الْإِسْلَامُ فَأَبَى، فَإِنْ أَسْلَمَ تَبَقَّى عَلَى حَالِهَا. لَهُ أَنْ إِزَالَهَ الدُّلُّ عَنْهَا بَعْدَمَا أَسْلَمَتْ وَاجِبَةٌ وَذَلِكَ بِالْبَيْعِ أَوْ الْإِعْتَاقِ وَقَدْ تَعَدَّرَ الْبَيْعُ فَتَعَيَّنَ الْإِعْتَاقُ۔

وَلَنَا أَنَّ النَّظَرَ مِنَ الْجَائِبِينَ فِي حَقِّهَا مَكَاتِبَةٌ : لِأَنَّهُ يَنْدَفِعُ الذَّلُّ عَنْهَا بِصِرُورِهَا حُرَّةً
بَدَلًا وَالصَّرَرُ عَنْ الذَّمِّ لِأَنَّهُ لَا يُبْعَاثُ عَلَى الْكُسْبِ بِلَا لِسْرِفِ الْحُرِّيَّةِ فَيَصِلُ الذَّمُّ إِلَى
بَدَلٍ مِلْكِيهِ ، أَمَّا لَوْ أُعْطِفَتْ وَهِيَ مُفْلِسَةٌ تَتَوَاتَى فِي الْكُسْبِ وَمَالِيَّةٌ أُمُّ الْوَلَدِ يَعْتَقِدُهَا
الذَّمُّ مُتَقَوِّمَةً فَيَتْرُكُ وَمَا يَعْتَقِدُهُ ، وَلَئِنْهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ مُتَقَوِّمَةً فَهِيَ مُحْتَرَمَةٌ ، وَهَذَا
يَكْفِي لِوُجُوبِ الصَّمَانِ كَمَا فِي الْقَصَاصِ الْمُشْتَرَكِ إِذَا عَفَا أَحَدُ الْأَوْلِيَاءِ يَجِبُ
الْمَالُ لِلْبَاقِينَ .

(وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهَا عَتَقَتْ بِهَا بَعَايَةَ) : لِأَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ، وَلَوْ عَجَزَتْ فِي حَيَاتِهِ لَا تُرَدُّ
قِنَّةً ، لِأَنَّهَا لَوْ رُدَّتْ قِنَّةً أُعِيدَتْ مَكَاتِبَةٌ لِقِيَامِ الْمُوجِبِ

ترجمہ

اور اگر نصرانی کی ام ولد ایمان لے آئے تو وہ کوشش کرے گی اپنی قیمت کے لئے اور وہ مکاتبہ کی طرح ہو جائے گی اور وہ آزاد نہیں ہوگی جب تک وہ سعایہ نہ ادا کر دے امام زفر بیان فرماتے ہیں کہ وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گی اور سعایہ یا اس پر قرض ہوگا اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب آقا پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو اس کے بعد اگر وہ ایمان لے آئے تو ام ولد اسی حالت میں لوٹ آئے گی امام زفر یہ دلیل دیتے ہیں کہ ام ولد مسلمان ہونے کے بعد اس سے ذلت کو دور کر دینا واجب ہے اور یہ ارادہ یا تو بیچ سے ہوگا یا آزاد کرنے سے ہوگا اور بیچ تو ناممکن ہو چکی ہے اس لئے آزاد کرنا متعین ہو گیا اور ہم کہتے ہیں ام ولد نصرانی بنانے میں دونوں طرف سے شفقت ہے کیونکہ ام ولد کے قبضہ کے عتبار سے آزاد ہونے کی وجہ سے اس سے ذلت دور ہو جائے گی اور ذمی سے ضرر دور ہو جائے گا اس لئے کہ ام ولد کی حریت کا شرف حاصل کرنے کے لئے آقا اس کو مکہ لے کرے پر ابھارے گا اور ذمی اپنی ملکیت کا بدلہ پائے گا اور اگر وہ ام ولد اسی وقت آزاد کر دی جائے اس حال میں کہ وہ مفلس ہو تو وہ کمائی کرنے میں سستی کرے گی۔ اور ذمی اپنی ام ولد کی میت کو مقوم سمجھتا ہے اس لئے ذمی کو اس کے اعتقاد کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور اس لئے کہ ام ولد کی مالیت گرچہ مقوم نہیں اس کے باوجود بھی وہ محترم ضرور ہے۔ اور اس کا محترم ہونا اس کے ضمان کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ جس طرح قصاص مشترک میں اگر ایک ولی معاف کر دے تو دوسروں کے لئے مال واجب ہوگا اور جب اس کا آقا مر جائے تو یہ ام ولد کئی کئے بغیر آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ ام ولد ہے اور اگر آقا کی زندگی میں وہ سعایہ سے عاجز ہو گئی تو وہ دوبارہ خالص باندی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے خالص غلام قرار دیا جائے تو وہ دوبارہ مکاتبہ ہو جائے گی کیونکہ سبب موجود ہے۔

شرح

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جئے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ

اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی سی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز ہے۔ ترجیح قول اور ہی کو حاصل ہے۔ قیامت کی نشانی ولی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس سے لائے تاکہ اگر وہ ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

ام قسطلانی فرماتے ہیں : وقد اختلف السلف والحلف في عتق ام الولد وفي حوار بيعها فالثابت عن عمر عدم حواز بيعها الخ یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزاد دی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم حواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عہد رسات میں پھر عہد صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصراع کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

قال الطبري هذا من اقوى الدلائل على بطلان بيع امهات الاولاد و ذلك ان الصحابة لو لم يعلموا ان

الحق مع عمر لم يتابعوه عليه ولم يسكتوا عنه (حاشیہ بخاری ج 1 : ص 344)

یعنی جیسا کہ کہا کہ حضرت عمر کا یہ فیصلہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اور دوالی لونڈی کا بیچنا باطل ہے۔ اگر کسی یہ کرام یہ نہ جانتے کہ حق عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو وہ نہ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے اور نہ اس فیصلے پر خاموش رہتے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی حق تھا۔

الفاظ حدیث : ان تلدا لامة ربها كره ذبل میں شارحین لکھتے ہیں . الرب لغة السيد والمالک والمربی والمنعم والمراد ههنا المولى معناه اتساع الاسلام واستبلاء اهله على التروك واتخاذهم سرائی واذا استولد الجارية كان الولد بمنزلة ربها لانه ولد سيدها ولانه في الحنوب كابيها اولان الاماء يبدن المملوك فتصير الامام من جملة الرعايا او هو كناية عن عقوق الاولاد بان يعامل الولد امه معاملة السيد امته الخ (شرح بخاری)

یعنی رب لغت میں سید اور مالک اور مربی اور منعم کو کہہ جاتا ہے۔ یہاں مولا مراد ہے۔ یعنی یہ کہ اسلام بہت وسیع ہو جائے گا اور مسلمان ترکوں پر غلبہ آکر ان کو غلام بنائیں گے اور جب لونڈی بچہ جنمے تو گویا اس نے خود اپنے مالک کو جنم دیا۔ اگر یہ کہ وہ اس کے مالک کا بچہ ہے یہ وہ حسب میں اپنے باپ کے مانند ہے یا یہ کہ لونڈی بادشاہوں کو جنم دے گی پس امام بھی رعایا میں ہو جائیں گے۔ یا اس جملہ میں اولاد کی نافرمانیوں پر اشارہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی جیسا کہ ایک لونڈی کے ساتھ اس کا آقا برتاؤ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرب قیامت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ لونڈیوں کی اوماد بادشاہ بن جائے گی

دوسرے کی باندی سے نکاح کے ذریعے بچہ حاصل کرنے کا بیان

(وَمَنْ اسْتَوْلَدَ اَمَةً غَيْرِهِ يَبْغَا حَتَّى تَمْلِكَهَا صَارَتْ اُمًّا وَلَدٌ لَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ

لَا تَصِيرُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ، وَلَوْ اسْتَوْلَدَهَا بِمِلْكٍ يَمِينٍ ثُمَّ اسْتَحَقَّتْ ثُمَّ مَلَكَهَا تَصِيرُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ عِدْنَا ، وَلَهُ فِيهِ قَوْلَانِ وَهُوَ وَلَدُ الْمَعْرُورِ .

لَهُ أَهْلُهَا عِلَقَتْ بِرَقِيقٍ فَلَا تَكُونُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ كَمَا إِذَا عِلَقَتْ مِنَ الزَّانَا ثُمَّ مَلَكَهَا الزَّانِي ، وَهَذَا لِأَنَّ أُمُومِيَّةَ الْوَلَدِ بِاعْتِبَارِ عُلوِّ الْوَلَدِ حُرًّا ، لِأَنَّهُ جُزْءُ الْأُمِّ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ وَالْجُزْءُ لَا يُخَالِفُ الْكُلَّ .

وَلَمَّا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْئِيَّةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَوْلٍ ، وَالْجُزْئِيَّةُ إِنَّمَا تَثْبُتُ بَيْنَهُمَا بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ الْوَاحِدِ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَلًا وَقَدْ ثَبَتَ النَّسَبُ فَتَثْبُتُ الْجُزْئِيَّةُ بِهِذِهِ الْوَاسِطَةِ ، بِخِلَافِ الزَّانَا ، لِأَنَّهُ لَا نَسَبَ لَهُ لِلْوَلَدِ إِلَى الزَّانِي ، وَإِنَّمَا يُعْتَقُ عَلَى الزَّانِي إِذَا مَلَكَهُ ، لِأَنَّهُ جُزْؤُهُ حَقِيقَةٌ بَغَيْرِ وَاسِطَةٍ .

لَطَيْرُهُ مَنْ اشْتَرَى أَخَاهُ مِنَ الزَّانَا لَا يُعْتَقُ ، لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَيْهِ بِوَاسِطَةِ نِسْبَتِهِ إِلَى الْوَلَدِ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ .

ترجمہ

جس شخص نے کسی دوسرے کی باندی سے نکاح کر کے بچہ حاصل کیا پھر وہ اس باندی کا مالک بن گیا اس صورت میں وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ باندی ام ولد نہیں ہوگی۔ و اگر ملک یمین کے ساتھ کسی باندی سے بچہ حاصل کیا ہو تو اس کے بعد اگر وہ باندی مستحق نکاح بن گیا تو اس صورت میں ہمارے نزدیک وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے اس بارے میں دو قول ہیں اور یہی وہ المعرور ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ باندی غلام سے حامد ہوئی ہے اس لئے وہ مستولد کی ام ولد نہیں ہوگی جبکہ کسی صورت میں وہ زنا سے حامد ہوئی ہو پھر زانی اس کا مالک ہو گیا ہو۔ کیونکہ ام ولد ہونا بچے کے آزاد حمل قرار پانے کے اعتبار سے ہے اسی وجہ سے اصل کی حالت میں بچہ اپنی ماں کا حصہ ہوتا ہے اور جز کل سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا ہمارے نزدیک استیلاء کا حکم جزئیت کی طرح ہے جو کہ ہم بیان کر چکے ہیں واطی اور موطی کے درمیان اسی وقت جزئیت ثابت ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی طرف ولد کی نسبت کی جائے اور اس صورت میں نسب ثابت ہے اس لئے اسی واسطے سے جزئیت بھی ثابت ہوگی۔ جبکہ زنا میں ایسا نہیں ہے کیونکہ زنا زانی کی طرف بچے کی نسبت کو ثابت نہیں کرتا اور جب زانی بچے کا مالک ہو جاتا ہے تو لڑکا اس پر آزاد ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ بچہ کسی واسطے کے بغیر حقیقی طور پر زنا کرنے والے کا جزء ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح کسی نے زنا سے

پیدا ہونے والے اپنے بھائی کو خرید اتو وہ بھائی اس خریدنے والے پر آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھائی باپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس خریدنے والے کی طرف منسوب ہوگا جبکہ باپ کی نسبت ثابت نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ و طس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارے میں فرمایا کہ کسی حامد عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے دل دلت نہ ہو جائے اور غلامہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اسکو یک حیض نہ آجائے (احمد ابوداؤد داری) اگر کسی غیر حامد کو، سکی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں س لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔ و نڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں انہیں کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ و نڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہونا استبراء کو واجب کرتا ہے چنانچہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے نیز یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دار بحرب سے کسی کافر کو بطور لونڈی کے پکڑنے سے اسکا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے یعنی کفر سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جوشادی شدہ عورتیں بطور و نڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جاتا ہے (لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ اس کے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

اور حضرت روایع ابن ثابت ان نصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص خد و قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسکے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بھینٹ کو اپنے پانی سے سیراب کرے یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حامد ہے جائز نہیں ہے اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفر سے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی سے اس وقت تک جماع نہ کرے کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس کا استبراء نہ کر لے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ ماں غنیمت کو بیچے جب تک وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا حصہ نہ تصرف اور خیانت نہ کرے) ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ ذریع تک نقل کیا ہے۔

بیٹے کی باندی سے بچہ پیدا ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةٌ ابْنَهُ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَعَمَّهُ)

قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَلَا قِيمَةٌ وَلَدِهَا (وَقَدْ ذَكَرْنَا الْمَسْأَلَةَ بِدَلَالِهَا فِي كِتَابِ
السَّكَّاحِ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ ، وَإِنَّمَا لَا يَضْمَنُ قِيمَةَ الْوَلَدِ ؛ لِأَنَّهُ انْعَلَقَ حُرَّ الْأَصْلِ لَا سِتْنَادَ
الْمِلْكِ إِلَى مَا قَبْلَ الْإِسْتِيلَادِ .

(وَإِنْ وَطِئَ أَبُو الْأَبِ مَعَ بَقَاءِ الْأَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ) ؛ لِأَنَّهُ لَا وَلايَةَ لِلْجَدِّ خَالَ قِيَامِ
الْأَبِ (وَلَوْ كَانَ الْأَبُ مَيِّتًا ثَبَتَ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ مِنَ الْأَبِ) ؛ لِظُهُورِ وَلايَتِهِ عِنْدَ
فَقْدِ الْأَبِ ، وَكُفْرِ الْأَبِ وَرِقَّةَ بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ ؛ لِأَنَّهُ قَاطِعٌ لِلْوَلَايَةِ

ترجمہ

اور جب باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کر لیا اور باندی نے بچہ اور باپ نے اس بچے کا دعویٰ کیا تو باپ سے اس
بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، ورنہ باندی کی مومند ہو جائے گی اور باپ پر اس باندی کی قیمت لازم ہوگی لیکن اس کا مہر باپ پر
لازم نہیں ہوگا اور نہ ہی اس باندی کے بچے کی قیمت لازم ہوگی اور یہ بات ہم کتاب السکاح میں دلائل کے ساتھ بیان کر چکے
ہیں۔ اور باپ اس وجہ سے بچے کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ وہ بچہ حلال اصل ہو کر حمل قرار پایا تھا اس لئے کہ بچے کے
حاصل ہو کرنے سے پہلے ہی باپ کی ملکیت کا اقرار ہو چکا تھا اور جب باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے اپنے پوتے کی باندی سے
جماع کر لیا تو نسب ثابت نہیں ہوگا اس لئے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو ولایت حاصل نہیں ہے اور جب باپ فوت ہو چکا ہو تو
دادا سے نسب ثابت ہو جائے گا جس طرح باپ سے ثابت ہو جاتا ہے اس وجہ سے کہ باپ کے موجود نہ ہونے سے دادا کی ولایت
ثابت ہو جاتی ہے۔ اور باپ کا کافر ہونا اور غلام ہونا اس کی موت کے درجے میں ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ بھی ولایت منقطع ہو
جاتی ہے۔

شرح

گر باندی سے آقا نے مجامعت کی اور اسے حمل ٹھہر گیا، یہاں تک کہ اس نے صحیح سالم تندرست یا کم زور بچہ جنا، یا اس کا اسقاط
ہو گیا یا اس نے مردہ بچہ کو جنا تو وہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی اور بچہ آقا کا ہی شمار کیا جائے گا اور اگر بچہ زندہ رہا تو اپنے
دادا کا وارث ہوگا، اب مالک نہ تو باندی کو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہیہہ، خفہ سے اربعہ کے عہد میں بھی اس پر بہ کثرت عمل ہوتا
تھا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امہات ودد کی بیعت نہیں کی جائے گی، نہ انھیں فروخت کیا جائے گا اور نہ ہیہہ کیا
جائے گا اور نہ وراثت میں ہائجا جائے گا۔ آقا جب تک زندہ رہے، ام ولد سے تمتع کرتا رہے اور جب مر جائے تو وہ آزاد ہے۔

باندی سے اس کے بچہ کو بھی الگ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے: جو وہاں اور اس کے بچے کے
درمیان جدائی کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کے اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ کچھ لوگ اپنی باندی سے

مجامعت تو کرتے تھے، مگر اس خوف سے عزل کر لیتے تھے کہ اگر اسے حمل ٹھہر گیا اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا تو وہ آزاد ہو جائے گی، ایسا
کرنے کو اللہ کے رسول ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ کیوں کہ اس سے اس کا حق آزادی سلب ہوتا ہے۔
(موطا امام مالک، کتاب العتق، مسند احمد بن حنبل۔ جامع الترمذی، کتاب السیر)

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے
استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین
مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان
سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنے
پانی پلانے سے منع کیا۔ تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی
ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم
میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔ غیر حاملہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علما کا
مسئلہ یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں
آنے کے بعد اس پر پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حاملہ کا
استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ
گزر جائے۔

مشتکرہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

(وَإِذَا كَانَتْ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ) ؛
لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ فِي نَصْفِهِ لِمَصَادِقَتِهِ مَلَكَهُ ثَبَتَ فِي الْبَاقِي ضَرُورَةً أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّأُ ؛
لِمَا أَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْعُلُوفُ إِذَا الْوَلَدُ الْوَاحِدُ لَا يَنْعَلِقُ مِنْ مَاءِ ثِنين .

(وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ) ؛ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّأُ عِنْدَهُمَا (وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ
يَصِيرُ نَصِيبُهُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ثُمَّ يَتَمَلَّكُ نَصِيبَ صَاحِبِهِ إِذَا هُوَ قَابِلٌ لِلْمِلْكِ وَيَضْمَنُ نِصْفَ
قِيمَتِهَا) ؛ لِأَنَّهُ تَمَلَّكَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ لَمَّا اسْتَكْمَلَ الْإِسْتِيلَادَ وَيَضْمَنُ نِصْفَ عُقْرِهَا
؛ لِأَنَّهُ وَطِئَ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً ، إِذَا الْمَلِكُ يَثْبُتُ حُكْمًا لِلْإِسْتِيلَادِ فَيَتَعَقَّبُهُ الْمَلِكُ فِي
نَصِيبِ صَاحِبِهِ بِخِلَافِ الْأَبِ إِذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةً إِنِّيهِ ؛ لِأَنَّ الْمَلِكَ هُنَا لَمْ يَثْبُتْ

شَرَطًا لِلْاِسْتِيْلَادِ فَيَقْدِّمُهُ فَصَارَ وَاِطْنًا مِنْكَ نَفْسِهِ (وَلَا يَغْرَمُ قِيَمَةَ وَلَدِهَا) بِرَأْيِ
النَّسَبِ يَثْبُتُ مُسْتَبَدًّا اِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيْطِ .

ترجمہ

اور جب کوئی باندی دو شرکاء کے درمیان مشترک ہو اور اس نے بچہ جن دیا اور دونوں شرکاء میں سے کسی ایک نے دعویٰ کر دیا تو مدعی سے اس بچے کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا کیونکہ جب وہ نصف ولد میں ہے تو اس شریک کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کی ملکیت سے ملا ہوا ہے۔ لہذا البقیہ میں لازمی طور پر اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب میں اجزاء نہیں ہوتے۔ لہذا اس کے نسب کا سبب یعنی عوق میں بھی اجزاء کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک بچہ دونوں سے حمل قرار نہیں پاتا۔ اور وہ باندی مدعی کیلئے ام ولد ہو جائے گی۔ لہذا طرفین کے نزدیک استیلا کے جزاء نہیں ہوتے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مدعی کے حصے میں وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی۔

اس کے بعد مدعی اپنے شریک کے حصے کا بھی مالک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ حصہ ملکیت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور مدعی اس باندی کے دھے عقر کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے مشترک باندی سے جماع کیا ہے۔ اور وہ شخص استیلا کے سبب حکمی طور پر ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور وہی کرنے کے ساتھ ہی اس کے ساتھی میں واطی کی ملکیت ثابت ہوگی۔

جبکہ باپ کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کی باندی سے واطی کر کے ام ولد بنانے والا ہے لہذا ملکیت استیلا کی شرط بن کر ثابت ہوگی۔ اور استیلا سے مقدم ہوگی۔ اور باپ اپنی ملکیت سے جماع کرنے والا ہے۔ اور مدعی باندی کی بچی کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچے کے نسب وقت علوق کی طرف ہو کر ثابت ہو جائے گا۔ اور اس بچے کا کوئی بھی حصہ شریک کی ملکیت پر محمول نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: علماء کرام کا جماع ہے کہ اگر بچہ مرد کے بستر پر پیدا ہوا اور کوہ دوسرا شخص اس کا دعویٰ کرے تو بچے کی نسبت دعویٰ کرنے والے کی طرف نہیں کی جائے گی، لیکن اگر بچہ بستر کے علاوہ (شادی کے بغیر) پیدا ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر عورت بیوی نہ ہو اور نہ اسے بچہ پیدا ہو جائے اور زانی اس کا دعویٰ کرے تو کیا اس بچے کی نسبت اس کی طرف کی جائے گی؟ جمہور علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بچہ کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابن سیرین اور عروہ امام غنی، اسحاق، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ بچہ اس (زانی کی طرف منسوب ہوگا)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے (علی بن عاصم نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کا قول ہے: میرے خیال میں اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے زانی کرے اور اس سے وہ

حامد ہو اور وہ اس حمل میں ہی اس سے شادی کر لے اور اس پر پردہ ڈالے رکھے اور وہ بچہ اسی کا ہوگا)۔ (الغنی (9 / 122) نے یہ اختیار کیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنے زانی کی بچی کی نسبت اپنی کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ عورت اس کی بیوی نہ ہو تو اس بچے کے الحاق اس کی طرف کر دیا جائے گا۔ (الفروع (6 / 625)

جس باندی سے واطی نہ کر سکتا ہو مثلاً وہ مشترک ہے یا مکاتبہ یا مشترکہ یا رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے اس سے واطی حرام ہو وہ احنیہ کے حکم میں ہے۔ (در مختار، کتاب طہر و اباحت، ج ۹، ص ۶۰۵)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا بہیہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزادی کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک صاف کرے ابتہا کہہ کنواری کو پاک صاف کرنے کی ضرورت نہیں یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں۔

اس حدیث پر ابن شریح نے عمل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب نہیں ہے جب کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونیوالی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مہاجر یا اسکو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اسول یکے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال نہیں ہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مرجانے کے سبب یا اس پر عدت واجب نہیں ہوگی یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

اور حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مرجانے کی صورت میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (فتح القدیر، ج ۸، ص ۲۸۰، بیروت)

آزاد ماں اور غلام باپ کی اولاد

بالکل یہی معاملہ ان بچوں کے ساتھ کیا گیا جن کا باپ غلام اور ماں آزاد ہو۔ ان بچوں کو بھی مکمل طور پر آزاد قرار دے دیا گیا۔ حدثنا یعلی عن الأعمش عن إبراہیم قال قال عمر المملوك يكون تحتہ الحرۃ يعتق الولد بعق أمہ فإذا عتق الأب جبر الولاء۔ (دارمی، کتاب الفرائض، حدیث (3170)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "غلام باپ اور آزاد خاتون کے بچے اپنی ماں کے آزاد ہونے کے باعث آزاد ہی ہوں گے۔ جب ان کا باپ آزاد ہوگا تو (ان بچوں کی) ولادہ کا رشتہ (باپ کے سابقہ مالک) سے قائم ہو جائے گا۔"

ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل کا یہ نقطہ نظر بیان کرتے ہیں کہ آزاد ماں اور غلام باپ کے بچے بھی آزاد ہی ہوں گے۔

قال احمد : إذا تزوج العبد حرة عتق نصفه . ومعنى هذا ، أن أولاده يكونون أحراراً وهم فرعہ ، فالأصل عبد وفرعہ حر والفرع جزء من الأصل . (ابن تیمیہ، السياسة الشرعية فی اصلاح الراعی والرعية)

احمد بن حنبل کہتے ہیں، "جب کوئی غلام کسی آزاد خاتون سے شادی کر لے تو اس کا نصف آزاد ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس غلام کی اولاد آزاد ہو گئی کیونکہ وہ اسی کی ایک شاخ ہے۔ تا تو غلام ہے لیکن شاخیں آزاد ہیں اور شاخ تو تنے کا ایک حصہ ہی ہے۔"

آزاد باپ اور غلام ماں کی اولاد

ایسے بچے جن کی ماں غلام اور باپ آزاد ہو تو ان کے ضمن میں کوئی مرفوع حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ رہی ہوگی کہ ایب کوئی مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہی نہ ہوا ہوگا۔ اول تو ایسے جوڑوں کی تعداد ہی بہت کم تھی جن میں آزاد مردوں نے غلام خواتین سے نکاح کی ہو کیونکہ لونڈیوں کی اخلاقی حالت کے باعث ان سے آزاد مرد بہت کم نکاح کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جو ایسے جوڑے ہوں گے بھی، انہوں نے اپنے مالکان کو بچوں کی آزادی پر راضی کر لیا ہوگا اور عدالت میں مقدمے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔

حضرت سیدنا عمر بن عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں ایک ایسا مقدمہ پیش کیا گیا جس میں ایک لونڈی نے جھوٹ بول کر خود کو آزاد عورت ٹھہرا کر کے شادی کر لی۔ اس مقدمے میں خیفہ وقت نے ان بچوں کے آزاد باپ کو حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنے بچوں کو آزاد کروالے۔ (موطأ، مالک، کتاب النکاح، حدیث 2160)۔ ایک اور مقدمہ سیدنا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس پیش کیا گیا تو انہوں نے ایسے بچوں کو غلام بنانے سے منع فرما دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی ایک فیصلہ کیا:

قال (احمد): (و اخبرنا ثقفہ عن ابن ابی ذئب، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، ان عمر بن الخطاب كان يقضي في العرب الذين ينكحون الاماء بالقداء بالغرة . (بيهقي، معرفة السنن والآثار، كتاب السير، حدیث (17964)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے عربوں سے جو لونڈیوں سے نکاح کر لیتے تھے، (کی اولاد کے بارے میں) یہ فیصلہ کیا کہ وہ فدیہ ادا کر کے اپنی اولاد کو آزاد کروا سکتے ہیں۔

حدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مُسْنَدٍ وَثْقَانٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ الْأَخْنَفِ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ: إِنَّ عَمِّي زَوَّجَنِي وَلِيدَتَهُ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَسْتَرْقِيَ وَلِيدِي، قَالَ: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ . (مصنف ابن

ابی شیبہ؛ حدیث (21277)

ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میرے بچے نے اپنی لونڈی کی شادی مجھ سے کر دی تھی۔ اب وہ میری اولاد کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "اس ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔"

ابن کثیر نے امام شافعی کا ایک نقطہ نظر یہ درج کیا ہے کہ ماں یا باپ میں سے اگر ایک بھی آزاد ہو تو ان کے بچے بھی آزاد ہی تصور کئے جائیں گے۔ (تفسیر سورۃ نساء (4:25))

غلام ماں اور غلام باپ کی اولاد

وہ بچے جن کے ماں اور باپ دونوں ہی غلام ہوں، ان کے بارے میں بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں مل سکی۔ تفسیر و فقہ کی کتب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے والدین غلام رہیں گے، یہ بچے بھی غلام ہی تصور کئے جائیں گے اور جب والدین آزاد ہوں گے یا ان میں سے کوئی مکاتبہ کرے گا تو یہ بچے خود بخود ان کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے۔

حدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، عَنِ الْأَعْمَرِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: وَلَدُ أُمِّ الْوَلَدِ بِمَنْزِلَتِهَا . (مصنف ابن ابی شیبہ؛ حدیث (21000)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، "لونڈی کی (اپنے مالک کے علاوہ کسی اور شہر کی اولاد) اپنی ماں کے درجے پر ہے۔ یعنی وہ ماں کے ساتھ ہی آزاد ہو جائے گی۔"

حدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ مُعْبِرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، فِي الرَّجُلِ يُزَوِّجُ أُمَّ وَلَدِهِ عَبْدَهُ فَقِيلَ لَهُ أَوْلَادًا، قَالَ: هُمْ بِمَنْزِلَةِ أُمَّهُمُ، يَعْتَقُونَ بِعَتَقِهَا وَيُرْقَوْنَ بِرِقْقِهَا، فَإِذَا مَاتَ سَيِّدُهُمْ عَتَقُوا . (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (20996)

حضرت ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہوگا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔"

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا لونڈی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل

ہو جائے گا کہ یہ مکاتبت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔

غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقوں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقوں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا اور باغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

دو شرکاء کا دعویٰ ولد کرنے کا بیان

(وَإِنْ ادَّعَاهُ مَعًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا) مَعَاہُ إِذَا حَمَلَتْ عَلَىٰ مِلْكَيْهِمَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُرْجَعُ إِلَىٰ قَوْلِ الْقَافِيَةِ: لِأَنَّ ثَبَاتَ النَّسَبِ مِنْ شَخْصَيْنِ مَعَ عَلِيمَا أَنَّ الْوَلَدَ لَا يَخْلُقُ مِنْ مَاءِ ثَنٍ مُتَعَدِّرٍ فَعَمِلْنَا بِالنَّسَبِ، وَقَدْ سُرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِ الْقَافِيَةِ فِي أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ.

وَلَا كِتَابُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ إِلَىٰ شُرَيْحٍ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ: لَبَسَا فَلَسَّ عَلَيْهِمَا ، وَلَوْ بَيْنَا لَبَسَ لَهُمَا ، هُوَ ابْنُهُمَا بِرُثْمَاهُ وَبِرِثَانِهِ وَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا ، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَخْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ ، وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِثْلَ ذَلِكَ . وَلَا تَهْمَا اسْتَوِيَا فِي سَبَبِ اسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ ، وَالنَّسَبُ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَجَزَّأُ وَلَكِنْ تَتَعَلَّقُ بِهِ أَحْكَامٌ مُتَجَرِّئَةٌ ، فَمَا يَقْبَلُ التَّجَرُّؤُةُ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِمَا عَلَى التَّجَرُّؤَةِ ، وَمَا لَا يَقْبَلُهَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَا كَانَ لَيْسَ مَعَهُ غَيْرُهُ إِلَّا إِذَا كَانَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَبًا لِلْآخَرِ ، أَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُسْلِمًا وَالْآخَرُ ذِمِّيًّا لَوْ جُودَ الْمَرْجُوحُ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَفِي حَقِّ الْأَبِ وَهُوَ مَا لَهُ مِنَ الْحَقِّ فِي نَصِيبِ الْإِبْنِ ، وَسُرُورُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا رَوَى: لِأَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا يَطْعَنُونَ فِي نَسَبِ أُسَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ، وَكَانَ قَوْلُ الْقَافِيَةِ مُقْطَعًا لِيَطْعَنَهُمْ فُسْرِيهِ (وَكَانَتْ الْأُمَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَّهُمَا) ؛ لِصَحَّةِ دَعْوَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ فِي الْوَلَدِ فَيَصِيرُ نَصِيبُهُ مِنْهَا أُمَّ وَلَدٍ لَهُ تَبَعًا لَوَالِدِهَا (وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعَقْرِ قِصَاصًا بِمَا لَهُ عَلَى الْآخَرِ ،

وَبَرِّثَ الْإِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنِ كَامِلٍ (وَلَا نَسَبَ أَقْرَبَ لَهُ بِمِيرَاثِهِ كُلِّهِ وَهُوَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ) (وَبَرِّثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبِي وَاحِدٍ) لَا اسْتَوَايَهُمَا فِي النَّسَبِ كَمَا إِذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ

اور جب دونوں شریکوں نے مل کر اکٹھا دعویٰ کیا تو دونوں سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اس صورت میں کہ جب وہ باندی دونوں کی ملکیت میں حاملہ ہوئی ہو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قیود شناس کے قوں کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ ایک بچہ دونوں نفوس سے پیدا نہیں ہو سکتا تو ایک بچے کا نسب دونوں گوں سے ثابت کرنا ناممکن ہے پھر بھی ہم نے مش بہت پر عمل اور حضرت اسامہ کے متعلق ایک قیود شناس کے قول پر آپ ﷺ خوش ہوئے تھے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر کا وہ مکتوب گرامی ہے جو اس واقعہ میں آپ نے حضرت شریح کو لکھا تھا دونوں شرکاء نے معاملہ مل دیا تھا تو آپ نے فرمایا تم بھی ان پر حکم مہم کر دو اور جب وہ معاملہ واضح کر دیں تو تم بھی ان پر حکم واضح کر دینا اور وہ ان دونوں کا بچہ ہوگا اور ان دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور ان میں سے جو زندہ رہ گیا اسے اس کی میراث ملے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب گرامی صحیح بہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں صادر ہوا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اس لئے کہ جب وہ سب استحقاق میں برابر کے وارث ہیں تو استحقاق میں بھی وہ دونوں برابر کے وارث ہوں گے اور نصب کی اگرچہ جزیں نہیں ہوتی اسکے باوجود بھی کچھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جن میں جزیں ہو سکتی ہیں اس لئے جو حکم تجزی کو قبول کرے گا وہ اسکے کے حق میں تجزی ہو کر ثابت ہو جائے گا اور جو حکم تجزی قبول نہیں کرے گا وہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں پورے طریقے سے اس طرح ثابت ہوگا کہ دوسرا اس کے ساتھ نہیں تھا لیکن جب شریکین میں سے ایک دوسرے کا باپ ہو یا ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہو تو ان میں اس بچے کا باپ ہونے میں مسلمان ذمی سے زیادہ رائج ہوگا اس لئے کہ مسلمان کے حق میں مرجع موجود ہے اور وہ اسلام ہے اور باپ کے حق میں بھی مرجع موجود ہے اور وہ بچے کے حصے میں اس کا حق ہے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث میں آپ ﷺ کا خوش ہونا اس وجہ سے ہے کہ کذا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے اور قیود شناس کا قول ان کے طعن کو ختم کر رہا تھا اس لئے آپ ﷺ اس سے خوش ہوئے تھے۔ اور وہ باندی ان دونوں کا ام ولد ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ بچے کے متعلق اپنے حق میں درست ہے اسی وجہ سے باندی میں ہر شریک کا حصہ اپنے بچے کے تابع ہو کر اس شریک کا ام ولد ہو جائے گا اور ان میں سے ہر شریک پر آدھا عقر واجب ہوگا تاکہ وہ بدس ہو جائے اس چیز کا جو ایک شریک کا دوسرے پر لازم ہے اور وہ بچہ ان دونوں شریکوں میں سے ہر ایک سے اتنا حصہ پائے گا جتنا کامل بیٹے کو دیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کے کامل باپ کی میراث کا اقرار کیا تھا اور یہ اقرار ہر ایک شریک کے حق میں حجت ہے۔ اور

یہ دونوں شریک اس بچے سے ایک باپ کی میراث پائیں گے کیونکہ دونوں سبب میں برابر ہیں جس طرح اس صورت میں جب دونوں نے بینہ پیش کر دیا ہو۔

شرح

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تو نے نہ دیکھا کہ مجھ زہ لہجی میرے پاس آیا اور اسے وہ زید دونوں کو دیکھا اور یہ دونوں ایک چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ان کا سر ڈھپا ہوا تھا اور پھر کھلے تھے تو اس نے کہا کہ یہ پیرا ایک دوسرے کے جزو ہیں (یعنی ایک باپ کے ہیں دوسرے بیٹے کے)۔ (صحیح مسلم، لعان کے مسائل، رقم الحدیث ۸۷۳)

قیافہ شناسی سے متعلق احادیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی فزارہ کا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں اس نے عرض کیا کہ سرخ رنگ کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان اونٹوں میں کوئی خاکی رنگ کا بھی ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں ان میں خاکی رنگ کا بھی اونٹ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ان میں کیسے آگیا اس نے عرض کیا کہ شاید کہ اس اونٹ کے بڑے آباؤ اجداد کی کسی رگ نے وہ رنگ کھینچ لیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تیرے لڑکے میں بھی کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہو۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1273)

حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس سند کے ساتھ معمر کی حدیث کی طرح روایت کیا ہے اس میں ہے کہ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کا لڑکا جنا ہے وہ آدمی اس وقت اپنے نسب کی نفی کر رہا تھا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نسب کی نفی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1274)

صحیح بخاری میں ہے۔ بہت سارے لوگ جمع ہو کر کسی خاتون سے بدکاری کرتے وہ خاتون اپنے پاس آنے والے کسی مرد کو اس لئے نہ روکتی کہ وہ کسی اور زنا کار ہوتی ایسی خواتین کے دروازے پر علامت کے طور پر جھنڈے لگے ہوتے تھے جو آدمی زنا کاری اور بدکاری کرتا چاہتا اس کے پاس چلا جاتا پس ان میں سے کوئی خاتون ان زانیوں میں سے کسی سے حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنمی تو اس سے زنا کاری کرنے والے سب لوگوں کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا کہ اس کا تعین کریں کہ یہ بچہ ان میں سے کس کا ہے؟ پس قیافہ شناس جس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وہ بچہ اسی کا کہلاتا اور وہ شخص اس بچے کی نسب کا انکار نہ کر سکتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کاموں سے منع فرمایا اور صرف

اس نکاح کو باقی رکھا جو آج مسلمانوں میں رائج ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۷)

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دور حاضر کا ترقی یافتہ طریقہ کار زمانہ جاہلیت کے طریق اور انداز سے ذرہ بھر مختلف نہیں بلکہ اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو مشرکین مکہ اور قبل از اسلام جاہلیت کے علمبردار دور حاضر کے ترقی کے دعویداروں سے ایک قدم آگے تھے کیونکہ وہ ایسے بچے کا باپ معلوم کرنے کے لئے کسی مشینی ٹیسٹ کے محتاج نہیں تھے بلکہ وہ محض قیافہ کی مدد سے یہ کام سر انجام دے دیتے تھے جبکہ ان کے جانشین اور ترقی کے دعویداروں کو ایسی حرامی اولادوں کے باپ کے تعین کے لئے ایک نہیں دسیوں ڈی این اے ٹیسٹ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ الغرض یہ طریقہ کار مشرکین مکہ کی غلیظ سوسائٹی اور متعفن و بدبودار معاشرہ کی میراث ہے اسلام بلکہ کوئی باحیا اور با غیرت انسانی معاشرہ اس کی اجازت نہیں دیتا گو یا اس طریقہ کار سے زنا اور اولد زنا کو قانونی تحفظ دیا جاتا ہے جبکہ اسلام نے ایسی تمام بے حیائی اور بے شرمی کی صورتوں کی شدت سے نفی کی ہے اور زنا جیسی بدکاری کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس پر سخت سزاؤں کا نفاذ واجباً کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر ایسا کوئی مجرم پایا جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس پر سخت سے سخت سزا دی جائے چنانچہ اگر ایسے جرم کا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اسے سو کوڑے لگائے جائیں اور یہ سب کچھ علی رؤس الاشباد ہوتا کہ دوسروں کو اس سے عبرت ہو اور معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کی جڑ اور بنیاد ہی ختم ہو جائے نہ یہ کہ اس کو اچھالا جائے اور بدکار روزنا کاروں کو باپ کا مقام دے کر ایک معصوم پر ولد الزنا ہونے کی تہمت دھری جائے۔ تاہم اگر ایسی کوئی صورت ہو کہ کوئی بدکردار کسی خاتون پر یہ الزام لگائے کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے اور یہ بچہ میرا ہے یا کوئی خاتون فریاد کرے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے اور اس سبب نتیجہ میں یہ حمل ٹھہر گیا ہے تو اس صورت میں بچہ تو اس کا ہوگا جس کے نکاح میں وہ عورت ہے البتہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اس لئے حکم دیا گیا کہ لولد للفران وللعاهر الحجر (ترمذی ج ۲، ص ۱۳۸) بچہ اس کا ہے جس کا نکاح ہے اور زنا کار کے لئے صرف پتھر ہی ہیں۔

اقرار سے نسبت ولد ہونے کا بیان

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لا وارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والا منفر د شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافہ والا بچے کو جس کے ساتھ ملتی کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ صمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد

ہو اور والد اور اس کے قیام کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

مکاتبہ باندی کے ام ولد ہونے کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتِبَةٍ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتِبُ ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ تَصْدِيقُهُ اعْتِبَارًا بِالْأَبِ يَدْعَى وَلَدَ جَارِيَةِ ابْنِهِ.

وَوَحْهُ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ الْمَوْلَى لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ فِي أَكْسَابِ مُكَاتِبِيهِ حَتَّى لَا يَتَمَلَّكَهٗ وَالْأَبُ يَمْلِكُ تَمَلُّكُهُ فَلَا مُعْتَبَرَ بِتَصْدِيقِ الْإِبْنِ.

قَالَ: (وَعَلَيْهِ عَقْرُهَا) لِأَنَّهُ لَا يَتَقَدَّمُ الْمِلْكُ لِأَنَّ مَا لَهُ مِنَ الْحَقِّ كَافٍ لِصِحَّةِ الْإِسْتِيلَادِ لَمَّا نَذَرُوهٗ.

قَالَ: (وَقِيمَةُ وَلَدِهَا) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْمَغْرُورِ حَيْثُ إِنَّهُ اعْتَمَدَ ذَلِيلًا وَهُوَ أَنَّهُ كَسَبَ كَسْبِهِ فَلَمْ يَرْضَ بِرِقِّهِ فَيَكُونُ حُرًّا بِالْقِيمَةِ ثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ (وَلَا تَصِيرُ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ) لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لَهُ فِيهَا حَقِيقَةً كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ (وَإِنْ كَذَبَهُ الْمُكَاتِبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ) لِأَنَّ بَيِّنًا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِهِ (فَلَوْ مَلَكَهُ يَوْمًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ) لِإِقْيَامِ الْمَوْجِبِ وَرَوَّالِ حَقِّ الْمُكَاتِبِ إِذْ هُوَ الْمَانِعُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ.

ترجمہ

اور جب آقا نے اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کی۔ تو اس سے بچہ پیدا ہوا۔ جس پر آقا نے دعویٰ کر دیا ہو تو اگر مکاتبہ اس کی تصدیق کر دے تو آقا سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مکاتبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اس باپ پر قیاس کرتے ہوئے جواب دینے کی باندی کے بچے کا دعویٰ کرے۔ اور خاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ آقا اپنے مکاتبہ کے مال میں تصرف کا حق نہیں رکھتا کیونکہ آقا مکاتبہ کی کمائی کا مالک نہیں ہو سکتا۔ جبکہ باپ بیٹے کی کمائی کا مالک ہو سکتا ہے لہذا بیٹے کی تصدیق کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور آقا پر اس باندی کے جماع کا جرمانہ واجب ہے کیونکہ کہ آقا کی ملکیت جماع سے مقدم نہیں ہے لہذا آقا کو جو حق حاصل ہے وہ استیلا دے کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کریں گے۔

اور آقا پر باندی کے بچے کی قیمت بھی واجب ہوگی کیونکہ آقا دھوکا کھائے ہوئے شخص کی طرح ہے کہ اس نے ایک دلیل پر اعتقاد کر لیا یعنی اس نے اپنی کمائی کو حاصل کر لیا لہذا وہ اس بچے کو غلام بنانے پر راضی نہیں ہوا اس لئے یہ بچہ قیمت کے عوض آزاد ہوگا

اور آقا سے نسب ثابت ہوگا اور وہ باندی جس سے جماع کیا ہے وہ آقا کی ام ولد نہیں ہوگی کیونکہ حقیقت میں اس پر آقا کی ملکیت نہیں جس طرح وہ مغرور میں نہیں ہوتی اور اگر مکاتبہ نسب کے بارے میں آقا کو جھٹل دے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکاتبہ کی تصدیق کی ضرورت نہیں اس کے بعد اگر آقا اس کا مالک ہو تو آقا سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ موجب پایا جا رہا ہے اور مکاتبہ کا حق زائل ہو چکا ہے اور یہی مانع تھا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکاتبہ لونڈی سے مولیٰ وطی نہیں کر سکتا اگر وطی کر چکا تو عقول زم آئیگا اور اگر لونڈی کے مولیٰ سے بچہ پیدا ہو تو اسے اختیار ہے کہ عقد کتابت باقی رکھے اور مولیٰ سے عقولے یا عقد کتابت سے انکار کر کے ام ولد ہو جائے۔ آقا نے مکاتبہ کا مال ضائع کر دیا تو تاوان لازم ہوگا۔ ام ولد کو بھی مکاتبہ کر سکتا ہے اور مکاتبہ کو آزاد کر دیا تو بدس کتابت ساقط ہو گیا۔ (جو ہرہ نیرہ کتاب عقاق)

مکاتبہ واجب ہے یا مستحب؟

اس ضمن میں فقہاء کے مابین یہ اختلاف موجود ہے کہ جب کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کے مالک کے لئے کیا یہ بات ضروری ہے کہ وہ اسے آزادی دے دے یا پھر اس کے لئے یہ شخص ایک مستحب حکم ہے کہ وہ اپنے غلام کو چاہے تو آزادی دے اور چاہے تو نہ دے۔

دور صحابہ میں مکاتبہ واجب ہے یا مستحب ہونے کا معاملہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ دور صحابہ میں تو اس کا کوئی تصور موجود نہ تھا کہ اگر کوئی غلام اپنی آزادی خریدنے کا طالب ہو تو کوئی آقا اسے اس کی آزادی دینے سے انکار کر دے۔ ہر صحابی مکاتبہ کے طالب غلاموں کو فوراً آزادی دے دیا کرتا تھا۔ اشتہائی طور پر صرف دو واقعات ایسے ملتے ہیں جن میں آقا نے غلام کو مکاتبہ دینے سے انکار کیا ہو۔ ایک واقعہ سیدنا صبیح رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا۔

واحتجوا أيضا بان هذه الآية نزلت في غلام لحويطب بن عبد العزى يقال له صبيح

سأل مولاه ان يكتبه فابى عليه فانزل الله تعالى هذه الآية فكتبه حويطب على مائة

دينار ووهب له منها عشرين دينارا فاداهما وقتل يوم حنين في الحرب. (عینی، شرح

البخاری، کتاب المکاتب)

اہل علم نے اس بات سے بھی دلیل حاصل کی ہے کہ (مکاتبہ کی یہ آیت) حویطب بن عبد العزى رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں صبیح کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے آقا سے مکاتبہ کی درخواست کی جس سے انہوں نے انکار کر دیا۔ اس

پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ انہوں نے جو خطب سے سو دینار پر مکاتبت کر لی اور اس میں سے بیس دینار انہیں معاف بھی کر دیے۔ انہوں نے یہ رقم ادا کی۔ یہ صاحب جنگ جنین میں شہید ہو گئے۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سیرین کو آزادی دینے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ خفیہ وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کوڑا لے کر ان پر پل پڑے۔ یہ واقعہ امام بخاری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وقال روح، عن ابن جریج: قلت لعطاء: أوجب علي إذا علمت له مالا أن أكتبه؟ قال: ما أراه إلا واجباً. وقاله عمرو بن دينار: قلت لعطاء: تأثره عن أحد، قال: لا. ثم أخبرني: أن موسى بن أنس أخبره: أن سيرين سأل أنسا المكاتب، وكان كثير المال فأبى، فانطلق إلى عمر رضي الله عنه فقال: كاتبه، فأبى، فضربه بالدرّة وبتلو عمر: (فكاتبوهم إن علمتم فيهم خيراً). فكاتبه. (بخاری، کتاب المكاتب، ترجمة الباب عند حديث (2559)

حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا، "کیا مجھ پر یہ لازم ہے کہ اگر مجھے علم ہو کہ غلام ادائیگی کر سکتا ہے تو اس سے مکاتبت کر لوں؟" وہ کہنے لگے، "میں اسے ضروری تو نہیں سمجھتا۔" عمرو بن دینار نے ان سے کہا، "کیا آپ کو اس معاملے میں کسی صحابی کے قول و فعل کا علم ہے؟" وہ کہنے لگے، "نہیں۔" انہوں نے یہ موسیٰ بن انس کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا:

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس سے) کہا: "مکاتبت کرو۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی، "ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔" اب انس نے مکاتبت کر لی۔ (یہ روایت طبرانی میں متصل سند کے ساتھ موجود ہے۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتبت کے واجب یا مستحب ہونے کا اختلاف پہلی مرتبہ تابعین کے آخری دور میں پیدا ہوا جب بنو امیہ کی ملوکیت پوری طرح مسلم معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے کیا ثابت ہوتا ہے، اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

مکاتبت کو مستحب قرار دینے والوں کی توضیح کا جواب

جو حضرات مکاتبت کو مستحب قرار دیتے ہیں، وہ اس روایت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو جو کوڑے سے مارا، وہ محض ایک بزرگ نے نصیحت کے طور پر کیا۔ یہ قانونی مزانہ تھی بلکہ محض ایک نصیحت ہی تھی۔ ان حضرات نے اپنی اس توجیہ کی صرف یہ دلیل پیش کی ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ اگر وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تو اس سے انکار نہ کرتے۔

ان حضرات سے چند سوالات کرنے کی ہم جرات کریں گے: پہلا سوال یہ ہے کہ اگر سیرین نے محض ایک بزرگانہ نصیحت حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو یہ کام تو وہ مدینہ کے اور بزرگوں سے بھی کروا سکتے تھے، اس کام کے لئے خاص سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہی کیوں کیا گیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مستحب عمل کی ترغیب دینے کے لئے نصیحت کا طریقہ تو یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کو پیار محبت سے سمجھایا جائے۔ کسی کو کوڑے مار کر تو نفل نماز پڑھنے یا نفل روزے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی دین کے کسی لازمی قانون پر عمل نہ کر رہا ہو۔ اگر مکاتبت محض مستحب ہوتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پیار محبت سے یہ بہت ہوتا تو ڈانٹ ڈپٹ کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو سمجھا دیتے۔ کوڑے سے پٹینے کی آثر انہیں کیا ضرورت پیش آگئی تھی جبکہ مخاطب محض ایک نفلی کام ہی ترک کر رہا تھا۔ اس سے متعلق علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں۔

وفيه نظير لا يخفى لأن الضرب غير موجه على ترك المندوب خصوصاً من مثل عمر لمثل أنس رضي الله تعالى عنهما ولا سيما تلا عمر قوله تعالى فكاتبوهم الآية عند ضربه إياه. (عینی، شرح البخاری، کتاب المكاتب)

اس میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ایک مستحب امر کے ترک کرنے پر خاص طور پر مارا تو نہیں جاتا جیسا کہ سیدنا عمر نے انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ انہیں مارتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ان سے مکاتبت کرو" تلاوت کر رہے تھے (جس کا معنی یہی ہے کہ وہ مکاتبت کو واجب سمجھتے تھے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی مکاتبت کو واجب سمجھا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ حافظ ابن حجر کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

واستدل بفعل عمر على أنه كان يرى بوجوب الكتابة إذا سألها العبد لأن عمر لما ضرب أنسا على الامتناع دل على ذلك وليس ذلك بلازم لاحتمال أنه أدبه على ترك المندوب المؤكد وكذلك ما رواه عبد الرزاق أن عثمان قال لمن سأله

الکتاب لولا آية من كتاب الله ما فعلت فلا يدل ايضا على انه كان يرى الوجوب ونقل بن حزم القول بوجوبها عن مسروق والضحاك .

(ابن حجر عسقلانی؛ فتح الباری شرح البخاری؛ کتاب المکاتب)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو غلام کی طلب پر کتابت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو اس بات پر جو مارا تھا، وہی اس بات کی دلیل ہے کہ مکاتبت واجب ہے۔ اس میں یہ احتمال نہیں ہے کہ انہوں نے ایک مستحب موکد کو ترک کرنے پر انہیں مارا ہوگا۔ یہی بات عبدالرزاق نے روایت کی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے جب کتابت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا، "اگر اللہ کی کتاب میں یہ آیت نہ ہوتی تو (شید) میں ایسا نہ کرتا۔" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی اسے واجب سمجھتے تھے۔ ابن حزم نے مسروق اور ضحاک (تابعین) سے اس کے واجب ہونے کی رائے نقل کی ہے۔

ابن حزم (d. 456H) نے اہل کی کتاب الکتابہ میں مکاتبت کے واجب ہونے پر تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں نے اپنے درائل پیش کرتے ہوئے اسے واجب قرار دیا ہے۔ انہوں نے مکاتبت کو مستحب قرار دینے واووں پر کڑی تنقید کی ہے اور اسے کتاب اللہ کے خلاف قرار دیا ہے۔

غلاموں کے مال کا بیان

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے غلام آزاد کیا اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا، تو وہ مال غلام ہی کا ہوگا سوائے اس کے کہ لک (مکاتبت کی) شرط لگا لے تو وہ مال اسی کا ہو جائے گا۔

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، ثنا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرَمِيُّ، ثنا الْمُطَّلِبُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ جَدِّهِ عُمَيْرٍ، وَهُوَ مَوْلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ قَالَ لَهُ: يَا عُمَيْرُ إِنِّي أَعْتَقْتُكَ عِتْقًا هَبْنِيَا، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ غُلَامًا، وَلَمْ يُسَمِّ مَالَهُ، فَالْمَالُ لَهُ) فَأَخْبَرَنِي مَا مَالُكَ؟

(ابن ماجہ، کتاب العتق؛ حدیث (2530)

عمیر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے عمیر سے کہا، "اے عمیر! میں تمہیں اپنی خوشی سے آزادی دے رہا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، جو شخص بھی غلام آزاد کرے اور اس کے مال کا ذکر نہ کیا جائے، تو مال غلام ہی کا ہے۔" یہ تو بتاؤ تمہارے پاس مال ہے کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کے فوت ہو جانے پر اس کا کوئی وارث نہ ہونے کی صورت میں غلام ہی کو وارث

بھی بنایا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا سفيان عن عمرو عن عوسجة عن ابن عباس: رجل مات على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يترك وارثا إلا عبدا هو اعتقه فأعطاه ميراثه. (مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا تھا جسے اس نے آزادی دے دی تھی۔ حضور نے اس شخص کی میراث بھی غلام کو دلا دی۔

یہ تمام احادیث اس بات کی شہادت پیش کرتی ہیں کہ غلاموں کو مال رکھنے اور اسے استعمال کرنے کی جازت دے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مال غنیمت میں سے غلاموں کو جو حصہ ملتا تھا وہ بھی انہی کا مال ہوا کرتا تھا۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا أبو النضر عن ابن أبي ذئب عن القاسم بن عباس عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطي المرأة والمملوك من الغنائم ما يصيب الجيش. (مسند احمد، باب ابن عباس)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر کو جو بھی مال غنیمت ملتا تھا، آپ اس میں سے خواتین اور غلاموں کو بھی حصہ دیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَيْبٍ، عَنْ خَالِهِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي قُرَّةٍ، قَالَ: قَسَمَ لِي أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ كَمَا قَسَمَ لِسَيِّدِي. (ابن ابی شیبہ، حدیث (33889)

حضرت ابو قرہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیسا میرے آقا کو غنیمت میں سے حصہ دیا وہی مجھے بھی دیا۔ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ جَبَابٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي ذَيْبٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِطَبِيبَةٍ خَرَجَ، فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ، وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ أَبِي يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ. (ابن ابی شیبہ، حدیث (33895)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غنیمت کے مقام پر خزانہ لائی گئی۔ آپ

نے اسے ایک آزاد اور ایک لونڈی میں تقسیم کر دیا۔ میرے والد (ابوبکر) بھی آزاد اور غلام دونوں کو حصہ دیا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے جب ان کے غلام سیرین نے مکاتبت طسب کی تو سیرین کے پاس کثیر تعداد میں اس موجود تھا۔

ان سیرین سائل انسا المکاتبۃ، وکان کثیر المال فابی، فانطلق الی عمر رضی اللہ

عنه فقال: کاتبہ، فابی، فضربه بالدرۃ ویتلو عمر: (فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا)۔

فکاتبہ (بخاری، کتاب المکاتب، ترجمۃ الباب عند حدیث (2559)

حضرت سیرین (جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے) کے پاس کثیر مال موجود تھا۔ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے

مکاتبت کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ یہ معاملہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں لے گئے۔ انہوں نے (انس

سے) کہا: "مکاتبت کرو۔" انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درے سے مارا اور یہ آیت تلاوت کی،

"ان سے مکاتبت کرو اگر تم ان میں بھلائی دیکھتے ہو۔" اب انس نے مکاتبت کر لی۔

ان احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں غلاموں کے پاس

مال ہوا کرتا تھا اور وہ ان کے مالک ہی سمجھے جاتے تھے۔

حضرت سیرین نے جو کثیر مال کمایا تھا، وہ اسی کے ذریعے اپنی مکاتبت خریدنا چاہتے تھے۔ اگر غلام اپنے مال کا مالک نہ ہوتا

اور اس کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ ان سے وہ مال لے لیتے اور کہہ دیتے کہ "یہ تو میرا ہی ہے، جو جا کر مزید کم کر لاؤ اور پھر مکاتبت کی بات کرنا۔" سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس مال کی کوئی بات نہیں کی۔

سیرین کے پاس اتنا مال تھا کہ 40,000 درہم بطور مکاتبت ادا کرے وہ آزاد ہوئے اور اس کے بعد انہوں نے بصرہ کے نواح

میں زرعی زمین کا ایک بڑا ٹکڑا خریدا اور اس پر ایک زرعی فارم بنا کر اپنے بیوی بچوں کو وہاں آباد کیا۔ ان کے بچوں میں محمد بن سیرین

رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ کے فقیہ کا درجہ حاصل کیا۔

بنو عباس کے دور میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے ہیں، کسی فقیہ پر نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔ فقہ کے تمام ائمہ اس بات پر متفق

ہیں کہ اگر ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو تو اسے دیوار پر دے مارا جائے۔

غلام کے مال رکھنے کے حق پر چند شبہات اور ان کا جواب

غلام کے لئے مال رکھنے کے حق پر جو سب سے بڑا شبہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ حدیث ہے:

"من باع عبدا وله مال فمالہ للبائع الا ان یشرطہ المبتاع۔"

جس کے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال تھا تو مال بیچنے والے مالک کا ہوگا سوائے اس کے کہ

خریدار شرط لگا دے۔

اس حدیث پر غور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں "مال" سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ غلام کے ذاتی مال کی بات ہو رہی

ہے یا کسی اور مال کی۔

اس حدیث سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غلام، اپنے مال کا مالک نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے مال کا مالک اس کا آقا

ہے۔ یہ حضرات نہایت ہی شدت پسندی سے کام لیتے ہوئے اس کے بعد غلام کے لئے اپنے باپ کی وراثت سے حاصل ہونے

والے مال کو بھی اس کا حق قرار نہیں دیتے بلکہ اسے اس کے آقا کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔

ان فقہاء کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم صرف اتنا کہنے کی جسارت کریں گے کہ ان کا یہ قول اور بیان کردہ ان تمام

احادیث کے خلاف ہے جن میں غلام کے مال رکھنے کے حق کی اجازت دی گئی ہے۔ ان حضرات کو یہ غلط فہمی دراصل اس وجہ سے پیدا

ہوئی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اس کے موقع محل اور سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس حدیث کے

مزید طرق اکٹھے کیے جائیں تو ایک مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ یہ حدیث ایک عمومی حکم نہیں ہے بلکہ ایک خاص مقدمے کے

نیلے سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے اس حدیث کی دیگر روایات پر غور کیجیے۔

وهو من حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وله عنہ طرق. الأولى: عن

سالم بن عبد اللہ عن أبیہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "من

ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع الا ان یشرط المبتاع، ومن ابتاع عبدا، وله

مال، فمالہ للذی باعہ الا ان یشرط المبتاع" (بخاری، کتاب المساقاة، حدیث

(2379)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے پیوند

کاری کرنے کے بعد کھجور کا درخت خریدا تو اس درخت کا پھل بیچنے والے کا ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔ اسی طرح

جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو اس کا مال اسی کا ہوگا جس نے اسے بیچا تھا سوائے اس

کے خریدار شرط لگا دے (کہ یہ مال میرا ہوگا)۔

مسند احمد کی روایت میں صورتحال مزید واضح ہو جاتی ہے۔

قال عبد اللہ وجذت فی کتاب ابی انا الحکم بن موسی قال عبد اللہ وثناء الحکم بن

موسی ثنا یحیی بن حمزہ عن ابی وہب عن سلیمان بن موسی أن نافعاً حدثہ عن عبد

اللہ بن عمر وعطاء بن ابی رباح عن جابر بن عبد اللہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَلَهُ مَالُهُ وَعَلَيْهِ دَيْنُهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ (مسند

احمد بن حنبل، باب ابو سعید خدری)

حضرت عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔"

اس روایت سے پوری صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ عہد رسالت میں بہت سے غلام اپنے آقاؤں کے بزنس منیجر ہوا کرتے تھے۔ جب ان کے آقا ان کی خدمات کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے تو بسا وقت غلام کے ساتھ اس کے مالک کا روپ بھی خریدار کی طرف منتقل ہو جایا کرتا تھا۔

اس وقت ایک ایسا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لایا گیا جس میں کاروبار کی منتقلی کی شرط خریدار کی جانب سے نہیں لگائی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصد دیا کہ اگر کوئی شرط موجود نہ ہو تو اس کا روپار کے تمام اثاثے اور قرضے (Assets & Liabilities) پہلے مالک کے ہوں گے کیونکہ یہ اسی کا روپار تھا۔ ہاں اگر خرید و فروخت کے وقت شرط لگا دی گئی ہو تب یہ کاروبار بھی غلام کے ساتھ ہی نئے آقا کو منتقل کر دیا جائے گا۔ اس میں کہیں بھی غلام کے ذاتی مال کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔ امام بیہقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن إسحاق الصنعاني ثنا الحكم بن موسى ثنا يحيى بن حمزة عن أبي وهب عن سليمان بن موسى أن نافعاً حدثه عن عبد الله بن عمر وعطاء بن أبي رباح عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من باع عبداً وله مال فله ماله وعليه دينه إلا أن يشترط المبتاع ومن أبر نخلاً فباعه بعد توبيره فله ثمرته إلا أن يشترط المبتاع وهذا إن صح فإسما أراد والله أعلم العبد المأذون له في التجارة إذا كان في يده مال وفيه دين يتعلق به فالسيد يأخذ ماله ويقضى منه دينه (بيہقی سنن الکبری، کتاب الطہارۃ، باب الولی یخلط ماله بمال الیتیم وهو یرید إصلاح ماله بمال نفسه،

حدیث (10786)

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جس نے کسی غلام

کی خدمات فروخت کیں اور اس غلام کے پاس مال بھی تھا تو مال بیچنے والے کا ہوگا اور اس کے قرض کی ادائیگی مالک کے ذمے ہوگی سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔ اسی طرح اگر بیوند کاری کے بعد کسی نے درخت بیچا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ خریدار شرط لگا دے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا غلام جسے اس کے آقا نے تجارت کی اجازت دی ہے اور (اس کی خدمات کی منتقلی کے وقت) اس کے ہاتھ میں (تجارتی) مال ہے اور اس پر کوئی (کاروباری) قرض بھی ہے تو اس کا تعلق پہلے آقا سے ہو گا۔ وہ یہ مال لے لے گا اور اس سے (کاروباری) قرضے ادا کر دے گا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں جس مال کی بات ارشاد فرمائی تھی، اس کا کوئی تعلق غلام کے مال سے نہیں تھا بلکہ آقا کے اس مال سے تھا جسے اس نے تجارت میں لگا کر اس کا ذمہ دار غلام کو بنایا تھا۔ یہ معاملہ بالکل کھجور کے پھل کا ساتھ جس پر ساری محنت پہلے آقا نے کی تو اس کا پھل بھی اسی کا ہونا چاہیے۔ اس تفصیل کے بعد اس حدیث کو غلام کے مال رکھنے کے حق کے خلاف پیش کرنا نہایت ہی نامعقولیت ہوگی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی حدیث سے فقہ کے ایک بڑے امام بھی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غلام کو مال رکھنے کی اجازت ہے۔

وقال مالك وأصحابه يملك ماله كما يملك عصمة نكاحه وجائز له التسرى

فيما ملك وحجتهم قول رسول الله صلى الله عليه وسلم من باع عبداً وله مال

فأضاف المال إليه وقال الله عز وجل فانكحوهن باذن أهلهن وآتوهن أجورهن

بالمعروف فأضاف أجورهن إليهن إضافة تمليك (ابن عبد البر، التمهيد)

حضرت امام مالک اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ غلام اپنے مال کا مالک بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ نکاح کے ذریعے اپنی عصمت کا مالک ہوتا ہے اور اس کے لئے لونڈی رکھنا بھی درست ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "جس نے غلام کی خدمات فروخت کیں اور اس کا مال تھا۔" اس میں مال کا تعلق اس غلام سے جوڑا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، "ان کے گھر والوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو۔" اس میں بھی اضافت کا صیغہ ملکیت کے لئے ہے۔

مکاتب غلام ہے یا آزاد؟

بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مکاتب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، وہ غلام ہی رہے گا اور اگر وہ رقم ادا کرنے سے عاجز آجائے تو اسے دوبارہ غلام بنا دیا جائے گا۔ یہ نقطہ نظر صریح احادیث کے خلاف ہے۔ چند احادیث و آثار ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن قال حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن نبهان مولى
أم سلمة عن أم سلمة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان عند مكاتب
إحداكن ما يؤدى فلتحتجب منه قال أبو عيسى هذا حديث حسن صحيح
(ترمذی، کتاب البیوع، حدیث (1261)

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا (جنہوں نے اپنے غلام سے مکاتب کر لی تھی) کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا، "جب تم میں کوئی مکاتب کرے اور اس نے پوری ادائیگی نہ بھی کی ہو تب بھی اس سے چھپ کر۔"

حدثنا هارون بن عبد الله البزار حدثنا يزيد بن هارون أخبرنا حماد بن سلمة عن
أيوب عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا أصاب
المكاتب حدا أو ميراثا ورث بحساب ما عتق منه وقال النبي صلى الله عليه وسلم
يؤدى المكاتب بحصة ما أدى دية حر وما بقى دية عبد . (ترمذی، کتاب البیوع،
حدیث 1259، مستدرک حاکم، (2865-2866)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اگر مکاتب کو (کسی جرم میں)
سزا دی جائے یا اسے (مالک کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے) وارثوں کے حوالے کیا جائے تو ایسا کرتے ہوئے اس کا
معدلہ اس کی آزادی کے تناسب سے کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، "اگر مکاتب کو کسی حادثے میں نقصان پہنچا ہو تو اس کی دیت
کی ادائیگی اس حساب سے کی جائے گی کہ اس نے جتنے (فیصد مکاتب کی رقم) ادا کی ہو، اسے اتنے (فیصد) آزاد سمجھا جائے گا
اور جتنے (فیصد) باقی ہو، غلام سمجھا جائے گا۔"

مکاتب کے حقوق و فرائض کے بارے میں اگر تمام روایات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم مکاتب کو وہ اکثر
حقوق دیے گئے ہیں جو کسی آزاد شخص کو حاصل تھے لیکن اس پر وہ ذمہ داریاں جیسے زکوٰۃ، حج، جہاد اور حکومتی جرمانے وغیرہ کے معاملے
میں عائد نہیں کی گئیں جو کہ آزاد افراد پر عائد کی گئی تھیں۔

حدثنا عبد الباقي بن قانع وعبد الصمد بن علي قالنا الفضل بن العباس الصواف ثنا
يحيى بن غيلان ثنا عبد الله بن بزيق عن بن جريج عن أبي الزبير عن جابر قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس في مال المكاتب زكاة حتى يعتق . (دارقطنی،
سنن، کتاب الزکوٰۃ)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "مکاتب کے مال میں کوئی زکوٰۃ
نہیں ہے جب تک وہ مکمل آزاد نہ ہو جائے۔"
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض تو اس بات کے قائل تھے کہ مکاتب کرتے ہی غلام آزاد ہو جاتا ہے اور کی حیثیت سابقہ
مالک کے مقروض کی سی ہو جاتی ہے اور بعض اسے ادائیگی کے تناسب سے آزاد قرار دیتے تھے۔

عند ابن عباس فإنه يعتق بنفس العقد وهو غريم المولى بما عليه من بدل الكتابة
وعند علي رضي الله تعالى عنه يعتق بقدر ما أدى . (عینی، عمدة القاری شرح
البخاری)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ معاہدہ کرتے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ اب وہ اپنے سابقہ مالک کا
مقروض ہے کیونکہ اس پر مکاتب کی رقم کی ادائیگی لازم ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ جتنی رقم ادا کر دے، اسی
تناسب سے آزاد ہو جاتا ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ قانون بنا دیا تھا کہ اگر مکاتب نصف رقم کی ادائیگی کر چکا ہو اور اس کے بعد وہ باقی رقم ادا
نہ بھی کر سکے تب بھی اسے غلامی کی طرف نہ لوٹایا جائے گا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْمَسْعُودِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ
سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: إِنَّكُمْ تُكَاتِبُونَ مُكَاتِبِينَ، فَإِذَا أَكْدَى النِّصْفَ فَلَا رَدَّ عَلَيْهِ فِي
الرُّقِّ. (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (20960)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "تم لوگ مکاتب کرتے ہو، جب مکاتب آدھی رقم ادا کر دے تو پھر اسے غلامی کی
طرف نہ لوٹایا جائے گا۔"

یہی بات سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ نصف رقم کی ادائیگی کے بعد مکاتب آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی
حیثیت ایک مقروض شخص کی ہو جایا کرتی ہے۔ (مسند ابن الجعد)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مکاتب کا مالک کسی اور شخص سے رقم لے کر مکاتب کی بقیہ
اقساط کو کسی اور شخص کی طرف منتقل کر دے۔ ہاں اگر وہ خود اس کی اجازت دے دے تو اسے منتقل کیا جاسکتا ہے۔

حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ كَانَ
يُكْرَهُ بَيْعَ الْمُكَاتِبِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (23054)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکاتب کے منتقل کئے جانے کو سخت ناپسند کیا کرتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مکاتیب کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ پوری رقم کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے بچے ہوں تو وہ بچے آزاد ہی قرار پائیں گے۔ (بیہقی، معرفۃ السنن و الآثار، کتاب المکاتیب)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ اگر مکاتیب رقم ادا کرنے سے عاجز ادا آجاتے تو وہ انہیں با محوم رقم معاف کر کے آزاد کر دیا کرتے تھے۔

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَحْمَرَ بْنِ أَبِي الْخَسَنِ وَأَبُو زَكْرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ: مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ أَبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ أَبَانَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَاتَبَ غُلَامًا لَهُ يُقَالُ لَهُ شَرَفًا بَارِعِينَ أَلْفًا فَخَرَجَ إِلَى الْكُوفَةِ فَكَانَ يَعْمَلُ عَلَى حُمْرٍ لَهُ حَتَّى أَكْدَى خُمُسَةَ عَشَرَ أَلْفًا فَجَاءَهُ إِنْسَانٌ فَقَالَ مَجْنُونٌ أَنْتَ هَاهُنَا تُعَذِّبُ نَفْسَكَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَشْتَرِي الرَّفِيقَ يَمِينًا وَشِمَالًا ثُمَّ يَعْتَقُهُمْ أَرْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ قَدْ عَجَزْتُ فَجَاءَ إِلَيْهِ بِصَحِيفَتِهِ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَدْ عَجَزْتُ وَهَذِهِ صَحِيفَتِي فَأَمَحُهَا فَقَالَ لَا وَلَكِنْ أَمَحُهَا إِنْ شِئْتَ فَمَحَاهَا ففَاضَتْ عَيْنَا عَبْدَ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَذْهَبَ فَأَنْتَ حُرٌّ قَالَ أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنُ إِلَيَّ ابْنِي قَالَ هُمَا حُرَّانِ قَالَ: أَصْلَحَكَ اللَّهُ أَحْسِنُ إِلَيَّ أُمِّي وَلَكَدَى قَالَ هُمَا حُرَّانِ فَأَعْتَقَهُمْ خَمْسَتَهُمْ جَمِيعًا فِي مَقْعَدٍ. (بیہقی، معرفۃ السنن و الآثار، کتاب المکاتیب)

حضرت زید بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عبداللہ بن عمر نے ایک غلام، جس کا نام شرف تھا، سے 40,000 درہم پر مکاتیب کی۔ وہ کوئٹہ کی جانب نکل گیا اور وہاں وہ اسفلٹ کا کام کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے 15,000 درہم ادا کر دیے۔ اس کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا، "تم عجیب پاگل آدمی ہو، یہاں تم سخت محنت کر رہے ہو جبکہ عبداللہ بن عمر تو دھرا دھر سے غلام خریدتے ہیں اور اسے آزاد کر دیتے ہیں۔ تم ان کے پاس جاؤ اور کہو، میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔"

(اب وہ واپس ان کے پاس آیا اور اس کے طلب کرنے پر) اس کے پاس اس کی مکاتیب کا معاہدہ لایا گیا۔ وہ کہنے لگا، اے ابوعبدالرحمن! میں رقم ادا کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ یہ میرا معاہدہ ہے، اسے مٹا دیجیے۔ "آپ نے فرمایا، نہیں، ہاں تم ہی غلام رہنا چاہتو تو میں اسے مٹا دوں گا۔" جب معاہدہ مٹایا گیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہم نے فرمایا، "جاؤ، تم آزاد ہو۔" وہ کہنے لگا، "اللہ آپ کے ساتھ بھلائی کرے، میرے دونوں بیٹوں پر بھی احسان کیجیے۔" فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" کہنے لگا، "میرے دونوں بچوں کی ماؤں پر بھی احسان کیجیے۔" آپ نے فرمایا، "وہ دونوں بھی آزاد ہیں۔" اس طرح آپ نے بیٹھے بیٹھے وہیں ان پانچوں کو آزاد کر دیا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکاتیب کا اسٹیٹس آزاد اور غلام کے درمیان ہے۔ اسے آزاد شخص کے سے بہت سے حقوق حاصل ہوں گے لیکن اس پر ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو غلام کی ہوں گی۔ اس ضمن میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

والمکاتیب عبد ما بقى عليه درهم.

مکاتیب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے۔ یہ مکمل حدیث نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری بات کا ایک ٹکڑا ہے جس سے غلط طور پر ایک قانون اخذ کر لیا گیا ہے۔ یہاں پر دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکاتیب کے حقوق کی نہیں بلکہ اس کے فرائض کی بات کر رہے ہیں۔ اس کا فتنایہ ہے کہ مکاتیب پر جب تک ایک درہم بھی باقی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں غلام کی طرح کی جاتی ہے۔ اس پر نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد، جرم ماندہ اور جزیہ واجب نہیں ہوں گے۔ فقہ کے جلیل القدر ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام احمد بن حنبل کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے ابن قیم لکھتے ہیں:

قال: أبو طالب سألت أبا عبد الله عن العبد النصراني عليه جزية قال: ليس عليه جزية. وقال: في موضع آخر قلت فالعبد ليس عليه جزية لنصراني كان أم لمسلم كما قال: أبو محمد رضي الله عنه. وقال: عبد الله بن أحمد سألت أبا عن رجل مسلم كاتب عبدا نصرانيا هل تؤخذ من العبد الجزية من مكاتبته؟ فقال: إن العبد ليس عليه جزية والمکاتیب عبد ما بقى عليه درهم. (ابن قیم، احکام اهل الذمۃ)

حضرت عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ایسے سمان کے بارے میں پوچھا جس نے اپنے عیسائی غلام کو مکاتیب دی ہوئی ہو تو کیا ایسی صورت میں اس غلام سے دوران مکاتیب جزیہ لیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا، "غلام کے ذمے جزیہ کی ادائیگی نہیں ہوگی کیونکہ مکاتیب کے ذمے جب تک ایک درہم بھی باقی ہو، وہ غلام ہی سمجھا جائے گا۔" صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ مکاتیب پر ذمہ داریوں میں اسی طرح کی جاری رکھی جائے گی جیسے کہ دین میں غلام پر ذمہ داریوں میں کی رکھی گئی ہے لیکن اسے وہ حقوق حاصل ہوں گے جو آزاد شخص کو حاصل ہوا کرتے ہیں۔

کیا اسلام میں غلام کا فرار ہونا حرام ہے؟

فقہاء کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ ایک مسلمان غلام کے لئے فرار ہو کر اپنے مالک سے چھٹکارا پانا جائز نہیں ہے۔ وہ اسے گناہ کبیرہ قرار دیتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة . حدثنا حفص بن غياث، عن داود، عن الشعبي، عن جريرو، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "أيما عبد أبق فقد برئت منه الذمة . "(مسلم، كتاب الايمان، حديث (229)
حضرت سیدنا جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو غلام بھی فرار ہو جائے، وہ ذمہ داری سے نکل گیا۔"

حدثنا يحيى بن يحيى . أخبرنا جرير عن مغيرة، عن الشعبي، قال : كان جرير بن عبد الله يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : "إذا أبق العبد لم تقبل له صلاة . "(مسلم، كتاب الايمان، حديث (230)

حضرت سیدنا جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب غلام فرار ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

یہ صحیح احادیث ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے کے جو احکام جاری فرمائے تھے، اس کے بعد کسی غلام کو فرار ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو غلام آزادی کا طالب ہوتا، وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر سکتا تھا اور اس کی رقم کی ادائیگی کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کر سکتا تھا۔ جس غلام کو آزادی کی خواہش نہ ہوتی، اس کے حقوق کی ادائیگی اس کے آقا کے ذمہ تھی۔ حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ غلاموں کو ان کے حقوق دلوائے۔

ان حالات میں غلام اگر فرار ہوتا تو اس کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہ تھا کہ وہ مسلم کیونٹی میں رہنا نہیں چاہتا۔ ایسی صورت میں مسلم کیونٹی اس کی ذمہ داریوں کی پابند کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ اس تفصیل کو مد نظر رکھا جائے تو غلام کے لئے فرار ہونے کی یہ ممانعت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی غلام کسی ایسے معاشرے میں موجود ہو، جہاں اس کا آقا اس پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہو اور حکومت اس ضمن میں اس کی کوئی مدد کرنے کو تیار نہ ہو تو کیا اس غلام کے لئے فرار ہونا بھی حرام ہوگا؟ اس کا جواب بھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے مل جاتا ہے۔ آپ کے عہد میں اپنے آقاؤں کے ظلم و ستم کے ستارے ہوئے غلام جب فرار ہو کر مدینہ آ جایا کرتے تھے تو انہیں نہ صرف مسلم معاشرے میں قبول کر لیا جاتا تھا بلکہ انہیں فوراً ہی آزادی دے دی جاتی تھی اور ان کی "ولاء" کا تعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم کیا جاتا تھا۔

حدثنا إبراهيم بن موسى : أخبرنا هشام، عن ابن جريج، وقال عطاء ، عن ابن عباس :

كان المشركون على منزلتين من النبي صلى الله عليه وسلم والمؤمنين : كانوا مشركي أهل حرب، يقاتلهم ويقاتلونهم، ومشركي أهل عهد، لا يقاتلهم ولا يقاتلونهم، وكان إذا هاجرت امرأة من أهل الحرب لم تخطب حتى تحيض وتطهر، فإذا طهرت حل لها النكاح، فإن هاجر زوجها قبل أن تنكح ردت إليه، وأن هاجر عبد منهم أو أمة فهما حران ولهما ما للمهاجرين، ثم ذكر من أهل العهد مثل حديث مجاهد : وأن هاجر عبد أو أمة للمشركين أهل عهد لم يردوا، وردت أثمانهم . (بخاری، كتاب النكاح، حديث (5286)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین کا مشرکین سے معاملہ دو طرح کا تھا۔ بعض مشرکین "اہل حرب" تھے۔ وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ دوسری قسم کے مشرکین "اہل عہد" تھے۔ نہ تو وہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور نہ ہی مسلمان ان سے جنگ کرتے۔ اگر اہل حرب کی کوئی خاتون (مسلمان ہو کر) ہجرت کر تیں تو انہیں حیض آنے اور پھر پاک ہونے تک نکاح کا پیغام نہ بھیجا جاتا تھا۔ جب وہ پاک ہو جاتیں تو ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جاتا تھا۔ اگر نکاح کرنے سے پہلے ان کا خاوند بھی (مسلمان ہو کر) ہجرت کر کے آ پہنچتا تو ان کا رشتہ برقرار رکھا جاتا۔

اگر اہل حرب کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں آزاد قرار دے دیا جاتا اور ان کا درجہ مہاجرین کے برابر ہوتا۔۔۔ اور اگر اہل عہد کے کوئی غلام یا لونڈی ہجرت کر کے آ جاتے تو انہیں واپس لوٹا یا نہ جاتا لیکن ان کی قیمت ان کے مالکان کو بھیج دی جاتی۔

اسی اصول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا معاہدہ طے پا جانے سے پہلے آنے والے دو غلاموں کو آزادی عطا فرمائی۔

حدثنا عبد العزيز بن يحيى الحراني، قال : حدثني محمد يعني ابن سلحة عن محمد بن إسحاق، عن أبان بن صالح، عن منصور بن المعتمر، عن ربيعة بن جراح، عن علي بن أبي طالب قال : خرج عبدان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني يوم الحديبية قبل الصلح، فكتب إليهم مواليتهم فقالوا : يا محمد، والله ما خرجوا إليك رغبة في دينك، وإنما خرجوا هرباً من الرق، فقال ناس : صدقوا يا رسول الله رُدَّهم

إلھم، فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال: "ما أراکم تنتھون یا معشر قریب حتی یبعث اللہ (عزوجل) علیکم من یضرب رقابکم علی هذا" وابی ان یردھم، وقال: "ھم عتقاء اللہ عزوجل". (ابو داؤد، کتاب الجھاد، حدیث (2700)

حضرت سیدنا بنی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے (اہل مکہ کے) دو غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ گئے۔ ان کے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور کہا، "اے محمد! خدا کی قسم یہ آپ کے دین سے رغبت کے باعث آپ کے پاس نہیں آئے۔ یہ تو محض آزادی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔" لوگ کہنے لگے، "یا رسول اللہ! ان کے مالک درست کہہ رہے ہیں۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیجیے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، "اے گروہ قریش! میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کام (یعنی غلامی کو برقرار رکھنے) سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ عزوجل تمہاری طرف کسی ایسے کو نہ بھیجے جو تمہاری گردنوں پر ضرب لگائے۔" آپ نے انہیں واپس کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "وہ اللہ عزوجل کی رضا کے لئے آزاد ہیں۔"

اسی اصول پر آپ نے طائف کے محاصرے کے وقت اعلان فرمادیا تھا کہ اہل طائف کے غلاموں میں سے جو آزادی کا طالب ہو، وہ ہماری طرف آ جائے۔

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا یحییٰ بن زکریا حدثنا الحجاج عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال: لما حاصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اهل الطائف اعتق من رقیقھم. (مسند احمد، باب عبد اللہ بن عباس، مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (34283)

حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا تو ان کے غلاموں میں سے (ان غلاموں کو جو مسلمانوں کی طرف آ گئے تھے) آزاد فرمادیا۔ مشہور مستشرق ولیم میور اس اعلان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجی جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اس اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے۔ (ولیم میور، The life of ohed) اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے فرو کرنے کی حرمت صرف اسی صورت میں ہے جب وہ ایسے معاشرے میں موجود ہو جہاں اس کی آزادی کے قانونی راستے کھلے ہوئے ہوں اور اس پر ظلم و ستم نہ کیا جاتا ہو۔

﴿خلافت راشدہ کی جنگی مہمات میں غلاموں سے حسن سلوک﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین (بشمول عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ) کے طرز عمل سے متعلق تاریخی روایات کا جائزہ لیا جائے تو قیدیوں کے بارے میں ان کے یہ اقدامات سامنے آتے ہیں:

عمومی طور پر خلفاء راشدین "اما هنا او اما هناك" کے اصول کے تحت جنگی قیدیوں کو بدلہ معاوضہ یا پھر کچھ معاوضہ لے کر رہا کر دیا کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قیدی کا فدیہ 400 درہم مقرر کیا گیا۔ بسا اوقات اس میں کمی بیشی بھی کی گئی۔ (عمری، عصر الخلافة الراشدة)

جنگی قیدیوں کا تبادلہ دشمن کی قید میں موجود اسلامی ریاست کے قیدیوں سے کیا جاتا تھا۔ بعض موقعوں پر استثنائی طور پر جنگی قیدیوں کو غلام بھی بنایا گیا لیکن یہ معاملہ عارضی طور پر تھا۔ حکومت کی اطاعت قبول کر لینے پر ان جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔

اسلامی ریاست کے جو شہری جنگی قیدی بن کر دشمن کی غلامی میں چلے جاتے، خواہ وہ مذہباً مسلمان ہوں یا نہ ہوں، انہیں بیت المال سے رقم ادا کر کے آزاد کروایا جاتا تھا۔ اگر وہ قیدی جنگ کے ذریعے دوبارہ مسلمانوں کے پاس آ جاتے تو انہیں فوراً آزاد کر دیا جاتا تھا۔

غلام نہ بنانے میں اسلامی خدمات کا بیان

اس تمام اقدامات کی مثالوں کے لئے یہ روایات ملاحظہ فرمائیے۔

قال شافعی: ولا نعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبی بعد حنین احدا. ولا نعلم ابابکر سبی عربیا من اهل الردة. ولكن اسرهم ابوبکر حتی خلاصهم عمر. (بیہقی، معرفة السنن والآثار، کتاب السیر، حدیث (17966)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، "ہمارے علم میں نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے بعد کسی کو غلام بنایا ہو۔ نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جنگوں میں کسی عرب کو غلام بنایا ہو۔ ابوبکر نے انہیں قید نہ کیا۔ (یہ لوگ قید میں رہے) یہاں تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أْتَى بِسَبْيٍ فَأَعْتَقَهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجھاد، حدیث (33889)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جنگی قیدی لائے گئے، انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: كُلُّ أَسِيرٍ كَانَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِينَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَفِي كَاكِهِ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33937))

حضرت سیدنا ابن عباس روایت کرتے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا، "ہر وہ مسلمان قیدی جو مشرکین کے پاس ہے، اس کا فدیہ مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لِأَنَّا اسْتَقْدَرْنَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ حِزْبَةِ الْعَرَبِ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33928))

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، "اگر میں مسلمانوں کے ایک شخص کو بھی دشمن کی قید سے آزاد کرواؤں تو یہ میرے لئے پورے عرب کے جزیہ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَرِيكٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ غَالِبٍ، قَالَ: سَأَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ عَنْ أَهْلِ الدِّمَةِ، فَيُؤَسَّرُ؟ قَالَ: فَفِي كَاكِهِ مِنْ خَوَاجِ أَوْلِيكَ الْقَوْمِ الَّذِينَ قَاتَلَ عَنْهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33938))

حضرت ابن زبیر نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو (غیر مسلم) اہل ذمہ میں سے ہو اور قیدی بنایا گیا ہو۔ انہوں نے فرمایا، "اس کا فدیہ مسلمانوں کے خراج (بیت المال) میں سے ادا کیا جائے گا کیونکہ وہ انہی کی طرف سے جنگ کر رہا تھا۔"

حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا أُتِيَ بِأَسِيرٍ يَوْمَ صِفِّينَ، أَخَذَ دَابَّتَهُ، وَأَخَذَ سِلَاحَهُ، وَأَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَعُودَ، وَخَلَّى سَبِيلَهُ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33944))

حضرت ابو جعفر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جنگ صفین کا ایک قیدی لایا گیا۔ آپ نے اس کا جانور اور اسلحہ لے لیا اور اس سے یہ وعدہ لے کر اسے آزاد کر دیا کہ وہ دوبارہ آپ سے جنگ کرنے نہیں آئے گا۔

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَمَرَ عَلِيٌّ مُنَادِيَهُ، فَنَادَى يَوْمَ الْبُصْرَةِ: لَا يَقْتُلُ أَسِيرٌ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33950))

ابو جعفر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی جنگ میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ خُلَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّ الْحَجَّاجَ أَتَى بِأَسِيرٍ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: قُمْ فَاقْتُلْهُ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا بِهِذَا أَمَرْنَا، يَقُولُ اللَّهُ: (حَتَّى إِذَا اتَّخَذْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُثَاقَ فِيمَا مَنَّا بَعْدَ وَإِمَّا فِدَاءً). (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33946))

حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ حجّاج (بن یوسف) کے پاس ایک جنگی قیدی لایا گیا۔ اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، "اٹھیے اور اسے قتل کر دیجیے۔" ابن عمر نے فرمایا، "میں اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جب تم انہیں (جنگ میں) قتل کر چکو تو انہیں مضبوطی سے باندھ لو۔ اس کے بعد یا تو بطور احسان رہا کر دو یا پھر بطور فدیہ رہا کر دو۔" (اس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وقت کے ایک ظالم و جاہر گورنر کے سامنے حکم حق ادا کیا۔)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ عَمَّارِ الدُّهْنِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الطُّفَيْلِ، قَالَ: كُنْتُ فِي الْجَيْشِ الَّذِينَ بَعَثَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى بَنِي نَاجِيَةَ، فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ فَوَجَدْنَاهُمْ عَلَى ثَلَاثِ فِرَقٍ، قَالَ: فَقَالَ: أَمِيرُنَا لِفِرْقَةٍ مِنْهُمْ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمُ نَصَارَى وَأَسْلَمْنَا، فَبَشَّنَا عَلَى إِسْلَامِنَا، قَالَ: اعْتَزَلُوا، ثُمَّ قَالَ لِلثَّانِيَةِ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمُ مِنَ النِّصَارَى أَمْ نَرَدُّنَا أَفْضَلَ مِنْ دِينِنَا فَبَشَّنَا عَلَيْهِ فَقَالَ: اعْتَزَلُوا، ثُمَّ قَالَ لِلثَّلَاثَةِ: مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ قَوْمُ مِنَ النِّصَارَى فَبَشَّنَا عَلَيْهِمْ إِذَا مَسَّحَتْ رَأْسِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشُدُّوا عَلَيْهِمْ فَفَعَلُوا فَفَعَلُوا الْمُقَاتِلَةَ وَسَبُّوا الدَّرَارِي، فَجِئْتُ بِالْأَرَارِيِّ إِلَى عَلِيٍّ وَجَاءَ مِصْقَلَةُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَاشْتَرَاهُمْ بِمِائَتِي أَلْفٍ فَجَاءَ بِمِائَةِ أَلْفٍ إِلَى عَلِيٍّ، فَأَتَى أَنْ يَقْبَلَ، فَانْطَلَقَ مِصْقَلَةُ بِدَرَاهِمِهِ وَعَمَدَ إِلَيْهِمْ مِصْقَلَةُ فَأَعْتَقَهُمْ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33408))

ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں ایک لشکر میں تھا جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کی طرف بھیجا تھا۔ جب ہم ان تک پہنچے تو ہمیں

ان کے تین گروہ ملے۔ ہمارے امیر نے ایک گروہ سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں لیکن ہم اسلام قبول کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلام پر ثابت قدم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، "انہیں چھوڑ دو۔"

اس کے بعد ہمارا سامنا دوسرے گروہ سے ہوا تو ان سے پوچھا، "تم کون ہو؟" وہ کہنے لگے، "ہم عیسائی قوم ہیں۔ ہمیں اپنے دین سے اچھا کوئی دین نہیں لگتا۔ (ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں بس) ہمیں اسی پر قائم رہنے دیجیے۔" امیر نے کہا، "انہیں بھی چھوڑ دو۔"

اس کے بعد ہمارا سامنا تیسرے گروہ سے ہوا۔ ان سے بھی پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کہا، "ہم عیسائی قوم ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے سرکشی دکھائی (یعنی جنگ پر تیار ہو گئے)۔ امیر لشکر کہنے لگے، "جب میں اپنے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیروں تو ان پر حملہ کر دینا۔" ہم نے ان سے جنگ کی اور ان کے فوجیوں کو ہاک کر کے ان کے بیوی بچوں کو قیدی بنالیا۔ ہم ان قیدیوں کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ رہے تھے کہ مصعب بن ہبیرہ آیا اور اس نے ان قیدیوں کی خدمات کو دول کھدوہم (ایڈوانس دے کر) خرید لیا۔ اس کے بعد وہ ایک لکھ درہم لے کر سیدنا علی کے پاس آیا۔ آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے مصعب کو اس کی رقم واپس کی اور تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

حدثنا حمید ثنا ابو جعفر النفیلی انا ابن عیینہ عن عبد اللہ ابن شریک عن بشر بن

غالب مسع ابن الزبیر یسال الحسن بن علی عن الاسیر من اهل الذمہ یا سرہ العدو .

قال : فکاکہ علی المسلمین . (حمید بن زنجویہ، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر نے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے ذمی غیر مسلم قیدی کے بارے میں سوال کیا جسے دشمن نے قید کر رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا، "اسے آزاد کروانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔"

حدثنا الحکم بن نافع انا صفوان بن عمرو ان عمر بن عبد العزیز قال : اذا خرج

الاسیر المسلم یفادی نفسه، فقد وجب فداؤه علی المسلمین . لیس لهم رده الی

المشرکین . (حمید بن زنجویہ، کتاب الاموال)

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا، "اگر کوئی مسلمان جنگی قیدی یا ذمی غیر مسلم ہو کر نکل آئے تو اس ذمی کو اسے ادا کرنا مسلمانوں (کی حکومت) کی ذمہ داری ہوگی۔ اسے کسی صورت میں بھی مشرک دشمنوں کے حوالے نہ کیا جائے گا۔"

حدثنا وکیع ، عن سُفیان ، عن أبی الجوزی ، وعاصم بن کلثب الجرمی : أنَّ عَمَرَ

بن عبد العزیز قدی رجلاً من المسلمین من جزم من أهل الحرب بمئة ألف

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33923))

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے ایک فوجی کا ایک لاکھ جرمانہ ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔ جلیل القدر تابعین کا بھی یہی موقف تھا کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا ذمیہ لے کر رہا کرنا ہی قرآن کا بنیادی حکم ہے۔

حدثنا حفص بن غیاث ، عن أشعث ، عن الحسن ، وعطاء ، قال فی الأسیر من المشرکین : یمن علیہ ، أو یفادی . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33922))

حضرت حسن بصری اور عطاء خراسانی (تابعین کے دو بڑے اور مشہور علماء) مشرکین کے قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حدثنا وکیع ، عن سُفیان ، عن جابر ، عن الشَّعْبِی ، فی الأسیر : یمن علیہ ، أو یفادی . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33925))

حضرت شعبی (تابعین کے ایک جلیل القدر عالم) قیدیوں کے متعلق کہا کرتے تھے، "یا تو انہیں بطور احسان رہا کیا جائے یا پھر ان سے فدیہ لے لیا جائے۔"

حدثنا محمد بن بکر ، عن ابن جریج ، قال : قلت لعطاء : نساء حرائر أصابهن العدو ، فابتاعهن رجل ، أیسیهن؟ قال : لا ، ولا یسترقهن ، ولكن یعطین أنفسهن بالذی أخذهن به ، ولا یزدد علیهن . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (34203))

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا، "آزاد خواتین اگر دشمن کے قبضے میں چلی جائیں اور دشمن سے انہیں مسلمانوں کا کوئی شخص خرید لے تو کیا وہ اس کی لونڈیاں بن جائیں گی؟" انہوں نے کہا، "ہرگز نہیں، وہ بالکل لونڈی نہیں بنائی جائیں گی۔ ہاں جو رقم اس شخص نے ادا کی ہے، وہ ان خواتین (یا ان کے وارثوں یا بیت المال) سے لے لی جائے گی اور اس رقم میں کوئی منافع شامل نہیں کیا جائے گا۔"

حدثنا غندر ، عن أبی معاذ ، عن أبی حریز : أنَّه سمع الشَّعْبِی ، یقول : ما کان من أساری فی أیدی التجار ، فإن الحر لا یباع ، فاردد إلى التاجر رأس ماله . (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33211))

حضرت شعبی کہا کرتے تھے، "تاجروں کے ہاتھ میں جو قیدی ہیں، ان میں سے کسی کو آزاد نہ بیچا جائے۔ تاجر کو اس کی اصل

رقم واپس کر دی جائے۔"

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ؛ فِي أَهْلِ الْعَهْدِ إِذَا سَبَّاهُمُ الْمُشْرِكُونَ، ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُونَ، قَالَ: لَا يُسْتَرْقُونَ. (مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الجہاد، حدیث (33939))

حضرت (جلیل القدر تابعی عالم) ابراہیم نخعی (غیر مسلم) اہل عہد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر دشمن مشرک انہیں غلام بنا لیں اور اس کے بعد وہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں تو انہیں غلام نہ بنایا جائے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ان جنگی قیدیوں کو غلام بنایا ہی کیوں گیا؟ اس کا جواب سید قطب نے یہ دیا ہے کہ ایسا اسلام کے قانون کے تحت نہیں بلکہ اس دور کے بین الاقوامی قانون کے تحت کیا گیا۔ موجودہ دور میں جب بین الاقوامی قانون تبدیل ہو چکا ہے، تو جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت اسلام میں موجود نہیں ہے۔

وقد سبق لنا في مواضع مختلفة من هذه الظلال القول بأنه كان لمواجهة أوضاع عالمية قائمة، وتقاليد في الحرب عامة. ولم يكن ممكناً أن يطبق الإسلام في جميع الحالات النص العام: (فإما منا بعد وإما فداء). (في الوقت الذي يسترق أعداء الإسلام من يأسرونهم من المسلمين. ومن ثم طبقه الرسول (ص) في بعض الحالات فأطلق بعض الأسارى منا. وفادى بعضهم أسرى المسلمين، وفادى بعضهم بالمال. وفي حالات أخرى وقع الاسترقاق لمواجهة حالات قائمة لا تعالج بغير هذا الإجراء. فإذا حدث أن اتفقت المعسكرات كلها على عدم استرقاق الأسرى، فإن الإسلام يرجع حينئذ إلى قاعدته الإيجابية الوحيدة وهي: (فإما منا بعد وإما فداء) لانقضاء الأوضاع التي كانت تقضي بالاسترقاق. فليس الاسترقاق حتمياً، وليس قاعدة من قواعد معاملة الأسرى في الإسلام. (سید قطب، تفسیر فی ظلال القرآن؛ سورة محمد (47:4))

ہماری اس تفسیر "ظلال" میں مختلف مقامات پر یہ بحث گزر چکی ہے کہ (عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے دور میں) غلام بنائے جانے کا معاملہ بین الاقوامی جنگی قانون کے تحت تھا۔ ہر قسم کے حالات میں اس عام صریح حکم کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو" پر عمل کرنا ممکن تھا۔ (خاص طور پر) اس دور میں جب اسلام کے دشمن مسلمان قیدیوں کو غلام بنا کر رکھ

کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض حالات میں بعض قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ بعض قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلے رہا کر دیا گیا اور بعض قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ بعض ایسے حالات میں غلام بھی بنائے گئے جس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد دنیا بھر کی افواج (اور حکومتیں) اس بات پر متفق ہو گئی ہیں کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہ بنایا جائے گا تو مسلمان بھی اپنے اصل قانون کی طرف لوٹ جائیں گے کہ "قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب وہ حالات ہی ختم ہو چکے ہیں جن میں غلام بنائے جاتے تھے۔ اب غلام بنائے جانے کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے اور غلام بنالیا جانا اسلام کا قانون نہیں ہے۔

انسداد غلامی کی تحریک میں خلفاء راشدین کا کردار اور اس کے اثرات

انسداد غلامی کی اس تحریک میں خلفاء راشدین کے کردار کا ایک پہلو تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حضرات غلاموں کو دیے جانے والے تمام حقوق کے ضامن تھے۔ اگر کوئی آق کسی غلام کو اس کا حق دینے میں نال منول کرتا تو غلاموں کو یہ سہوت حاصل تھی کہ وہ کسی بھی وقت آ کر خیفہ سے شکایت کر سکیں اور ان کی شکایات پر خلیفہ فوراً حرکت میں آ جیا کرتے تھے۔ اس کی نوبت کم ہی آیا کرتی تھی کیونکہ آبادی کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قریبی صحابہ کا تربیت یافتہ تھا اور وہ خود ہی غلاموں کو ان کی آزادی سمیت وہ تمام حقوق دینے کو تیار تھے جس کی تفصیل ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں۔

عرب میں غلامی کا مکمل خاتمہ

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غلامی کے خاتمے کے لئے ایک بہت بڑی پیش رفت کی گئی۔ آپ کے دور میں ایران، شام اور مصر کی طرف پیش قدمی جاری تھی جس کی وجہ سے خلافت اسلامیہ کی سرحدیں مسلسل پھیل رہی تھیں جبکہ عرب معاشرہ اب پوری طرح مستحکم ہو چکا تھا۔ عربوں میں اس وقت کسی قسم کی بغاوت موجود نہ تھی۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرب کی حدود میں غلامی کا مکمل خاتمہ کرنے کے لئے یہ حکم جاری فرمایا کہ عرب کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

بِذَلِكَ مَضَتْ سُنَّةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يُسْتَرْقَ أَحَدًا مِنْ ذُكُورِهِمْ. وَكَذَلِكَ حَكَمَ عُمَرُ فِيهِمْ أَيْضًا حَتَّى رَدَّ سَبَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَأَوْلَادَ الْإِمَاءِ مِنْهُمْ. أَخْرَارًا إِلَى عَشَائِرِهِمْ عَلَى فِدْيَةٍ يُؤَدُّونَهَا إِلَى الَّذِينَ اسْلَمُوا وَهُمْ فِي أَيْدِيهِمْ. قَالَ: وَهَذَا مَشْهُورٌ مِنْ رَأْيِ عُمَرَ. وَرَوَى عَنْهُ الشَّعْبِيُّ أَنَّ عُمَرَ قَالَ: لَيْسَ عَلَى عَرَبِيْ مِلْكٌ. وَفِيْلُ عَنْهُ أَنَّهُ قَضَى بِفِدَاءِ مَنْ كَانَ فِي الرِّقِّ مِنْهُمْ.

(ابو عبید، کتاب الاموال بحوالہ موسوعة الفقهية الكويتية)

یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے ہی جاری ہو گئی تھی کہ اہل عرب کے مردوں کو غلام نہ بنایا جائے۔ اسی بات کا حکم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس وقت جاری فرمایا جب انہوں نے مسلمانوں کے ہاں قید، اہل جاہلیت کے جنگی قیدیوں اور لونڈیوں کی اولادوں کو اہل اسلام کو فروغ دینے کے بدلے آزاد کر کے اپنے قبائل میں جانے کی اجازت دے دی۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مشہور رائے ہے۔ فقہی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "عرب کو غلام نہ بنایا جائے گا۔" ان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے عرب میں موجود غلاموں کو فروغ دینا اور آزاد کر کے آزاد کرنے کا فیصلہ دیا۔

آپ عربوں کو شرم دلایا کرتے تھے کہ وہ اپنے بھائیوں ہی کو غلام بنائے ہوئے ہیں:

وَلِذَلِكَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مِنْ الْعَارِ أَنْ يَمْلِكَ الرَّجُلُ ابْنَ عَمِّهِ أَوْ بِنْتَ عَمِّهِ

(ابن حجر، فتح الباری بحوالہ موسوعة الفقهية الكويتية)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "یہ شرم کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے چچا کے بیٹے یا بیٹی کا لک ہو۔ اپنی شہادت کے وقت آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ عرب معاشرے میں جتنے غلام موجود ہیں ان سب کو اس طرح سے آزاد کر دیا جائے کہ ان کی قیمت کی ادائیگی حکومت کے ذمہ ہوگی۔ اس کے بعد آئندہ عرب میں کوئی نیا غلام نہ بنایا جائے۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن زيد بن أبي رافع أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان مستندا إلى ابن عباس وعنده ابن عمر وسعيد بن زيد رضي الله عنهما فقال: اعلموا أني لم أقل في الكلاله شيئا، ولم استخلف من بعدى أحد، وأنه من أدرك وفاتي من سبي العرب فهو حر من مال الله عز وجل

فقال سعيد بن زيد: أما انك لو أشرت برجل من المسلمين لأتمنك الناس وقد

فعل ذلك أبو بكر رضي الله عنه وأتمنه الناس. فقال عمر رضي الله عنه قد رأيت

من أصحابي حرصا سينا. واني جاعل هذا الأمر إلى هؤلاء النفر الستة الذين مات

رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض ثم قال عمر رضي الله عنه: لو

أدركني أحد رجلين ثم جعلت هذا الأمر إليه لو ثق به سالم مولى أبي حذيفة وأبو

عبيدة بن الجراح. (مسند احمد، باب عمر بن خطاب)

زيد بن ابورافع کہتے ہیں کہ (اپنی شہادت کے وقت) سیدنا عمر، ابن عباس کو وصیت لکھوا رہے تھے اور ان کے پاس ابن عمر اور سعید بن زید (عمر کے بیٹے اور بہنوئی) رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا، "یہ بات اچھی طرح جان لو کہ کلالہ کے

بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکا اور نہ ہی میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا کر رہا ہوں۔ عرب میں موجود جنگی قیدیوں میں جو شخص بھی (بطور غلام) میری وفات کے وقت موجود ہو، اسے اللہ کے مال کے ذریعے آزاد کر دیا جائے۔

حضرت سعید بن زید کہنے لگے، "کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مسلمانوں میں سے کسی کو جانشین مقرر فرمادیں جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو جانشین بنایا تھا۔" عمر نے جواب دیا، "میں نے اس معاملے میں اپنے ساتھیوں میں خواہش دیکھی ہے۔ میں اس معاملے کو ان چھ افراد (علی، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم) کے سپرد کرنے والا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے وقت خوش تھے۔" اس کے بعد فرما نے لگے، "اگر ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم یا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کر دیتا۔"

قال الشافعي اخبرنا سفيان عن يحيى بن يحيى الغساني، عن عمر بن عبد العزيز، قال

و اخبرنا سفيان عن رجل، عن شعبي ان عمر قال: لا يسترق العربي. (بيهقي، معرفة

السنن والآثار، كتاب السير، حديث (17958)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "اہل عرب کو غلام نہ بنایا جائے۔"

رواه الشافعي في الام، و البيهقي في سننه الكبرى، و جاء في الاموال، ان الفاروق

فدى كل رجل من اسرى العرب باربع مئة درهم. و جاء في الاموال و في سنن

البيهقي الكبرى ان الفاروق عمر قال: ليس على عربي ملك، و لسنا نازعي من يد

رجل اسلم عليه، و لكننا نقومهم الدية خمسا من الابل للذي سباه. و هذا بالنسبة

لاسرى العرب الذين وقعوا في الاسر في ظل جاهلية. ثم ادر كههم الاسلام فاسلم

مالكوهم. فكان على كل اسير من هذا النوع ضرب عليه الرق ان يدفع هو، او يدفع

ذروه فداء، لمن يملكه حرا الى عشيرته. (حاشية معرفة السنن والآثار، كتاب

السير، حديث (17958)

امام شافعی کتاب الام میں، بیہقی سنن الکبریٰ میں اور (ابو عبید) کتاب الاموال میں بیان کرتے ہیں، سیدنا فاروق اعظم رضی

اللہ عنہ نے عرب کے قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ 400 درہم ادا کیا۔ کتاب الاموال اور سنن الکبریٰ میں بیان کیا گیا ہے کہ

سیدنا عمر فاروق نے فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں

گے۔ ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔ یہ عرب کے ان غلاموں کا معاملہ ہے جو کہ دور جاہلیت میں غلام بن گئے تھے،

اس کے جدوہ اور ان کے مالک سمدن ہو گئے تھے۔ اس قسم کے برقیہ پر "غلام" کا اطلاق ہوتا ہے اور اسے اور اس کی اولاد کو فدیہ کر کے آزاد کروایا جائے گا۔ اس کے جدوہ آزاد ہو کر اپنے خاندان کی طرف چائیں گے۔

فَأَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ الْكَارِزِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصْبٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: لَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: لَيْسَ عَلَيَّ عَرَبِيٌّ مِثْلُكَ وَلَسْنَا بِنَزَارِ عِي مِنْ يَدِ رَجُلٍ شَيْنًا أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلَكِنَّا نَقُومُهُمُ الْيَمْلَةَ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ. قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ يَقُولُ هَذَا الَّذِي فِي يَدِهِ السَّبْيُ لَا نَنْزِعُهُ مِنْ يَدِهِ بِلَا عَوْضٍ لِأَنَّهُ أَسْلَمَ عَلَيْهِ وَلَا نَتْرُكُهُ مَمْلُوكًا وَهُوَ مِنَ الْعَرَبِ وَلَكِنَّهُ قَوْمٌ قِيمَتُهُ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ لِلَّذِي سَبَاهُ وَيَرْجِعُ إِلَى نَسَبِهِ عَرَبِيًّا كَمَا كَانَ. (بيهقي، سنن الكبرى، كتاب السير، حديث (18069))

حضرت سیدنا عمر فاروق نے کھڑے ہو کر (خطبہ دیتے ہوئے) فرمایا، "عرب میں غلامی نہیں رہے گی اور ہم ہر اسلام قبول کرنے والے کو اس کے آقا کی غلامی سے نکال لیں گے۔ ہم ہر غلام کا فدیہ پانچ اونٹ مقرر کریں گے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان غلاموں کے متعلق، رشاد فرمایا کہ ہم نہیں بدعوض غلامی سے نہیں نکالیں گے لیکن چونکہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں اس وجہ سے انہیں غلام بھی نہیں رہنے دیں گے۔ یہ اہل عرب تھے، ان کا فدیہ ان کے مالکوں کے لئے پانچ اونٹ مقرر کیا گیا اور انہیں اپنے عرب خاندانوں میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے یہ واضح ہے کہ آپ نے ایب عرب نسل کے لئے نہیں کیا بلکہ عرب معاشرے میں جو بھی غلام باقی رہ گئے تھے، انہیں آزاد کرنے کے لئے کیا۔ انہوں نے غلام کی آزادی کے لئے "عربیت" نہیں بلکہ اسلام نے "کی شرط لگائی تھی۔ یہ شخص ایک اتفاق تھا کہ اس وقت عرب میں جو غلام موجود تھے، وہ عرب ہی تھے۔

بعد کے دور میں چونکہ مسلمانوں کے اندر نسل پرستی پھیل گئی تھی اس وجہ سے آپ کے اس فرمان کو کہیں بعد میں بعض لوگوں نے نسل پرستی کا مسئلہ بنایا اور کہنے لگے کہ اب عربوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ جن افراد نے صرف قرآن مجید کی سورۃ جبرات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام میں کسی نسل کو کسی دوسری نسل پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور جو بھی آپ پر ایمان لے آئے وہ دوسرے مسلمان بھائی کے برابر ہے۔

غلامی کے خاتمہ میں اسلاف کے کردار کا امتیازی مقام

گر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مزید کچھ عرصہ زندہ رہتے تو، میدان جاسکتی تھی کہ عرب معاشرے سے ہر بھی آپ غلامی کا خاتمہ کر

دیتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی اصلاحات پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرم بن ضیاء العری لکھتے ہیں:

وقد كثر المكاتبون من الرقيق في خلافة عمر، فكانوا يساعدون تنفيذاً لأمر الله تعالى، كما أن الدولة كانت ترضخ للعبيد من الغنائم والعطاء، لتكون لهم مال يعملون بتنميته حتى يتحرروا من الرق. وقد ألزم سادتهم بتحريرهم إذا سدوا ما تعهدوا به من مال، وكان مقدار المداء حسب مهارة العبد وقد يبلغ 40,000 درهم أحياناً. ولما تحسنت موارد بيت المال في خلافة عمر رضي الله عنه قدم وصيته - قبل موته - بتحرير جميع الأرقاء المسلمين في الدولة. (عمری، عصر الخلافة الراشدة)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں غلاموں میں سے مکاتبت کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ کے لئے حکومت مدد کیا کرتی تھی۔ یہ اسی طرح تھا کہ غنیمت اور غنم میں غلاموں کو بھی حصہ دیا جاتا تھا تا کہ ان کے پاس مال آجائے اور وہ ترقی کرتے ہوئے غلامی سے نجات حاصل کر کے آزاد ہو سکیں۔ ان کے آقاؤں پر یہ لازم تھا کہ معاہدے کے مطابق جب بھی غلام ادائیگی کر دے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ مکاتبت کے فدیے کی رقم کا تعین غلام کی صداقت و مہارت کے مطابق ہوا کرتا تھا جو بعض اوقات 40,000 درہم تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی حالت جب بہت بہتر ہو گئی تو انہوں نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ملک میں موجود تمام مسلمان غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

آپ کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو آٹھ نو سال تک سکون سے کام کرنے کا موقع ملا لیکن فتوحات کے سیلاب کے باعث اس پر عمل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا۔ اس کے بعد امت مسلمہ انارکی کا شکار ہو گئی اور سیدنا عثمان کا آخری اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پورا دور ہی خانہ جنگی کی نظر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب معاشرے کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا۔ اس حکم کو غلط سمجھ لینے کے باوجود بعد میں بھی کم از کم یہ فائدہ ہوا کہ اس کے بعد عربوں کو غلام نہیں بنایا گیا۔

غلاموں کی آزادی میں ہمارے اسلاف

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس کثیر تعداد میں جمع کی گئی دوست موجود تھی۔ آپ نے اس دولت کا بڑا حصہ غلاموں کی آزادی پر صرف کیا۔ ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ غلام آزاد کرنے کی وجہ سے ان کا لقب "عتیق" مشہور ہو گیا تھا۔ انہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ متعدد غلاموں کا ذکر اپنی سیرت کی کتاب میں کیا ہے۔ غلاموں کی آزادی کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا، اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ ، عَنْ قَيْسٍ ، قَالَ : اشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ بِلَالًا بِخَمْسِ أَوَاقٍ ، ثُمَّ أَعْتَقَهُ ، قَالَ : فَقَالَ لَهُ بِلَالٌ : يَا أَبَا بَكْرٍ إِنْ كُنْتُ إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِتَتَّخِذَنِي خَازِنًا ، فَيَتَّخِذَنِي خَازِنًا وَإِنْ كُنْتُ إِنَّمَا أَعْتَقْتَنِي لِلَّهِ فَدَعْنِي فَأَعْمَلُ لِلَّهِ ، قَالَ : فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ ، ثُمَّ قَالَ : بَلْ أَعْتَقْتُكَ لِلَّهِ . (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث (33002))

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلال کو پانچ اوقیہ (چاندی) کے بدلے خریدا اور انہیں آزاد کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ بلال مجھ سے کہنے لگے، "اے ابو بکر! اگر آپ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی بنانے کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے خرچی بناد دیجیے۔ اگر آپ نے مجھے اللہ کے لئے آزاد کیا ہے تو مجھے چھوڑ دیجیے کہ میں اللہ کے لئے عمل کروں۔" ابو بکر یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا، "میں نے تو آپ کو صرف اللہ ہی کے لئے آزاد کیا تھا۔"

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جن جن کر کمزور غلام آزاد کر نیکا اتا شوق تھا کہ انہوں نے اس معاملے میں اپنے والد ابوقحزافہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت اسلام نہ لائے تھے) کی تنبیہ کو بھی اہمیت نہ دی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَهْلٍ الْفَقِيهَ بِبَخَارَا حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ حَبِيبٍ الْحَافِظُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى الْأُمَوِيُّ حَدَّثَنِي عُمَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْبَكَّائِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ أَبُو قُحَافَةَ لِأَبِي بَكْرٍ أَرَاكَ تَعْتِقُ رِقَابًا ضَعَافًا ، فَلَوْ إِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ أَعْتَقْتَ رَجُلًا جَلَدًا يَمْنَعُوكَ وَيَقُومُونَ دُونَكَ . فَقَالَ أَبُو

بکریا ایت انی انما ارید ما ارید لما . نزلت هذه الآية فيه فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى إلى قوله عز وجل (وما لأحد عنده من نعمة تجزى إلا ابتغاء وجه ربه الأعلى ولسوف يرضى) هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه . (مستدرک حاکم، حدیث (3942))

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوقحزافہ نے ابو بکر سے کہا، "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت سے کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہو۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے تو جوان مردوں کو آزاد کرو جو تمہاری حفاظت کریں اور تمہاری حمایت میں کھڑے ہوں۔" ابو بکر نے کہا، "ابا جان! میں دنیاوی فائدے کے لئے ایسا نہیں کرتا" اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ "جس نے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا، اور پرہیزگاری اختیار کی، اور نیک بات کو سچ سمجھا، اس کے لئے ہم نیکی کو اسان کر دیں گے۔" (سورۃ البقرہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بکثرت غلام آزاد کئے اور اپنی عمر کے آخری حصے میں آپ کے پاس جو غلام موجود تھے، ان سب کو آزاد کر دیا۔ (مسند احمد، باب عمر بن خطاب) نافع کہتے ہیں کہ سیدنا عمر نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زائد غلام آزاد کئے۔ (مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ)

غلاموں کو آزادی دیتے وقت آپ نے بحیثیت مسلمانوں کے لیڈر کے، ایسی مثالیں قائم کیں جو معاشرے کے دیگر افراد کے لئے قابل رشک تھیں۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ غلام کو آزادی دیتے وقت آپ کے پاس رقم نہ تھی۔ آپ نے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرض لے کر اپنے غلام کو یہ رقم دی کہ اس سے وہ کاروبار کر سکے۔ یہ سب آپ نے اپنی ذاتی حیثیت سے کیا۔ اس کے عداوہ بحیثیت خیفہ آپ بیت المال سے غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے اور ضرورت مند مکاتبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی دولت سے نوازا تھا جسے آپ غلاموں کی آزادی پر خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک ہی وقت میں بیس غلام آزاد فرمائے۔ (مسند احمد، باب عثمان بن عفان) آپ خود بیان فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْمُقَدَّمُ بْنُ دَاوُدَ الْمِصْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ النَّضْرُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهْيَعَةَ ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْمَعَاظِرِيُّ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا ثَوْرٍ النَّهْمِيَّ يُحَدِّثُ ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : لَقَدْ اخْتَبَأْتُ عِنْدَ رَبِّي عَشْرًا ، إِنِّي لَرَابِعُ

أَرْبَعَةٍ فِي الْإِسْلَامِ ، وَمَا تَعْنَيْتُ ، وَلَا تَمْنَيْتُ ، وَلَا وَضَعْتُ يَمِينِي عَلَى فَرْجِي ، مُنْذُ
بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَمَا مَرَّتْ عَلَيَّ جُمُعَةٌ مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا وَأَنَا
أَعْتِقْتُ فِيهَا رَقَّةً ، إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عِنْدِي فَأَعْتِقْتُهَا بَعْدَ ذَلِكَ ، وَلَا زَيْتٌ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا

إِسْلَامٍ . (طبرانی، معجم الكبير)

(جب باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا می صرہ کیا اور ان کے گھر کھانا اور پانی نہ پہنچنے دیا تو انہوں نے باغیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: میں دس ایک باتیں چھپاتا رہا ہوں جو میرے رب ہی کو معلوم ہیں۔ میں چوتھ شخص ہوں جس نے اسلام قبول کیا، میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی چیز کی خواہش کی، نہ ہی میں نے کبھی اپنے دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میں نے بیعت کی تو مجھ پر کوئی یہاں جمع نہیں گزرا ہے جب میں نے غلام آزاد نہ کیا ہو سوائے اس کے کہ میرے پاس کوئی غلام موجود ہی نہ ہو، میں نے نہ تو کبھی دور چاہیبت میں اور نہ ہی اسامہ نے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ترمذی برس کی عمر پائی۔ اس قبول کرنے کے وقت آپ کم و بیش پچپن برس زندہ رہے۔ اگر ہر جمعے کو غلام آزاد کرنے کا سب لگایا جائے تو آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 2860 بنتی ہے۔ اس میں ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب آپ نے ایک سے زائد غلاموں کو آزادی دی تھی۔ اس کی ایک مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ اور فاطمہ رضی اللہ عنہ کی زندگی زیادہ تر غربت میں گزری تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیادہ تر محنت مزدوری کر کے گزار بسر کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں غلاموں کو آزادی دینے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ غربت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور آپ کے غلام آزاد کرنے کے شوق کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ ، قَالَ : حَدَّثَنَا مَعَاذُ بْنُ هِشَامٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يَحْيَى
بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ، قَالَ : حَدَّثَنِي زَيْدٌ ، عَنْ أَبِي سَلَامٍ ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحْبِيِّ أَنَّ ثَوْبَانَ
مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ قَالَ جَاءَتْ ابْنَةُ هَبيرةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ
وَفِي يَدِهَا فُطْحٌ فَقَالَ كَذَا فِي كِتَابِ أَبِي أَيْ حَوَاتِيمِ ضَخَامٍ فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ يَضْرِبُ
يَدَهَا . فَدَخَلَتْ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ تَشْكُو إِلَيْهَا الَّذِي صَنَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . فَانْتَزَعَتْ فَاطِمَةُ سِلْسِلَةً فِي عُنُقِهَا مِنْ ذَهَبٍ وَقَالَتْ هَذِهِ

أهداها إلي أبو حسن فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم والسلسلة في يدها
فقال يا فاطمة أياغرك أن يقول الناس ابنة رسول الله وفي يدها سلسلة من نار ثم
خرج ولم يقعد فأرسلت فاطمة بالسلسلة إلى السوق فباعتها واشترت بثمانها غلاما
وقال مرة أخرى عبدا وذكر كلمة معناها فأعتقته فحدث بذلك وقال الحمد لله
الذي نجى فاطمة من النار . (سنن الكبرى از نسائي، كتاب الزينة، حديث 9378،

مستدرک حاكم، حديث (4725)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ابن ہبیرہ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھ میں موٹی سی انگلی تھی۔ (اسے ناپسند فرماتے ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ پر (بطور تادیب ہلکی سی) ضرب لگائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی شکایت کرنے لگیں۔ وہ سیدہ سے کہہ رہی تھیں کہ آپ نے اپنے گلے میں سونے کی ایک چین کیوں پہن رکھی ہے؟

حضرت سیدہ فاطمہ کہنے لگیں، "یہ چین تو مجھے (میرے خاوند) ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ نے تحفہً دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو سیدہ نے یہ زنجیر اتار کر ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، "اے فاطمہ! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔" یہ فرما کر آپ بغیر بیٹھے ان کے گھر سے نکل گئے۔ سیدہ نے وہ زنجیر بازار میں بھیجی اور اسے بیچ کر اس کا ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا، "اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو اس آگ سے نجات دے دی ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے بھی بکثرت غلام آزاد کرنے کی مثال قائم کی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو غلاموں کی آزادی سے خصوصی دلچسپی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں آپ کے گھر والوں کے مالی وسائل بہت محدود تھے۔ آپ اپنے خاندان کے لئے ایسا مال کبھی قبول نہ فرماتے تھے جو کسی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہو۔ اس مال کو آپ نے ضرورت مندوں یا دین کی اشاعت کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ان محدود مالی وسائل کے باوجود کہ جب آپ کے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا نامی کنیز کو خرید کر آزاد کیا۔ یہ حدیث صحیح ستہ کی تمام کتب میں بہت سے مقامات پر موجود ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وسم انہا قالت: جاءت بريرة فقالت: انى كاتب أهلى على تسع أواق، فى كل عام أوقية، فأعنينى. فقالت عائشة: إن أحب أهلك أن أعدها لهم عنك عدتها، ويكون لى ولاؤك فعلت. فذهبت بريرة إلى أهلها فقالت لهم ذلك، فأبوا عليها، فجاءت من عند أهلها ورسول الله جالس، فقالت لعائشة انى قد عرضت عليهم ذلك فأبوا على، إلا أن يكون الولاء لهم. فسمع ذلك رسول الله 2 فسألتها، فأخبرته عائشة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خذوها واشترطى لهم الولاء، فإنما الولاء لمن أعتق. فصعلت عائشة، ثم قام رسول الله فى الناس، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد، فما بال رجال يشترون شروطاً ليس فى كتاب الله، ما كان من شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل، وإن كان مئة شرط، قصاء الله أحق، وشرط الله أوثق، وإنما الولاء لمن أعتق. (موطاء مالك، كتاب العتق و

الولاء، حديث 2265، بخارى، كتاب الشرائط، حديث (2729)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بریرہ میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں، "میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی کے بدلے آزادی خریدنے کا معاہدہ کیا ہے۔ ہر سال ایک اوقیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ میری کچھ مدد کیجیے۔" عائشہ نے فرمایا، "اگر وہ پسند کریں تو میں انہیں تمہاری طرف سے پوری قیمت اکٹھی ادا کر کے آزاد کروں اور تمہارا ورہ کا رشتہ مجھ سے قائم ہو جائے۔" بریرہ اپنے مالک کے پاس گئیں اور ان سے یہی بات کہی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

اب وہ واپس ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پوری بات سیدہ عائشہ کو بتادی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا، "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرائط عائد کر رہے ہیں جن کی اجازت اللہ کے قانون میں نہیں دی گئی۔ جو شرط بھی اللہ کے قانون کے خلاف ہو، وہ باطل ہے اگرچہ اسکی سو شرائط ہوں۔ اللہ کا فیصلہ ہی حق ہے اور اللہ ہی کی شرائط سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ ولہذا اگر رشتہ تو آزاد کرنے والوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین آپ کی ازواج مطہرات کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور باقاعدگی سے انہیں وظائف بھیجا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان وظائف کو زیادہ تر غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کیا کرتی تھیں۔ دوسری واقعات ملاحظہ فرمائیے:

وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: تَوَفَّى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ، فَأَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَابًا كَثِيرَةً. قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ. (موطاء مالك، كتاب العتق و الولاء، حديث (2262)

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نیند کی حالت میں فوت ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ سیدہ عائشہ نے ان کی طرف سے کثیر تعداد میں غلام آزاد کئے۔ مالک کہتے ہیں کہ یہ سب سے اچھی بات ہے جو اس ضمن میں میں نے سنی ہے۔

حدثنا عبد الله بن يوسف: حدثنا الليث قال: حدثني أبو الأسود، عن عروة بن الزبير قال: كان عبد الله بن الزبير أحب البشر إلى عائشة بعد النبي صلى الله عليه وسلم وأبى بكر، وكان أبر الناس بها، وكانت لا تمسك شيئا مما جاءها من رزق الله إلا تصدقت، فقال ابن الزبير: ينبغي أن يؤخذ على يديها، فقالت: يؤخذ على يدي، على نذر إن كلمته، فاستشفع إليها برجال من قريش، وبأخوان رسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة فامتنعت، فقال له الزهريون، أخوال النبي صلى الله عليه وسلم، منهم عبد الرحمن بن الأسود ابن عبد يغوث، والمصور بن مخزومة: إذا استأذنا فافتحم الحجاب، ففعل فأرسل إليها بعشر رقاب فاعتقهم، ثم لم تنزل تعتقهم، حتى بلغت أربعين، فقالت: وددت أنى جعلت حين حلفت عملاً أعمله فأفرغ منه. بخارى، كتاب الفضائل، حديث (3505)

حضرت (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد (سیدہ کے بڑے بھائی) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ انہیں سب انسانوں سے زیادہ پیارے اور اچھے لگتے تھے۔ سیدہ کے پاس جو بھی اللہ کا رزق آتا وہ اسے (غریب و مساکین پر) خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ابن زبیر نے (مذاقا) کہا، "ان کے ہاتھ کو روکنا پڑے گا۔" (جب سیدہ کو خبر ہوئی تو) آپ نے فرمایا، "کیا وہ میرا ہاتھ روکے گا؟ میں قسم کھاتی ہوں کہ اب اس سے بات نہ کروں گی۔"

حضرت (عبد اللہ ابن زبیر نے) قریش اور بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکھیلی رشتے داروں بنو زہرہ میں سے

آپ کے رشتے کے ماموں عبدالرحمن بن اسود اور مسور بن خرمہ کو ان کی خدمت میں معافی کی سفارش کے لئے بھیجا۔ انہوں نے ابن زبیر سے کہا، "جب سیدہ ہمیں اندر آنے کی اجازت دیں تو تم دوڑ کر ان کے پردے کے پیچھے گھس جانا (اور معافی مانگ لینا۔ ان کی اس حرکت اور بزرگوں کی سفارش پر سیدہ نے انہیں معاف کر دیا۔

حضرت ابن زبیر نے (آپ کو خوش کرنے کے لئے) آپ کے پاس دس غلام (آزاد کرنے کے لئے) بھیجے اور آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ (اسی قسم کے کفارے میں) مسلسل غلام آزاد کرتی رہیں یہاں تک کہ چالیس غلام آزاد کر دیے۔ آپ کہنے لگیں، "کیا ایسا اچھا ہوتا کہ میں قسم کھاتے ہوئے کوئی تعداد مقرر کر لیتی تو اب تک اس کام سے فارغ ہو چکی ہوتی۔" دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر امہات المؤمنین بھی غلام آزاد کیا کرتی تھیں۔ احادیث اور اسماء الرجال کے ذخیرے میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لوٹڈی کا ذکر ملتا ہے جسے انہوں نے آزاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشہور تابعی عالم سلیمان بن یسار کو ان کے چار بھائیوں سمیت آزاد کیا تھا۔ اسی طرح سیدہ ام سلمہ و ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کے غلام آزاد کرنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

حدثنا مسدد بن مسرهد، قال: ثنا عبد الوارث، عن سعيد بن جهمان، عن سفينة قال: كنت مملوكاً لأم سلمة فقالت: أعتقتك وأشترط عليك أن تخدم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشت، فقلت: وإن لم تشرطني علي ما فارق رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عشت، فاعتقتني واشترطت علي. (سنن أبو داود، كتاب العتق، حديث (3932))

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ آپ مجھ سے کہنے لگیں، "میں تمہیں آزاد کرتی ہوں بشرطیکہ تم جب تک زندہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرو۔" میں نے کہا، "اگر آپ یہ شرط نہ بھی رکھیں تب بھی میں جب تک زندہ ہوں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی برداشت نہ کروں گا۔" انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور یہ شرط برقرار رکھی۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم

احادیث میں ایسے بہت سے صحابہ کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غلام آزاد کئے۔ چند مزید واقعات پیش خدمت ہیں۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة أنبأنا أبو غالب عن أبي

امامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من خيبر ومعه غلامان فقال علي رضي الله عنه: يا رسول الله اخدنا فقال: اخد أيهما شئت فقال: خر لي قال: خذ هذا ولا تضربه فباني قد رأيته يصلي مقلنا من خيبر وإني قد نهيت عن ضرب أهل الصلاة وأعطى أبا ذر الغلام الآخر فقال: استوص به خيراً ثم قال: يا أبا ذر ما فعل الغلام الذي أعطيتك قال: أمرتني أن استوص به خيراً فأعتقته. (مسند أحمد، باب أبو امامة باهلي)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خیبر سے واپس آئے تو آپ کے ساتھ دو غلام تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے، "یا رسول اللہ ﷺ! ان میں سے ایک مجھے کام کے لئے دے دیجیے۔" آپ نے فرمایا، "جو تمہیں پسند ہے، لے لو۔" میں نے ایک کو پسند کیا تو آپ نے فرمایا، "اسے کبھی مارنا نہیں۔ میں نے واپسی پر اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور نماز پڑھنے والوں کو مارنے سے میں نے تمہیں منع کیا ہے۔"

آپ نے دوسرا غلام ابو ذر (غفاری) رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا، "میں تمہیں اس کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔" کچھ عرصے بعد آپ نے پوچھا، "ابو ذر! میں نے تمہیں جو غلام دیا تھا، تم نے اس کا کیا کیا؟" وہ بولے، "آپ نے مجھے اس کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کی تھی، میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، عن محمد بن بشر، عن إسماعيل، عن قيس، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أنه لما أقبل يريد الإسلام، ومعه غلامه، ضل كل واحد منهما من صاحبه، فأقبل بعد ذلك وأبو هريرة جالس مع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: (يا أبا هريرة، هذا غلامك قد أتاك). فقال: أما إنني أشهدك أنه حر، قال: فهو حين يقول: يا ليلة من طولها وعنائها * على أنها من دائرة الكفر نجت. (بخاری، كتاب العتق، حديث (2530))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی (اسلام قبول کرنے کے ارادے سے) چلا۔ یہ دونوں حضرات راستے میں ایک دوسرے سے ٹھکڑ گئے۔ (ابو ہریرہ پہلے مدینہ پہنچ گئے) اور وہ بعد میں پہنچا تو ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا، "ابو ہریرہ! تمہارا غلام بھی پہنچ گیا۔" وہ کہنے لگے، "میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ آج سے آزاد ہے۔" اس کے بعد انہوں نے شعر پڑھا، "آج کی

رات بہت لمبی لیکن بہت پیاری ہے کیونکہ اس نے مجھے دار کفر سے نجات دی ہے۔"

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوَصِّيَ، ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَلِكَ إِلَيَّ أَنْ تُصْبِحَ فَهَلَكْتُ، وَقَدْ كَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: فَقُلْتُ: لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنْ يُنْفَعَهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ الْقَاسِمُ إِنَّ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمِّي هَلَكْتُ، فَهَلْ يُنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ. (موطأ مالك، كتاب العتق والولاء،

حدیث (2261)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ غلام آزاد کرنے کی وصیت کرنا چاہتی تھیں۔ اس میں کچھ تاخیر ہوگئی اور وہ وفات پا گئیں۔ عبدالرحمن نے قاسم بن محمد (بن ابوبکر صدیق) سے پوچھا، "اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کیا یہ ان کے لئے فائدہ مند ہوگا؟" قاسم کہنے لگے، "سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی بات پوچھی تھی، "میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔ اگر میں ان کی جانب سے غلام آزاد کروں تو کیا انہیں اس کا فائدہ ہوگا؟" آپ نے فرمایا تھا، "بالکل ہوگا۔"

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو نُوحٍ قَالَ قَالَ أَنبَاءُ لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الزَّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ بَعْضِ شُيُوْخِهِمْ أَنَّ زِيَادًا مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَادَةَ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ حَدَّثَهُمْ عَنْ حَدِيثِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنْ لِي مَمْلُوكَيْنِ يَكْذِبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَني وَأَضْرِبُهُمْ وَأَسْبَهُمْ فَكَيْفَ أَلَا مَنَعَهُمْ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

بِحَسَبِ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَيَكْذِبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ إِنْ كَانَ ذُنُوبُهُمْ كَانَ فَضْلُكَ

عَلَيْهِمْ. وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَالًا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ. وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ اقْتَصِرْ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ الَّذِي بَقِيَ قَبْلَكَ. فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَسْكِي بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَهْتَفُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَهُ مَا يَقْرَأُ كِتَابَ اللَّهِ وَنُضِعَ الْمَوَازِينُ الْقِسْطُ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تَظْلِمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا

رَسُولَ اللَّهِ مَا أَجَدَ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ فِرَاقِ هَؤُلَاءِ يَعْنِي عِبِيدَهُ إِنْ شَهِدْتُ أَنَّهُمْ لَخِرَازُ كُلِّهِمْ.

(مسند احمد، باب عائشة)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب آ کر آپ کے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے، "یا رسول اللہ! میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، خیانت کرتے ہیں اور میری بات نہیں مانتے۔ میں نے انہیں مارا ہے اور برا بھلا کہا ہے۔ میں انہیں کس طریقے سے اس سے باز رکھوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر تم نے ان کی خیانت، نافرمانی اور جھوٹ کی نسبت کم سزا انہیں دی ہے تو یہ ان پر تمہاری مہربانی ہے۔ اگر تم نے ان کے جرائم کے مطابق سزا دی ہے تو معاملہ برابر برابر ہے۔ نہ تو تمہاری مہربانی ہے اور نہ ہی تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ اگر تم نے ان کے جرائم کی نسبت انہیں زیادہ سزا دی ہے تو پھر یاد رکھو کہ جتنی زیادتی تم نے کی ہے، اس کا تم سے حساب لیا جائے گا۔"

(ان صاحب پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زور زور سے رونے لگے۔ حضور نے فرمایا، "کیا تم اللہ کی کتاب میں نہیں پڑھتے کہ ہم قیامت کے دن میزان لگا دیں گے۔ کسی شخص پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اگر کسی نے مٹی کے ذرے کے برابر بھی (نیکی یا برائی) کی ہوگی تو ہم اسے اس کا بدلہ دیں گے اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔" وہ شخص یہ سن کر کہنے لگا، "یا رسول اللہ! میرے لئے ان غلاموں کو چھوڑنے سے بہتر کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں۔"

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُرَيْمٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ: أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ مَرَّ بِرَاعٍ يَرْعَى، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ فَأَهْدَاهَا لَهُ، فَقَالَ لَهُ: حُرٌّ أَنْتَ أَمْ مَمْلُوكٌ؟ فَقَالَ: مَمْلُوكٌ، فَرَدَّهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي هَالِي، فَاقْبَلْهَا مِنْهُ، ثُمَّ اشْتَرَاهُ وَاشْتَرَى الْغَنَمَ، وَأَعْتَقَهُ وَجَعَلَ الْغَنَمَ لَهُ. (ابن ابی شیبہ، حدیث (23642)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما ایک چرواہے کے پاس سے گزرے جو کہ بھیڑیں چرا رہا تھا۔ اس نے ایک بھیڑ ان کی خدمت میں تحفہ پیش کی۔ آپ نے پوچھا، "تم آزاد ہو یا غلام ہو؟" اس نے کہا، "غلام ہوں۔" آپ نے بھیڑ اسے واپس کر دی۔ اس نے کہا، "یہ میری اپنی ہے۔" آپ نے تب اس کا تحفہ قبول فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اس غلام کو پورے گلے سمیت خرید لیا اور اسے آزاد کر کے تمام بھیڑ بکریاں اسے تحفہ دے دیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَمَّادٍ ثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ ثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدُّورَقِيُّ

حدثنی ابو نعیم الفضل بن دکین ثنا زہیر عن لیث عن مجاہد عن علی بن عبد اللہ بن عباس قال أعتق العباس عند موته سبعین مملوکا .

(مسند لئذ حاکم، حدیث (5402))

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عباس نے اپنی وفات کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا۔

اختتامی کلمات شرح ہدایہ جلد ہفتم

الحمد للہ! ہم آج بروز جمعرات ۷ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۸ جون ۲۰۱۲ء کو شرح ہدایہ کی ساتویں جلد کے اختتامی کلمات لکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزار ہیں کہ جس نے مجھ سے جیسے بندہ نہ کارہ کو یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ آج دنیائے عالم میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلام کی حقانیت لوگوں پر واضح کی جائے۔ کیونکہ اس دنیا میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے اس دنیا سے غلامی کا خاتمہ کیا ہے۔ اور دنیا سے غلامی کے خاتمے کا شرف صرف مذہب اسلام کو حاصل ہے۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب اپنانے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ اسلام کی صداقت کو سورج کی کرن سلام کرنے والی اور وقت کا ہر لمحہ خراج تحسین پیش کرنے والا ہے لہذا تمام باطل مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کو اپنا مذہب بنا لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو قارئین کیلئے اور دینی مدارس کے طلباء اور تمام مسلمانوں کیلئے نفع مند بنائے اور میرے لئے، میرے والدین واساتذہ کرام کیلئے اس کتاب کو بخشش کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ النبی المکریم ﷺ۔

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بھاوانگر

5



المعروف

جمال السنہ

تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی واحد منفرد شرح


 کتابخانه ملی
 جمهوری اسلامی ایران
 کتابخانه ملی
 جمهوری اسلامی ایران

الذوق والمزاج

ياض المسكين

مسند
الإمام الشافعي

معارف درود و سلام

المجلد الثاني

المهديّة
كتاب المحتاج
الشيخ محمد باقر المجلسي

تفسير جلالين
مشكوة المصابيح

شہر برادرز

نہید سنٹر ۴۴، انڈیا بازار لاہور

فون: 042-37246006